بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

اگست 2017

READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
PAK Society
ONE SITE ONE COMMUNITY
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Downloaded from Paksociety.com

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

بانی و مدیر اعلیٰ — محمود ریاض

مدیرہ — رضیہ جمیل

مدیر منتظم — آذر ریاض

مدیر اعزازی — امت الصبور

فلاٹیلی گوڈن — شاہین رشید

اشتہارات — خالدہ جیلانی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ شعاع

37 - اردو بازار کراچی

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ---- 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے

SOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

پہلی شعاع — رضیہ جمیل — 10
حمد — زاہد قاسمی — 11
نعت — زاہد قاسمی — 11
نبیؐ کی باتیں — ادارہ — 12

انٹرویو

یہ اوراق ہیں — سمیرا حمید — 17
مہ و سال آشنائی — ادارہ — 21
بندھن — مصطفیٰ قریشی — 28
دستک — شاہین رشید — 282
جب تجھے سناتا — ح۔الف — 32

ناول

شہرزاد — صائمہ اکرم — 36

مکمل ناول

یہی حقیقت ہے — آسیہ رزاقی — 154
پیاسی لگن کی رُت — ام طیفور — 100
سنہری دھوپ — سلویٰ سیف اللہ — 220

ناولٹ

خوشبو بھری ساعتیں — عالیہ بخاری — 78
خواہشوں کی مسافت — ثمرہ بخاری — 198

افسانے

دل کے رشتے — عطیہ خالد — 148
بارش کے پار — قرۃ العین خرم — 67
ستاروں کا آنگن — ماہ وش طالب — 93
ایک تھی ملکہ — شازیہ لطاف ہاشمی — 195
قسمت — قرۃ العین سکندر — 55
پسِ آئینہ — نیّر کاشف — 217

نظمیں غزلیں

غزل — قتیل شفائی — 262
غزل — شکیب جلالی — 261
نظم — ساحر لدھیانوی — 261
غزل — یاسمین کنول — 262

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	269
مُسکراہٹیں	ادارہ	263
آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	280
بالوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	266
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	265
تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	288
موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	286
خوبصورت بنیے	ادارہ	290

اگست 2017
جلد 31 شمارہ 12
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: [illegible]

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام ۲۰۱ ای ۶۷ پی ڈی ری سی ایچ ایس سوسائٹی کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

رکسیجہاں

پہلی شعاع

شعاع کا اگست کا شمارہ سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

32 واں سالگرہ نمبر۔

رب کریم کے حضور سربہ سجود ہیں۔ یہ اسی کا کرم اور احسان ہے کہ شعاع 32 سال کی مسافت کامیابی سے طے کر کے 33 ویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ دُنیا کی آبادی کا نصف حصہ جو شعور بھی رکھتا ہے اور آگہی بھی جس کے پاس ہنر بھی ہے اور بصیرت بھی۔ جو گھر بھی سنبھالتا ہے اور معاشی محاذ پر بھی نبرد آزما ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نسل انسانی کی پیدائش اور تربیت کی ذمہ داری بھی سنبھالے ہوئے ہے۔

اس کا حق ہے اس کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع بھی ملنا چاہیے۔ اس کی تفریح طبع کا ایسا اہتمام ہونا چاہیے جو اسے شعور و آگہی دینے کے ساتھ ساتھ فراغت کے لمحوں میں اسے ذہنی تفریح بھی مہیا کر سکے۔

یہی سوچ تھی جسے سامنے رکھ کر محمود ریاض صاحب نے خواتین ڈائجسٹ کا اجرا کیا۔ اس کے بعد کرن اور پھر شعاع کے اجرا کا بھی یہی مقصد تھا کہ خواتین کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا جائے جہاں وہ اپنے تخلیقی ہنر کو سامنے لا سکیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ شعاع نے یہ فریضہ بہ خوبی ادا کیا۔ بہت سی خواتین کی تخلیقی صلاحیتیں سامنے آئیں۔

شعاع کی کامیابی میں ہماری مصنفین کا بڑا حصہ ہے۔ ان کی مثبت سوچ نے قارئین کی رہنمائی کی۔ ہم تہہ دل سے ان کے ممنون ہیں۔

ہماری بہت سی مصنفین آج اس دُنیا میں نہیں ہیں، ہم ان کے لیے دُعا گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

ہم اپنی قارئین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے ہمیشہ ہماری حوصلہ افزائی کی۔ ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ شعاع کے مستقل سلسلے ان کی ذہانت کے آئینہ دار ہیں۔

اگست کا مہینہ برِصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ کا ایک روشن باب۔ 14 اگست 1947ء، وہ دن جب ہمیں آزادی کی نعمت نصیب ہوئی اور ایک علیحدہ وطن کا تحفہ ملا۔

قارئین کو جشن آزادی مُبارک۔

اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے وطن کو قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- یہی حقیقت ہے۔ آسیہ رزاقی کا مکمل ناول، ، پیا ملن کی رُت۔ ام طیفور کے ناول کا دوسرا اور آخری حصہ،
- سُنہری دھوپ۔ سلویٰ سیف اللہ بٹ کا مکمل ناول، ، عالیہ بخاری اور ثمرہ بخاری کے ناولٹ،
- قرۃ العین خرم ہاشمی، ماہ وش طالب، عطیہ خالد، شازیہ الطاف ہاشمی، قرۃ العین سکندر اور نیر کاشف کے افسانے،
- شہرزاد۔ صائمہ اکرم کا ناول، ، یہ جو ورق ہیں شعاع شعاع۔ سالگرہ نمبر کے لیے سمیرا حمید کا مضمون،
- مہ و سال آشنائی۔ سالگرہ نمبر کا خصوصی سروے، ، مصطفیٰ قریشی اور روبینہ قریشی کا بندھن،
- دستک۔ معروف شخصیات سے گفتگو،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

شعاع کے بارے میں آپ کی رائے جاننے کا ایک بڑا اور اہم ذریعہ آپ کے خطوط ہیں۔ ہمیں خط ضرور لکھیے گا۔

DOWN[redacted]ED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کعبہ میں آیا بن کے سوالی
رکھنا بھرم ہے تیری شان عالی

شانِ کرم تیری سب سے نرالی
کوئی نہ لوٹا تیرے در سے خالی

سارا زمانہ جھکتا ہے در پر
تیری ذات یکتا، تیری ذات عالی

کھڑے ہو گئے سب صفوں میں نمازی
جیسے ہی گونجی اذانِ بلالی

طوافِ حرم تو ازل سے ہے جاری
پھریں چار سُو ہی حرم میں سوالی

یہ بارانِ رحمت برستی ہے سب پر
معافی گناہوں کی ہر اک نے پالی

میسّر اب رحمت سے بوندیں ہوئیں
ہر اک بوند دامن پہ اپنے ہے ڈالی

آیا ہے زاہد پھیلائے دامن
بھرم اس کا رکھ لو جہانوں کے والی

زاہد قاسمی

مجھے در پہ اپنے بُلا لیا، یہ کرم نہیں تو کیا ہے
میرا سویا بھاگ جگا دیا، یہ کرم نہیں تو کیا ہے

میں بھٹک رہا تھا اِدھر اُدھر کبھی اس نگر کبھی اُس نگر
مجھے میرا رستہ دکھا دیا، یہ کرم نہیں تو کیا ہے

پوری دل کی ہو گئی آرزو، رہی اور کوئی نہ جستجو
مئے عشق مجھ کو پلا دیا، یہ کرم نہیں تو کیا ہے

یہ میرے نبیؐ کا ہے معجزہ، نہ نمازِ عصر ہوئی قضا
گیا شمس پھر سے لوٹا دیا، یہ کرم نہیں تو کیا ہے

یہی منکروں کی تھی استدعا، انہیں دیکھنا تھا یہ معجزہ
شق اس قمر کو بھی کر دیا، یہ کرم نہیں تو کیا ہے

کروں ناز زاہدِ بے نوا نہیں دیکھا ایسا کوئی جہاں
مجھے صرف طیبہ ہی بھا گیا، یہ کرم نہیں تو کیا ہے

زاہد قاسمی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ادارہ

پیارے نبی کی پیاری باتیں

مہربان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے۔ (آپ نے دیکھا کہ) ان میں سے ایک عورت (اپنے بچے کی تلاش میں) دوڑتی پھرتی ہے۔ جب قیدیوں میں وہ کوئی بچہ پاتی تو اسے پکڑ کر اپنے سینے سے چمٹا لیتی اور اسے دودھ پلانے لگتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟"

ہم نے کہا۔ "نہیں' اللہ کی قسم!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "یقیناً" اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے جتنی یہ عورت اپنے بچے پر ہے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل : 1۔ جن چیزوں کا عقل اور حواس کے ذریعے سے ادراک ممکن نہیں' انہیں سمجھانے اور انسانی فہم کے قریب کرنے کے لیے مثال دینی جائز ہے' جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی رحمت کی وسعت کو سمجھانے کے لیے' جس کو عقلاً سمجھنا ممکن نہیں ہے' اس عورت کی حالت کو بطور مثال پیش فرمایا۔

2۔ اس میں نقصان دہ چیزوں میں سے کم تر نقصان دہ چیز کو اختیار کرنے کا بھی جواز ہے کیونکہ اس عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو دودھ پلانے سے منع نہیں فرمایا' جب کہ یہ احتمال موجود تھا کہ بڑے ہو کر یہ آپس میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جائیں' اس لیے کہ یہ صرف احتمال ہی تھا' جب کہ عورت کے دودھ میں تخفیف' اس کی فوری ضرورت تھی اور اس کا فائدہ یقینی تھا۔

4۔ اس میں بندوں کا لفظ عام ہے جس میں مومن اور کافر دونوں شامل ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ اللہ کی رحمت دنیا میں عام ہے جس سے مومن و کافر دونوں ہی یکساں فیض یاب ہو رہے ہیں۔ لیکن آخرت میں یہ رحمت صرف اہل ایمان کے لیے خاص ہو گی اور کافر عذاب ہی سے دوچار ہوں گے کیونکہ عدل کا تقاضا یہی ہے۔

اللہ کی رحمت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس نے اپنی اس خاص کتاب میں' جو اس کے پاس عرش پر ہے' لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غصے پر غالب ہو گی۔"

اور ایک اور روایت میں ہے۔ "میرے غصے (غضب) پر غالب ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے۔ "میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ امام خطابی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد یا تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جو اس نے کیا ہوا ہے' یا پھر اس سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں اس نے سب کچھ لکھ رکھا ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور یہ کتاب بھی اس کے پاس ہے' اس کی حقیقت و کیفیت کو جاننے سے ہم

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

قاصر ہیں۔ تاہم ـــــــ اس کی کیفیت جانے بغیر اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

شفقت و رحمت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کیے' ان میں سے ننانوے اپنے پاس محفوظ رکھ لیے اور ایک حصہ زمین پر اتارا۔ اسی ایک حصے کی وجہ سے اللہ کی تمام مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے' یہاں تک کہ ایک جانور بھی اپنا کھر اپنے بچے سے ہٹالیتا ہے کہ کہیں اسے تکلیف نہ پہنچے۔"

ایک اور روایت میں ہے۔ "اللہ کے پاس سو رحمتیں ہیں۔ اس نے ان میں سے ایک رحمت جنوں' انسانوں' چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کے درمیان اتاری ہے۔ اسی ایک حصہ رحمت کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر نرمی کرتے اور رحم سے پیش آتے ہیں اور اس کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچے پر مہربانی کرتا ہے۔ اور اللہ نے ننانوے رحمتیں پیچھے رکھ چھوڑی ہیں جن کے ساتھ وہ قیامت والے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔" (بخاری و مسلم)

اور ایک روایت میں ہے۔ "بے شک اللہ تعالیٰ نے' جس روز آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا' سو رحمتیں پیدا کیں۔ ہر رحمت (اگر اس کا جسمانی وجود ہو تو اتنی ہے کہ) آسمان و زمین کے درمیان خلا کو پُر کردے' پھر ان میں سے ایک رحمت کو اس نے زمین میں رکھ دیا' اس کی وجہ سے ماں اپنے بچے پر اور وحشی جانور اور پرندے ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں۔ چنانچہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو اس (ننانوے) رحمت کے ساتھ ملا کر مکمل فرمائے گا (اور پھر اس کے ساتھ اپنے بندوں پر رحمت کرے گا)۔"

فوائد و مسائل:

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے پر رحم و شفقت کا معاملہ کرنا اللہ کو پسند بھی ہے اور اس کا فضل و کرم بھی' اس لیے اس نے رحمت کا یہ ایک حصہ دنیا میں نازل فرمایا ہے۔ اور جو شخص اتنا سنگ دل ہو کہ وہ رحم و شفقت کے جذبات ہی سے نا آشنا ہو تو یہ ایک نہایت ہی ناپسندیدہ چیز ہے۔ علاوہ ازیں اللہ کے فضل و کرم سے محرومی کی علامت بھی ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن سو رحمتوں کے ساتھ اپنے بندوں سے معاملہ فرمائے گا' اس میں یقیناً" بندوں کے لیے بڑی امید اور زبردست خوش خبری ہے لیکن جو اس بنیاد پر اس کی مخالفت کو اپنا شیوہ اور اس کی حدود کی پامالی کو اپنا وتیرہ بنالے' اس کے لیے اس کا غضب بھی اس روز نہایت شدید ہوگا' اس لیے ترک فرائض اور اعراض و استکبار کے ساتھ رحمت الٰہی کی امید' کڑوے پھل کی کاشت کر کے کسی میٹھے پھل کی پیداوار کی امید رکھنے کے مترادف ہے۔

گناہوں کی معافی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

"کوئی بندہ گناہ کر کے پھر کہے' اے اللہ میرا گناہ بخش دے تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔

میرے بندے نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ کی پاداش میں مواخذہ بھی کرتا ہے' پھر وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! میرا گناہ معاف فرمادے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اسے علم ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور گناہ کی وجہ سے گرفت بھی فرماتا ہے۔ پھر وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب میرا گناہ معاف فرمادے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے پھر گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو بخش بھی دیتا ہے اور اس کی وجہ سے گرفت بھی کرتا ہے۔ یقیناً" میں نے اپنے بندے کو بخش دیا' تو وہ جو چاہے کرے۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

(بخاری و مسلم)

"تو وہ جو چاہے کرے۔" کا مطلب ہے کہ جب تک وہ اس طرح کرے گا کہ گناہ کر کے توبہ کرتا رہے تو میں اسے بخشتا رہوں گا' اس لیے کہ توبہ اپنے ماقبل کے گناہ ختم کر دیتی ہے۔

فوائد و مسائل :

1۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک ایک بندہ مومن کا دل احکام و فرائض الٰہی کے بارے میں اعراض اور استکبار سے پاک ہے' لیکن اس سے بار بار گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے اور وہ ہر دفعہ گناہ کے بعد بارگاہ الٰہی میں گڑگڑاتا اور استغفار کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرماتا رہتا ہے کیونکہ وہ توبہ و استغفار کر کے اصرار سے گریز کر رہا ہے اور مواخذہ الٰہی سے لرز رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی عظمت و جلالت سے اس کا دل لبریز ہے اور اس کے سامنے اظہار بندگی میں اسے کوئی عار نہیں ہے' اور بندے کی یہ خوبی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند فرماتا ہے' اس لیے وہ فرماتا ہے کہ بندہ جب تک عاجزی سے میرے سامنے جھکتا رہے گا میں اسے معاف کرتا رہوں گا۔

2۔ اس کے برعکس ایک بندہ وہ ہے جو بار بار گناہ کا ارتکاب کرتا ہے' پھر نہ توبہ و استغفار کرتا ہے اور نہ اللہ کے مواخذے کا کوئی اندیشہ اس کے دل میں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شخص مذکورہ بندہ مومن سے یکسر مختلف ہے' اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس سے مختلف ہو گا۔ پہلا کردار ایک بندہ مومن کا ہے جس پر اللہ تعالیٰ گناہ کے باوجود' اپنی خوشی کا اظہار فرماتا ہے اور دوسرا کردار ایک باغی اور سرکش کا ہے جس کے لیے اس نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

استغفار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر کے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو گناہ کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگیں گے اور وہ انہیں معاف فرما دے گا۔" (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ غلطی اور گناہ ہو جانا انسان کی فطری کمزوری ہے لیکن غلطی کو تسلیم کرنے کے بجائے اس پر اصرار کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

2۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ گناہ کر کے گناہ پر اصرار کرنے کے بجائے توبہ و استغفار کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے حتیٰ کہ اگر ایسے لوگ ناپید ہو جائیں کہ جن سے نہ گناہ کا صدور ہو اور نہ وہ توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرما دے گا جو اس طرح کریں گے۔

اس کا یہ مطلب قطعاً" نہیں ہے کہ وہ گناہوں کو پسند فرماتا ہے اور گناہ گار اس کے محبوب ہیں' بلکہ وہ توبہ و انابت کو پسند فرماتا ہے اور ایسے ہی لوگ اسے محبوب ہیں اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

3۔ توبہ کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ اس سے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

توبہ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرماتا جو گناہ کرتی اور استغفار کرتی' لہٰذا وہ انہیں بخش دیتا۔" (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے قول کی تلاوت فرمائی جو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

"اے میرے رب! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا' پھر جس نے میری پیروی کی' وہ مجھ سے ہے۔" اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول۔

"اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو یقیناً" غالب' حکمت والا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ (دعا کے لیے) اٹھائے اور فرمایا۔

"اے اللہ! میری امت! میری امت!" اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا۔ "اے جبریل! محمد کے پاس جا' اور تیرا رب خوب جانتا ہے' اور ان سے پوچھ' وہ کیوں روتے ہیں؟"

چنانچہ جبریل آپ کے پاس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ بتلایا جو آپ نے (اپنی امت کے بارے میں) فرمایا تھا' حالانکہ اللہ اسے خوب جانتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے جبریل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف (پھر) جا اور ان سے کہہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں خوش کر دیں گے' آپ کو غمگین نہیں کریں گے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ اس میں ایک تو اس شفقت و رحمت کا بیان ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنی امت کے لوگوں کے لیے تھی اور جس کا کامل اظہار قیامت والے دن ہو گا۔ دوسرا' اللہ کی اس محبت کا تذکرہ ہے جو اللہ کو اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ان دونوں باتوں کا فائدہ امت محمدیہ کے اہل ایمان کو ہو گا کہ قیامت والے دن وہ اس کی وجہ سے اللہ کی رحمت و مغفرت سے شاد کام ہوں گے۔

2۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں' انہیں امت کا اسی طرح درد اور احساس ہونا چاہیے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔

اللہ کا حق

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں گدھے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا' آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔

"اے معاذ! کیا تم جانتے ہو اللہ کا حق اس کے بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟"

میں نے کہا: "اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بے شک بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ (صرف) اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور اللہ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ وہ اس کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔"

میں نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں لوگوں کو خوش خبری نہ دوں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "انہیں خوش خبری مت دو' وہ پھر اسی (ایمان) پر بھروسا کر لیں گے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ :

مطلب یہ ہے کہ عام لوگ' جو بات کو اس کے سیاق و سباق کے مطابق سمجھنے سے بالعموم قاصر ہوتے ہیں' وہ یہی سمجھ لیں گے کہ نجات کے لیے توحید و رسالت کا زبانی اقرار کر لینا ہی کافی ہے' ان کے عملی تقاضوں کو بروئے کار لانا ضروری نہیں اور پھر وہ اسی پر اعتماد کر کے عمل سے غافل ہو جائیں گے۔ حالانکہ اقرار باللسان سے ایک مومن کو یہ تحفظ تو یقیناً" حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا' بالآخر وہ جنت میں چلا جائے گا لیکن عام لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ مومن چاہے کتنا بھی بے عمل یا بد عمل ہو' سرے سے جہنم میں جائے گا ہی نہیں اور پہلے مرحلے میں وہ مومنین کاملین کی طرح جنت میں چلا جائے گا جب کہ دیگر دلائل شرعیہ کی رو سے ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

قبر میں سوال

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور یہی مطلب اللہ کے اس قول کا بھی ہے۔

"اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی رکھے گا۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے فرمان یثبت اللہ الذین امنو۔۔۔ الایتہ (ابراہیم 27:14) کی تفسیر ہے۔

2۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ اس میں کلمہ اسلام کے دونوں جز اکٹھے بیان ہوئے ہیں' یعنی لا الہ الا اللہ اور محمد الرسول اللہ۔

بہرحال قبر میں سوال جواب حق ہے اور مومن اللہ کی توفیق سے صحیح جواب اور توحید و رسالت کی گواہی دے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو دفنانے کے بعد اس کی قبر پر اس کی ثابت قدمی کے لیے دعا کی اسی لیے تاکید کی ہے۔

نیکی کا صلہ

ایک اور روایت میں ہے۔

"اللہ تعالیٰ کسی مومن پر اس کی نیکی کے معاملے میں ظلم نہیں کرتا' اسے اس کی نیکی کا صلہ دنیا ہی میں دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اسے بدلہ دیا جائے گا۔ لیکن کافر کو اس کی ان اچھائیوں کا صلہ' جو وہ اللہ کے لیے کرتا ہے' دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیک عمل ایسا نہیں ہوگا جس پر اسے بدلہ دیا جائے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ کافر بھی دنیا میں بہت سے ایسے عمل کرتے ہیں جن کا تعلق رفاہ عامہ سے یا بھلائیوں سے ہوتا ہے' تو اللہ تعالیٰ ان حسنات کا صلہ انہیں دنیا کے مال و اسباب کی صورت میں یا ان سے کوئی ابتلا ٹال کر دے دیتا ہے کیونکہ اخروی اجر و ثواب کے لیے تو ایمان ضروری ہے اور کافر ایمان سے محروم ہوتا ہے' اس لیے وہ آخرت کے ثواب سے بھی محروم رہے گا۔

2۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور عقیدہ ہر عمل کی بنیاد اور عنداللہ قبولیت کے لیے شرط اور مدار ہے۔

پانچ نمازیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"پانچ نمازوں کی مثال اس لبالب جاری نہر کی طرح ہے جو تم میں سے کسی کے دروازے پر ہو' وہ اس سے روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ اس میں پابندی سے نماز پنجگانہ پڑھنے کے فوائد کا بیان ہے کہ جس طرح روزانہ پانچ مرتبہ نہانے والے کا جسم میل کچیل سے پاک صاف رہتا ہے اسی طرح نمازی کے بھی صغیرہ گناہ' نماز سے معاف ہو جاتے ہیں اور کبیرہ گناہ سے توبہ کرلے تو وہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

2۔ اول تو فرائض' یعنی نماز وغیرہ کا پابند کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا اور اگر کبھی ارتکاب ہو جائے تو اس پر اصرار اور دوام نہیں کرتا' بلکہ فوراً توبہ و استغفار کر لیتا ہے اور اس کے صغیرہ گناہ نماز سے معاف ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

یہ جو اوراق ہیں شعاع شعاع

سمیرا حمید

"تم مجھے اچھی مائیں دو' میں تمہیں اچھی قوم دوں گا۔"

نپولین "ایک اچھی ماں" کے بعد اگر اگلا مطالبہ کرتا تو شاید۔ ایک اچھے استاد کا' ایک ذہین' ایک دانا' ایک دور اندیش شخصیت کا۔۔۔ شاید محمود ریاض کا۔

ادارے عماکہ پہ چلتے ہیں۔ ان کی بنیاد میں فلاح کے بیج ڈالے جاتے ہیں۔ یہ محنت اور حقیقی لگن سے پنپتے ہیں۔ زیادہ جنون' بہت زیادہ روشن خیالی اور بے انتہا دانائی سے۔ قلم' کتاب' تفکر' قوم کی فلاح کے معتبر ذرائع ہیں۔ یہ رسالوں میں کہانی کے ذریعے ہوں یا نصاب کے ذریعے' محترم ہوتے ہیں۔ ایسا تو ہو سکتا ہے کہ کتابیں' کہانیاں' افکار' پڑھے بغیر کوئی بھی قوم اپنی حالت سدھار لے' لیکن ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کتابوں' کہانیوں میں دی جانے والی سوچ' دانائی' خیال' فکر' کسی بھی قوم کی سوچ کا انداز نہ بدلے۔ معاشرے میں تبدیلی نہ لائے۔ جاہلیت کو روشن خیالی میں نہ بدلے۔

"اس رسالے کے ذریعے تم خواتین کو سلائی' کڑھائی' امور خانہ داری سکھانا چاہتے ہو؟"

"کیا خواتین صرف اسی کام کے لیے بنی ہیں؟ علم و ادب پر ان کا کوئی حق نہیں؟"

"ایک عام سے ڈائجسٹ میں تم انہیں کیا ادب دو گے محمود؟"

"کچھ ادب' کچھ تخلیق کرنے کا موقع کچھ سوچ' بہت زیادہ شعور۔۔۔"

"یہ دیوانے کا خواب ہے۔"

"میں دیوانہ ہوں۔"

"تمہیں بھاری نقصان ہو گا۔"

"میں تیار ہوں۔"

"جس عورت کو اتنی اجازت نہیں کہ اپنی مرضی سے گھر میں گوشت کا سالن بنا لے' اس گھر گرہستن کو تم یہ رسالہ بیچنا چاہتے ہو۔ جن سے پائی پائی کا حساب لیا جاتا ہے' وہ پائی پائی جوڑ کر یہ خریدیں گی؟"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔"

"بعد کا نقصان' پہلے حساب کتاب لگا کر بچا لو۔ تم ایک ایسا رسالہ نکالنا چاہتے ہو جو کتاب کے سائز کا ہو' اور بک شیلف میں آ سکے۔ ہماری دیسی مارکیٹ ایسے رسالے کی شکل سے انجان ہے۔ وہ اسے عجوبہ تو سمجھے گی' لیکن اس عجوبے کو کسی خاطر میں نہیں لائے گی۔"

"ہر نیا کام عجوبہ ہی ہوتا ہے۔"

"تم اس رسالے میں دس بیس مختلف طرح کی کہانیاں دینے جا رہے ہو۔ کون لکھے گا یہ بیس کہانیاں؟ جہاں پڑھنے کی آزادی نہیں وہاں لکھنے کی کیسے ہو گی؟ بھائی یہ مغرب نہیں ہے جہاں عورتیں گھروں سے باہر نکلیں گی' بک اسٹال یا شاپ تک جائیں گی اور اپنی پسند سے کچھ بھی خرید لیں گی۔"

وہ خاموش رہے۔

اپنا کام کرتے رہے اور ایک کتاب کے سائز کا رسالہ تیار کر لیا۔ بیس کہانیاں تھیں' بیس لکھنے والیاں نہیں تھیں۔ کچھ نئی لکھنے والیاں تلاش کیں۔ کچھ پرانی لکھنے والیوں سے لکھوایا۔ کچھ کو لکھنے کی ترغیب دی' کچھ وسائل فراہم کیے۔

ڈائجسٹ تیار ہو گیا۔

پہلا شمارہ۔۔۔ پہلا معرکہ۔۔۔

"فیصلے تک پہنچنا سفر کا پہلا قدم ہے۔ جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو دراصل طوفانی لہروں میں چھلانگ لگاتا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ہے جو اسے ایسی جگہوں تک بہالے جاتی ہیں جہاں سے اس کا گزر اس سے پہلے کبھی نہیں ہوتا۔" (پاؤلو کوئیلو)

سراہا گیا' پذیرائی ملی' خطوط کے ذریعے' فون کے ذریعے مختلف طبقات کے لوگوں کی آرا سامنے آئیں۔

"میرے شوہر نے مجھے رسالہ لاکر دیا کہنے لگے ایک دکان پر دیکھا "خواتین" لکھا تھا' سوچا عورتوں کے کام کا لگتا ہے' بیگم کے لیے لے چلتا ہوں۔ میں نے پڑھا' مجھے تو بہت مزا آیا۔ اپنی سہیلیوں کو بھی دیا اور بہنوں کو بھی۔ پھر سب نے مل بیٹھ کر ایک ایک کہانی پر تبصرہ کیا۔ کہانیاں سب ہی بہت اچھی تھیں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ رسالہ مجھے ہر مہینے پڑھنے کے لیے ملے گا۔"

"میری چچیری بہن آمنہ انڈیا میں رہتی ہیں۔ اس سال پاکستان آئیں تو میرے گھر میں رسالے دیکھ لیے۔ جاتے ہوئے اپنے واٹر کولر میں بھر کر لے گئیں۔ وہاں پہنچ کر یہ خط لکھا ہے۔"

"باڈر پار ہوا تو میری سانس بحال ہوئی کہ شکر خدایا! رسالے بھی پار ہوگئے۔ دل ہر نبض میں دھڑک رہا تھا۔ بہن سعیدہ' اب تو اس کے بغیر رہا نہیں جاتا۔ آس پڑوس والوں کو بھی لت لگ چکی ہے۔ کچھ بھی کرکے مجھے تو یہاں بھجوا دیا کرو۔ ہمیں تو یوں لگتا ہے جیسے اب کہیں جاکر سانس آنے لگا ہے۔"

جب کوئی امیر ہونا چاہتا ہے تو وہ تجارت کرتا ہے' کاروبار کرتا ہے' جب کوئی عظیم ہونا چاہتا ہے تو وہ اپنی "قوم" کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔

"یہ آٹے' نمک' مرچ کی کہانیاں کس بھاؤ کی ہیں' ادبی حلقے تو بہت ناک بھوں چڑھا رہے ہیں۔"

"وہ ادبی حلقے جو "عورت" کو ادیبہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔ جس نے ہر عورت مصنفہ پر کسی مرد مصنف کی نقل یا پیروی کرنے کا الزام لگایا ہے۔ ہر شاعرہ کے اشعار کو زبان زدعام ہونے سے جی جان سے روکا ہے۔ منٹو کو جیسے تیسے سر آنکھوں پر بٹھالیا ہے' لیکن جس رسالے میں "عصمت چغتائی" موجود ہو تی ہیں' اسے گھر سے ہی نکال دیا جاتا ہے۔ تم کیا چاہتے ہو کہ عورت "سودائی" بھی لکھے پھر بھی اسے ادب کی لکیر کے اس پار ہی رکھا جائے۔ عورت "آگ کا دریا" بھی پار کرلے پھر بھی ٹالسٹائی کے درجے پر نہ پہنچے۔"

"تو تم نے عورتوں کو ادیب بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے؟ جو آنکھ کھڑکی کی دہلیز سے باہر نہیں نکلی' جو شعور زنگ آلود ہے' اس سے تم کیا توقع رکھتے ہو؟ ٹھیک ہے' تمہارا رسالہ ہاتھوں ہاتھ بک رہا ہے' لیکن تمہیں لگتا ہے یہ زیادہ دیر تک چلے گا۔ وی سی آر کے آتے ہی سنیما ہالوں میں الو بولنے لگے ہیں۔ ٹی وی کے آتے ہی ریڈیو بند ہوگئے۔ ایک دو سال کی بات ہے' کچھ اور آگیا تو یہ بھی۔۔۔"

"میں مستقبل کے اندھیرے سے خائف ہوکر' آج اپنا چراغ پھونک مار کر نہیں بجھا سکتا۔ میرا کام "آج" کا ہے۔ چراغ میں تیل ڈالتے رہنا اور اس کی لو کو روشن رکھنا آنے والوں کا کام ہوگا۔"

شہروں سے نکل کر یہ ڈائجسٹ دیہاتوں' قصبوں اور چھوٹے شہروں تک پہنچ گیا۔ کم پڑھی لکھی خواتین نے اسے پوری آنکھ سے پڑھا' ادھورے شعور سے سمجھا۔ جہاں لالٹینیں اور چراغ جلتے تھے' وہاں الفاظ روشنی دینے لگے۔

"سلام! میں فیصل آباد اپنی نند کے گھر گئی تو وہاں آپ کا یہ رسالہ پڑا ہوا ملا۔ جب اسے کھولا تو پہلی ہی کہانی میری نکلی۔ میں تو بڑا حیران ہوئی سچی۔ باجی جی! میں بھی پانچ جماعت پڑھی ہوں اور گاؤں میں رہتی ہوں۔ چھوٹی سی تھی جب خسرہ نکلی تھی۔ پڑا دم درود کروایا' لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ اب لنگڑا کر چلتی ہوں۔ کاش میری ماں کو بھی پتا چل جاتا کہ دم درود کے ساتھ ساتھ علاج بھی کروانا تھا۔"

"آپ خوش ہیں کہ آپ ہر عورت کی نمائندگی کرتی کہانی چھاپ رہے ہیں؟"

"میں مطمئن ہوں کہ کہانیوں میں ہر عورت کو اپنا عکس نظر آرہا ہے۔ وہ دیکھ رہی ہے کہ کہاں وہ غلط ہے اور کہاں دوسرے۔ کہاں کہاں انہیں ٹھیک ہونا ہے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اور کہاں انہیں ٹھیک کرنا ہے۔ یہ دیکھو ایک لڑکی کا ٹوٹی پھوٹی اردو میں لکھا ہوا خط آیا ہے۔ وہ اپنے شوہر سے طلاق لینے والی تھی، لیکن مارچ کے شمارے کی کہانی پڑھ کر اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ اس نے لکھا ہے کہ "میں سمجھ گئی ہوں کہ اگر مجھے اپنا گھر بسانا ہے تو مجھے اپنی زبان کی کاٹ کو کند کرنا ہوگا۔ اپنے شوہر کی کمائی کو، اپنے، بہن بھائیوں پر لٹانے سے باز رہنا ہوگا۔ صبر، شکر، برداشت، صلح جوئی اور شوہر کی عزت کی پاس داری کا تنکا تنکا جوڑ کر گھر بنانا ہوگا۔"

سوچ میں تبدیلی لانا مشکل اور بڑا سست روی کا کام ہے، لیکن اگر رائی کے دانے کے برابر بھی فرق آجائے تو کافی ہے۔"

خطوط کے پلندے میں اب کہانیوں کے پلندے کا اضافہ بھی ہونے لگا تھا۔ کہیں ٹوٹی پھوٹی اردو، کہیں غیر واضح خیالات، کچھ منتشر کہانیاں، کچھ اعلا پائے کے فن پارے، کچھ ادب میں نئی طرز کے خالق، کچھ کہانیوں میں نئے انداز کے قلم کار۔

"لیکن یہ کہانی تو بالکل ہی بے کار ہے۔ مرکزی خیال تو اچھا ہے، لیکن لکھنے کا انداز بہت ناپختہ ہے۔"

"کہانی بے کار ہوگی، لیکن لکھنے والے کی کوشش نہیں۔ یہ کہانی ایک دور دراز کے گاؤں سے آئی ہے۔ اس بہن نے کیسے قلم، سیاہی، کاغذ کا انتظام کیا ہوگا، پھر وہاں تو بجلی بھی نہیں ہوتی۔ گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر، رات کے اندھیرے میں، شاید چھپ کر، چراغ کی لو میں کہانی لکھی ہوگی۔ کتنے جتنوں سے ہمیں پوسٹ کروائی ہوگی۔ اگر تھوڑی بہت کانٹ چھانٹ سے یہ کہانی کسی لائق ہو سکتی ہے تو میں وہ کانٹ چھانٹ کروں گی۔"

"اس طرح تو سب ایسی ہی کہانیاں لکھ لکھ کر ہمیں بھیجنے لگیں گے۔ ہم سب کی کانٹ چھانٹ کرتے رہیں گے۔"

"ہمیں ایسا کرنا ہی ہوگا۔ تراشنے کا کام بہرحال جوہری کا ہی ہوتا ہے۔ پہلے قلم سے، پہلی کوشش سے کوئی بھی شاہکار تو لکھنے سے رہا۔ ان سب بہنوں نے ادب کے نام پر پڑھا ہی کیا ہے جو لکھنے میں انہیں مدد ملے۔ لکھنے میں بھی ہمیں ان کی تربیت کرنی ہے۔ جب یہ اپنی کہانی کی کانٹ چھانٹ دیکھیں گی تو سمجھ جائیں گی کہ اگلی بار انہیں کیسے کہانی لکھنی ہے۔ کہاں کہاں اپنی اصلاح کرنی ہے۔ امید پہلے ہم نے انہیں دینی ہے، یقین یہ خود حاصل کرلیں گی۔"

"یہ کوئی تربیتی ادارہ تو نہیں۔"

"جب ادارہ بنالیا ہے تو تربیت دینے میں کیا حرج ہے۔ ملک میں خواتین رائٹرز بنیں گی۔ کچھ مسائل لکھیں گی، کچھ مسائل کا حل دیں گی۔ احساسات و جذبات کی جو نمائندگی ایک عورت کا قلم کر سکتا ہے، وہ مرد کا نہیں کر سکتا۔ مجھے انہیں یہ آزادی دینے دو۔"

"میرا نام عبدالشکور ہے اور میں ایک پرائیویٹ محکمہ میں ملازم تھا۔ شادی کے وقت میری بیوی نے مجھ سے ایک ہی اجازت لی تھی کہ میں اسے رسالے پڑھنے کی اجازت دوں گا۔ میری ماں کو یہ رسالے وغیرہ

DOWNLOADED 2017 FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

پسند نہیں تھے' لیکن کچھ کہہ سن کر میں نے اپنی بیوی کو یہ اجازت دلوا دی تھی۔ تین سال پہلے میرا ایکسیڈنٹ ہوا تو میں بستر پر آپڑا' نوکری بھی گئی اور گھر میں مسائل کا انبار لگ گیا۔ بیوی نے سلائی کڑھائی شروع کردی۔ ہمارے خاندان والوں نے بہت برا مانا۔ برا تو مجھے بھی لگا' لیکن بیوی نے بس ایک بات کی۔

"عورت کی کمائی حرام ہوتی تو حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تجارت کیوں کرتیں؟" اس کے منہ سے اتنی بڑی بات سن کر میں تو دنگ رہ گیا۔ پھر وہ اندر گئی اور یہ رسالہ اٹھا لائی اور میرے آگے کھول کر رکھا۔ "یہ دیکھو' اس میں لکھا ہے عورت کب کب اور کیسے کیسے کما سکتی ہے۔ جو اسلام کے احکامات کے عین مطابق ہے۔" میں لاجواب ہوگیا۔

اب خاندان میں جو جو مجھ سے بیوی کی کمائی کا شکوہ کرتا میں اسے بھی یہی سب کہتا۔ میں نے تو یہی جانا ہے ایڈیٹر صاحبہ کہ انسان جتنا نقصان اپنی جہالت سے اٹھاتا ہے وہ اور کسی کام سے نہیں اٹھاتا۔"

انسان جتنا فائدہ جہالت کو دور کرکے انسانیت کو دے سکتا ہے' اس سے بڑا فائدہ نہیں دیا جاسکتا۔

ڈائجسٹ خواتین ہو' شعاع یا کرن' یہ تینوں رسالے ایک ہی کام کررہے ہیں۔ رشتوں کی مضبوطی' کردار کی تعمیر' فلاح انسانیت اور یہ الفاظ دوا سے کم اثر تو نہیں رکھتے۔ ان میں ڈھکا چھپا کوئی ایک سبق تو نہیں۔ یہ ڈائجسٹ صرف کہانیوں کا انبار ہی نہیں۔ کہانیاں صرف تخیلاتی' بے معنی' نقلی دنیا کا جال ہی نہیں۔ یہ اپنے اندر اصلاح کا ایک جہاں سموئے ہوئے ہیں۔ یہ ڈائجسٹ روشنی کی شعاع سے کم تو نہیں۔

فن میں فریب نہیں چلتا۔ فلاح میں دھوکا؟ یہ سب جو تین سے چار ہوتے عشروں میں ان ڈائجسٹوں کے لیے اپنے خون کو سیاہ کررہے ہیں وہ ان مصلحین سے کم نہیں' جو سوچ بدلتے ہیں' شعور دیتے ہیں۔ ادب سے' ادب کے لیے' ادب کو لے کر' جو کررہے ہیں' وہ قوم کی تعمیر سے کم تو نہیں۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹا دو
نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں
میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

اُجالوں کی بستی
فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

ایک میں اور ایک تم
تنزیلہ ریاض
قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

زندگی میں بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ کچھ یاد رہ جاتے ہیں۔ کچھ ساتھ رہ جاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر انسان سے بالمشافہ ملاقات ہوئی ہو۔ کچھ ملاقاتیں قلم و قرطاس کی مرہون منت ہوتی ہیں اور عموماً یہی ملاقاتیں دوام پذیر رکھتی ہیں۔

آج سے بتیس سال پہلے شعاع نے جو سفر شروع کیا تھا۔ اس میں اس نے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم سفر پایا۔ اسی خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم نے اپنے قارئین سے جاننا چاہا کہ وہ کب شعاع کے ساتھی بنے۔ شعاع سے پہلا تعارف کب ہوا؟ کوئی دلچسپ واقعہ اس تعلق کی بنیاد بنا یا یوں ہی چلتے چلتے آشنائی ہوئی۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں ہمارے قارئین نے کیسے گل بکھیرے ہیں۔

مہ و سالِ آشنائی

ادارہ

شازیہ الطاف.... شجاع آباد

شعاع کو کب سے پڑھ رہی ہوں؟ یہ تو مجھے یاد نہیں، مگر جب سے پڑھنا سیکھا ہے۔ اس کی تحریروں نے مجھے اپنے سحر میں گرفتار کرلیا۔ پھر ہیروئن سگھڑ اور گھردار قسم کی۔ یہی اس کی تربیت کا ایک انداز جو بے حد متاثر کرتا ہے اور لڑکیوں کو گھر کی طرف راغب کرتا ہے۔ انہیں زمانے کی اونچ نیچ سمجھاتا ہے۔

پہلے پہل تو (شادی سے پہلے) گھر میں کونوں کھدروں میں چھپ کے پڑھا کیونکہ والد صاحب رسائل پڑھنے سے منع کرتے تھے، مگر جناب جب ہوئی ہماری شادی تو ہم نے علی الاعلان پڑھنا شروع کیا اور میاں صاحب خود رسائل لاکر دیتے ہیں۔ ہمیں مہینے کے آخیر کا شدت سے انتظار رہتا ہے کہ خواتین اور شعاع ملیں گے۔ مابدولت خود بھی بازار جاکر رسائل خرید کر لاتے ہیں نئے بھی اور پرانے بھی۔ شاید ہی کوئی رسالہ ہماری نظر سے رہ گیا ہو۔ میرے پاس رسائل کا انبار موجود ہے جو ہماری شعاع اور خواتین سے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ میٹرک کیا ہم نے 2007 میں اور شادی ہوگئی اب ماشاء اللہ دو پیاری پیاری بچیوں آمنہ الطاف اور فاطمہ الطاف کی والدہ محترمہ ہیں۔ آمنہ الطاف ڈیڑھ سال کی اور فاطمہ چار سال کی ہیں دونوں شرارتی بچیوں کی موجودگی میں رسائل پڑھنا مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ مگر ہم نے شعاع اور خواتین سے اپنا ناتا ٹوٹنے نہیں دیا۔ اسے برقرار رکھا ہوا ہے۔

کنزہ مریم

1 - شعاع سے وابستگی بلکہ سب ہی ڈائجسٹوں (شعاع، کرن، خواتین) کو 6 سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ شروع ہوئی گرمیوں کے بے زار سے دن تھے۔ میں میٹرک کے امتحانات سے فارغ ہوئی تو کزن (ثانیہ فضل) اور دوست تہمینہ سے ان کی لت لگی اور ایسا ساتھ شروع ہوا کہ پھر چھوٹا نہیں گو کہ کچھ عرصہ باقاعدگی سے نہیں پڑھ پائی لیکن مستقل ہم نے منہ نہیں موڑا (یہ ہوتی ہے محبت)

اف ظالمو! ہائے کیا بتاؤں میری ٹانگ پہ جلن ہونے لگ گئی۔ جی ہاں! ابھی میرے اور شعاع کے ساتھ کو سات آٹھ ماہ ہی گزرے تھے چھٹیاں بھگتا کر فرسٹ ایئر میں داخلہ بھی لے لیا تھا۔ اس دن بھی اسکول سے واپس آئی تو ڈائجسٹ میرا منتظر تھا۔ کھانا بھی جلدی جلدی کھایا اور چینج کرکے رسالہ لے کر بیٹھ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

گئی۔ میری ڈیوٹی تھی شام کی چائے بنانے کی۔ رسالہ ہاتھ میں تھا۔ چھوڑ کر کام کرنے کو دل نہیں کر رہا تھا اور سچی بات ہے کہ چائے بنانے سے مجھے اول روز سے ہی شدید چڑ ہے۔ خیر سسٹر کے پاس لڑکیاں ٹیوشن پڑھنے آتی تھیں۔ اللہ خوش رکھے۔ میں نے صاعقہ سے کہا۔ "یار پلیز چائے بنادو۔" وہ اچھی بچی فوراً" ہی بنانے اٹھ گئی۔

میری عادت کہ میں کرسی کے اوپر دونوں پاؤں کر کے بیٹھتی ہوں دو کرسیاں ساتھ ساتھ پڑی تھیں صاعقہ چائے بنا کر لائی اور لا کر کرسی کے ہتھوں پر ٹرے رکھ دی۔ ٹرے میں پورے پانچ کپ تھے۔ ساتھ والی کرسی پہ امی بیٹھی تھیں۔ مجھے معلوم تو تھا کہ ادھر چائے کی ٹرے رکھی ہے لیکن کہانی سے دھیان ہٹانے کو دل نہ چاہا تو ایک ٹانگ نیچے لٹکائے بیٹھی تھی۔ عادتاً" وہ بھی اوپر کرنے لگی تھی کہ گھٹنا ٹرے کو لگا وہ امی پہ الٹنے لگی تھی میں نے فوراً" اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی اور ہاتھ ایسا زور کا لگا کہ ٹکنے کے بجائے پورے پانچ کے پانچ کپ میرے اوپر۔ آدھی ٹانگ جل گئی اف! اوپر سے گرمی ہائے! ہائے فوراً" واش روم کو بھاگی۔ جلی ٹانگ پہ پانی ڈالنے سے وقتی سکون ملا۔ بعد میں آبلے بن گئے۔ ہائے کیا بتائیں کتنی مشکل ہوئی اوپر سے بھائی (طیب عثمان) کی شادی کی تیاری بھی اف!.....

ساریہ چوہدری....ڈوگہ گجرات

1۔ شعاع سے ہمارا تعلق اتنا ہی پرانا ہے جتنا 18 اکتوبر 2005ء کا زلزلہ' نہیں نہیں بلکہ اس سے بھی پرانا 2003ء سے ہے۔ سب سے پہلے میرے تایا ابو کی بیٹی زرقا بتول پڑھتی تھیں۔ وہ پڑھتی تھیں 1990ء سے۔ جب میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کے بعد میری بڑی بہن شبیع بتول پڑھتی تھیں۔ آپی زرقا کی شادی ہوئی۔ وہ اٹلی جابسیں پھر آپی شبیع کی ہوئی وہ انگلینڈ جابسیں۔ ان کے جانے کے بعد یہ سیٹ ہم نے سنبھال لی اور ہم شعاع' کرن' خواتین باقاعدگی سے پڑھنے لگے' شبیع آپی تو اب بھی اپنے شہر سے ہر ماہ مانچسٹر جاتی ہیں صرف شعاع' کرن اور خواتین لینے۔

اور یہاں ہمارے گھر میں' میں بھی پڑھتی ہوں میری چھوٹی بہن ربیعہ بھی پڑھتی ہے۔ میری بھابھیاں آپی سعدیہ' بشریٰ بھی پڑھتی ہیں ربیعہ اور بشریٰ تو اتنا نہیں مگر میں اور آپی سعدیہ تو جب تک ختم نہ کرلیں چین نہیں آتا۔ ہم جب میٹرک میں تھے تو ڈر ڈر کر پڑھتے تھے۔ اکثر بکس میں رکھ کر پڑھتے تھے کہ سب سمجھتے سبق پڑھ رہی ہے۔ اکثر اسکول لے جاتے اور بریک میں پڑھتے اور سب سے سیٹ طریقہ تھا کہ ہم ڈائجسٹ کو کور کر دیتے تھے نیوز پیپر سے ایک تو کسی کو پتا نہیں چلتا تھا کہ ہم پڑھ کیا رہے ہیں اور سیکنڈ ہمیں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

چھٹی چیزیں یا پھٹے رسالے پسند نہیں۔ میں بہت سنبھال کر رکھتی ہوں اوپر پلاسٹک شیٹ چڑھا دیتی ہوں نظر بھی آئے اور پھٹے بھی نہ۔

اکثر لڑکیاں ہم سے ڈائجسٹ مانگنے آتی ہیں۔ پہلے ہم دے دیتے تھے مگر واپس نہیں ملتے تھے اگر ملتے تو بیچارے شہید اور ضعیف ہوتے۔ جیسے صدیوں پرانے ہوں جبکہ ہمارے پاس تو 2000 اور 1998 کے بھی ڈائجسٹ ایسے رکھے ہیں جیسے آج کے ہوں۔ اب کوئی مانگے تو پہلے ہم گارنٹی لیتے ہیں کہ ان کا ایک کونا بھی دوہرا نہیں کرنا۔ اوپر اک قطرہ بھی آئل یا چائے یا پانی کا نہ گرے۔ ورنہ بدلے میں ہم وہی حال کریں گے جو ڈائجسٹ کا ہوگا۔

خدیجہ بانو..... جلال پور۔ گجرات

1 ۔ماشاءاللہ ہم پانچ بہنیں اور ہمارا ایک بھائی ہے۔

جو کہ شعاع پڑھنے میں ہمارے ساتھ ساتھ ہے امی کو بھی مطالعے کا شوق ہے۔ مجھے شعاع سے

ـــــــ جڑے ہوئے سولہ سال سے زیادہ عرصہ ہونے والا ہے۔ اور ان شاءاللہ یہ خوب صورت رشتہ جاری رہے گا۔

سب سے پہلے شعاع کو اپنی نانو کے گھر دیکھا اور بہت خوش ہوئی کہ پورا بیٹھ کر پڑھوں گی۔ جبکہ وہ (شعاع) وہاں جلنے کے لیے تیار تھا بالن کے طور پر۔ کچھ کہانیاں پڑھ کر ادھر چھپا کے رکھ آئی۔ اور ہفتے کے بعد جا کر اسے دوبارہ ختم کیا۔ اور یوں شعاع سے مضبوط تعلق کا آغاز ہوا۔ لیکن باقاعدگی سے نہیں۔

شعاع کے ساتھ باقاعدہ آغاز چار پانچ سال کے بعد ہوا۔ جب میں ایف۔ اے میں آچکی تھی۔ (حالانکہ امی کا کب سے کہنا تھا کہ شعاع لگوا لیتے ہیں لیکن میں نے پڑھائی کی وجہ سے روک کے رکھا)

دلچسپ واقعہ نہیں واقعات ہیں۔ ایک دلچسپ واقعہ جو کہ میں بھول چکی تھی اور میری دوسرے نمبر والی بہن مہوش جو کہ پاس بیٹھی ہے۔ اور خط لکھوانے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے نے یاد کروایا ہے..... سحرش اور مہوش جو کہ اس وقت 7th اور 8th میں تھیں اب ماشاءاللہ مہوش بی ایڈ اور سحرش ایم ایس سی کر کے اللہ تعالیٰ کی عنایت۔ امی کی ہمت اور حوصلے سے جاب بھی کر رہی ہیں اور گھر کو بھی سنبھال رہی ہیں میں انہیں شعاع پڑھنے سے منع کرتی تھی۔ وہ اسٹڈیز چھوڑ کر شعاع لے کر بیٹھ جاتی تھیں..... میں نے کہیں سے شعاع اور خواتین کے شمارے لیے اور ان دونوں نے چھپا کر پڑھنے شروع کر دیے۔ میں نے غصے میں سارے رسالے پھاڑ دیے۔ اس میں میری اپنی بھی پسندیدہ اسٹوریز تھیں (پیتے پل کا سایہ) جو کہ میں آج تک مکمل نہ کر سکی حالانکہ میں بعد میں بہت پچھتائی بھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

دوسرا واقعہ اف جس دن شعاع یا خواتین ہمارے گھر آتے ہیں۔ سارا دن پورے محلے میں ہمارا شور جاتا ہے۔ کہ پہلے میں نے پڑھنا ہے اور پہلے میں نے اور ہفتے تک یہ کھینچا تانی لگی رہتی ہے اور محلے والے محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔ بقول امی کوئی شعاع کے لیے ہم پانچوں بہنوں کی دھینگا مشتی دیکھے تو دنگ رہ جائے کہ یہ یونیورسٹی اور اسکول کی ٹیچرز کا حال ہے۔ ابو اللہ ان کے درجات بلند فرمائے) 20 دسمبر 2012ء کو ان کی وفات ہوئی اور امی جان جو کہ خود ہم سے زیادہ شعاع کی شوقین ہیں کبھی شعاع پڑھنے سے منع نہیں کیا۔ اسٹوریز پڑھنے کے ساتھ ساتھ ہمیں گائیڈ بھی کرتی ہیں کہ اسٹوری میں کیا پوزیٹو ہے کیا نیگٹو۔

اللہ ہماری امی کو حوصلہ اور ہمت دے۔ ابو کی وفات کے بعد اللہ کے بعد صرف امی نے ہی ہمیں حوصلہ اور ہمت دی اور دنیا کا کوئی بھی رشتہ ہمیں اپنے ساتھ یا قریب محسوس نہ ہوا۔ ابو کی وفات نے ہمیں اللہ تعالیٰ اور امی کے زیادہ قریب کردیا۔

شمع مسکان..... جام پور

ابھی پوری طرح شعور کی دنیا میں قدم رکھ بھی نہ پائی تھی کہ شعاع اور کرن کو اپنی ہم جولی کی لسٹ میں پایا۔ 7th کلاس میں کلاس فیلو افشاں کے توسط شعاع سے متعارف ہوئی۔ گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کی بنا پر (بہنوں میں ایک بھائی مجھ سے چھوٹا ہے) بے شمار پابندیوں کا سامنا تھا۔ ابو کو "شعاع سے" کچھ دشمنی نہیں تھی۔ ناراض ہوتے تھے تو صرف میرے اتنے زیادہ مطالعے پر۔ ان کا ناور نایاب قول تھا۔

"کہ بیٹی اگر تم اتنا ہی پڑھتی رہیں اور وہ بھی لیٹ کر تو ایک دن اپنی بینائی سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔"

اسکول کا نصاب بھی تو پڑھنا ہوتا تھا۔ (ہم مابدولت پوزیشن ہولڈر تھے)۔ بھائیوں سے چوری تنگ سے کمرے میں بیٹھی نصاب کی کسی کتاب کے درمیان شعاع رکھے محو مطالعہ ہوتی۔ یہ پابندی صرف میٹرک تک محدود تھی۔ اس کے بعد آزادی۔ سرورق سے آنکھوں کو خیرہ کرنے کی خواہش اس وقت حسرت میں ڈھل جاتی تھی۔ کیونکہ رسالے پرانے ہونے کی بنا پر سرورق سے محروم ہوتے تھے۔ بھی بھائی کو خلاف معمول گیٹ سے داخل ہوتے دیکھا اور رسالہ آپی کی سمت اچھال دیا۔ آخر ان ہی کو بڑے ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ ہماری آپی تھیں اتنی پیاری اتنی اچھی کہ بالکل ایسے پوز کرتیں جیسے رسالہ ہم نہیں وہ ہی پڑھ رہی تھیں۔

والدین کی محبت بھی عجیب ہوتی ہے۔ بالکل دھوپ چھاؤں کا سا مزاج رکھتے ہیں۔ میرے ابو جان جو کہ خود مطالعے کے بے حد شوقین تھے۔ مجھے ۔۔۔ اکثر اوقات ڈانٹتے کہ ابھی تمہاری یہ عمر نہیں ہے یہ سب پڑھنے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کی۔ لیکن جوں ہی یکم یا دو تاریخ ہوئی ۔۔۔ میرے تھوڑے سے اصرار پر رسالہ لے آتے۔ حتیٰ کہ پچھلے سال اپنی بیماری کے دنوں میں جب انہیں چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی تھی تو تب بھی مجھے رسالہ لاکر دیا۔ یہ بھی محبت کی ایک ۔۔۔ صورت تھی۔ ڈانٹ ڈپٹ اپنی جگہ مگر میرا شوق وہ ضرور پورا کرتے تھے۔ 29 اپریل 2011 کو میرے ابو جان' ادب سے گہرا لگاؤ رکھنے والا ایک اور چراغ بجھ گیا۔

اب بھی رسالہ ہر ماہ لیتی ہوں۔ اب بھائیوں کی جانب سے کوئی پابندی بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ مان' وہ اصرار شاید کہیں کھو گیا ہے۔

اپنے کرب کو چھپا کر ہنسنا مشکل ہوتا ہے
دھیمی دھیمی آگ میں جلنا مشکل ہوتا ہے
یوں تو ضبط بہت ہے ہم میں لیکن کیا بتلائیں.....
آنکھ تک آئے آنسوؤں کو پینا مشکل ہوتا ہے

اب بہت کچھ بدل گیا اور نہیں بدلا تو صرف شعاع اور اس سے دوستی۔ لیکن چوری چوری پڑھنے کا اپنا ہی مزا تھا۔ اگرچہ اب کوئی پابندی نہیں ہے۔ میں اس چوری والے لطف کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اتنا ضرور کہوں گی کہ مطالعہ کی عادت وراثت میں ملی ہے۔

عائشہ اختر بٹ..... سرگودھا

میں' میری سسٹر اللہ رکھی اور بھابھی کے علاوہ کائنات (چھوٹی سسٹر) اس طرح مطالعہ کرتی ہیں کہ اکثر دودھ ابل ابل کر دیچی کے پیندے سے یا چائے ابل ابل کر ساس پین کے پیندے سے لگ چکی ہوتی ہے اور ہم لوگوں کو تب ہوش آتا ہے جب ماما جانی کچھ جلنے کی بو سونگھ کر کچن کا رخ کرتی ہیں اور پھر ہمارے ساتھ وہی ہوتا ہے جو اس طرح کے کاموں میں ہوتا ہے۔ ارے بھائی کچھ خاص نہیں' بس تھوڑی سی بے عزتی اس کے علاوہ رسالوں' اخبارات اور میگزین پڑھنے کا شوق ہمارے گھر کے کونے کونے سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ تقریباً" ہر کمرے میں ڈریسنگ' سائیڈ ٹیبل' کچن شیلف' سلیب اور تکیوں کے نیچے سے جھانکتے رسالے کسی سے پوشیدہ نہیں رہتے۔ ویسے بھی بقول سدرہ ناصر (بھابھی) جب عشق کیا تو ڈرنا کیا مطلب جب رسالے پڑھنا ہی ہیں تو ڈر کے کیا ملے گا۔ پہلے چھپ چھپ کر پڑھتے تھے لیکن اب کھلے عام پڑھتے ہیں۔

اسی حوالے سے ایک واقعہ روز روشن کی طرح میرے ذہن میں تازہ ہے کہ ایک دفعہ میں چھپ کر رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی اور باقی عالم سے بے خبر ۔۔۔ بابا جان سو رہے تھے پھر مجھے نہیں خبر کب وہ آئے اور میرا ایموشنل سین دیکھا (کچھ اور مت سمجھیں جناب میں ایک اسٹوری پڑھ کر رو رہی تھی) پھر وہ پاس آئے وجہ پوچھی تو میں نے آنسو صاف کرتے ہوئے انہیں اسٹوری کا مختصر خلاصہ سنایا جو نکہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اس میں بہت اچھا اخلاقی سبق تھا تو اب جب بھی کوئی روکے تو بابا جان یہی کہتے ہیں "بس کرو یار بچیاں بہت کچھ سیکھتی ہیں ان رسالوں سے۔ اچھے رسالے ہیں میں جانتا ہوں" اب تو پھر موجاں ہی موجاں۔ شام سویرے ہن موجاں ہی موجاں والا معاملہ ہے مطلب "تو روک ٹوک"۔

رشیقہ کلثوم.... ڈی آئی خان

شعاع بچپن سے ہی کزنز کے ہاتھوں میں دیکھا ہے۔ اور پڑھنا میٹرک میں آکر شروع کیا۔ اب BSC کی طالبہ ہوں۔ ادب سے لگاؤ تو بچپن سے ہی تھا۔ اور اسی وجہ سے "اخباری کیڑا" کا خطاب دیا گیا۔ سب کے بقول پڑھتے ہوئے تم بے ہوش ہوتی ہو۔ اور دنیا مافیہا سے بے خبر ہو جانے والی عادت سے سخت چڑتے ہیں۔ چڑنا تو لازم ہے۔ کہ جب کوئی آپ سے پوچھے یہ چیز وہاں پڑی ہے۔ اور آپ ہاں کہہ دو۔ اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ ہارے۔ اور پھر آپ کے پاس آئے۔ اس کی حالت کو سنجیدگی سے لے کر جب آپ اسے سنیں.... اور حیران ہوں کہ میں نے کب کہا۔ وہاں پڑی ہے۔ تو اس کے لیے تو بنتا ہے ناں....

ہمارے مطالعے پہ جو جی چاہے خطاب دے۔ یا اپنا سر دُھنے.... گرمیوں کی تپتی دوپہر کو بھی بغیر بجلی پنکھے کے بیٹھ کر پڑھا ہے اسے.... ہاں ایک دلچسپ واقعہ جب بھائی ابو کے پاس میرا ڈائجسٹ لے گیا۔ کہ ابو یہ "یہ" پڑھ رہی تھی۔ اور ابو نے کیسے لیا کہاں سے لیا پوچھ کر یہ کہتے حوالے کر دیا "اچھا دیکھ لو پریوں کہانیاں ہوں تو مت پڑھنا...." تھوڑی بہت شرمندگی ہوئی۔ کیونکہ ابو سے چھپ کر ہی پڑھتے تھے ناں ہم.... کچھ عرصہ ڈائجسٹوں کو ہاتھ نہیں لگایا.... پھر جب لگایا.... تو صرف دو کو۔

عائشہ رباب.... کراچی

بس چند سال پہلے ہی، سکس کلاس میں تھی۔ اسکول سے گھر آئی تو پورا گھر الٹا پڑا تھا۔ تمام حاضر جملہ خواتین کامن روم میں گول میز کانفرنس کیے انداز لگانے اور تبصرے کرنے میں مصروف تھیں۔ شام تک تبصرہ سن سن کر تھک گئے تو خود ہی پڑھنے بیٹھ گئے۔ بچوں کی کہانیاں، نونہال تو جب سے پڑھنا سیکھا ہے تب سے پڑھ رہی ہوں۔ ڈائجسٹ پہلی بار پڑھا۔ عنوان تھا "بیلی راجپوتاں کی ملکہ" (نمرہ احمد) بس پھر نشہ چڑھ گیا جو ابھی تک نہیں اترا۔

اب تبصرہ کرنے والوں میں، میں بھی شامل ہو گئی ہوں۔

2۔ شعاع سے متعلق دلچسپ واقعہ۔ خیر واقعات تو بہت سارے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ! میں نے آج تک شعاع یا خواتین ڈائجسٹ خرید کر نہیں پڑھا۔ میرے 8 کلاس کے ایگزام ہونے والے تھے۔ امی نے ڈائجسٹ سمیت تمام غیر نصابی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی۔ اللہ اللہ کر کے پیپر ختم ہوئے۔ ہفتہ کے روز آخری پیپر تھا۔ اور اتوار کے دن آنٹی آٹھ ڈائجسٹ لے کر آئیں اور کہا اب بے فکر ہو کر پڑھنا، کوئی نہیں ٹوکے گا۔ وہ دن اچھے ترین دنوں میں سے ایک تھا۔

فوزیہ ثمروٹ.... گجرات

شعاع سے میری وابستگی بہت عرصہ سے ہے۔ مطالعے کا شوق مجھے شعاع، خواتین، کرن پڑھ کر ہوا۔ شعاع ایک مکمل درس گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو کسی بھی انسان کو اچھی زندگی گزارنے کے طریقے سکھاتی ہیں۔ ایک استاد، ایک ماں کی حیثیت رکھتا ہے۔ شعاع ہمارے گھر میں تو میری امی جی پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں کی وجہ سے اور عمران بھائی کو تاریخ کے جھوکوں کی وجہ سے کیوں کہ تاریخ کا تو وہ شیدائی ہے۔

گھر میں جب شعاع آتا ہے پہلے تو بہن شازی تھی۔ جس کے ساتھ تکرار ہوتی تھی۔ پہلے میں دیکھوں گی پہلے میں۔ اب یہ فریضہ طیبہ بھابھی ادا کر رہی ہیں۔ ویسے جو مزہ خود پہلے شعاع کا ٹائٹل دیکھنے کا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ہے۔وہ کسی کے بتائے سے نہیں آتا ہے ناں۔

اب تو خیر کوئی پابندی نہیں ہے بس جب ٹائم ملے تو ہر نئے مہینے کا شعاع ہاتھ میں ہوتا ہے۔ہاں عرصہ پہلے جب نیا نیا شعاع پڑھنا شروع کیا تھا۔تو ایک بار رسالہ پڑھتے ہوئے۔ہنڈیا پکا رہی تھی۔تو کیجی میں جگ بھر کر پانی ڈال دیا تھا۔

بس پھر نہ پوچھے امی سے کیا چھترول (الفاظ کی) ہوئی تھی۔ویسے ان دنوں میں۔کوکنگ نئی نئی شروع کی تھی۔بس پھر امی جان کے ہاتھ میرا یہ ریکارڈ لگ گیا جو وہ ہر رشتے دار کو کوئی کارنامہ سمجھ کر سناتی تھیں۔خیر ایک ٹھوکر کافی تھی۔میرے لیے۔پھر قاعدہ کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کی تھی آئندہ کھانا پکاتے ہوئے شعاع جی کو ہاتھ نہیں لگانا۔(عقل مند کے لیے ایک ٹھوکر ہی کافی ہے ناں)

سیدہ نسبت زہرہ..... کہروڑ پکا

جو یقین کی راہ پر چل پڑے انہیں منزلوں نے پناہ دی
جنہیں وسوسوں نے ڈرایا وہ قدم قدم پر بہک گئے

تقدیر کی گھمن گھیریاں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو اپنی لپیٹ میں لے کر کملا کے رکھ دیتی ہیں۔انسان کو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا کچھ بھی..... لیکن..... پھر "امید" روشنی اور سہارے کا کام دیتی ہے زندگی ایک مسلسل تھکا دینے والے سفر کا نام ہے۔انسان میں تبدیلی تب آتی ہے جب ہمارے اندر کے خیالات بدلتے ہیں اور تب آئی ایم شیور کہ آپ ایک اچھے انسان بن سکتے ہیں لیکن زندگی گزارنا آسان نہیں۔ایک تکلیف دہ سفر جو چلتا ہی رہتا۔اتار چڑھاؤ زندگی کا لازمی جزو ہیں۔اگر آپ کے اندر برداشت کی خوبی ہے تو آپ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق کسی حد تک بنا سکتے ہیں۔

"بہت کچھ سننے کو ملتا ارد گرد کے ماحول' رویوں اور اسپشیلی لوگوں کے دوغلے پن۔"

حیا کا درس میرے شامل نصاب رہا
میں حرف حرف بکھر کر بھی ایک کتاب رہا

میں نے کہیں پڑھا کہ "جو چیز اللہ نہ دے تو اسے کبھی بھی بندوں سے نہیں مانگنا چاہیے ورنہ انسان بہت خوار ہوتا ہے۔"

فقیہہ شہر نے تہمت لگا دی ساغر پر
یہ شخص در در کی دولت کو عام کرتا ہے

چیزیں یا انسان وقتی سہارا تو بن سکتے ہیں مگر رب جیسا پیارا اچھا' ہر وقت میسر دوست کوئی اور نہیں بس وہی عظیم ذات۔

دریر کبھی غیروں کے جو تم کو نہ جھکنے دے
توفیق الٰہی سے کچھ ایسی انا مانگو

جناب یہ سب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ میں نے یہ سب شعاع' خواتین کرن سے سیکھا۔مجھے دور دور تک کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا کہ میں نے جھوٹ بول کر رسالہ پڑھا یا کسی نے منع کیا' میرا خاص مقررہ ٹائم ہے رات کو پڑھنے کا' ہاں یہ ضرور ہے کہ میں نے بہت چھوٹی عمر سے ہی لکھنا پڑھنا رسالے میں شروع کر دیا تھا مجھے آج بھی یاد ہے 2002 اکتوبر کا رسالہ جس میں میں نے حضرت علی کے فرامین بھیجے۔پہلے میری نانو نے یہ شوق پورے کروائے اور اب امی ابا میری چوائس کو سراہتے اور مجھے سپورٹ کرتے ہیں۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بندھن

مصطفیٰ قریشی اور روبینہ قریشی

شاہین رشید

"کچھ جوڑے سدا بہار ہوتے ہیں اور ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ روبینہ قریشی اور مصطفیٰ قریشی صاحب کی جوڑی بھی سدا بہار ہے۔ ان کا آپس کا پیار و محبت اور ایک دوسرے کا خیال رکھنا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ دونوں میں آج بھی پہلے دن کی طرح محبت ہے اور ان شاءاللہ یہ محبت قائم رہے گی۔"

"کیسی ہیں روبینہ صاحبہ اور مصطفیٰ قریشی صاحب؟"

"اللہ کا شکر ہے۔۔۔ آپ ٹھیک ہیں؟"

"جی۔۔۔ آپ کی خوش گوار ازدواجی زندگی کا راز کیا ہے؟"

روبینہ قریشی۔ (ہنستے ہوئے) ہم اگلے وقتوں کے لوگ ہیں، ہم میں بناوٹ اور منافقت نہیں ہے۔ ہم رشتوں کو نبھانا جانتے ہیں۔ بس یہی وجہ ہے خوش گوار ازدواجی زندگی کی۔"

"کبھی لڑائی تو ہوئی ہوگی؟"

"کبھی لڑائی۔۔۔؟" مصطفیٰ قریشی صاحب نے کہا۔ "اکثر لڑائی ہوتی ہے، لیکن ہم نے کبھی لڑائی کو لمبا نہیں کھینچا۔ ہمیں اچھا ہی نہیں لگتا کہ ہم دیر تک ایک دوسرے سے ناراض رہیں۔"

"آپ دونوں کی لو میرج ہے؟"

"جی۔۔۔ یہ بھی ریڈیو پاکستان سے منسلک تھیں اور میں بھی۔۔۔ تو ایک دوسرے سے ملنا جلنا رہتا تھا اور چونکہ انہیں اپنی آواز پہ بہت غرور تھا لہٰذا الفٹ ذرا کم ہی ملتی تھی، مگر ہم چونکہ ایک دوسرے کے مقدر میں تھے لہٰذا دوستی بھی ہوگئی اور رشتہ بھی۔"

"آپ کی اب بھی سیاست سے دلچسپی برقرار ہے؟" ہم نے مصطفیٰ قریشی صاحب سے سوال کیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"بالکل جی... میں تو پہلے دن سے اس پارٹی سے وابستہ ہوں اور ان شاء اللہ وابستہ رہوں گا۔"

"مگر سنا تھا کہ آپ اپنی پارٹی سے خوش نہیں ہیں؟"

"ہاں تھوڑے بہت اختلافات تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ دراصل ہم فنکار لوگ گلی لپٹی باتیں کرنے کے عادی نہیں ہوتے' جو دل میں ہوتا ہے وہ ہی زبان پر بھی ہوتا ہے۔ سچے کھرے لوگ ہیں ہمیں کوئی لالچ نہیں ہے۔ اب ہماری سیاست میں کرپشن بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ اس لیے اب ذرا دور ہی رہتا ہوں سیاست سے۔ بی بی شہید جب تک حیات تھیں سب کچھ بہت بہتر تھا... خیر۔"

"اور وہ جو آپ کا جذبہ تھا فنکاروں کے لیے کام کرنا... وہ مشن جاری ہے آپ کا؟"

"جی بالکل جاری ہے اور ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ گزشتہ حکومتوں نے "آرٹسٹ انڈومنٹ فنڈ" بنایا تھا اس کا میں ممبر ہوں اور صدر صاحب کے ساتھ ہماری اس سلسلے میں میٹنگ ہوتی رہتی ہے اور ہم معذور' بے روزگار اور بزرگ فنکاروں کے لیے فنڈ جمع کرتے ہیں۔"

"آپ کو جانے کی جلدی ہے... میں زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ بس ایک آخری سوال کا جواب دیں کہ مادری زبان سندھی ہونے کے باوجود آپ نے پنجابی زبان کی فلموں میں کام کیا... تو آپ کو مشکل ہوتی تھی؟"

"جی... بالکل آپ نے ٹھیک کہا۔ سندھی میری مادری زبان تھی' اردو میری صاف تھی لہٰذا اردو فلموں کی آفرز آئیں' کام کیا' مگر کچھ ہی عرصے کے بعد پنجابی فلموں کے لیے بلایا گیا تو انکار نہیں کیا... لگتا تھا کہ ساری کامیابیاں اسی زبان کے ساتھ وابستہ ہوگئی ہیں۔ اللہ نے بہت کامیابیاں دیں۔ مجھے پنجابی زبان نہیں آتی تھی اور میں نے باقاعدہ اسے سیکھا کیونکہ جہاں شوق ہو وہاں کوئی کام کرنا مشکل نہیں ہوتا اور بہت جلد میں نے پنجابی سیکھ لی۔"

"تقریباً" کتنی پنجابی فلمیں کیں آپ نے؟"

"میں نے تقریباً" ساڑھے تین سو پنجابی فلمیں کیں اور ٹوٹل میں نے ساڑھے چھ سو فلمیں کیں۔"

"ماشاء اللہ...!" اور اب ہم نے روبینہ قریشی صاحبہ سے بات چیت کا آغاز کیا۔

"زندگی کے کچھ ہی دن ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔ شادی کا... دن بھی ان ہی دنوں میں شمار ہوتا ہے... یاد تو ہوگا کہ شادی کب ہوئی تھی؟"

"جی... جی... بالکل یاد ہے... یہ دن بھی بھلا بھولنے والا ہے۔ ہماری شادی 1971ء میں ہوئی اور حیدر آباد میں ہوئی۔ 19 ستمبر کو۔"

"پسند سے ہوئی' جیسا کہ آپ نے بتایا... بات کیسے آگے بڑھی؟"

"جی پسند کیا تھی... ہم دونوں ایک جگہ کام کرتے تھے اور مجھے گلوکاری سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا لہٰذا شادی کی طرف تو رجحان ہی نہیں تھا' جیسا کہ عموماً" لڑکیوں کو ہوتا ہے... تو یہ بھی ہمارے ساتھ ریڈیو سے وابستہ تھے تو میں انہیں "اوا" کہتی تھی اور آپ سب کو معلوم ہی ہے کہ سندھی میں "اوا" بھائی کو کہتے ہیں... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ دراصل یہ مجھ سے شادی کے خواہش مند ہیں۔ کیونکہ میری نالج میں تو یہ بات تھی کہ یہ کسی اور کو پسند کرتے ہیں اور جب ان کی والدہ نے ان کی پسند سے شادی کرنے پر انکار کیا کہ "میں تمہاری شادی وہاں نہیں کروں گی" تو میں ہی انہیں تسلیاں دیتی تھی کہ چلیں دل چھوٹا نہ کریں۔ کوئی اور اچھی لڑکی مل جائے گی اور پھر ایک دن انہوں نے اپنے گھر والوں سے مجھے ملوایا... میں ان کی امی کو پسند آگئی اور یوں ہمارا رشتہ طے پا گیا۔"

"شادی کر کے کہاں رخصت ہوئیں۔ کراچی یا لاہور؟"

"ہم لوگ لاہور چلے گئے... کیونکہ فلم انڈسٹری

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

لاہور میں تھی اور ان کی مصروفیات بھی کافی تھیں۔۔۔ البتہ یہ ایک سیریس بات تھی کہ لاہور میں ان کا کوئی گھر نہیں تھا لہٰذا یہ مجھے رخصت کر کے لاہور "ساقی" (فلم اسٹار) صاحب کے گھر لے آئے۔ ان کے گھر رہ کر پھر ہم نے اپنے لیے کرائے کے مکان کی تلاش شروع کی۔"

"کرائے کا مکان ملنے میں مشکل تو نہیں ہوئی کیونکہ آپ دونوں ہی ماشاء اللہ مشہور شخصیات تھے؟"

"ارے یہی تو زیادہ افسوس ناک بات تھی کہ ہم شوبز والوں کو لوگ کرائے پہ مکان دینے میں تھوڑا سا گھبراتے تھے۔ بقول ان کے کہ یہ فیلڈ اچھی نہیں ہے اور پتا نہیں ان کے گھر میں کیسے کیسے لوگ آئیں گے۔۔۔ لوگ پیسے تو ہمیں بہت پسند کرتے تھے مگر گھر دینے پہ راضی نہیں ہوتے تھے۔۔۔ اس مشکل کو دیکھتے ہوئے ساقی صاحب نے ہمارا بہت ساتھ دیا کہ آپ لوگ کیوں گھبرا رہے ہو' میرا گھر جب موجود ہے تو ادھر ادھر جانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ خیر پھر کافی جدوجہد کے بعد گھر مل ہی گیا۔۔۔ پھر اللہ نے کام میں برکت ڈالی تو لاہور میں ہی اپنا ذاتی گھر بھی خرید لیا۔"

"کرائے کا اور پھر اپنا۔۔۔ سب کچھ اچھا تو بہت لگا ہوگا۔ کیونکہ عورت کا خواب ہوتا ہے کہ وہ گھر کی مالکن بن کے رہے؟"

"ہاں۔۔۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں' بہت اچھا لگا' لیکن میں چونکہ اپنی فیلڈ میں بہت زیادہ مصروف رہتی تھی تو گھر داری کی طرف میں نے بالکل بھی توجہ نہیں دی۔۔۔ یہ تو بھلا ہو ناہید نیازی (گلوکارہ) صاحبہ کا اور میری دیگر دوستوں کا جنہوں نے نہ صرف میرا گھر سیٹ کرایا بلکہ مجھے گھر گرہستی بھی سکھائی۔۔۔ گھر کا فرنیچر وغیرہ بھی سب کی مدد سے اور مشورے سے لیا۔۔۔ اللہ کا شکر ہے کہ جلدی اپنے آپ کو سیٹ کر لیا ہم نے۔۔۔ اور پھر جب اپنا گھر لیا۔۔۔ تو مزہ ہی کچھ اور تھا۔"

"ہنی مون کے لیے فوراً گئیں یا کچھ عرصے کے بعد؟"

"فوراً" تو ہم لاہور آ گئے اور یہی ایک طرح سے ہنی مون ہو گیا۔ ہنی مون کا مقصد کچھ دن اکیلے گزار کر ایک دوسرے کی طبیعتوں سے واقف ہونا ہوتا ہے۔۔۔ سو جب اکیلے رہے تو ایک دوسرے کی طبیعتوں کو جانا بھی' پرکھا بھی اور سمجھا بھی۔"

"عورت گھر بنانے کے لیے بہت کمپرومائز کرتی ہے۔۔۔ آپ نے کیا یا کچھ زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی؟"

"گھر کو بنانے اور گھر داری کے لیے میں نے بہت زیادہ کمپرومائز کیا ہے۔ قریشی صاحب تو فلموں کی وجہ سے زیادہ تر گھر سے باہر اور کبھی شہر سے باہر رہتے تھے' تو ایسے میں پورے گھر کو سنبھالنا' گھر داری کرنا' رشتے داریاں نبھانا۔۔۔ سب میں نے ہی کیا۔۔۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ میں اس میں کامیاب ہوئی۔"

"آپ کو غصہ تو آتا ہوگا کہ سب کچھ مجھے ہی کرنا پڑتا ہے اور یہ زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتے ہیں۔"

"کبھی کبھار۔۔۔ مگر زیادہ نہیں' کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ یہ گھر سے باہر کوئی مزے کی زندگی نہیں گزار رہے بلکہ اپنے بیوی بچوں کے لیے ہی محنت کر رہے ہیں تاکہ بچے ایک خوش حال زندگی گزار سکیں اور اعلا تعلیم حاصل کر سکیں۔ ان کی تو کئی کئی دن بچوں سے ملاقات بھی نہیں ہو پاتی تھی۔ صبح کے وقت بچے اسکول جا چکے ہوتے تھے اور رات کو جب یہ گھر آتے تھے تو بچے سو چکے ہوتے تھے۔۔۔ میں کہتی ہوں کہ ایک اچھی لائف کے لیے قریشی صاحب نے بہت محنت کی ہے۔۔۔ اور اللہ نے صلہ بھی دیا ہے۔"

"ڈر لگتا تھا کہ کہیں "بے وفا" نہ ہو جائیں قریشی صاحب؟"

"نہیں۔۔۔ مجھے ان پر اعتبار تھا اور ہم دونوں ایک دوسرے کی فیلڈ کو بہ خوبی جانتے تھے۔۔۔ شادی سے پہلے ہی ہم دونوں میں کافی ذہنی ہم آہنگی ہو گئی۔۔۔ مجھے یقین تھا کہ یہ اپنے کام سے کام رکھیں گے۔ (ہنستے ہوئے) اور انہوں نے اپنے کام سے کام رکھا بھی۔۔۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

تب ہی تو ماشاءاللہ ہماری لائف بہت اچھی گزری۔"

"آپ نے بتایا کہ جب یہ گھر سے جاتے تھے تو بچے اسکول ہوتے تھے اور جب آتے تھے تو بچے سو رہے ہوتے تھے۔۔۔ گویا۔۔۔ بچوں کی تربیت میں آپ کا ہی ہاتھ ہے؟"

"جی بالکل۔۔۔ ہر لحاظ سے ان کا خیال رکھنا۔ ان کی تعلیم کا' ان کو اونچ نیچ سمجھانا' سب ذمہ داری میں نے اپنے اوپر لی ہوئی تھی' مگر قریشی صاحب کو جتنا ٹائم ملتا تھا' وہ بھی بچوں سے غافل نہیں رہتے تھے۔"

"غصے کا کون تیز ہے آپ یا میاں صاحب؟"

"نہیں غصہ نہیں آتا بلکہ میں غصے کی بہت تیز ہوں اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ پر گھر کی بہت ذمہ داریاں ہیں۔ گھر کو دیکھنا' نوکروں کو دیکھنا' ہر چیز کا خیال رکھنا۔ پھر ایسے میں ذرا سی کوتاہی ہو جائے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔"

"کس چیز پہ کمپرومائز نہیں کرتیں؟"

"گھر کے نظم و ضبط پر' گندگی کو' چیزیں ادھر ادھر بکھری رہیں' مجھے پسند نہیں۔۔۔ میرا کچن صاف ستھرا ہونا چاہیے۔"

"میاں صاحب گھر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں یا ساری ذمہ داری آپ پر ہی ہے؟"

"مصطفیٰ گھر کے کاموں میں بالکل بھی ہاتھ نہیں بٹاتے کیونکہ انہیں دلچسپی ہی نہیں ہے۔ البتہ انہیں گھر کی ڈیکوریشن کا بہت شوق ہے۔ اس لیے گاہے بگاہے کچھ نہ کچھ چیزیں لاتے رہتے ہیں اور گھر میں فرنیچر کی سیٹنگ بھی تبدیل کرتے رہتے ہیں۔"

"کھانا آپ کے ہاتھ کا پکا ہوا پسند کرتے ہیں اور نخرے دکھاتے ہیں یہ؟"

"کھانے پینے کے معاملے میں ذرا بھی پریشان نہیں کرتے جو آگے رکھ دوں' ہنسی خوشی کھا لیتے ہیں اور نخرہ تو بالکل بھی نہیں ہے ان میں۔"

"شاپنگ کا شوق کس کو ہے آپ کو یا مصطفیٰ قریشی صاحب کو؟"

"یہ شوق بھی مجھ کو ہی ہے۔۔۔ ان کی شاپنگ بھی میں ہی کرتی ہوں۔۔۔ انہیں ان باتوں کا قطعی کوئی شوق نہیں ہے۔"

"ایک دوسرے سے فرمائشی پروگرام چلتا رہتا ہے؟"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ نوجوانی میں بھی فرمائش نہیں کی تو اس عمر میں کیا کرنی۔۔۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رہتا ہے لہٰذا فرمائش کرنے کی نوبت نہیں آئی۔"

"شادی کے موقع کا کوئی خاص واقعہ جو آپ کو یاد ہو؟"

"ہاں۔۔۔ بڑا یادگار واقعہ ہے۔۔۔ میری ایک دوست کو کراچی سے آنا تھا ہماری شادی میں شرکت کرنے اور اسی نے مجھے آکے تیار کرنا تھا۔ کیونکہ 1971ء میں بیوٹی پارلرز میں جا کر تیار ہونے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ لڑکیاں گھر پر ہی تیار ہوتی تھیں۔۔۔ اب جس دوست نے آنا تھا۔ وہ کسی مجبوری کی وجہ سے آ نہیں سکی۔۔۔ اس نے کہا کہ مجھے دیر ہو جائے گی لہٰذا پھر مجھے زیبا بیگم نے دلہن بنایا۔۔۔ اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو میں تو بس سادہ سی دلہن ہوتی۔"

"اور کچھ کہنا چاہیں گی؟"

"نہیں۔۔۔ آپ نے کافی کچھ پوچھ لیا ہے۔۔۔ بس پڑھنے والے ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔"

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

جب تجھے سنانا جوڑا ہے

ح۔ الف۔ فیض آباد

عنوان بہت خوب صورت تھا سوچا کہ کچھ لکھوں۔ میں ح۔الف۔ کسی کی پوری زندگی کی حقیقی کہانی لکھ رہی ہوں اس کی زبانی۔ اگر میں کہوں کہ یہ ایک عورت کی کہانی ہے تو یہ غلط ہوگا۔ کیونکہ پاکستان میں دیکھا جائے تو زیادہ تر عورتوں کی زندگی ایسے ہی گزرتی ہے۔ اس لیے میں کہوں گی یہ زیادہ تر عورتوں کی کہانی ہے۔

جب ایک عورت ایسی زندگی گزارتی ہے تو کیوں پھر وہ اپنی بیٹی کو بیاہ دیتی ہے۔ جب اس کو پتا ہے کہ عورت کے ساتھ ایسا ہوتا ہے تو کیوں پھر وہ اپنی اولاد کو بھی ایسے جلنے کے لیے بیاہ دیتی ہے آخر کیوں؟

س ۔شادی سے پہلے کیا مشاغل تھے؟

ج ۔شادی سے پہلے بے فکری ہی بے فکری تھی۔ کسی کام کی کوئی پروا ہی نہیں تھی۔ ہم لوگ نو بہنیں تھیں پھر بھی مجھے کسی بات کی کوئی ٹینشن ہی نہیں تھی۔ کھیلنا کودنا' ادھر دوڑنا ادھر پھرنا۔ کوئی روکتا بھی نہیں تھا۔ کوئی کام کرنا نہیں آتا تھا۔ میں تو بچی تھی پھر میرے گھر والوں نے بھی کبھی کہا ہی نہیں تھا کہ کوئی کام ہی سیکھ لو۔ مجھے آٹا گوندھنا بھی نہیں آتا تھا۔ وہ دن بہت ہی اچھے تھے۔ شاید وہ ہی دن میں نے زندگی کے گزارے تھے۔ اب تو ایک زندہ لاش کی طرح ہوں۔

س ۔شادی کب ہوئی؟

ج ۔میری شادی 9 نومبر 1989ء میں ہوئی۔

س ۔منگنی کتنے عرصے رہی؟

ج ۔منگنی دو سال رہی اور ان دو سالوں میں بھی لڑائی ہی ہوتی رہی۔ میں نے کہا بھی کہ اگر شادی سے پہلے سکون نہیں مجھے تو شادی کے بعد کیا ہوگا لیکن قسمت میری.....

س ۔شادی کے لیے قربانی؟

ج ۔قربانی؟ یہ تو بہت چھوٹا لفظ ہے۔ ماں باپ کی عزت کے لیے تو سب کچھ ہی چھوڑ دیا تھا۔ اپنا آپ ہی قربان کر دیا تھا۔ اپنی دوستیں "اپنی ماں" اپنے بہن بھائی' اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔

س ۔رسموں کی لین دین میں کوئی جھگڑا ہوا؟

ج ۔سب کچھ جھگڑوں میں ہی ہوا..... ہمارا دیا کچھ بھی ان کو پسند نہیں آتا تھا..... ہر بات میں ان کی انا آجاتی تھی لیکن ڈراموں اور فلموں میں دیکھا تھا کہ جہاں لڑائی جھگڑا ہو وہاں پیار بھی بہت ہوتا ہے..... لیکن ایسا ہماری دنیا میں نہیں ہوتا۔

س ۔شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟

ج ۔ہاہاہا۔ شادی کی رات ہی وہ سبزی لینے منڈی چلے گئے کیونکہ ان کی سبزی کی دکان تھی اور میرے سسر صبح پانچ بجے دکان لگا لیتے تھے' میرے شوہر کو بیوی سے زیادہ عزیز اپنا باپ تھا تو بس پہلی بات ہی انہوں نے یہ کی کہ میں منڈی جا رہا ہوں۔

س ۔شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟

ج ۔سب کچھ ہی تبدیل ہو گیا تھا۔ کپڑوں سے لے کر میری سوچ تک' سب کچھ تبدیل ہو گیا نہ شوہر پیار کرنے والا نہ سسرال اور میری نندیں توبہ توبہ' ایسی نندیں تو کسی کی بھی نہیں ہوں گی۔ بس ان سب تبدیلیوں کے بعد زندگی گزارنا بہت مشکل ہو گیا۔

س ۔"کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟"

ج ۔شادی کی صبح ہی جب میرے شوہر سبزی لے کر واپس آئے تو انہوں نے اٹھایا اور کہا۔ آج سے میری ذمہ داری تمہاری ہے' اٹھو اور کچھ بنا لاؤ۔ میں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

نے جانا ہے۔ اور میں وہاں کھڑی ان کا منہ دیکھتی رہی کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ مجھے تو کچھ بنانا ہی نہیں آتا اور میری خراب قسمت نے اس دن میرا اتنا تماشا لگایا کہ بس۔ لڑکیاں شادی کی صبح میاں کے ساتھ ناشتا کرتی ہیں اور میں نے ان سے جوتوں کا ناشتا کیا۔

س ۔ ”میکے اور سسرال کے کھانوں میں فرق؟“

ج ۔ میکے اور سسرال کے کھانے میں بہت فرق تھا۔ میکے میں میری امی یا بڑی آپی ہی کھانا بناتی تھیں اور بہت اچھا بناتی تھیں اور ہم اپنے میکے میں کافی خوش حال تھے۔ ہم ایک وقت بناتے تھے کھانا اور اسی وقت کھاتے تھے۔ پر سسرال میں ایک وقت کھانا بنایا جاتا اور تین دن وہ ہی کھایا جاتا اور وہ کھانا بھی اتنا بدذائقہ کہ اللہ کی پناہ۔

س ۔ شادی میں اپنی مرضی کس حد تک تھی؟

ج ۔ شادی میں میری مرضی ذرا بھی نہیں تھی۔ میرے شوہر لڑکوں کے ساتھ ہمارے گھر کے ساتھ ہی ایک میدان تھا وہاں کھیلنے آتے تھے تو مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ ہی میرے شوہر ہوں گے۔۔۔۔ میں ابھی چھوٹی ہی تھی اور وہ کافی بڑے تھے۔ جب بھی میں ان کو دیکھتی تھی میں ان کو کہتی تھی کالے بھائی کالے بھائی ان کو بہت غصہ آتا تھا۔ اور میں بھاگ جاتی تھی اور میرے شوہر شاید تب کا غصہ مجھ پر اب نکالتے ہیں۔

س ۔ سسرال میں کن باتوں پر تعریف/تنقید ہوئی؟

ج ۔ سسرال میں میری ہر بات پر آج بھی تنقید ہی ہوتی ہے۔ تعریف کیا ہے یہ تو میں شادی کے بعد جان ہی نہیں سکی۔ میری ہر بات پر تنقید ہی ہوتی تھی۔ میں بہت پیاری تھی۔ گورا رنگ، بہت خوب صورت پر شادی کے بعد یہ خوب صورتی میری بربادی بنی۔

س ۔ جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہے یا علیحدہ؟

ج ۔ پہلے ہم سب جوائنٹ ہی تھے پھر اب علیحدہ ہوگئے۔ اللہ کا بہت شکر ہے۔ میرے شوہر نے یہ جو کام کیا ہے اس کے لیے ہمیشہ میں ان کے لیے دعا کرتی ہوں۔

س ۔ پہلے بچے کی پیدائش؟

ج ۔ ہاں عورت کے لیے پہلے بچے کی پیدائش بہت اہمیت رکھتی ہے لیکن میری قسمت نے یہاں بھی میرا ساتھ نہ دیا۔ اللہ نے مجھے پہلی رحمت عطا فرمائی لیکن سسرال والوں نے بڑی باتیں بنائیں کہ یہ بس لڑکیاں ہی پیدا کرے گی۔ اللہ نے بعد میں آسانیاں پیدا کیں بیٹی کے بعد چار بیٹے عطا فرمائے۔ میرا خیال تھا۔ بیٹا ہوگا تو شاید میرا شوہر کچھ بدل جائے پھر بھی نہیں بدل پایا۔

س ۔ سسرال میں مقام؟

ج ۔ آپ مقام کی بات کرتے ہو، مجھے آج تک اپنے سسرال میں جگہ نہیں مل پائی۔ جو اپنے شوہر کے دل میں مقام نہ بنا پائے وہ سسرال میں کیسے بنا سکتی ہے۔ میرے سسرال میں مجھے نوکرانی کا درجہ بھی نہیں ملا۔ پتا نہیں کس چیز کی سزا ملی مجھے، پر اب میں علیحدہ ہوں، مجھے ان کی کوئی پروا نہیں جنہوں نے پچیس سال میری پروا نہیں کی مجھے ان کی کیوں ہو۔ یہ بات میں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ح۔الف۔فیض آباد

عنوان بہت خوب صورت تھا سوچا کہ کچھ لکھوں۔ میں ح۔الف۔ کسی کی پوری زندگی کی حقیقی کہانی لکھ رہی ہوں اس کی زبانی۔ اگر میں کہوں کہ یہ ایک عورت کی کہانی ہے تو یہ غلط ہوگا۔ کیونکہ پاکستان میں دیکھا جائے تو زیادہ تر عورتوں کی زندگی ایسے ہی گزرتی ہے۔ اس لیے میں کہوں گی یہ زیادہ تر عورتوں کی کہانی ہے۔

جب ایک عورت ایسی زندگی گزارتی ہے تو کیوں پھر وہ اپنی بیٹی کو بیاہ دیتی ہے۔ جب اس کو پتا ہے کہ عورت کے ساتھ ایسا ہوتا ہے تو کیوں پھر وہ اپنی اولاد کو بھی ایسے جلنے کے لیے بیاہ دیتی ہے آخر کیوں؟

س ۔شادی سے پہلے کیا مشاغل تھے؟

ج ۔شادی سے پہلے بے فکری ہی بے فکری تھی۔ کسی کام کی کوئی پروا ہی نہیں تھی۔ ہم لوگ نو بہنیں تھیں پھر بھی مجھے کسی بات کی کوئی ٹینشن ہی نہیں تھی۔ کھیلنا کودنا' ادھر دوڑنا ادھر پھرنا۔ کوئی روکتا بھی نہیں تھا۔ کوئی کام کرنا نہیں آتا تھا۔ میں تو بچی تھی پھر میرے گھر والوں نے بھی کبھی کہا ہی نہیں تھا کہ کوئی کام ہی سیکھ لو۔ مجھے آٹا گوندھنا بھی نہیں آتا تھا۔ وہ دن بہت ہی اچھے تھے۔ شاید وہ ہی دن میں نے زندگی کے گزارے تھے۔ اب تو ایک زندہ لاش کی طرح ہوں۔

س ۔شادی کب ہوئی؟

ج ۔میری شادی 9 نومبر 1989ء میں ہوئی۔

س ۔منگنی کتنے عرصے رہی؟

ج ۔منگنی دو سال رہی اور ان دو سالوں میں بھی لڑائی ہی ہوتی رہی۔ میں نے کہا بھی کہ اگر شادی سے پہلے سکون نہیں مجھے تو شادی کے بعد کیا ہوگا لیکن قسمت میری.....

س ۔شادی کے لیے قربانی؟

ج ۔قربانی؟ یہ تو بہت چھوٹا لفظ ہے۔ ماں باپ کی عزت کے لیے تو سب کچھ ہی چھوڑ دیا تھا۔ اپنا آپ ہی قربان کر دیا تھا۔ اپنی دوستیں "اپنی ماں" اپنے بہن بھائی' اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔

س ۔رسموں کی لین دین میں کوئی جھگڑا ہوا؟

ج ۔سب کچھ جھگڑوں میں ہی ہوا..... ہمارا دیا کچھ بھی ان کو پسند نہیں آتا تھا..... ہر بات میں ان کی انا آجاتی تھی لیکن ڈراموں اور فلموں میں دیکھا تھا کہ جہاں لڑائی جھگڑا ہو وہاں پیار بھی بہت ہوتا ہے..... لیکن ایسا ہماری دنیا میں نہیں ہوتا۔

س ۔شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟

ج ۔ہاہاہا۔ شادی کی رات ہی وہ سبزی لینے منڈی چلے گئے کیونکہ ان کی سبزی کی دکان تھی اور میرے سسر صبح پانچ بجے دکان لگا لیتے تھے' میرے شوہر کو بیوی سے زیادہ عزیز اپنا باپ تھا تو بس پہلی بات ہی انہوں نے یہ کی کہ میں منڈی جا رہا ہوں۔

س ۔شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟

ج ۔سب کچھ ہی تبدیل ہو گیا تھا۔ کپڑوں سے لے کر میری سوچ تک' سب کچھ تبدیل ہو گیا نہ شوہر پیار کرنے والا نہ سسرال اور میری نندیں توبہ توبہ' ایسی نندیں تو کسی کی بھی نہیں ہوں گی۔ بس ان سب تبدیلیوں کے بعد زندگی گزارنا بہت مشکل ہو گیا۔

س ۔"کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟"

ج ۔شادی کی صبح ہی جب میرے شوہر سبزی لے کر واپس آئے تو انہوں نے اٹھایا اور کہا۔ آج سے میری ذمہ داری تمہاری ہے' اٹھو اور کچھ بنا لاؤ۔ میں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

نے جانا ہے۔ اور میں وہاں کھڑی ان کا منہ دیکھتی رہی کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ مجھے تو کچھ بنانا ہی نہیں آتا اور میری خراب قسمت نے اس دن میرا اتنا تماشا لگایا کہ بس۔ لڑکیاں شادی کی صبح میاں کے ساتھ ناشتا کرتی ہیں اور میں نے ان سے جوتوں کا ناشتا کیا۔

س ۔ ”میکے اور سسرال کے کھانوں میں فرق؟“

ج ۔ میکے اور سسرال کے کھانے میں بہت فرق تھا۔ میکے میں میری امی یا بڑی آپی ہی کھانا بناتی تھیں اور بہت اچھا بناتی تھیں اور ہم اپنے میکے میں کافی خوش حال تھے۔ ہم ایک وقت بناتے تھے کھانا اور اسی وقت کھاتے تھے۔ پر سسرال میں ایک وقت کھانا بنایا جاتا اور تین دن وہ ہی کھایا جاتا اور وہ کھانا بھی اتنا بدذائقہ کہ اللہ کی پناہ۔

س ۔ شادی میں اپنی مرضی کس حد تک تھی؟

ج ۔ شادی میں میری مرضی ذرا بھی نہیں تھی۔ میرے شوہر لڑکوں کے ساتھ ہمارے گھر کے ساتھ ہی ایک میدان تھا وہاں کھیلنے آتے تھے تو مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ ہی میرے شوہر ہوں گے..... میں ابھی چھوٹی ہی تھی اور وہ کافی بڑے تھے۔ جب بھی میں ان کو دیکھتی تھی میں ان کو کہتی تھی کالے بھائی کالے بھائی ان کو بہت غصہ آتا تھا۔ اور میں بھاگ جاتی تھی اور میرے شوہر شاید تب کا غصہ مجھ پر اب نکالتے ہیں۔

س ۔ سسرال میں کن باتوں پر تعریف/تنقید ہوئی؟

ج ۔ سسرال میں میری ہر بات پر آج بھی تنقید ہی ہوتی ہے۔ تعریف کیا ہے یہ تو میں شادی کے بعد جان ہی نہیں سکی۔ میری ہر بات پر تنقید ہی ہوتی تھی۔ میں بہت پیاری تھی۔ گورا رنگ، بہت خوب صورت پر شادی کے بعد یہ خوب صورتی میری بربادی بنی۔

س ۔ جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہے یا علیحدہ؟

ج ۔ پہلے ہم سب جوائنٹ ہی تھے پھر اب علیحدہ ہوگئے۔ اللہ کا بہت شکر ہے۔ میرے شوہر نے یہ جو کام کیا ہے اس کے لیے ہمیشہ میں ان کے لیے دعا کرتی ہوں۔

س ۔ پہلے بچے کی پیدائش؟

ج ۔ ہاں عورت کے لیے پہلے بچے کی پیدائش بہت اہمیت رکھتی ہے لیکن میری قسمت نے یہاں بھی میرا ساتھ نہ دیا۔ اللہ نے مجھے پہلی رحمت عطا فرمائی لیکن سسرال والوں نے بڑی باتیں بنائیں کہ یہ بس لڑکیاں ہی پیدا کرے گی۔ اللہ نے بعد میں آسانیاں پیدا کیں بیٹی کے بعد چار بیٹے عطا فرمائے۔ میرا خیال تھا۔ بیٹا ہوگا تو شاید میرا شوہر کچھ بدل جائے پھر بھی نہیں بدل پایا۔

س ۔ سسرال میں مقام؟

ج ۔ آپ مقام کی بات کرتے ہو، مجھے آج تک اپنے سسرال میں جگہ نہیں مل پائی۔ جو اپنے شوہر کے دل میں مقام نہ بنا پائے وہ سسرال میں کیسے بنا سکتی ہے۔ میرے سسرال میں مجھے نوکرانی کا درجہ بھی نہیں ملا۔ پتا نہیں کس چیز کی سزا ملی مجھے، پر اب میں علیحدہ ہوں، مجھے ان کی کوئی پروا نہیں جنہوں نے پچیس سال میری پروا نہیں کی مجھے ان کی کیوں ہو۔ یہ بات میں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

http://paksociety.com

عہدِ وفا

ایمان پریشے کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا مُنفرد ناول، مُحبت کی داستان جو معاشرے کے رواجوں تلے دب گئی، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

بُجھ نہ جائے دِل دیا

سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، مُحبت، نفرت، عداوت کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

قفس کے پنچھی

سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، علم و عرفان پبلشرز لاہور کے تعاون سے جلد، کتابی شکل میں جلوہ افروز ہو رہا ہے۔

آن لائن پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

جہنم کے سوداگر

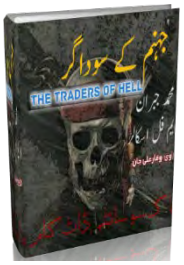

مُحمد جبران (ایم فِل) کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ایکشن ناول، پاکستان کی پہچان، دُنیا کی نمبر 1 ایجنسی آئی ایس آئی کے اسپیشل کمانڈو کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

شہیدِ وفا

مُسکان احزم کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ناول، پاک فوج سے مُحبت کی داستان، دہشت گردوں کی بُزدلانہ کاروائیاں، آرمی کے شب و روز کی داستان پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

آپ بھی لکھئے:

کیا آپ رائٹر ہیں؟؟؟۔ آپ اپنی تحاریر پاک سوسائٹی ویب سائٹ پر پبلش کروانا چاہتے ہیں؟؟؟

اگر آپکی تحریر ہمارے معیار پر پُورا اُتری تو ہم اُسکو عوام تک پہنچائیں گے۔ مزید تفصیل کے لئے یہاں کلک کریں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام، پاکستان کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی کتابوں کی ویب سائٹ، پاکستان کی ٹاپ 800 ویب سائٹس میں شُمار ہوتی ہے۔

Downloaded from Paksociety.com

صرف آپ سے کر رہی ہوں کیونکہ میں نے ہمیشہ اپنے بچوں کو یہ سمجھایا ہے کہ عزت کرو گے تو عزت ملے گی۔ بچے بہت عزت کرتے ہیں سب کی۔ میرے بچے بہت اچھے ہیں اور مجھ سے بڑا پیار کرتے ہیں۔ میرے ساتھ ساتھ پاپا سے اور دادی سے بھی بہت پیار کرتے ہیں۔ چھبیس سال میں نے اپنے سسرال میں گزارے۔

س ۔ شوہر سے تعلقات؟

ج ۔ شوہر سے تعلقات کیا ہوں گے آپ کو بتایا تو ہے کہ نہ سسرال پیار کرنے والا نہ شوہر.... جس نے پہلی صبح ہی میرا تماشا بنادیا ہو' وہ آگے کیا نہیں کر سکتا.... میں نے ہمیشہ ان سے پیار کیا لیکن شوہر نے ہمیشہ مجھے مارا ہی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا اب تک کہ سسرال والے مجھے اپنی پسند سے لے کر آئے تھے لیکن ایک دن بھی انہوں نے میری طرف داری نہیں کی۔ آخر میرا جرم کیا تھا۔ سسرال والے میری سائیڈ لیتے تو شاید میرا شوہر بھی ٹھیک ہو جاتا۔ پر نہیں۔ پتا نہیں کس کس بات کا بدلہ لیا ان لوگوں نے مجھ سے۔ میری نندیں اور انہوں نے ہمیشہ مجھے نیچا ہی دکھایا میں کھانا بناتی اور وہ مرچوں کا ڈبہ کھانے کے اندر ڈال دیتیں۔ حد کر دی انہوں نے' پر میں نے کچھ نہ کہا ان کو کہ اللہ لے گا میرا بدلہ ان سے۔ سسرال والے تو سسرال والے ان کا کیا گلہ کرنا لیکن شوہر تو اپنا ہوتا ہے' میرے شوہر نے ہی پروا نہیں کی اب تک میری۔ کسی جانور کے ساتھ بھی انسان رہتا ہے تو وہ بھی وفادار ہو جاتا ہے۔ میں تو انسان کے ساتھ پیار محبت اور مخلص ہو کر رہی لیکن وہ آج تک میرا نہ ہو سکا۔ بچے جوان ہو گئے ہیں لیکن وہ اب بھی مجھے مارتا ہے۔ بچے بھی بڑے پریشان ہوتے ہیں ان کے رویے سے۔ جب میری شادی ہوئی تو ان کی سبزی کی دکان تھی لیکن اب ماشاء اللہ اتنا اچھا کاروبار ہے ان کا لیکن کاروبار کا کیا فائدہ۔ جب ان کے دل میں میرے لیے ذرا سی بھی محبت نہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ ان کا دل پتھر ہے کیا۔ اب وہ بیمار رہتے ہیں لیکن پھر بھی سختی نہیں گئی ان کی۔ میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ ہر لڑکی کا نصیب اچھا کرے۔ ہر لڑکی کو اچھا شوہر ملے۔ جب شوہر اچھا ہو گا تو سسرال والے بھی اچھے ہوں گے۔ شوہر کی مدد ہو تو بڑے سے بڑا پہاڑ بھی کم لگتا ہے۔ میری والدین سے گزارش ہے کہ اپنے بچیوں کو پیار اور محبت سے رکھا کریں کیونکہ کوئی پتا نہیں ہوتا کہ آگے ان کے ساتھ کیا ہو۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

شائع ہو گئے ہیں

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 250 روپے

☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 600 روپے

☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

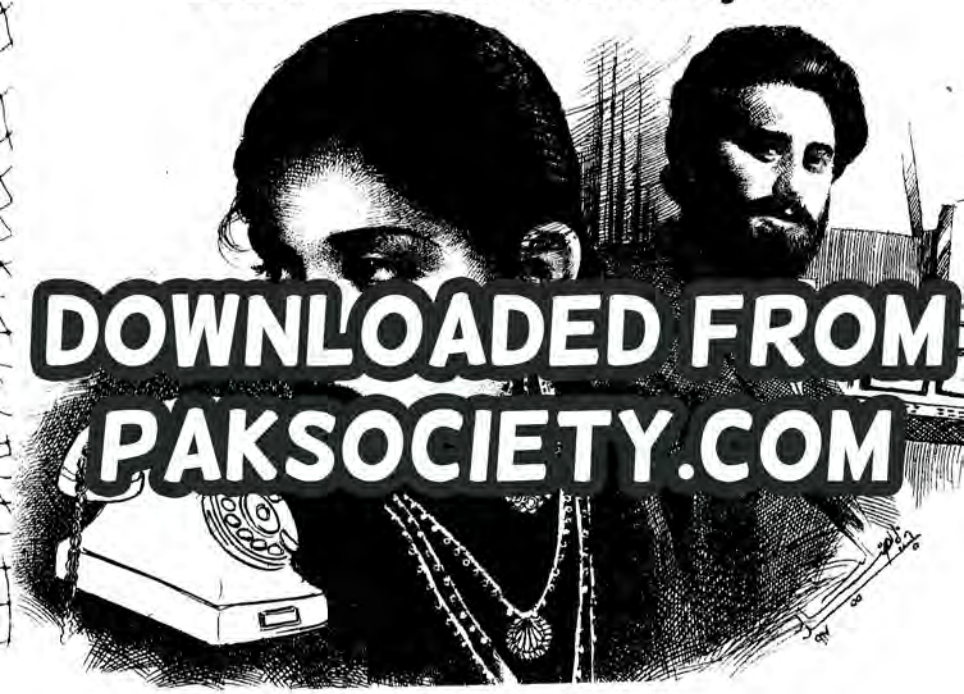

DOWNLOADED FROM
PAKSOCIETY.COM

صائمہ اکرم چوہدری

شہزاد

شہزاد غیر معمولی حسن کی مالک نہیں تھی لیکن حالات کی تلخیوں نے اس کی شخصیت کو مضبوط بنا دیا تھا۔ اس کے اعتماد نے اس کی شخصیت کو دل کشی عطا کی تھی۔

ٹرین میں ایک عورت اور مرد سفر کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ عورت اور مرد کو احساس تھا کہ موت ان کے تعاقب میں ہے ان کے تمام گھر والوں کو مار دیا گیا تھا۔ گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تو ماں نے فیصلہ کیا کہ بچے کو کسی جگہ چھوڑ دے، تاکہ اس کی جان بچ سکے۔ اس نے بچے کو ایک بینچ کے نیچے رکھ دیا اور خود ٹرین کی پٹڑی پار کرتے ہوئے حادثے کا شکار ہو گئی۔

میر ہاؤس میں محتشم علی اور خاقان علی کا خاندان آباد ہے۔

محتشم علی خان ایم این اے ہیں، ان کے تین بیٹے وہاج، برہان اور شاہ میر ہیں۔ بیٹی ایک ہی ہے جس کا نام ور شہوار ہے۔

خاقان علی نے دو شادیاں کی ہیں، پہلی بیوی شارقہ بیگم سے دو بیٹیاں انابیہ اور طوبیٰ ہیں۔ بیٹے کے لیے انہوں نے ندرت بیگم سے دوسری شادی کی، لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہو سکی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Downloaded from Paksociety.com

خاقان علی کی بہن فوزیہ اور ان کے شوہر ایک فضائی حادثے میں چل بسے تو ان کے دونوں بچوں نمیرہ اور ارسل کی پرورش ندرت بیگم نے کی ہے۔ نمیرہ کو لگائی بجھائی کی عادت ہے۔

ان کے گھر کے سامنے جنگل ہے جہاں طوبیٰ اور درِ شہوار امتحان میں کامیابی کے لیے برگد کے درخت پر دھاگا باندھنے رات کو جاتی ہیں اور شاہ میر انہیں پکڑ لیتا ہے۔ شاہ میر گھر والوں کے سامنے ان کا بھانڈا پھوڑ دیتا ہے، جس کی بنا پر ان کو گھر والوں سے بہت ڈانٹ پڑتی ہے۔

انابیہ کا نکاح برہان سے ہو چکا ہے، لیکن برہان کا سرد رویہ اسے افسردہ کرتا ہے۔

ٹینا بیگم فیشن انڈسٹری کی ایک معروف شخصیت تھیں۔ دو شادیاں ناکام ہو چکی تھیں۔ آج کل وہ تیسرے شوہر سے جان چھڑانے کے چکر میں تھیں۔ معروف بیوروکریٹ سیف الرحمٰن کے ساتھ ان کا نام لیا جا رہا تھا۔

پہلے شوہر سے ان کی دو بیٹیاں تھیں، بڑی شہرزاد جسے اعلا تعلیم کے لیے انہوں نے باہر بھجوا دیا تھا۔ رومیصہ چھوٹی تھی اور اس کی اپنی ماں سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ ان کے آئے دن کے اسکینڈل اس کے لیے مسئلہ بنتے تھے۔

اس نے خودکشی کی دھمکی دے کر شہرزاد کو پاکستان آنے پر مجبور کر دیا۔ شہرزاد کی آمد ٹینا بیگم کو شدید ناگوار گزری۔ شہرزاد پاکستان آئی تو ایک پرانی فون کال نے اسے ڈسٹرب کر دیا۔ طوبیٰ اور درِ شہوار غلطی سے برابر والے گھر میں داخل ہوئیں تو پتا چلا کہ جو گھر پچھلے ایک ماہ سے خالی پڑا تھا۔ وہاں محمد ہادی آ چکا ہے۔ محمد ہادی فارن سروس آفیسر ہے۔ تعلق ایک امیر اور اعلا تعلیم یافتہ گھرانے سے ہے۔ وہ اپنے دوست سعد کو بھی اپنے بنگلے میں لے آیا ہے۔

مخشم علی کا بیٹا وہاج شادی شدہ ہے، لیکن گھر کی ملازمہ صندل پر بری نظر رکھتا ہے۔ رومیصہ نے گھر میں شدید توڑ پھوڑ کی اور ٹینا بیگم سے شدید نفرت کا اظہار کیا۔ شہرزاد اسے ماہر نفسیات کو دکھانے کا مشورہ دیتی ہے۔

درِ شہوار اور طوبیٰ محمد ہادی کے بنگلے میں جاتی ہیں اور درخت پر چڑھ کر خوبانیاں توڑتی ہیں۔ محمد ہادی سختی سے پیش آتا ہے تو درِ شہوار اسے دھمکی دیتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان ٹھن جاتی ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ٹینا بیگم، شہزاد کے ساتھ ایک آستانے پر جاتی ہیں۔ واپسی پر گھر کے گملے ٹوٹے ہوئے ملتے ہیں۔ ان کے تیسرے شوہر ہارون رضا بتاتے ہیں کہ رومیصہ نے پھر ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ وہ ٹیپ دکھاتے ہیں تو ٹینا بیگم کا سر گھوم جاتا ہے۔
بریگیڈیئر وقار درانی کی بیٹی کنزہ درانی کی گاڑی کی ٹکر سے جسٹس محمود کا بیٹا روحیل محمود ہلاک ہو جاتا ہے۔ رومیصہ اس وقت کنزہ کے ساتھ تھی۔ کنزہ کے والد اسے کیس سے نکال لیتے ہیں مگر رومیصہ پھنس جاتی ہے۔ "ہم زاد" کے مشورے سے شہزاد اس کا کیس لڑنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ رومیصہ کی وجہ سے ٹینا اور ہارون رضا کے درمیان تلخی بڑھ جاتی ہے۔ درشہوار، طوبیٰ اور نمرہ تینوں امتحان میں فیل ہو جاتی ہیں۔ مگر شرارتیں عروج پر ہیں۔ بالآخر محمد ہادی تنگ آکر برہان سے ان کی شکایت کرتا ہے۔ گھر والے تینوں کو ڈانٹتے ہیں۔ درشہوار اور طوبیٰ واک کے لیے نکلی ہوتی ہیں کہ ایک کتا ان کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ درشہوار ڈر کے مارے جنگل میں گھس جاتی ہے۔ جہاں اتفاق سے محمد ہادی موجود ہوتا ہے۔ وہ کتے کو مار دیتا ہے۔ اس کا ہمدردانہ رویہ درشہوار کے دل کی دنیا بدل دیتا ہے۔

خاقان صاحب کا نام کسی اداکارہ کے ساتھ لیا جا رہا ہے۔ یہ خبر پڑھ کر انابیہ کو صدمہ پہنچتا ہے۔ ایسے میں برہان کا نرم رویہ اس کے لیے ڈھارس بنتا ہے، مگر اسی لمحے برہان کے سیل پر کسی لڑکی کی کال اسے خدشات میں مبتلا کر دیتی ہے۔
وہاج کی فرمائش پر صندل کو نور محل بھیج دیا جاتا ہے۔ ایک دن وہاج کو اپنی شیطانی خواہش پوری کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ صندل کو بے دست و پا کر کے کمرے میں لے جاتا ہے۔
صندل گم صم حالت میں میر ہاؤس واپس آجاتی ہے۔ سب اس کی حالت کی وجہ سے تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ برہان اسے سائیکاٹرسٹ کو دکھانے کا مشورہ دیتا ہے تو اس کی امی یہ ذمہ داری اسے ہی سونپ دیتی ہیں۔ وہ انابیہ کے ایڈمیشن کے معاملے میں بھی دلچسپی لیتا ہے۔ انابیہ بہت خوش ہوتی ہے۔
محمد ہادی اپنے افسران کی جھاڑ سن کر سخت چراغ پا ہوتا ہے۔ میر خاقان جنگلات کی لکڑی چرانے میں ملوث ہیں۔ ہادی مخالف پارٹی کو کیس کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور انہیں اپنی والدہ کے پاس بھیج دیتا ہے۔ ٹینا بیگم کی مسز قریشی سے جان پہچان ہے۔ اسی لیے شہزاد ان کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ مسز قریشی شہزاد کی صلاحیتوں سے متاثر ہوتی ہیں۔ آفس میں شہزاد کی ہادی سے ملاقات ہوتی ہے، جو کچھ خوش گوار نہیں ہوتی۔
درشہوار کے دل میں ہادی کی محبت بڑھتی جا رہی ہے۔ وہ اس کے اظہار سے بھی نہیں گھبراتی، مگر طوبیٰ یہ جان کر سخت پریشان ہوتی ہے۔
رومیصہ کو کنزہ فون کر کے بلاتی ہے۔ وہ شرمندہ ہے اور کیس کے حوالے سے اس کی مدد کرنا چاہتی ہے۔ رضا ہارون، رومیصہ سے فری ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ انہیں تھپڑ مار کر چلی جاتی ہے اور راستے میں اغوا ہو جاتی ہے۔ اسے اپنے اغوا کا کنزہ پر شک ہے۔ شاہ میر چھٹی پر بنا کسی کو بتائے گھر آتا ہے۔ جہاں اس کی مڈبھیڑ طوبیٰ سے ہو جاتی ہے۔ وہ اس سے تھوڑا ہنسی مذاق کر کے اپنے کمرے کی جانب بڑھ جاتا ہے۔ جہاں دماغ کو ماؤف کر دینے والا ایک منظر اس کا منتظر تھا۔
صندل خودکشی کر لیتی ہے۔ طوبیٰ کو صندل کے ہاتھ لکھا ایک رقعہ ملتا ہے حقیقت جان کر وہ تمام مردوں سے متنفر ہو جاتی ہے۔ شاہ میر سے اس کا رویہ بدل جاتا ہے۔ صندل کی موت وہاج کا سکون بھی غارت کر دیتی ہے۔ شاہ میر اور طوبیٰ کو صندل کی پازیب چھنکنے کی پراسرار آواز سنائی دیتی ہے۔
برہان، انابیہ کو یونی ورسٹی میں کسی کو بھی نکاح کے متعلق بتانے سے منع کرتا ہے درشہوار ہادی سے اظہار محبت کرتی ہے تو وہ اسے جھڑک دیتا ہے۔ ہادی کسی اور کی محبت میں مبتلا ہے۔
شہزاد، میر خاقان کو عدالتی نوٹس بھیجتی ہے۔ جس کا مقابلہ کرنے کا وہ ذہن بنا لیتے ہیں۔ مونیکا اور ذوالکفل اسٹوڈنٹس ہیں اور ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ مونیکا عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنا چاہتی ہے۔
ہم زاد، شہزاد کو مشورے اور چند تصاویر دیتا ہے۔ شہزاد کو بیرسٹر محمود پر شک ہے ہم زاد اسے رد کر دیتا ہے۔ مگر اے ایس پی ارتضیٰ حیدر تائید کرتا ہے۔ اسے شہزاد پسند آگئی ہے جب شہزاد، ارتضیٰ کے حوالے سے مذاق کرتی ہے تو ہم زاد ناراض ہو جاتا ہے۔

DOWNL[redacted] FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

رومیصہ لوروحیل کے دوست نے کنزہ کی گواہی کی بنا پر اغوا کیا ہے اور اسے مارنا چاہتا ہے۔ اسی لمحے کہیں سے گولی چلنے کی آواز آتی ہے۔

رومیصہ کو اغوا کرنے والوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ دوستوں کے علم میں لائے بغیر رومیصہ کو اغوا کرنے والا گن پوائنٹ پر اس سے نکاح کرلیتا ہے۔

ہم زاد، شہرزاد سے رکھائی سے پیش آتا ہے تو وہ اس سے قطع تعلق کرلیتی ہے۔ شہرزاد اپنے دوستوں کی مدد سے پریس کانفرنس کرتی ہے، جس کی وجہ سے وقار درانی اس سے ملنا چاہتے ہیں، مگر وہ انہیں اہمیت نہیں دیتی۔ شہرزاد کی سیف الرحمٰن سے بھی ملاقات ہوتی ہے۔ وہ شہرزاد سے متاثر ہوتے ہیں۔

برہان کی اپنی شاگرد مناہل قریشی سے دوستی ہے، جس سے پوری یونیورسٹی واقف ہے۔ یہ بات انابیہ کو رنج میں مبتلا کردیتی ہے۔

درشہوار کے ایک بار پھر فری ہونے پر ہادی اسے جھڑک دیتا ہے۔ درشہوار اس غم سے بیمار ہوجاتی ہے۔

شہرزاد، شجاع غنی کا مقدمہ بہترین انداز میں لڑتی ہے، جس پر میر خاندان طیش میں آجاتا ہے۔ وہ فون پر ارتضیٰ حیدر سے بات کررہی ہوتی ہے کہ کچھ لوگ اس کا تعاقب کرتے ہیں۔ ارتضیٰ فائرنگ سن کر پریشان ہوجاتا ہے۔

مونیکا کے والدین اس کے پاس قرآن پاک کی تفسیر دیکھ کر پریشان ہوجاتے ہیں اور جلد از جلد اس کی شادی کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ مونیکا یہ جان کر پریشان ہوجاتی ہے اور ذوالکفل کو شادی کی پیش کش کرتی ہے۔

ساتویں قسط

ٹینا بیگم کی طبیعت صبح سے کچھ اپ سیٹ تھی!

شہرزاد کی پریس کانفرنس نے خرابیٔ طبیعت میں مزید اضافہ کردیا تھا۔ تب ہی سیف الرحمٰن کی کال آئی تو وہ ان کو منع نہیں کرپائیں، اور ان کے ساتھ میریٹ میں ڈنر کرنے چلی آئیں۔ ڈنر کے دوران بھی دونوں کا موضوعِ گفتگو شہرزاد کا تازہ ترین کیس تھا جس کی آج دوپہر میں پیشی تھی۔

وہ کھانا کھانے میں مصروف تھیں، جب اچانک ٹی وی پر چلنے والی بریکنگ نیوز میں آنے والے بیرسٹر شیری کے نام نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کروالی۔ نیوز رپورٹر گلا پھاڑ پھاڑ کر اسلام آباد ایکسپریس وے پر ہونے والے حملے کے بارے میں بتا رہا تھا۔

ٹینا بیگم کو سووات کا کرشٹ لگا، انہوں نے بوکھلا کر سامنے دیوار پر لگی ایل ای ڈی پر شہرزاد کی تباہ حال گاڑی کو دیکھا، ان کے ہاتھ سے کرسٹل کا گلاس چھوٹ کر نیچے جا گرا اور کرچیوں کی صورت میں زمین پر بکھر گیا۔ ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا۔ گاڑی پر گولیوں کی بارش کی گئی تھی۔ وہ اندازہ کرسکتی تھیں کہ اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہوا ہوگا۔

"اوہ مائی گاڈ۔!" انہوں نے خوف زدہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ لبوں پر رکھ لیے۔ سیف الرحمٰن نے ان کی نظروں کے تعاقب میں ٹی وی کی طرف دیکھا جہاں پر ٹیکر چل رہا تھا۔ ان کو بھی جھٹکا لگا۔

"بیرسٹر شہرزاد پر اسلام آباد ایکسپریس ہائی وے پر قاتلانہ حملہ۔"

"سیفی! میری بیٹی۔" ان کے منہ سے بمشکل یہ الفاظ نکلے، وہ حواس باختہ انداز میں کھڑی ہوئیں۔ انہیں لگا جیسے زمان و مکان کی گردشیں ایک لمحے کو تھم سی گئی ہیں اور کسی نے پوری ٹرین ان کے وجود پر سے گزار دی ہے۔

"ٹیک اٹ ایزی۔ لی بریو ٹینا۔" سیف الرحمٰن نے فوراً اٹھ کر ان کو سہارا دیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"ناظرین' بیرسٹر شہرزاد آج کل وفاقی وزیر حاکم علی کے بیٹے میر خاقان علی کے خلاف ایک کیس کے حوالے سے کافی خبروں میں تھیں۔"

ٹی وی پر کسی نیوز اینکر نے پگھلا ہوا سیسہ ان کے کانوں میں انڈیلا' میر حاکم علی کا نام سن کر ان کے دماغ میں آندھیاں چلنے لگیں' اس خاندان کو کون نہیں جانتا تھا۔ وہ چلتے چلتے رکیں اور ایک پلر کو پکڑ کر انہوں نے خود کو گرنے سے بچایا۔

دماغ میں سوچوں کا اژدھام تھا اور ذہن اس قدر منتشر تھا کہ کسی بھی مثبت سوچ کو وہاں قدم جمانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ان کی پیشانی پر نمودار ہونے والی پسینے کی بوندیں سیف الرحمن کی نظروں سے مخفی نہیں رہ سکیں۔

ابھی تو روبیصہ کی کوئی خبر نہیں تھی کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ اوپر سے شہرزاد پر ہونے والے اس حملے نے ان کی کمر توڑ دی تھی۔ ہوٹل سے اسپتال کا سارا راستہ انہوں نے ٹشو پیپر سے اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے گزارا۔ اسپتال کی پارکنگ میں سیفی کی گاڑی جیسے ہی رکی' میڈیا سے تعلق رکھنے والے بے شمار نیوز رپورٹرز اور صحافی ان کی طرف لپکے۔ ٹینا بیگم کا بیورو کریٹ سیف الرحمن کے ساتھ آنا بھی ایک بڑی خبر تھا۔

"میم! بیرسٹر شیری پر ہونے والے حملے کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں؟" مختلف رپورٹرز کے سوالات نے ان کا تعاقب کیا۔

وہ ان سوالوں کا کوئی بھی جواب دیے بغیر تیز تیز کوریڈور میں چل رہی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر شیری کے پاس پہنچ جاتیں۔ بے شمار کیمروں نے مشہور و معروف بیورو کریٹ سیف الرحمن اور ٹینا بیگم کو ایک ساتھ اپنے اپنے کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیا۔

"میم! آپ کے خیال میں بیرسٹر شیری کو کس نے مارنے کی کوشش کی ہے؟"

"آئی ڈونٹ نو۔" وہ بمشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے تیزی سے آئی سی یو کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

"آپ کے خیال میں اس قاتلانہ حملے کے پیچھے آپ کی دوسری بیٹی کے اغوا کاروں کا تعلق ـــــ ہے یا کوئی اور؟" ایک اور سوال نے ان کا تعاقب کیا' وہ چلتے چلتے رکیں' ان کا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ ہوا۔

"فار گاڈ سیک' کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو' میری بیٹی اس وقت آئی سی یو میں ہے اور میں ابھی کوئی بھی اسٹیٹمنٹ دینے کے قابل نہیں ہوں۔" وہ لوگوں کے ہجوم کو دھکیلتی ہوئی سیف الرحمن کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھیں۔

"ٹینا میم' اس موقعے پر آپ کچھ کہنا چاہیں گی؟" ایک اور صحافی بھاگ کر عین ان کے سامنے آن کھڑا ہوا اور اس نے اپنا مائیک جیسے ہی ٹینا کے آگے کیا' ان کے ضبط کا دامن چھوٹ گیا۔

"شٹ اپ' آئی سے جسٹ شٹ اپ۔" ان کے چیخنے پر ایک دم سناٹا چھا گیا' بہت سے رپورٹر غیر شعوری طور پر دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔

"ٹینا' پلیز کول ڈاؤن!"

سیفی نے نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑا اور بڑی سرعت سے آگے نکلے اور ارتضیٰ حیدر نے دور کھڑے ہی ساری صورت حال کا اندازہ لگا لیا' اس کے اشارے پر بہت سے سیکیورٹی گارڈز نے ٹینا بیگم کو اپنے حصار میں لیا اور وہ اب بغیر کسی رکاوٹ کے آئی سی یو کے پاس پہنچ گئی تھیں۔

اس کوریڈور میں بہت خاص خاص لوگ موجود تھے' جن میں سب سے نمایاں چہرہ مسز قریشی کا تھا۔ جو اس وقت میڈیا کے کچھ نمائندوں کو اپنا پوائنٹ آف ویو بڑے متحمل انداز میں بتا رہی تھیں۔

"شہرزاد آج کل ٹمبر مافیا کے خلاف کیس لڑ رہی تھی اور مجھے لگتا ہے اس کارروائی کے پیچھے ان لوگوں کا بھی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"آپ کا اشارہ میر خاقان علی کی طرف ہے۔" ایک رپورٹر نے چکا لینے کے انداز میں کہا لیکن اس سے پہلے وہ اس کے سوال کا کوئی جواب دیتیں۔ ان کی نظر ٹینا بیگم پر پڑی' وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھیں۔

"عالیہ' میری بیٹی....." ٹینا بیگم کے منہ سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر باہر نکلے۔

"ٹینا' ٹیک اٹ ایزی۔ وہ خطرے سے باہر ہے۔" مسز عالیہ قریشی نے فوراً انہیں بتایا لیکن ٹینا بیگم ہنوز سخت تشویش کا شکار تھیں۔

"کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹرز؟"

"ایک گولی شیری کے کندھے کو چھو کر گزری ہے اور گاڑی کے کچھ شیشے ٹوٹ کر لگے ہیں' باقی ڈرائیور اللہ کا شکر ہے محفوظ ہے۔" مسز قریشی کی اطلاع پر ٹینا بیگم کی سانسیں بحال ہوئیں۔

"تھینک گاڈ۔" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"میں دیکھ سکتی ہوں اسے۔" انہوں نے اپنی نم ہوتی آنکھوں کو ٹشو سے صاف کیا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" مسز قریشی نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر آئی سی یو کی شیشے کی دیوار طرف لے آئیں۔

سامنے شہرزاد کا وجود بے شمار تاروں اور مشینوں میں جکڑا ہوا تھا' اس کے چہرے پر زردیاں گھلی ہوئی تھیں' وہ اس وقت بے ہوش تھی۔ ٹینا بیگم کے دل پر کسی نے گھونسا مارا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ شہرزاد کو اس حالت تک پہنچانے والوں کا منہ نوچ لیتیں یا کم سے کم پھانسی کے پھندے سے لٹکا دیتیں۔

"بی بریو ٹینا!" مسز عالیہ قریشی نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا۔

"میں ان لوگوں کو چھوڑوں گی نہیں۔" وہ روتے ہوئے زیر لب کہہ رہی تھیں۔

"ٹینا! پلیز ٹیک اٹ ایزی۔"

ایک کونے سے سیف الرحمٰن نکل کر آگے بڑھے۔ ٹینا بیگم کو اس وقت کسی جذباتی سہارے کی اشد ضرورت تھی' وہ بلا ارادہ ان کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگیں' بے شمار کیمروں کی فلیش لائٹس چمکیں اور انہوں نے اس منظر کو بھی اپنی آنکھ میں محفوظ کر لیا' آنے والے دنوں میں یہ خبر ایک دفعہ پھر چٹ پٹے مسالے کی صورت میں اخبارات اور میگزین کی زینت بننے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

برکھا رت کی جھڑی نے مری میں ایک سماں باندھ رکھا تھا۔ گھنگھور گھٹائیں کیا برسیں' ہر چیز نکھری نکھری نظر آنے لگی۔ بھیگا موسم منچلا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی پھولوں اور درختوں نے ساون میں جھومنا شروع کر دیا۔

عام حالات میں تو در شہوار اور اس کی کزنز اس موسم کو خواب انجوائے کرتیں لیکن در شہوار کی طبیعت کی خرابی نے پورے میر ہاؤس میں ایک اداسی کی کیفیت طاری کر رکھی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے چہکنے والی بلبل کا کسی نے گلا گھونٹ دیا ہو۔

در شہوار کا بخار کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر ثبت ہو چکی تھی۔ محمد ہادی کی آخری گفتگو نے اسے آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا۔ ابھی تک اس کے حواس بحال نہیں ہوئے تھے۔

اس کی معصوم شرارتیں' شوخ جملے اور بے ضرر سی گستاخیوں کا اس نے انتہائی غلط اور برا مطلب اخذ کیا تھا۔ در شہوار اس کے تلخ الفاظ تو بھول سکتی تھی لیکن اس کا زہر آلود لہجہ اس کی راتوں کی نیند اور دن کا سکون برباد کر چکا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

تھا۔

عزت نفس کو روند کر حاصل کی جانے والی محبت کا روپ اتنا بھیانک بھی ہو سکتا ہے' در شہوار کو اس کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ شخص اس کے پندار کو روند کر بڑی شان سے چلا گیا تھا اور اس کے اندر بے چینی کا ایک جہان آباد ہو گیا تھا۔

پچھلے تین دن سے وہ سوچوں کے اس جہنم میں جل رہی تھی۔ جو بخار کی صورت میں اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا' چونکہ ہر شرارت کا آغاز در شہوار کی طرف سے ہوتا تھا' اس لیے نمیرہ' طوبیٰ اور انابیہ بھی دم سادھے بیٹھی تھیں۔ اس دن نمیرہ جھنجلا کر اپنی گیدنگ لیڈر کے کمرے میں چلی آئی۔

"خدا کے لیے در شہوار اب ٹھیک ہو جاؤ' قسم سے سخت بوریت پھیلا رکھی ہے تم نے۔"

نمیرہ گرما گرم پکوڑوں کی پلیٹ لیے اندر داخل ہوئی اور سوئچ بورڈ کے سارے ہی بٹن نیچے کر دیے' پورا کمرہ روشنیوں سے بھر گیا' در شہوار نے بے ساختہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر بڑی قوت سے ابھرا۔ یہ روشنیاں اور اجالے اسے کچھ دن سے بہت برے لگ رہے تھے۔ نمیرہ خفا نظروں سے اسے گھورا۔

"اتنا آفت موسم ہے' دل کر رہا ہے فوراً" کشمیر پوائنٹ پر لمبی واک کر کے آئیں۔" اس نے در شہوار کے کمرے کی کھڑکی کا پردہ پیچھے کیا۔ سامنے ہادی کے کمرے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کی کھڑکیاں بھی کھلی ہوئی تھیں لیکن وہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔

"ارے واہ' کیا مزے دار چٹنی ہے پودینے کی۔" نمیرہ نے ایک زوردار چٹخارا لیا لیکن در شہوار پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں' کہیں خدانخواستہ قوت گویائی سلب تو نہیں ہو گئی تمہاری؟" نمیرہ نے اس کے پاس آ کر شرارت سے کمبل ہٹایا' در شہوار کو کرنٹ لگا۔ وہ غصے سے اٹھ بیٹھی اور شعلہ اگلتی نگاہوں سے نمیرہ کو گھورنے لگی' جس کی شوخیاں اس وقت زہر لگ رہی تھیں اسے۔

"پکوڑے کھاؤ گی؟" اس نے مسکراتے ہوئے ایک پکوڑا اس کی طرف بڑھایا' وہ ایک جھٹکے سے اٹھی' غصے سے نمیرہ کا بازو پکڑا اور کھینچتی ہوئی کمرے کے دروازے کے پاس لے گئی اور زور سے باہر کی طرف دھکا دے کر دروازہ لاک کر لیا۔

نمیرہ جو اس حملے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھی' وہ سامنے سے آتے ہوئے شاہ میر سے بری طرح ٹکرائی' اس کے ہاتھوں سے پکوڑوں کی پلیٹ اچھل کر زمین پر جا گری اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتی ہوئی طوبیٰ نے یہ منظر انتہائی بے زاری سے دیکھا۔ شاہ میر اور نمیرہ کی بڑھتی ہوئی بے تکلفی اس کی دل آزاری کا باعث بن رہی تھی۔

"استغفراللہ' یہ تم کیا بگولے کی طرح اڑتی پھر رہی ہو؟" شاہ میر نے سہارا دے کر اسے کھڑا کیا۔

"تمہاری بہن کا کارنامہ ہے یہ' وہ بھی بخار میں۔" نمیرہ نے برا سا منہ بنایا۔

"تمہیں کس نے کہا تھا' اسے چھیڑو؟"

"جب اپنا موڈ ہو تو کسی کو بخشتی ہے وہ۔" نمیرہ نے حسرت بھری نگاہوں سے زمین پر گرے پکوڑوں کو دیکھا۔

"پتا ہے ناں' آج کل طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔" شاہ میر نے فوراً" بہن کی طرف داری کی۔

"تمہیں خیال رکھنا چاہیے اس کا۔" شاہ میر نے کن اکھیوں سے طوبیٰ کے چہرے کے بگڑے ہوئے زاویے دیکھے اور اپنے ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا' کیونکہ اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا کہ زمین پر پڑی ہوئی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

پلیٹ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارتی۔ وہ منہ بناتی ہوئی سامنے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی' ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کا بٹن آن کیا لیکن اس کے کان شاہ میر اور نمیرہ کی جانب لگے تھے۔

"اسی لیے تو گئی تھی کہ اس کا دل بہل جائے' لیکن اس نے تو ذرا بھی لحاظ نہیں کیا۔" اس نے منہ بنا کر در شہوار کی شکایت لگائی۔

"کوئی بات نہیں' خود ہی سیٹ ہو جائے گی دو چار دن میں۔" شاہ میر نے اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔

"تمہارے پاس کچھ ٹائم ہے تو مارکیٹ چلو گے میرے ساتھ؟" نمیرہ کی اس فرمائش پر طوبیٰ کے کان کھڑے ہو گئے۔

"تمہارے لیے ٹائم نہیں ہو گا تو اور کس کے لیے ہو گا۔" شاہ میر کا شوخ جملہ طوبیٰ کو سلگا گیا۔

"ارے واہ' مجھے تو پتا ہی نہیں تھا' میں بھی اتنی اہم ہوں کسی کے لیے۔" نمیرہ کھلکھلا کر ہنسی اور طوبیٰ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"دو منٹ میں ریڈی ہو جاؤ' میں چینج کر کے آتا ہوں' واپسی پر واک بھی کریں گے لمبی سی۔" شاہ میر نے کن اکھیوں سے طوبیٰ کا سرخ چہرہ دیکھتے ہوئے اسے مزید جلایا' وہ جانتا تھا کہ اس وقت اس کا بس نہیں چل رہا ہو گا کہ ان دونوں کو میرہاؤس کی چھت سے دھکا دے دے اور وہ دونوں دوسرا سانس تک نہ لے سکیں۔

☆ ☆ ☆

شہرزاد کو کچھ ہی گھنٹوں کے بعد ہوش آ چکا تھا۔

اسے آئی سی یو سے پرائیوٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا۔ اب اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔

شہرزاد کے ہوش میں آتے ہی' پولیس اس کا بیان ریکارڈ کرنے آن پہنچی اور شہرزاد نے خاصی عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نپے تلے انداز میں اپنا بیان دیا تھا۔ اس کے لہجے میں اپنے دشمنوں کے لیے کوئی لچک نہیں تھی۔

"اس حادثے کے بعد آپ کا مورال کم تو نہیں ہوا؟" ایک صحافی نے سنجیدگی سے اس سے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے میرے مخالفین کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ جب انسان موت کی دہلیز کو چھو آتا ہے تو وہ نفع و نقصان سے بے نیاز ہو جاتا ہے' دنیا میں سب سے خوفناک چیز موت ہے اور اس کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ اب دنیا کی کوئی بھی چیز مجھے نہیں ڈرا سکتی۔" وہ بڑے متحمل انداز میں بولتی ہوئی بہت سے لوگوں کو رشک میں مبتلا کر گئی۔

"میم! میرا خیال ہے کہ یہ حملہ اسی کیس کے تناظر میں ہوا ہے جو آج کل آپ ٹمبر مافیا کے خلاف لڑ رہی تھیں۔"

"تو اس کا تو پھر یہی مطلب ہوا کہ میرے مخالفین مجھ سے خوف زدہ ہیں اور مجھے تو اس بات کو انجوائے کرنا چاہیے۔" اس کی بات پر وہاں کھڑے کچھ رپورٹرز ہنس پڑے۔

"میرا خیال ہے اب یہ سیشن ختم ہو جانا چاہیے' آپ لوگوں سے رابطہ رہے گا۔" شہرزاد نے بہت سمجھ داری سے میڈیا کے لوگوں کو ہینڈل کیا تھا' وہ جانتی تھی کہ موجودہ دور میں ان سے بگاڑنا سب سے بڑی بے وقوفی تھی' ان سب کے نکلتے ہی ٹینا بیگم اس کے بالکل قریب آن پہنچیں۔

انہوں نے صدمے بھری نگاہوں سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا' اس کی آنکھیں متورم' بال الجھے ہوئے اور چہرہ انتہائی زرد تھا لیکن اس کا لہجہ پہلے کی طرح پر اعتماد اور مضبوط تھا اور اس چیز نے ٹینا بیگم کو بھی حیران کیا تھا' وہ یہ چیز

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

زندگی میں کبھی نہیں سیکھ پائی تھیں۔

"میں چھوڑوں گی نہیں ان لوگوں کو۔" ٹینا بیگم کی آنکھوں سے امڈنے والے آنسو شہرزاد کو تکلیف دے رہے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں مام۔" اس نے زبردستی مسکرا کر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"تم میر حاتم کی فیملی کے خلاف کیس لڑ رہی تھیں' تم نے یہ بات مجھے کیوں نہیں بتائی۔" ان کے پریشان چہرے کو شہرزاد نے تعجب سے دیکھا۔

"مام! میرا تو کام ہی یہی ہے' آپ کیوں ٹینس ہو رہی ہیں۔" وہ بمشکل اٹھ کر بیٹھی' اس کی رگوں میں ابھی تک کھچاوٹ تھی' اس نے اپنی ہتھیلی سے گردن کو مسلا اور تکیے کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔

"لیکن اس خاندان سے ٹکر لینا کوئی آسان کام نہیں۔" ان کے لہجے میں ہلکا سا خوف پوشیدہ تھا۔

"کم آن مام' ظالم دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو' وہ ایسا ہی ہوتا ہے' آپ ٹینشن مت لیں' ایسے لوگوں کو ہینڈل کرنا آتا ہے مجھے۔" اس نے مسکرا کر اپنی ماں کو مطمئن کرنے کی ایک اور ناکام کوشش کی۔

اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ارتضیٰ حیدر کا مسکراتا ہوا چہرہ نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سفید للی کے پھولوں کا خوب صورت گلدستہ تھا جو وہ شہرزاد کے لیے لایا تھا۔ ٹینا بیگم نے توصیفی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا' دراز قامت ارتضیٰ پولیس یونیفارم میں خاصا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ وہ شاید آفس سے سیدھا ادھر آگیا تھا۔

"السلام علیکم آنٹی۔" اس نے ٹینا بیگم کو مخاطب کیا تو انہوں نے ہلکا سا سر خم کر کے اسے جواب دیا۔

"نئی زندگی کی نئی صبح مبارک ہو شہرزاد۔" اس نے مسکراتے ہوئے پھولوں کا بکے شہرزاد کی طرف بڑھایا۔

"یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا۔" شہرزاد جانتی تھی' اسے بروقت اسپتال لانے والا وہی شخص تھا۔

"کچھ پتا چلا' کون لوگ تھے' کہاں سے آئے تھے اور کس نے فائرنگ کروائی۔" ٹینا بیگم نے ایک سانس میں کئی سوال کیے۔

"ہمارا شک تو دو پارٹیوں پر ہے۔ مزید انویسٹی گیشن ہو رہی ہے' ان شاء اللہ جلد ہی پتا چل جائے گا۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"رومی والے معاملے کا کیا بنا؟" شہرزاد کے فکرمند انداز پر وہ مسکرایا۔

"پہلے آپ خود تو ٹھیک ہو جائیں۔"

"آپ نہیں جانتے ارتضیٰ! یہ مسئلہ میری زندگی سے زیادہ اہم ہے' میں رہوں نہ رہوں' لیکن رومی کو واپس لانا ہے مجھے۔"

"اللہ نہ کرے۔" ارتضیٰ کا بے ساختہ لہجہ دونوں ماں بیٹی کو چونکا گیا۔

"میرا مطلب ہے' اپنی زندگی کو اتنا لائٹ کیوں سمجھتی ہیں آپ' کیوں آنٹی۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے وہ' اب تو جتنا نقصان ہونا تھا ہو گیا' تمہیں سب سے پہلے اپنی حفاظت کرنی چاہیے' باقی معاملات تو زندگی کے ساتھ چلتے ہی رہیں گے۔" ٹینا بیگم کے فکرمند لہجے پر وہ مسکرائی۔

اسی لمحے ارتضیٰ کے سیل فون کی گھنٹی بجی اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا' اس کی آئی جی صاحب سے کوئی ہنگامی میٹنگ تھی اور اس کی گفتگو سے شہرزاد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے فوراً نکلنا ہے۔

"میں نے روم کے باہر سیکیورٹی گارڈز کھڑے کر دیے ہیں اور بہتر ہو گا کہ آپ کچھ دن تک لوگوں سے کم ملیں۔" اس نے جاتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔

"سوری' یہ ممکن نہیں ہے میرے لیے' میں کیسے لوگوں کو منع کر سکتی ہوں۔" ارتضیٰ کو اس کی طرف سے اسی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

جواب کی توقع تھی۔

"آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ابھی بھی آپ ٹارگٹ پر ہیں۔"

"میں جانتی ہوں' ایسا نہیں ہے۔"

اس کے بے ساختہ انداز پر وہ چونکا۔ "مطلب؟"

"مجھے مارنے والے لوگوں کا نشانہ اتنا کمزور نہیں ہو سکتا' مجھے معلوم ہے یہ صرف ایک ہلکی پھلکی سی وارننگ دی گئی ہے۔" شہزاد کی ذہانت اسے اکثر لاجواب کر دیتی تھی۔

"لیکن ارتضٰی ٹھیک کہہ رہا ہے' تمہیں پھر بھی محتاط رہنا چاہیے۔" ٹینا بیگم نے فوراً اس کی طرف داری کی تو ارتضٰی نے غور سے اس لڑکی کی طرف دیکھا' جو بعض دفعہ اسے اچھے خاصے امتحان میں ڈال دیتی تھی۔

اس کے بازوؤں پر کافی خراشیں تھیں اور کندھے پر تو بھاری بھرکم قسم کی بینڈیج بھی تھی' جس کا اچھا خاصا بوجھ تھا۔ ڈاکٹرز وقفے وقفے سے اسے پین کلر انجکشن لگا رہے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ بار بار غنودگی میں جا رہی تھی۔

شام چار بجے کے قریب مسز قریشی اپنے شوہر کے ساتھ اس کی عیادت کے لیے آئیں تو وہ میڈیسن کے زیر اثر غنودگی میں تھی۔ انہوں نے اندر داخل ہوتے ہی اشارے سے ٹینا بیگم کو اسے اٹھانے سے منع کر دیا۔

وہ اپنے ساتھ لائے ہوئے پھل اور پھول سائیڈ میز پر رکھ کر ٹینا بیگم کے ساتھ کوریڈور میں آ گئیں۔ کمرے کے باہر پولیس کی کافی نفری تھی۔ وہ تینوں مہمانوں کے لیے بنے ہوئے کمرے میں آ گئے۔

"شہزاد پر حملے میں استعمال ہونے والی گاڑی ٹریس ہو گئی ہے۔" مسز قریشی کی بات پر ٹینا بیگم کے کان کھڑے ہو گئے۔

"گاڑی کسی ملک جہانگیر کے نام پر رجسٹرڈ ہے ملتان میں۔" انہوں نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"تو پتا چلا کون ہے وہ شخص؟" ٹینا بیگم نے عجلت بھرے انداز میں ان کی بات کاٹی۔

"خود تو ملک جہانگیر ملک سے باہر ہے لیکن اس گاڑی کی گمشدگی کی اس نے چند ماہ پہلے تھانہ گلگشت میں ایف آئی آر کٹوا رکھی ہے۔"

"اوہ نو۔" ٹینا بیگم کے ارمانوں پر اوس گری۔

"بے فکر رہیں' زیادہ دیر تک چھپا نہیں رہے گا یہ معاملہ' اندازہ ہو رہا ہے کہ کڑیاں کہاں پر مل رہی ہیں۔" عبداللہ قریشی نے سگار سلگاتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔

"لیکن سچ پوچھیں تو قریشی صاحب' میں ڈر گئی ہوں اس معاملے سے۔" انہوں نے پہلی دفعہ کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"اولاد چیز ہی ایسی ہے' اس کے معاملے میں ہر شخص ہی کمزور پڑ جاتا ہے لیکن آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں' ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔"

عالیہ قریشی نے مسکراتے ہوئے انہیں دلاسا دیا تو وہ بھی پھیکے سے انداز میں مسکرا کر چپ ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک طوفانی بارش والی رات تھی۔

دور کہیں آسمانی بجلی' کسی ٹرانسفارمر پر گری' جس سے فضا ایک زوردار دھماکے سے گونج اٹھی' رومیصہ کو لگا جیسے کہیں بلاسٹ ہوا ہو' پورا فارم ہاؤس یک لخت تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ چوکیدار نے جنریٹر چلا دیا تھا لیکن یہ روشنیاں بھی چند ہی منٹوں کی مہمان تھیں۔ جنریٹر کچھ منٹ چلا اور پھر ایک دم بند ہو گیا' اب باہر صرف برستے ساون کا راج تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

طوفانی بارش کے ساتھ چلنے والی منہ زور ہواؤں نے اس رات کو بہت خوفناک بنا رکھا تھا۔ درختوں کی ٹہنیاں زمین پر ڈولتے ہوئے عجیب و غریب نقش و نگار بنا رہی تھیں۔ کمروں کی کھڑکیوں کے پٹ اتنی زور سے بجتے تھے کہ رومیصہ کا دل اچھل کر حلق سے آن ٹکراتا۔ وہ کسی اپاہج کی طرح ڈولتی ہوئی کمرے کی کھڑکیوں کے پاس آئی۔ تاریک رات میں اسے سامنے لان میں ایک پراسرار سا ہیولا سا نظر آیا۔ خوف اور دہشت کی سرد لہریں اس کے وجود میں دوڑنے لگیں۔ اسے لگا جیسے وہ ہیولا اس کی کھڑکی کی طرف دوڑ رہا ہو۔ دہشت سے رومیصہ کو اپنے سارے بدن کا لہو منجمد ہوتا محسوس ہوا' اس نے جلدی سے کھڑکیوں کے پٹ بند کر کے اس پر چٹخنی چڑھا دی' وہ جانتی تھی کہ کھڑکی کے باہر لوہے کی مضبوط سلاخیں ہیں' لیکن وہ اگر کوئی غیر ماورائی مخلوق تھی تو یہ سلاخیں' اور چٹخنی اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

رومیصہ کو اپنی کھڑکی پر ہلکی سی ٹھک ٹھک محسوس ہوئی جیسے کوئی لکڑی کے تختے کو اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ رومیصہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے' اس نے پوری شدت سے دعا کی تھی کہ وہ شخص کہیں سے آجائے اور شاید یہ قبولیت کا ہی وقت تھا' اسے بارش میں کسی گاڑی کے انجن کی آواز آئی اور ساتھ ہی کوئی تیز تیز بھاگتا ہوا فارم ہاؤس کے رہائشی پورشن کی طرف آیا۔

رومیصہ خوف زدہ انداز میں واش روم کے دروازے کے پردے کے پیچھے جڑ کر کھڑی ہو گئی' ہر طرف تاریکی کا راج تھا۔ اس کی قمیص پسینے سے بھیگ چکی تھی اور سانسیں بالکل غیر ہموار تھیں۔

اسے کسی کے قدموں کی چاپ اپنے کمرے کے باہر محسوس ہوئی' ہلکی سی کلک کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔

رومیصہ کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔ اسے لگا جیسے وہی ہیولا اس کے سر پر آن پہنچا ہو۔ آج شاید موت کا دن تھا۔ اسے اپنی کنپٹیاں سلگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک روشنی کی لکیر اندر داخل ہوئی۔ وہ بغیر پلکیں جھپکائے پردے کے پیچھے زمین پر پڑتی روشنی کی لکیر کو دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی ٹانگیں بے جان ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں' جبکہ سانسیں حلق میں اٹک گئیں' بے بسی کے گہرے احساس کے زیر اثر اس کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے پھسلنے لگے۔

"رومیصہ..." یہ آواز سنتے ہی زندگی اس میں سرسرانے لگی۔

وہ واقعی آچکا تھا اور اب پریشانی سے اسے ڈھونڈ رہا تھا' لیکن رومیصہ کے اندر ابھی بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ پردہ ہٹا کر اس کے سامنے آجاتی' سیل فون کی ٹارچ کی روشنی اب اس پردے کے اوپر آکر ٹھہر گئی' جو اس وقت اس کی جائے پناہ بنا ہوا تھا۔

اس نے آہستگی سے پردہ ہٹایا اور ٹارچ کی روشنی میں اس کا خوف سے کانپتا ہوا وجود دیکھا۔ اس شخص کا دل تاسف اور ہمدردی کے گہرے احساس سے بھر گیا' اسے پہلے دفعہ اپنی زیادتی کا شدت سے احساس ہوا۔ وہ آنکھیں بند کیے خوف زدہ انداز میں شاید زیر لب کوئی سورت پڑھ رہی تھی۔

"رومیصہ..." اپنے بہت قریب اس کی آواز سن کر رومی کا تنفس تیز ہو گیا۔ بہت سے آنسو ایک ساتھ پلکوں کی منڈیر پار کر گئے۔

"آئی ایم سوری..." اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیے۔

باہر دور ایک دفعہ پھر کہیں بجلی گری' ایک زوردار دھماکہ ہوا اور وہ خوف سے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ اسے کرنٹ لگا' وہ کسی معصوم بچے کی طرح اس سے چپکی ہوئی بہت بری طرح رو رہی تھی۔ اس شخص پر شرم ساری کا بڑا بھرپور حملہ ہوا' کچھ بھی تھا' وہ اس کی منکوحہ تھی۔ ان دونوں کا تعلق جن بھی حالات میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑا تھا۔ لیکن اب وہ اس کی مکمل ذمے داری تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"کیا ہوا ڈر گئیں....." اس کی انگلیاں اس کے بھیگے رخساروں کو چھو رہی تھیں۔ وہ اسے تھام کر بیڈ کی طرف لے آیا۔ رومیصہ کا سارا وجود بری طرح کانپ رہا تھا۔ وہ ابھی تک اپنے حواسوں میں نہیں آئی تھی۔

اس نے نرمی سے پکڑ کر اسے بیڈ پر بٹھایا اور سائیڈ میز پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر اس کی جانب بڑھایا۔ جسے وہ ایک ہی سانس میں پی گئی تھی۔ چند ہی دنوں میں اس کے چہرے کی لالیاں' زردیوں میں گھل چکی تھیں' وہ پہلی دفعہ غور سے اس کا جائزہ لے رہا تھا' پچھلے کئی دنوں سے وہ ایک ہی سوٹ میں ملبوس تھی۔

"سو جاؤ' میں تمہارے پاس ہوں۔" خلاف توقع آج اس کا لہجہ نرمی لیے ہوئے تھا۔

"مجھے گھر جانا ہے ماما کے پاس....." رومیصہ کے سارے کس بل نکل چکے تھے۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔

"صبح چھوڑ آؤں گا۔" اس کے اگلے جملے پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا' اس کی نیلی آنکھوں میں دنیا جہان کا استعجاب سمٹ آیا۔ وہ اس کی طرف سے اس جملے کی بالکل بھی توقع نہیں کر سکتی تھی لیکن وہ بھی شاید کسی کمزور لمحے کی زد میں تھا۔

اس نے بے اختیار نظریں چرائیں' اور تیزی سے اٹھ کر کھڑکی کی جانب بڑھا' رومیصہ ایک دم چیخی۔ "ونڈوز مت کھولنا' باہر کوئی ہے۔"

"اچھا؟" اس نے ایک دم پلٹ کر اس کا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھا اور زیر لب مسکرا دیا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں' باہر کوئی ہے' میں نے خود دیکھا تھا۔" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے یقین دلا رہی تھی۔ وہ اس کی بات مان کر پلٹ کر آ گیا۔ سیل فون کی بیٹری آخری دم پر تھی اور بجلی کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

"ٹرانسفارمر اڑ چکا ہے اور جنریٹر میں کوئی ٹیکنیکل فالٹ آیا ہوا ہے' لائٹ صبح ہی آئے گی۔" وہ کرسی کھینچ کر اس کے بیڈ کے قریب لے آیا۔

باہر بادلوں کی گرج چمک میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ طوفانی بارش نے ہر طرف ایک اُدھم مچا رکھا تھا' ایسا ہی ایک طوفان رومی اور اس شخص کی زندگی میں بھی آ چکا تھا' وہ کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے آنے کے بعد وہ خاصی حد تک پرسکون نظر آ رہی تھی' اس کے ریشمی بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے اور وہ آنکھیں بند کیے بہت خاموشی سے اس کے دل میں ڈیرہ جما چکی تھی۔ سیل فون کی بیٹری کے اختتام کے ساتھ ہی پورا کمرہ ایک دفعہ پھر تاریکی کا گڑھ بن گیا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" رومیصہ کی کانپتی ہوئی آواز اس بات کی گواہ تھی کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی' وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے برابر آ کر لیٹ گیا۔ وہ اس کی موجودگی کا احساس کر کے جھجک کر تھوڑا ہٹ کر لیٹ گئی' دونوں کے درمیان آج صرف خاموشی گفتگو کر رہی تھی۔ وہ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب رومیصہ کی آنکھ لگ گئی۔

بارش کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری تھا' صبح سات بجے کے قریب وہ گہری نیند سے بیدار ہوئی تو اسے اپنے اتنے قریب لیٹے دیکھ کر اسے ایک زوردار قسم کا جھٹکا لگا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی' اس کا ایک بازو ابھی بھی رومی کے اوپر تھا' اس نے بوکھلا کر اسے پیچھے کیا اور جلدی سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گئی' وہ شاید کافی دنوں کا تھکا ہوا تھا۔ اس لیے خاصی بے خبری کی نیند سو رہا تھا۔

رومیصہ نے پہلی دفعہ اس کے چہرے کے نقوش کو غور سے دیکھا۔ اس شخص کے چہرے پر سب سے نمایاں اس کی مغرور قسم کی ناک تھی' گھنی مونچھوں کے نیچے انتہائی متناسب ہونٹ تھے' لیکن رومیصہ کے لیے حیرانی کی بات یہ تھی کہ اسے پہلی دفعہ اس شخص کی شکل بری نہیں لگی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

وہ شہرزاد کی اسپتال میں دوسری رات تھی....!

رات کا کوئی تیسرا پہر تھا جب ہم زاد کی گاڑی اسپتال کی پارکنگ میں رکی۔

اس وقت وہ نیند کے انجکشن کے زیر اثر بہت گہری نیند سو رہی تھی۔ ٹینا بیگم کو ان کی خاندانی ملازمہ روشن بوا نے زبردستی گھر بھجوا دیا تھا اور خود وہ باہر کوریڈور میں رکھے ہوئے بینچ سے ٹیک لگائے غنودگی میں تھیں۔ سینٹرل اے سی کی ٹھنڈک میں 'نیند کے جھونکوں نے انہیں بے حال کر رکھا تھا' تھک ہار کر انہوں نے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

دونوں پولیس کانسٹیبل ابھی ابھی چائے پینے کے لیے ہسپتال کی کینٹین کی طرف گئے تھے۔ ہم زاد نے جب کوریڈور میں قدم رکھا تو وہ بالکل سنسان تھا' اس نے ایک سرسری سی نظر بینچ پر سوئی ہوئی روشن بوا پر ڈالی اور اس کمرے کے باہر آکر رک گیا جہاں شہرزاد ایڈمٹ تھی۔

اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا' شہرزاد کا سنگل بیڈ عین اس کے سامنے تھا۔ اس کی سائیڈ میز بہت سے پھولوں کے گلدستے اور وش کارڈز سے بھری ہوئی تھی' جو شاید اس کے کولیگز اور سوشل سرکل کے لوگ لائے تھے۔

اس نے افسردہ نگاہوں سے سامنے لیٹی ہوئی لڑکی کو دیکھا' جو بہت سالوں سے اس کی نیندیں چرا کر خود بڑے دھڑلے سے سو رہی تھی' جس کے ہونے کا احساس ہم زاد کی زندگی کو دلکش بناتا تھا۔ اس کی ایک مسکراہٹ پر وہ اپنی پوری زندگی وار سکتا تھا اور اسے تکلیف میں دیکھ کر اسے اپنے پورے وجود میں ٹیسیں سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔

یہ وہ لڑکی تھی جس کی طرف دیکھ کر اس کی دھڑکنوں نے پہلی بار بے ربط ہونا سیکھا تھا۔

یہی وہ لڑکی تھی جو اس کے دل کا دروازہ کھول کر بڑی شان سے اندر داخل ہوئی اور اس کے بعد کسی اور کے لیے وہ در نہیں کھلا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سفید گلابوں کا بکے عین اس کے تکیے کے پاس رکھ دیا۔ وہ جانتا تھا صبح ان پھولوں کا کیا حشر ہونے والا ہے' ان دونوں کے درمیان ہونے والی آخری گفتگو کچھ ایسی خوش گوار نہیں تھی کہ وہ اس تحفے کو خوش دلی سے قبول کر لیتی۔

وہ کچھ لمحے ٹکٹکی باندھے اسے غور سے دیکھتا رہا' وہ نیند میں ہلکا سا کسمسائی تو ہم زاد زیر لب مسکرا دیا' وہ جان چکا تھا کہ نیند میں اس کی بے چینی کا سبب بننے والی شاید ہم زاد کی ذات تھی' جس کی نگاہیں اس کے زرد چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اسے اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا تب ہی وہ نیند کی حالت میں بھی ہلکے سے اضطراب کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر ایک لمبا سانس بھر کر کمرے سے نکل گیا۔

اس کے کمرے سے نکلنے کے ٹھیک تین منٹ کے بعد شہرزاد نے آنکھیں کھولیں اور حیرانی سے اپنے بالکل پاس رکھے سفید گلابوں کے بکے کو دیکھا۔ کمرے میں ایک جانی پہچانی سی خوشبو رقص کرتی پھر رہی تھی۔

وہ بمشکل کہنی کے بل اٹھی اور تعجب بھری نگاہوں سے اس گلدستے کو دیکھنے لگی' اچانک اس کی نظر پاس رکھے گیٹ ویل سون کارڈ پر پڑی' اس نے فوراً اٹھایا۔

Get well soon its an order-

(جلدی سے صحت یاب ہو جاؤ' یہ حکم ہے)۔

"گیٹ ویل سون' اٹس این آرڈر...." وہ جانتی تھی یہ جملہ اتنے دھڑلے سے کون لکھ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے ہم زاد کا تلخ لہجہ یاد آگیا' اس نے بیزاری سے کارڈ کے دو ٹکڑے کر کے سائیڈ میز پر اچھال دیے' اب وہ ان

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

باتوں اور جملوں سے بہلنے والی نہیں تھی۔

اس نے جیسے ہی اپنے بیڈ سے ٹیک لگائی' اس کے سیل فون کی ٹیکسٹ ٹون بجی' اس کے ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکنوں میں ایک ارتعاش سا برپا ہوا۔ وہ جھنجلا گئی' اس کا خیال تھا کہ اب دل کی دھڑکنیں اس کے نام پر اس طرح منتشر نہیں ہوں گی۔

اس کی خام خیالی تھی کہ وہ اس کے نام کے گرد سرخ حاشیہ کھینچ چکی ہے اور یہ حاشیہ وہ حد بندی تھی جو اسے اپنے اور اس کے بیچ برقرار رکھنی تھی' اس نے اپنی آنکھوں کو اس کے خوابوں سے بہلانا چھوڑ دیا تھا' اس کی سماعت اب کسی جانے پہچانے لہجے پر نہیں چونکتی تھیں لیکن اس کمرے میں موجود اس مانوس خوشبو نے اس کے سارے دعوے غلط ثابت کر دیے تھے۔ وہ آج بھی اس کے دل کو اپنی مٹھی میں جکڑے ہوئے کسی فاتح سکندر کی مانند کھڑا تھا' اس نے ایک انچ بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ اسے یقین آگیا تھا کہ وہ اپنی دھڑکنوں کو اس کے نام پر منتشر ہونے سے کبھی نہیں روک سکتی اور یہ دنیا کا واحد کام تھا جو وہ پچھلے آٹھ سالوں میں نہیں سیکھ پائی تھی۔

"جانتا ہوں' اب تک میرے کارڈ کا کیا حشر ہو چکا ہو گا' لیکن میری خواہش ہے کہ تم میرے دل کے ساتھ نرمی کا معاملہ رکھو۔"

اس میسج کے ساتھ تین منہ چڑاتی ہوئی اسمائلی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ شہرزاد ہلکا سا تپ گئی۔ اس نے اس کے ٹیکسٹ میسج کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"تمہارے کمرے کی کھڑکی کے عین نیچے کھڑا ہوں' تم چاہو تو میرا بے بھی نیچے پھینک سکتی ہو۔" اگلے میسج نے اسے مزید بتا دیا' اس نے غصے سے وہ گلدستہ اٹھایا اور کھینچ کر کھڑکی کے نیچے پھینک دیا۔

"تھینکس۔۔۔" اگلا میسج اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔

وہ بمشکل سہارا لے کر اٹھی' وال کلاک کی طرف دیکھا' رات کے تین بج رہے تھے' وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی کھڑکی کے پاس لائی' اور نیچے جھانکا' اس کا کمرہ تھرڈ فلور پر تھا' رات کے ملگجے اندھیرے میں بھی وہ پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے اس شخص کی پشت کو دیکھ سکتی تھی' وہ خاصا دراز قد تھا' اس نے جینز کے ساتھ سفید یا شاید آف وائٹ کلر کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ اپنی لینڈ کروزر کا دروازہ کھول کر بیٹھ چکا تھا۔ شہرزاد کو بس اس کا ہیولہ سا نظر آرہا تھا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑتی ہوئی پارکنگ میں جائے اور اس شخص کو بازو سے گھسیٹ کر باہر نکالے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھے کہ کسی کے دل کا چین اس طرح سے چراتے ہیں؟ کسی کو یقین اور بے یقینی کے جہنم میں اس طرح دھکیلتے ہیں؟

وہ اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے ریورس کر رہا تھا' اس کی گاڑی ہلکا سا پیچھے ہوئی اور شہرزاد کو افسوس ہوا' اتنے فاصلے پر وہ اس کا نمبر نہیں پڑھ سکتی تھی۔ اسی وقت دوبارہ اس کے سیل فون کی ٹیکسٹ ٹون بجی' وہ جانتی تھی کہ یہ ہم زاد کا ہی میسج ہو گا۔ وہ بیزاری سے پلٹی اور سیل فون اٹھا کر اسکرین پر نظریں دوڑائیں۔

"اب کھڑکی سے ہٹ جاؤ' ورنہ میں یہاں سے جا نہیں پاؤں گا۔"

شہرزاد کو یہ میسج پڑھتے ہی شدید قسم کا غصہ آگیا اس نے فوراً ہی اس کا نمبر ملایا' جسے پہلی ہی بیل پر ریسیو کر لیا گیا تھا۔

"زہے نصیب۔" اس کا چہکتا ہوا لہجہ شہرزاد کو سلگانے کے لیے کافی تھا۔

"مرا بلم کیا ہے آپ کے ساتھ؟ آپ کا کیا خیال ہے' آپ کے پھولوں اور روش کارڈ کے لیے مر رہی تھی میں۔"

"نہیں" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "میں ان کو آپ تک پہنچانے کے لیے مر رہا تھا۔"

"مر ہی جاؤ تو اچھا ہے۔" وہ جل کر بولی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"وہ تو کئی سال پہلے مر چکا ہوں تم پر۔" وہ شوخ ہوا۔
"شٹ اپ۔"
"تم حکم کرو، سچ مچ مر جاتا ہوں، اگر دس منٹ سے زیادہ دیر لگاؤں تو کسی چوک پر الٹا لٹکا دینا۔"
"دس منٹ کیوں، دس سیکنڈ کیوں نہیں؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"بھئی دس منٹوں میں کوئی طریقہ بھی تو سوچنا ہو گا مرنے کا۔ اب کوئی پلاننگ کر کے تھوڑا بیٹھا ہوا ہوں پہلے سے۔" وہ محض اسے چڑا رہا تھا۔
"کیوں آئے تھے میرے کمرے میں؟"
"میں تو دل میں بھی آ چکا ہوں، تب تو نہیں پوچھا تھا۔" اس کا معنی خیز لہجہ اسے سلگا گیا۔
"اپنی آخری باتیں یاد ہیں تمہیں کیا کہا تھا مجھ سے۔"
"جو کہا تھا دل پر جبر کر کے کہا تھا، اسی کا نتیجہ ہے جو پورے شہر میں ایک ہی لڑکی کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔" اس کی بات پر وہ چونکی۔
"مطلب کیا ہے؟"
"میں چاہتا ہوں تمہارا اسٹار "لیو" (Leo) ہے اور تم کسی شیر کی طرح ہی پورے شہر پر حکمرانی کرو۔"
"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے، خود کیوں گیدڑوں کی طرح چھپتے پھر رہے ہو مجھ سے۔" اس کا لہجہ کاٹ دار تھا۔
"گیدڑ ہوتا تو تمہارے ارتضیٰ حیدر کی ساری سیکورٹی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر تم تک نہ پہنچتا، یقین نہیں آتا تو دروازہ کھول کر دیکھ لو، کتنے کانسٹیبل بٹھا رکھے ہیں تمہارے اس "ڈفین" نے۔" وہ شرارت سے ہنسا۔
"کہیں تم خود ارتضیٰ حیدر تو نہیں ہو؟" وہ ہلکا سا چونکی۔
"فار گاڈ سیک یار۔" وہ ہلکا سا جھنجلایا۔ "کسی ڈھنگ کے بندے سے تو ملاؤ، اتنا بھی برا نہیں ہوں میں۔" اس کا بے ساختہ انداز شہزاد کو یقین دلا گیا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔
"تم سے کس نے کہا، ارتضیٰ برا ہے۔" وہ برا مان کر بولی۔
"تم اگر میری تعریف نہیں کر سکتیں تو بہتر ہو گا دنیا کے کسی اور مرد کا بھی میرے ساتھ تذکرہ مت کرو۔" وہ اچھا خاصا سنجیدہ ہوا۔
"کیوں، جیلسی فیل ہوتی ہے تمہیں۔" اس نے صاف چڑایا تھا اسے۔
"ہاں۔" اس نے بھی برملا اعتراف کیا۔ "محبت میں جیلسی نہ ہو تو بڑے پھیکے پن کا احساس ہوتا ہے۔"
"کوئی کام کی بات کرنی ہے تو بتاؤ، ورنہ میں فون بند کر رہی ہوں۔" وہ اکتاہٹ کا شکار ہوئی۔
"کام کی بات یہ ہے کہ میر حاکم کی فیملی سے محتاط رہو، تم پر فائرنگ اس کے پالتو غنڈوں کی کارستانی ہے اور وجہ تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔"
"بہت شکریہ، اور کچھ۔" اس نے چٹکیوں میں اس کی بات کو اڑایا۔
"میں سیریس ہوں شہزاد۔"
"لیکن میں اب تمہاری معلومات پر سیریس نہیں ہو سکتی، کیونکہ اپنی چیزوں کو خود سے ہینڈل کرنا آ چکا ہے مجھے، اینی ہاؤ، تھینکس فار یور کائنڈ انفارمیشن۔"
دوسری جانب اس کے لاپرواہ انداز پر ہم زاد کے ہونٹوں پر بڑی جان دار سی مسکراہٹ ابھری تھی، وہ شہزاد کو جس ٹریک پر لانا چاہتا تھا، وہ تھوڑی سی محنت سے اس طرف آ چکی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

☆ ☆ ☆

"تم مانو یا نہ مانو' اسے کسی بد خواہ کی نظر لگی ہے۔"

کچن سے نکلتے ہوئے تاجدار بیگم کا یہ جملہ انابیہ کی سماعت سے ٹکرایا اور اس نے بڑے دھیان سے سامنے بیٹھے برہان کو دیکھا۔

"امی' آپ ان فضول باتوں کو چھوڑیں' شکل دیکھیں اس کی' کتنی گم صم ہو گئی ہے' میں کل لے کر جا رہا ہوں اسے اسلام آباد۔" ان کا لہجہ تشویش اور پریشانی میں ڈوبا ہوا تھا' انابیہ نے چائے کی ٹرے ان کے سامنے رکھی۔

اس کا دل چاہا کہ وہ اس بے حس شخص سے کہے کہ وہ بھی کسی کی بہن ہے' اس کی اتری ہوئی شکل' آنکھوں میں موجود اداسی اور لبوں سے چھنی گئی مسکراہٹ تو تمہیں نظر نہیں آتی۔ کیا نکاح کا تعلق اتنا کمزور ہوتا ہے۔

"اسلام آباد لے جا کر کیا کرو گے' نور محل میں کہاں کسی بچی کا دل لگتا ہے۔" انہوں نے دوپٹے پر کروشیے کی بیل بناتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"میں اسے وہاں دل لگانے کے لیے نہیں کسی اچھے فزیشن سے چیک کروانے کے لیے لے جا رہا ہوں۔" انہوں نے بیزاری سے اپنا چائے کا کپ اٹھایا' انابیہ دانستہ وہیں صوفے پر جم کر بیٹھ گئی اور سائیڈ میز پر رکھا اخبار اٹھا کر منہ کے آگے کر لیا۔

"اچھا ہے لے جاؤ' فارحہ خوش ہو جائے گی۔" انہوں نے بیٹے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کسی طور بھی ٹلنے والا نہیں ہے' تب ہی فوراً ہتھیار ڈال دیے اور میر ہاؤس میں ان کی کامیابی کا یہی راز تھا۔ ایک تو اللہ نے اولاد کے نام پر تین تین بیٹے دے دیے' دوسرے وہ حاکم صاحب کی سگی بھتیجی تھیں اور تیسرے میر تحتشم کی من پسند زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حکمرانی کے سارے طور طریقے جانتی تھیں جو آج تک ان کی دونوں دیورانیوں ندرت بیگم اور شارقہ بیگم کو نہیں آئے تھے۔

"یہ ارسل آج کل کہاں گم ہے' اس کا بڑا دل لگ گیا ہے نور محل میں۔۔۔۔" انہیں اچانک یاد آیا۔

"وہ نور محل میں نہیں آج کل فرینڈز کے ساتھ کمبائن اسٹڈیز کے لیے ہوسٹل میں رہ رہا ہے' لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"تمہارے داجی کا ارادہ بن رہا ہے اس کی اور در شہوار کی شادی کرنے کا۔" اس اطلاع پر انابیہ کے فوراً" کان کھڑے ہوئے۔

"فار گاڈ سیک امی' در شہوار سے ضرور پوچھ لیجئے گا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"میں نہیں چاہتا' اسے بھی میری طرح قربانی کا بکرا بنا دیا جائے۔" برہان نے یہ جملہ خاصے غلط موقع پر بول دیا تھا' انابیہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی اور اس کی گود میں رکھا اخبار دور جا گرا۔ برہان اور تاجدار بیگم دونوں نے ہی بے ساختہ اس کی طرف دیکھا۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ بھی وہیں بیٹھی ہوئی ہے۔ انابیہ سرخ چہرے کے ساتھ تیز تیز سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔

"بہت بری بات ہے برہان!" تاجدار بیگم نے ملامتی نظروں سے اپنے بیٹے کو گھورا۔ "آخر کیا کمی ہے انابیہ میں۔"

"بات کسی کمی بیشی کی نہیں ہے امی!" انہوں نے نظریں چرا کر کہا' ویسے بھی ضمیر نے تازہ تازہ لتاڑا تھا کہ اس لڑکی کا کیا قصور ہے' تب ہی اس بار ان کا لہجہ کچھ دھیما تھا۔

"تو پھر مسئلہ کیا ہے۔۔۔؟"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"میں نے اسے کبھی بھی اس نظر سے نہیں دیکھا اور ویسے بھی لائف پارٹنر کے حوالے سے میرے ذہن میں کچھ اور تھا لیکن داجی نے اچھا نہیں کیا۔" انہوں نے محتاط انداز میں کہا۔

"جو گند بلا بھی تمہارے ذہن میں ہے' اسے نکال دو۔ ہمارے ہاں جو ایک دفعہ نام جڑ جائے تو وہ قبر تک ساتھ ہی جاتا ہے' سمجھے۔" انہوں نے اپنے بیٹے کو ٹھیک ٹھاک لتاڑا تھا۔ وہ سر جھکا کر بیٹھ گئے۔

اسی لمحے داجی اور میر خاقان علی تیز تیز بولتے ہوئے ہال میں داخل ہوئے۔ میر خاقان کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا' جبکہ میر حاکم علی تھوڑا پرسکون تھے۔

"آپ کو یہ سب کروانے سے پہلے ایک دفعہ ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے تھا۔" میر خاقان علی کی آواز کچھ بلند ہوئی۔

"آخر ایسا کیا ہو گیا ہے' جو تم اور محتشم اس بات پر ہاتھ پیر پھلائے گھوم رہے ہو۔" وہ بیزاری سے صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ تاجدار بیگم نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑا کروشیہ اور دوپٹہ ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔ برہان خود بھی تھوڑا چوکنا ہو کر بیٹھ گئے۔

"ذرا ٹی وی چلا کر دیکھیں' ہر چینل پر ایک ہی خبر چل رہی ہے کہ بیرسٹر شیری' میر خاقان کے خلاف کیس لڑ رہی ہے۔"

"تو...؟" انہوں نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی پر زور ڈالا۔

"یہ مسئلہ کسی اور طریقے سے بھی حل ہو سکتا تھا..." وہ کچھ جھنجلا کر گویا ہوئے۔

"تم نے کب سے "جوش" کے بجائے "ہوش" سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔" انہوں نے طنزیہ نگاہوں سے اپنے رنگین مزاج بیٹے کو دیکھا' جن کے آئے دن بننے والے اسکینڈلز پر وہ اکثر انہیں ہوش سے کام لینے کا مشورہ دیتے تھے' جسے وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتے تھے۔

"زندگی کے ہر معاملے میں جوش نہیں چلتا بابا جان۔" انہوں نے لمحوں میں ان کا طنز سمجھا۔

"تم چھوڑو اس قصے کو' محتشم کا نمبر ملاؤ' پتا تو چلے بیورو کریسی میں کیا چل رہا ہے۔ آج انٹرپرنر منسٹری کی ایک ضروری میٹنگ بھی تھی۔" داجی نے بیزاری سے موضوع گفتگو بدلا' برہان نے ان دونوں کو مصروف دیکھا تو خاموشی سے وہاں سے کھسکنا چاہا لیکن آج شاید ان کے بھی ستارے گردش میں تھے۔

"یہ تم کہاں بھاگ رہے ہو؟" داجی نے تیکھی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کہیں نہیں داجی' ذرا در شہوار کے کمرے تک جا رہا تھا' طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔" انہیں بروقت بہانہ سوجھ گیا جو خاصا تیر بہدف ثابت ہوا تھا۔

"در شہوار سے یاد آیا' پچھلے تین دن سے بیمار ہے بچی' اور کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ کسی اچھے ڈاکٹر کو بلوا کر چیک کروا لے۔" ان کے لہجے کی فکرمندی اور تشویش پر تاجدار بیگم تھوڑا سا مسکرائیں۔ ہمارا خاندان جانتا تھا کہ در شہوار اپنے داجی کی چہیتی پوتی تھی۔

"برہان بھی یہی کہہ رہا تھا مجھ سے۔" تاجدار بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"ہاں تو کیا مسئلہ ہے؟"

"مسئلہ تو کچھ نہیں ہے داجی' کل لے کر جاؤں گا۔" برہان فوراً بولا۔

"محتشم بھائی کی کال ہے آپ کے لیے۔" خاقان علی نے اپنا سیل فون میر حاکم کی طرف بڑھایا۔

"ہاں دو۔" انہوں نے فوراً تھام لیا۔ ان دونوں کا موضوع گفتگو وہ کیس تھا' جس نے آج کل پورے خاندان کی راتوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔ ان کو باتوں میں مصروف دیکھ کر برہان اس دفعہ خاموشی سے وہاں سے کھسک آگئے جبکہ تاجدار بیگم ان لوگوں کے لیے شام کی چائے تیار کروانے لگیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

☆ ☆ ☆

"میکائیل آرہا ہے پاکستان۔"

اس اطلاع نے مونیکا کے ہاتھوں کے طوطے اُڑا دیے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی منگنی بہت عرصے سے اس کے والد کے بیسٹ فرینڈ ولاور کے بیٹے کے ساتھ طے تھی جسے وہ اپنا منہ بولا بھتیجا مانتے تھے۔

"لیکن اس نے تو پہلے منع کر دیا تھا۔"

مونیکا نے اپنا لہجہ سرسری سا بنا کر اپنی ماں سے پوچھا' جو اس وقت پالک کے پتوں کے ساتھ الجھی ہوئی تھیں۔ جب کہ مونیکا کے دل کی دنیا میں ایک اودھم مچ چکا تھا' ابھی رات ہی اس نے ذوالکفل سے بات کی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ واپس لاہور آجائے تو دونوں بیٹھ کر اس موضوع پر ڈسکشن کر لیں گے۔

"تم اس دفعہ کالج جاؤ تو بہت سی چھٹیاں لے کر آنا۔" انہوں نے اس کے سر پر اگلا بم پھوڑا۔

"لیکن امی' میرے فائنل ایگزامز ہونے والے ہیں' آپ لوگ اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں۔" وہ جھنجلا گئی۔

"تمہارے باپ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی' وہ اپنے فرض سے جلد از جلد فارغ ہونا چاہتا ہے۔" مارتھا نے سب کچھ اپنے شوہر پر ڈال دیا۔ لیکن مونیکا جانتی تھی کہ اس سارے قصے کے پیچھے اس کی ماں کا ہاتھ ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ کچھ سوچ کر پرسکون ہوئی۔

"کل چرچ چلو گی تم۔" مارتھا نے ہلکا سا الجھ کر اپنی بیٹی کا مطمئن چہرہ دیکھا۔ اس کے اتنی جلدی مان جانے کی توقع جو نہیں تھی۔

"ہاں۔" اس کے جواب پر مارتھا کے ہاتھ سے چھری گر گئی۔

"کیوں' کیا ہوا؟" مونیکا اپنی ماں کی اندرونی حالت سے اتنی بھی بے خبر نہیں تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اگر اس نے مزید اپنی ماں کو پریشان کیا تو ہو سکتا ہے وہ اسے ملتان بھی نہ جانے دیں۔

"لگتا ہے خداوند نے تمہارے دل کو سکون سے بھر دیا ہے۔" وہ اب کچھ مطمئن دکھائی دے رہی تھیں۔

"ہاں' آپ کی دعا قبول ہو گئی ہے۔" وہ سادگی سے کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اندر داخل ہوتے ہی اس نے جلدی سے دروازے کی کنڈی چڑھائی اور تیزی سے ذوالکفل کا نمبر ملانے لگی' اسے اب اس کو اس تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے اپنے بہت قریب سے بے تحاشا فائرنگ کی آواز سنی تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ خوف اور دہشت کی برقی رو اس کے پورے وجود میں دوڑنے لگی۔ رومیصہ نے بوکھلا کر ٹائم دیکھا' رات کے دو بج رہے تھے۔

اندھیرے میں کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے سائیڈ میز پر رکھے لیمپ کو روشن کیا۔ اسی لمحے اس کے بیڈ روم کا دروازہ دھڑ کر کے کھلا' وہ بڑے حواس باختہ انداز میں اندر داخل ہوا۔ وہ آج صبح سے فارم ہاؤس میں ہی تھا۔

"فوراً" نکلو' وہ لوگ یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

اس نے عجلت بھرے انداز میں رومیصہ کا بازو پکڑ کر کھینچا اور اسے گھسیٹتا ہوا باہر کوریڈور میں لے آیا' وہ جو ابھی نیند کے خمار سے باہر نکلی تھی' اس صورت حال پر گھبرا گئی۔ اس کے پیروں میں جوتا تک نہیں تھا۔

"کون لوگ ہیں یہ؟"

اس کے ساتھ دوڑتے ہوئے اس نے پھولی ہوئی سانسوں سے پوچھا' دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ فائرنگ بغیر کسی توقف کے جاری تھی۔ وہ دونوں کوریڈور میں رکھی چیزوں سے ٹکراتے ہوئے فارم ہاؤس کے عقب

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

میں پہنچ گئے۔ جہاں ایک گاڑی پہلے سے کھڑی تھی۔

"ہری اپ!" اس نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے اندر کی جانب دھکیلا اور خود اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

اس کی گاڑی کا انجن جیسے ہی بیدار ہوا' فائرنگ کی آواز میں شدت آگئی۔ رومیصہ نے سراسیمگی کی کیفیت میں اردگرد کا ماحول دیکھا وہ طوفانی انداز میں گاڑی چلا رہا تھا۔ کسی ملازم نے ساری صورت حال کو دیکھتے ہوئے پچھلا گیٹ کھول دیا تھا۔

وہ لوگ جیسے ہی مین روڈ پر پہنچے' دور کہیں سے پولیس کی گاڑی کے ہارن کی آواز نے بھی ان کا تعاقب کیا۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں اور فائرنگ نے رومیصہ کو اچھا خاصا دہشت میں مبتلا کر دیا تھا' وہ دم سادھے اپنے برابر میں بیٹھے شخص کو دیکھنے لگی۔ جس کے دونوں ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔

وہ بڑی مہارت سے گاڑی چلا رہا تھا جس سے رومیصہ کو اندازہ ہوا کہ یہ راستے اس کے لیے انجان نہیں ہیں۔ پولیس وین کے سائرن کی آواز مسلسل ان کے پیچھے تھی' اس نے ایک آبادی کی طرف گاڑی موڑ لی' وہ کوئی قصبہ تھا' جہاں بے شمار گھر موجود تھے۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا' اس نے گاڑی ایک تنگ سی گلی میں روکی' اور چھلانگ مار کر نیچے اترا اور رومیصہ کا بازو کھینچ کر اسے اتارا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔" وہ بوکھلا گئی۔

"چپ کر کے چلو ورنہ دونوں مارے جائیں گے۔" اس کا سرد لہجہ رومی کی سماعت سے ٹکرایا۔ وہ اس کا بازو پکڑے ان تنگ و تاریک گلیوں میں دوڑتا ہوا ایک گھر کے پاس رکا' اس نے ایک سیکنڈ میں اندازہ لگایا تھا کہ اس گھر کے مکین اندر موجود نہیں ہیں' کیونکہ گیٹ کے باہر ایک بڑا سا وزنی قفل لٹک رہا تھا' اس نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا۔

"ایک منٹ رکو یہاں۔"

وہ اچھل کر گیٹ پر چڑھا اور نیچے صحن میں کود گیا' رومیصہ نے خوف زدہ انداز میں چاروں طرف دیکھا' رات کی تاریکی میں ان انجان گلیوں میں کھو جانے کا احساس ہی اتنا خوفناک تھا کہ وہ بوکھلا کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے بڑے عجلت بھرے انداز میں بڑے گیٹ کے ساتھ لگا چھوٹا دروازہ اندر سے کھولا اور رومیصہ کا سرد ہاتھ پکڑ کر اسے گھر اندر کھینچ لیا۔

پولیس وین کے سائرن کی آواز رک چکی تھی' شاید ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ اس قصبے میں چھپ گئے ہیں۔ پولیس نوجوانوں کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں اس گلی تک آپہنچی تھیں۔ ایک دفعہ تو رومیصہ کا دل چاہا کہ وہ شور مچا کر پولیس کو اپنی موجودگی کا احساس دلا دے' لیکن دوسرے ہی پل اس کی نظر اس شخص کے انتہائی پریشان چہرے پر پڑی' اور ساتھ ہی اس کا وہ احسان یاد آگیا جو اس نے اس کی عزت بچا کر کیا تھا۔ اس نے اپنے حلق سے نکلتی ہوئی آواز گلے میں ہی دبا لی تھی۔

وہ دونوں پورچ میں دبکے بیٹھے تھے۔ اس قصبے کا یہ سب سے جدید گھر تھا' پورے گھر کی لائٹ بند تھی' رومیصہ کا دل خوف سے کانپ رہا تھا' ٹخنے پاؤں بھاگنے کی وجہ سے اس کے پیر زخمی ہو چکے تھے۔

پولیس کی نفری اسی گھر کے باہر کھڑی تھی' جس کی وجہ سے دونوں کے حلق خشک ہو رہے تھے وہ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے خود گیٹ کے پاس آگیا۔

"میرا خیال ہے سر! وہ لوگ یہاں سے نکل کر جا چکے ہیں۔" ایک پولیس کانسٹیبل کی آواز اس کی سماعت تک

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

پہنچی۔

"نہیں' اتنی جلدی وہ پیدل یہاں سے نہیں نکل سکتے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے سر! گھروں کی تلاشی لی جائے....؟" ایک اور مشورے پر اس کا سانس اٹکا۔

"دو ڈھائی سو گھروں کی تلاشی لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔"

"ان کی گاڑی تو مل چکی ہے سر!"

"تو بس ٹھیک ہے' اس قصبے سے نکلنے والے راستوں پر نظر رکھو' وہ آج رات یہاں سے نکلنے کی کوشش ضرور کریں گے' تھانے سے مزید نفری منگوالو۔" پولیس آفیسر کے اس نئے حکم پر ان کے چہروں پر پریشانی کے تاثرات نمودار ہوئے۔ ان دونوں کو پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ وہ کسی بڑی مشکل میں پھنس چکے ہیں۔

☼ ☼ ☼

"کیا حال ہے بیرسٹر شیری کا....؟"

ہادی ابھی ابھی اسلام آباد سے لوٹا تھا۔ سامنے کاؤچ پر لیٹے ہوئے سعد نے اس کی طرف دیکھتے ہی پریشانی سے پوچھا۔ ہادی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سیل فون سائیڈ میز پر رکھا اور اپنی پیشانی کو مسلا۔ وہ خاصی ٹینشن میں دکھائی دے رہا تھا۔

"کافی بہتر ہیں' گھر شفٹ کر دیا گیا ہے انہیں۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں اپنے جوتے اتارے۔

"حوصلہ تو۔ پست نہیں ہو گیا ان کا؟"

"ارے نہیں یار' وہ اس ٹائپ کی خاتون نہیں ہیں' بلکہ ہوش میں آنے کے بعد سے ساری اپ ڈیٹس اور فون کالز تک خود ریسیو کر رہی ہیں۔" ہادی بات کرتے کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

"پھر تو بہت دلیر خاتون ہوئیں...." وہ ہادی کے پیچھے ہی سیڑھیاں چڑھ کر اس کے بیڈ روم میں آ گیا۔

"لیکن میرے خیال میں لڑکیوں کو تھوڑا محتاط ہونا چاہیے' ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی اور بہادری بھی کبھی انسان کو ڈبو دیتی ہے۔" اس نے وارڈ روب کھول کر اپنا ایک شلوار سوٹ نکالا۔

"کچھ پتا چلا" "کس کی گھٹیا حرکت ہے یہ....؟" سعد دونوں بازو سینے پر باندھ کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"کمال کرتے ہو سعد! کیا تمہیں نہیں پتا' اس حد تک کون گر سکتا ہے۔" ہادی نے ہینگر سے سوٹ نکالتے ہوئے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا جیسے اس سے اس سوال کی توقع نہ کر رہا ہو۔

"لیکن کنفرم تو نہیں ہے نا۔" سعد اس کا اشارہ سمجھ چکا تھا۔

"کم آن یار.... ساری دنیا جان چکی ہے کہ یہ بزدلانہ کارروائی کس کی طرف سے ہوئی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"جس وقت بیرسٹر شیری پر حملہ ہوا' اس وقت میر حاکم صاحب بڑے شاہ جی کے مزار کے باہر کھلی کچہری سجا کر بیٹھے تھے۔" ہادی نے طنزیہ انداز میں اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"تو اس کا کیا مطلب ہوا؟" سعد نے الجھ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تاکہ لوگوں کو بتا سکیں کہ وہ تو اس وقت عوام کے مسائل سننے میں مصروف تھے۔" ہادی نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

"یہ بات تو کسی گدھے کو بھی پتا ہے کہ ایسے لوگ خود تھوڑی سامنے آتے ہیں' ان ہی کے پالتو غنڈے ان کے ایک اشارے پر گردنیں اڑا دیتے ہیں لوگوں کی۔" سعد نے منہ بناتے ہوئے ہادی کے کمرے کی کھڑکی کھولی اور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

سامنے کا منظر دیکھ کر اسے دھچکا لگا۔

در شہوار کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی اور کچھ فٹ کے فاصلے پر اس کے بیڈ کی چادر کا پرنٹ تک واضح نظر آ رہا تھا' سعد ہلکا سا جھک کر پردے کے پیچھے ہوا کیونکہ اس کے بیڈ کے آس پاس گھر کی کچھ خواتین کھڑی تھیں اور کسی بھی لمحے ان میں سے کسی کی نظر اس پر پڑ سکتی تھی' در شہوار کو ڈرپ لگی ہوئی تھی اور اس کا نقاہت زدہ چہرہ چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ وہ اچھی خاصی بیمار ہے۔ سعد نے جلدی سے پردہ برابر کیا۔

"کیا ہوا؟" ہادی نے واش روم سے نکلتے ہوئے حیرانی سے اس کا پریشان چہرہ دیکھا۔

"کچھ نہیں... ہمسایوں کے کمرے میں نظر پڑ گئی تھی۔"

"ہاں' ان محترمہ کی خاصی عجیب عادت ہے' جان بوجھ کر یہ کھڑکیاں کھلی رکھنے کی' اس لیے میں اکثر بند ہی رکھتا ہوں۔" ہادی نے منہ بنا کر کہا اور اپنے بال بنانے لگا۔

"مجھے لگتا ہے وہ خاصی بیمار ہے' ڈرپ لگی ہوئی تھی اسے۔" سعد نے ہلکا سا جھک کر بتایا۔

"تھینکس گاڈ' کچھ دن تو گھر میں ٹک کر بیٹھے گی۔" ہادی کا یہ مذاق اڑانا انداز سعد کو اچھا نہیں لگا۔

"بہت بری بات ہے ہادی' وہ بے چاری واقعی بہت بیمار ہے' اور تم اس کا مذاق اڑا رہے ہو۔" اس نے فوراً طرف داری کی۔

"بیرسٹر سیری بھی کسی کی بیٹی ہے' جس پر بے دردی سے گولیاں چلائی گئی ہیں۔ تم اس کی شکل دیکھو ذرا جا کر۔" ہادی نے اسے لاجواب کیا۔

"لیکن اس میں در شہوار کا تو کوئی قصور نہیں۔" سعد نے نظریں چرائیں۔

"اس خوامخواہ کے فیور کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" ہادی نے جانچتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ویسے ہی بات کر رہا ہوں یار! تم تو وکیلوں کی طرح جرح کرنے لگتے ہو۔" سعد نے زبردستی مسکرا کر اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"ظاہر ہے' وکیل ماں کا بیٹا ہوں' جرح تو کروں گا۔" ہادی کا موڈ اب کچھ خوشگوار ہو گیا تھا۔

"اچھا چھوڑو' نیچے چلتے ہیں۔ گل خان نے بہت مزے کے فرائیڈ رائس بنائے ہیں۔" سعد نے اپنی طرف سے بات ختم کی تو ہادی بھی سر ہلا کر اس کے پیچھے چل دیا۔

☆ ☆ ☆

"بیا کوئی ٹینشن ہے آپ کو"

طوبیٰ چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تو اس نے انابیہ کو کسی سوچ میں گم پایا۔ اس کے نوٹس سامنے کھلے پڑے تھے جب کہ دھیان کی کھڑکیاں کہیں اور کھلی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی سوچوں میں اس قدر محو تھی کہ اسے طوبیٰ کی آمد کا بھی پتا نہیں چلا۔

"بیا... کیا ہوا ہے؟" طوبیٰ نے پاس آ کر اس کا کندھا ہلایا تو وہ ایک دم خفت کا شکار ہوئی۔

"تم کب آئیں؟" وہ ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئی اور خود کو مصروف ظاہر کرنے لگی۔

"جب آپ سوچوں ہی سوچوں میں برہان بھائی کے ساتھ کہیں اور پہنچی ہوئی تھیں۔" طوبیٰ نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے چھیڑا۔

"بے فکر رہو' ان کا کوئی راستہ میری طرف سے ہو کر نہیں گزرتا۔" اس کے الفاظ سادہ لیکن لہجہ خاصا تلخ تھا۔

طوبیٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"آپ سے کچھ کہا ہے انہوں نے۔" وہ فکر مند انداز میں اپنی بہن کے بالکل قریب آکر بیٹھ گئی۔

"جو بات ساری دنیا چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے' وہ اگر خود نہ بھی کہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اور کیا کرو گی تم پوچھ کر... چھوڑو۔" انابیہ نے گرما گرم چائے کا کپ اٹھا کر منہ سے لگا لیا اور جیسے ہی ہونٹوں پر جلن کا احساس ہوا فوراً پیچھے کر دیا۔

"بیا! میں آپ کی بہن ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھی دوست بھی ہوں۔" طوبیٰ نے ہمدردی سے بہن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تب ہی تو تمہیں اس تکلیف سے بچانا چاہتی ہوں' جس سے میں گزر رہی ہوں۔"

"فار گاڈ سیک بیا' کیوں پہیلیاں بھجوا رہی ہیں' مجھے بتائیں کیا ہوا ہے؟ سخت ٹینشن ہو رہی ہے مجھے۔" طوبیٰ ہلکا سا جھنجھلا گئی۔

"کیا بتاؤں' برہان کو مجھ سے سرے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے' وہ مجھے زبردستی کا لادا ہوا بوجھ سمجھتے ہیں اور اس تعلق سے حد درجہ بیزار ہیں' جوان کے اور میرے بیچ ہے۔" انابیہ ایک دم چیخ کر بولی اور کمرے میں داخل ہوتی ہوئی شارقہ بیگم ٹھٹک کر دروازے پر ہی رُک گئیں۔ ان کے دل پر کسی نے گھونسا مارا تھا۔

"تو کس میں ہے دلچسپی انہیں؟" طوبیٰ کی آواز کسی گہرے کنویں سے نکلی۔

"مناہل قریشی میں۔"

"مناہل!! وہ کون ہے؟ آپ کو کس نے بتایا؟" طوبیٰ نے پریشانی سے پوچھا۔

"مجھ سے سینئر ہے اور سارا کیمپس جانتا ہے کہ سر برہان اور مناہل کے درمیان کیا چل رہا ہے۔" انابیہ کا لہجہ رنجیدہ تھا۔

"تو آپ کو بتانا چاہیے تھا اسے جا کر کہ آپ کے اور برہان بھائی کے درمیان کیا رشتہ ہے۔" طوبیٰ کو ایک دم ہی غصہ آیا۔

"تو اس سے کیا ہو گا؟" وہ استہزائیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"تاکہ اسے پتا چلے' وہ غلط کر رہی ہے اور کسی کے حق پر ڈاکا مارنا کوئی اچھی بات نہیں۔"

"اگر برہان خود اس کی طرف بڑھا ہو تو...؟" انابیہ نے طنزیہ نگاہوں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا' جس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے لیے کچھ کر گزرتی۔

"دونوں صورتوں میں اسے معلوم ہونا چاہیے' یہ آپ کی بھی زندگی کا سوال ہے۔" طوبیٰ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی' جبکہ شارقہ بیگم وہیں سے پلٹ گئیں۔ ان کے دل پر ایک بھاری بوجھ آن پڑا تھا۔ انہیں پہلی دفعہ احساس ہوا کہ سیانے ٹھیک ہی کہتے ہیں بیٹیوں کی قسمت واقعی ماؤں جیسی ہوتی ہے۔ ساری زندگی وہ خاقان صاحب کے پیچھے بھاگتی رہیں لیکن ان کے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ انابیہ کا دکھ قطرہ قطرہ ان کے دل میں اتر رہا تھا لیکن انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی زندگی سے کسی کو بھی کھیلنے نہیں دیں گی۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" خاقان علی کی کام سے اوپر آئے تو شارقہ بیگم کو اپنی ہی سوچوں میں غلطاں پایا۔

"ہوں..." وہ ہلکا سا چونکیں۔ "اچھا ہوا آپ آگئے۔ ایک ضروری بات کرنی ہے مجھے آپ سے۔" وہ فیصلہ کن انداز میں کھڑی ہوئیں۔

"لیکن میں تو اسلام آباد کے لیے نکل رہا تھا۔" انہوں نے رسٹ واچ میں وقت دیکھتے ہوئے مصروف انداز میں کہا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"ایک گھنٹہ لیٹ بھی ہو جائیں گے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" ان کے لہجے میں کچھ تھا جو خاقان جیسا گھاگ بندہ ایک لمحے میں سمجھ گیا۔

"اچھا چلو' لیکن خدا کے واسطے اپنی اور ندرت کی کسی نئی لڑائی کا قصہ مت چھیڑ دینا۔"

اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے تنبیہہ کی' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ شارقہ کی اپنی سوتن ندرت سے بالکل نہیں بنتی تھی اور دونوں ایک دوسرے کی شکایت لگانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ اپنی اولاد کے لیے ابھی سے کچھ سوچ لیں' ایسا نہ ہو ندرت جیسا کوئی عذاب آپ کی بیٹیوں کو بھی بھگتنا پڑ جائے۔" ان کے سرد لہجے پر وہ چلتے چلتے جھنجلا کر رکے' فوراً" مڑ کر شارقہ بیگم کی طرف دیکھا۔ شارقہ کے چہرے پر اس وقت چٹانوں کی سی سختی محسوس کر کے خاقان کا اگلا جملہ ان کے حلق میں ہی دم توڑ گیا۔

☆ ☆ ☆

درشہوار کو نور محل میں آئے ہوئے دوسرا دن تھا۔

فارحہ بھابھی اپنی نند کی آمد پر خاصی خوش دکھائی دے رہی تھیں کیونکہ نور محل میں رہنا ان کی مجبوری تھی۔ کیونکہ ایک تو ان کے شوہر وہاج وہاں رہتے تھے اور دوسرا ساری سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بھی ان کا یہ ہی گھر تھا۔ جہاں ہر وقت مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا۔ وہ وہاں واحد خاتون تھیں جو سب چیزوں کی نگرانی کرتی تھیں لیکن جب بھی ان کو موقع ملتا' وہ فوراً" میرہاؤس پہنچ جاتیں۔ ایک تو ان کی ساس تاجدار بیگم کے ساتھ ان کے تعلقات خاصے خوش گوار تھے اور دوسرے وہاں خواتین کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کا بھی دل لگا رہتا۔

فارحہ بھابھی اس دن کچن میں آئیں تو سامنے چولہے پر رکھی چائے پک پک کر ختم ہو چکی تھی اور درشہوار شیلف سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں مگن تھی۔

"درشہوار! کوئی مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔" انہوں نے فوراً" لپک کر چولہا بند کیا۔

"نن... نہیں تو بھابھی۔" درشہوار ایک دم ہوش کی دنیا میں آئی تو دیکھا' سامنے چولہے پر موجود چائے کی پتیلی اچھی خاصی جل چکی تھی۔

"اوہ آئی ایم سوری..." وہ اچھی خاصی شرمندہ ہو گئی۔

"میں نوٹ کر رہی ہوں' تم جب سے آئی ہو' کچھ الجھی الجھی سی ہو' خیر تو ہے نا۔" انہوں نے محبت بھری نظروں سے اپنی اکلوتی نند کو دیکھا' جس کی آنکھوں سے جھلکتی شوخی اور شرارت کی جگہ اداسی لے چکی تھی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں' آپ بتائیں آپ کا دل نہیں گھبراتا اتنے بڑے گھر میں اکیلے رہتے ہوئے۔" درشہوار نے بڑی ذہانت سے بات کا رخ بدلا۔

"اکیلا گھر کہاں ہے' ملازمین کی ایک فوج ہے اور سارا دن تو مہمان داری رہتی ہے یہاں۔" انہوں نے مسکرا کر فریج سے گوشت کا پیکٹ نکالا۔

"ہاں پھر وہاج بھائی بھی تو رہتے ہیں ادھر۔" وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

"ان کا تو ہونا اور نہ ہونا تو بعض دفعہ برابر ہی ہوتا ہے۔" فارحہ بھابھی کا لہجہ اداسی سے لبریز تھا۔

"ایک بات تو بتائیں بھابھی' میرڈ لائف کیا محبت کے بغیر چل سکتی ہے؟" اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا کیونکہ سارا خاندان جانتا تھا کہ وہاج کو اپنی بیوی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور وہ اسی بات پر حیران تھی کہ آخر ایسی کون سی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بات ہے جس نے دونوں کو ابھی تک ایک ڈور میں باندھ رکھا ہے۔

"ہاں۔"

ان کی بات پر درشہوار کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ "وہ کیسے؟"

"شادی شدہ زندگی محبت کے بغیر تو گزر سکتی ہے لیکن عزت کے بغیر نہیں۔" فارحہ بھابھی کی بات ابھی مکمل ہوئی ہی تھی کہ وہاج جھنجھلائے ہوئے انداز میں کچن میں داخل ہوئے اور کھا جانے والی نگاہوں سے فارحہ کو دیکھا' جو انہیں غصے میں دیکھ کر تھوڑا گھبرا گئی تھیں۔

"ساری زندگی جاہل کی جاہل رہنا' ہزار دفعہ سمجھایا ہے میری چیزوں کو ہاتھ مت لگایا کرو' لیکن تم جیسی کم عقل عورت کو کوئی بات ایک دفعہ کہنے سے تھوڑی سمجھ میں آتی ہے...." ان کا لہجہ سراسر توہین آمیز تھا اور درشہوار کے سامنے اس کھنچائی پر ان پر گھڑوں پانی پھر گیا۔

"میرا لیپ ٹاپ کیوں بند کیا ہے تم نے گنوار عورت' اچھی خاصی فائل ڈاؤن لوڈ ہونے کے لیے لگا کر گیا تھا' اب مزید ایک گھنٹہ میرا غارت ہو جائے گا' پتا نہیں کس گناہ کی سزا ہو تم۔" وہ ایک دفعہ پھر شروع ہو گئے۔ فارحہ بھابھی کا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ ہوا۔

"وہاج بھائی! آئی ایم سوری' لیپ ٹاپ بھابھی نے نہیں' میں نے بند کیا تھا۔" درشہوار نے گھبرا کر جھوٹ بولا۔

فارحہ نے تشکر بھری نگاہوں سے اپنی نند کو دیکھا' جس نے انہیں ایک بڑی مصیبت سے بچا لیا تھا۔

"تم نے بند کیا تھا؟" وہاج ایک لمحے کو گڑبڑائے لیکن معاملہ چونکہ اب اپنی لاڈلی بہن کا تھا' اس لیے خاصے ٹھنڈے پڑ گئے۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے' ایک کپ چائے کا بنوا کر بھیجو اور پلیز درشہوار! تم خود بنانا' اس عورت کی تو ہر چیز ہی بدمزہ ہوتی ہے اس کی شکل کی طرح۔" ان کی بڑبڑاہٹ اتنی کم نہیں تھی کہ دونوں کی سماعت تک نہ پہنچتی۔

"جی آپ جائیں' میں لاتی ہوں۔" درشہوار نے گھبرا کر کہا۔

فارحہ بھابی نے دوسرا سا ساس پین نکالا' ان کی آنکھوں سے بے اختیار دو آنسو چھلکے جنہیں انہوں نے فوراً" بازو کی پشت سے صاف کر لیا۔ درشہوار کو حقیقتاً" ان پر ترس آیا۔

"اب سمجھ میں آگئی نا میری بات' شادی شدہ زندگی میں محبت سے زیادہ عزت اہم ہوتی ہے۔" انہوں نے ہلکا سا رخ موڑ کر درشہوار کو مخاطب کیا۔

"جی" وہ ٹھیک ٹھاک شرمندہ ہوئی۔

"اس شخص سے شادی کبھی مت کرنا درشہوار! جو تمہاری عزت نہ کرتا ہو۔" فارحہ بھابھی کی اس بات پر اس کے دل میں چبھن سے کچھ ٹوٹا۔

"کیوں کرتے ہیں وہاج بھائی ایسا؟" اس نے فوراً" موضوع گفتگو تبدیل کیا۔

"پتا نہیں۔" انہوں نے برنر جلایا اور چائے کا سامان کیبنٹ سے نکالنے لگیں۔ درشہوار کچھ لمحے تو ان کا چہرہ غور سے دیکھتی رہی لیکن شرمندگی کا احساس اس قدر گہرا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک کچن میں ٹھہر نہیں سکی۔

☆ ☆ ☆

"ہاں یہ ہنڈرڈ پرسینٹ رومی کا ہی ہے' لیکن آپ کو کہاں سے ملا؟"

شہرزاد نے ارتضیٰ حیدر کے ہاتھ میں جیسے ہی اپنی بہن کا برسلیٹ دیکھا' اس کے دل کی دھڑکنیں یک دم تیز ہوئیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

وہ ابھی ابھی اس سے ملنے کے لیے ٹینا ہاؤس پہنچا تھا۔ شہرزاد کو اگلے دن شام میں اس کے ضد کرنے پر ہسپتال سے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا۔ وہ اب کچھ پرسکون تھی لیکن گھر میں مہمانوں کا تانتا بندھا ہوا تھا کیونکہ ٹینا بیگم خاصی سوشل تھیں اور کچھ میڈیا نے اس خبر کو بھی خاصا اچھالا تھا اور اسی لیے کچھ لوگ محض چسکے کے لیے اور کچھ ہمدردی کے لیے ان کی طرف آ رہے تھے۔

"بتائیں ناں، کہاں سے ملا ہے آپ کو۔" شہرزاد کو بے چینی ہوئی۔

"چوہدری افتخار وڑائچ کے فارم ہاؤس سے۔" اس نے سامنے رکھا کافی کا مگ اٹھایا۔

"اس کا مطلب ہے آپ کو ریڈ میں ناکامی ہوئی۔" شہرزاد نے ایک لمحے میں ساری صورت حال بھانپ لی۔

"ارتضیٰ حیدر اتنی آسانی سے اپنی ہار نہیں مانتا۔" وہ زیر لب مسکرایا۔ "بس تھوڑی اندازے کی غلطی ہو گئی، ورنہ رومیصہ اس وقت گھر میں ہوتیں۔"

شہرزاد اس کی بات سن کر پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔ اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ آج کل سہگل فیملی کے ستارے گردش میں ہیں، ہر چیز میں اور ہر کام میں ایک بڑی رکاوٹ منہ کھولے ان کی منتظر ہوتی تھی۔

"چوہدری افتخار وہی ہیں ناں جو صوبائی منسٹر رہے ہیں۔" شہرزاد نے ہلکا سا چونک کر پوچھا۔

"بالکل اور ان کا بھتیجا ارسلان، جسٹس محمود کے بیٹے کا بیسٹ فرینڈ بھی تھا۔" ارتضیٰ نے ایک اور انکشاف کیا۔

"او مائی گاڈ، آپ نے اریسٹ کیا اسے۔" وہ فوراً بے تابی سے اٹھ بیٹھی۔

"ہاں، دو گھنٹے حوالات میں رہا، لیکن اوپر سے آرڈر آئے اور ضمانت کروالی گئی اس کی، لیکن بے فکر رہیں، پاتال سے بھی نکال لاؤں گا میں رومیصہ کو۔"

"اتنی اہم خبر مجھے اب بتا رہے ہیں آپ؟" شہرزاد ہلکا سا برامان کر بولی۔

"یہ بات کرنے سے پہلے آئینہ دیکھ لیں اور یہ اتنی بڑی بینڈیج بھی، پھر مجھ سے پوچھیے گا۔" وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں اس کی خرابی طبیعت کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ان دونوں کے درمیان اچھی خاصی بے تکلفی ہو چکی تھی۔

"بھاڑ میں جائے میری طبیعت، آپ کو اندازہ نہیں، میں کتنی اپ سیٹ ہوں رومیصہ کے لیے۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

"ٹرسٹ می، آپ سے زیادہ نہ سہی لیکن کم اپ سیٹ میں بھی نہیں ہوں آپ کی بہن کے لیے۔" اس کی بے ساختگی، ایک دفعہ پھر شہرزاد کو چونکا گئی، لیکن اس نے پھر دانستہ نظرانداز کر دیا۔

"ارسلان کو نہیں چھوڑنا چاہیے تھا آپ لوگوں کو، وہ رومیصہ کے بارے میں لازمی کچھ نہ کچھ جانتا ہوگا۔"

"بے فکر رہو، اس کا نام آچکا ہے ہماری لسٹ میں۔" ارتضیٰ نے اسے تسلی دی۔

"مزید کیا پتا چلا؟"

"فارم ہاؤس اس کے چچا کا ہے اور آخری اطلاع تک رومیصہ اسی فارم ہاؤس میں تھی۔ یہ بریسلیٹ اور کچھ چیزیں بھی وہیں سے ملی ہیں لیکن پریشان کن بات یہ ہے کہ ارسلان پچھلے تین دن سے دبئی میں تھا اور آج صبح کی فلائٹ سے واپس پہنچا ہے، یعنی کہ جس وقت فارم ہاؤس میں چھاپہ مارا گیا وہ ملک سے باہر تھا۔" ارتضیٰ نے اس دفعہ تفصیل سے جواب دیا۔

"تو رومیصہ کو وہاں سے غائب کس نے کیا۔۔۔؟" شہرزاد کو پریشانی ہوئی۔

"اسی پوائنٹ پر تو ہم لوگ مزید تفتیش کر رہے ہیں، شاید اس کے کچھ اور فرینڈز ہوں۔"

DOWNL[redacted]FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"شاید نہیں یقیناً"۔۔۔ انہوں نے ہی ریڈ کے دوران غائب کیا ہے اسے وہاں سے۔" شہزاد نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن ایک چیز حیران کن ہے' جس گاڑی میں اسے وہاں سے نکالا گیا' وہ پولیس کے قبضے میں ہے اور فارم ہاؤس کے پچھلے حصے میں قدموں کے نشانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے نکالنے والا بندہ ایک ہے۔" ارتضیٰ نے معلومات میں اضافہ کیا۔

"ایک بندہ؟" شہزاد تعجب سے بولی۔

"ہاں اور کنفیوژن اس بات کی ہے کہ رومیصہ اتنے آرام سے اس کے ساتھ کیوں چلی گئی' وہ شور مچا کر پولیس کی مدد بھی تو لے سکتی تھی۔"

"ہوں!" شہزاد کو دھچکا لگا۔ "ہو سکتا ہے اس شخص نے اسے جان سے مارنے کی دھمکی دی ہو یا کسی اور حوالے سے بلیک میل کیا ہو۔"

"مے بی' لیکن مجھے یقین ہے کہ اب یہ صرف دو تین دن کا گیم ہے۔" ارتضیٰ خاصا پُراعتماد تھا' اسی وقت دروازہ ہلکے سے بجا کر ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

"شیری بی بی' بریگیڈیئر وقار درانی آپ سے ملنے آئے ہیں۔" اس اطلاع پر ارتضیٰ نے بے ساختہ چونک کر اس کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ناگواری کا بڑا بھرپور سا تاثر ابھرا تھا۔

"مام کہاں ہیں؟"

"ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہیں۔" ملازمہ نے مزید بتایا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ' میں آ رہی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آئی تھنک' آپ کو یہیں بلوا لینا چاہیے انہیں۔" وہ فکرمند انداز میں گویا ہوا۔ اس وقت وہ دونوں شہزاد کے گیسٹ روم میں تھے۔ وہ ہسپتال سے آنے کے بعد اسی کمرے میں تھی' کیونکہ مہمانوں کی آمدورفت بہت زیادہ تھی اور بار بار سیڑھیاں اترنے چڑھنے سے ابھی تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔

"گولی میرے شولڈر کو چھو کر گزری ہے' لیکن ٹانگیں الحمدللہ سلامت ہیں۔" شہزاد کے ہلکے پھلکے انداز پر وہ مسکرایا۔ "اوکے بیسٹ آف لک۔۔۔"

"آپ نہیں ملیں گے ان سے۔۔۔؟" شہزاد نے ہلکا سا چونک کر اس کی طرف دیکھا' جو جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔

"آئی تھنک یہ مناسب نہیں لگتا اور میری موجودگی میں وہ خوامخواہ کانشس ہو جائیں گے۔" اس نے بڑے مناسب الفاظ میں انکار کیا تو شہزاد نے بھی اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

"اوکے ٹیک کیئر آف یور سیلف۔"

اس نے بڑی گہری نظروں سے شہزاد کا جائزہ لیا' جو اس وقت بڑے پُراعتماد انداز سے چپل پہن رہی تھی۔ اس لڑکی کا اعتماد اور بے نیازی اسے ہمیشہ کچھ فاصلے پر رہنے پر مجبور کر دیتی تھی' لیکن اس میں کچھ تھا جو وہ اپنی بے انتہا مصروفیات میں سے بھی وقت نکال کر اس کے پاس آنے سے خود کو روک نہیں پاتا تھا اور یہ چیز ان کے اردگرد رہنے والے لوگوں نے بھی محسوس کرنا شروع کر دی تھی۔

✡ ✡ ✡

برہان اور درِ شہوار دونوں شفاء انٹرنیشنل ہسپتال میں تھے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

برہان نے ایک دن پہلے بہت اچھے فریشن سے اپائنمنٹ لے لی تھی۔ در شہوار کے جاتے ہی کچھ ٹیسٹ ہوئے' جن کی رپورٹس کچھ دیر میں ملنی تھیں' برہان اسے لے کر کیفے ٹیریا آگئے۔

"رزلٹ تو تم لوگوں کا آچکا ہے' اب مزید کیا سوچا ہے؟" وہ رشین سلاد لے کر اس کی میز پر پہنچے اور بڑے غور سے اس کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھا۔

"طوبیٰ اور نمیرہ سے پوچھوں گی۔" اس نے ہلکا سا سنبھل کر جواب دیا۔ وہ جانتی تھی کہ برہان پڑھائی کے معاملے میں کسی بھی قسم کی رعایت بخشنے کے قائل نہیں تھے۔

"میرے خیال میں تم تینوں کو بی ایس میں ایڈمیشن لے لینا چاہیے یونیورسٹی میں۔" برہان نے یونہی بات بڑھانے کی غرض سے کہا۔

"جی۔ ٹھیک ہے۔" در شہوار خلاف توقع فوراً ہی متفق ہوگئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے در شہوار؟ کوئی اور مسئلہ تو نہیں۔" برہان اس کے فوراً مان جانے پر پریشان ہوئے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اسے ہر معاملے میں اپنی پسند ناپسند کا بڑا خیال رہتا تھا اور اس چیز پر سمجھوتا کرنا اس کے لیے دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔

"نن... نہیں بھائی' ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ ان کی کھوجتی نظروں پر گڑبڑا سی گئی۔

"مجھے کیوں لگتا ہے کہ کوئی پرابلم ہے تمہارے ساتھ۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ آج بری پھنسی تھی لیکن قسمت اچھی تھی جو برہان کی توجہ دوسری جانب مبذول ہوگئی۔

"ہائے برہان' آپ یہاں کیسے؟"

مناہل قریشی ایک دم ان کی میز کی طرف آئی۔ در شہوار کے سامنے مناہل سے اچانک ملاقات نے برہان کو ایک لمحے کے لیے خفت میں مبتلا کیا لیکن جلد ہی انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔ دوسری طرف اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ کر در شہوار کو زوردار جھٹکا لگا' یہ چہرہ وہ بھلا کیسے بھول سکتی تھی۔ پچھلے چند دنوں میں جتنی نفرت اسے اس لڑکی سے ہوئی تھی' اس کی پیمائش کے لیے تو کوئی نیا ہی آلہ ایجاد کرنا پڑتا۔

"میں در شہوار کے ساتھ آیا تھا یہاں' میری چھوٹی بہن ہیں یہ..." برہان کی وضاحت پر مناہل نے کھل کر سانس لیا۔ جب کہ در شہوار کے چہرے کے زاویے اسے دیکھ کر بری طرح سے بگڑ گئے۔ وہ مناہل کو نظرانداز کیے اپنے سامنے رکھا رشین سلاد کھانے لگی۔

"در شہوار! یہ مناہل قریشی ہیں' میری اسٹوڈنٹ اور اب کولیگ بھی۔" برہان کو اس کا انداز برا لگا۔

"جانتی ہوں میں۔" در شہوار نے سر اٹھائے بغیر بے رخی سے جواب دیا۔

مناہل کو دھچکا سا لگا اور ایک دم سے برہان بھی شرمندگی کا شکار ہوئے۔ جب کہ مناہل کو در شہوار کے بیزاری کے پیچھے چھپا اپنے مستقبل کا حال صاف دکھائی دے رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM
Monthly Shuaa August 2017

Downloaded from Paksociety.com

کن من کن من برستی بوندیں اسے اچھی لگتی تھیں مگر۔۔۔
موسلا دھار بارش اسے عجیب سی بے چینی میں مبتلا کردیتی تھی۔
وہ ایک توانا مرد تھا۔ باہمت اور جوان۔۔۔ اپنے حوصلوں سے پہاڑ کو مٹی میں بدل دینے والا۔

قرۃ العین خرم ہاشمی

بارش کی پکار

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

وہ آسمان سے برستے پانی سے ڈرتا نہیں تھا' مگر اسے برستا دیکھ کر چونک پڑتا تھا۔ جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتا ہو' مگر کیا؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ایک پردہ حائل تھا۔ کسی ہونی اور انہونی کے درمیان۔ مگر بارش دیکھ کر مہک ہمیشہ مچل جاتی تھی۔ وہ بارش میں بھیگنے کو ہر وقت تیار رہتی اور اس کی پوری کوشش ہوتی کہ حسن کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلے۔ مگر حسن ہاتھ اٹھا کر صاف منع کردیتا۔

"تمہیں بارش میں بھیگنا ہے تو بھیگو' مگر مجھ سے مت کہو۔ مجھے بہت الجھن ہوتی ہے۔"

مہک یہ سن کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آپ کے نخرے تو لڑکیوں کی طرح کے ہیں۔ نہیں آنا تو نہ سہی' میں ہما اور ارم کو اپنے ساتھ لے جاتی ہوں۔" مہک نے اپنی دونوں چھوٹی نندوں کا نام لیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

حسن نے سر جھٹکا اور لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا۔ کھڑکی پر برستی بوندوں کی آواز' اس کی خاموشی میں خلل ڈال رہی تھی۔ اسے لگا جیسے وہ مسلسل دستک دے رہی ہو۔ اسے پکار رہی ہو۔ کچھ دیر تک وہ کوشش کرتا رہا کہ اپنے کام پر توجہ مرکوز کرسکے مگر پھر تنگ آکر اپنی جگہ سے اٹھا اور کھڑکی کھول کر نیچے صحن میں دیکھنے لگا۔ آج بھی تیز ہوا کے ساتھ' پانی بہت تیزی سے برس رہا تھا۔ صحن میں مہک' ہما اور ارم نے شور ڈالا ہوا تھا۔ اماں اور ابا اندر سے انہیں مسلسل پکار رہے تھے۔ مگر وہ کچھ بھی نہیں سن رہی تھیں۔

حسن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کا چھوٹا سا گھر محبت اور امن کا گہوارہ تھا۔ جہاں تین سال پہلے مہک کے آنے سے مزید رنگ بھر گئے تھے' مگر یہ رنگ ادھورے تھے ان کی ذات کی طرح۔ مہک کے والد اور ابا بہت قریبی دوست تھے۔ مہک کی ماں تو اس کے بچپن میں ہی وفات پا گئی تھی۔ اس لیے مہک نے اپنے والد کے علاوہ کوئی اور رشتہ نہیں دیکھا تھا۔ مہک حسن کے والدین کی پسند تھی۔ شوخ و چنچل' زندگی سے بھرپور۔ شادی کے بعد اسے گھر کے سب لوگوں سے اتنا پیار ملا کہ وہ اپنی ہر کمی بھول گئی۔ اس نے اپنی خوش اخلاقی سے سب گھر والوں کے دل موہ لیے تھے۔ حسن بہت خوش اور مطمئن تھا' مگر شاید رب کو ان کی آزمائش منظور تھی۔

مہک نے ہر علاج سے ناکام ہونے کے بعد حسن کو دوسری شادی کرنے کی بخوشی اجازت دے دی تھی۔ اس کے باپ کا کچھ عرصے پہلے انتقال ہوگیا تھا۔ اب یہ گھر اور اس کے لوگ ہی اس کا سب کچھ تھے۔ حسن نے کبھی دوسری شادی کا ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا' مگر مہک کا دل جانتا تھا کہ ایسا ایک دن ضرور ہوگا۔

وہ ان ہی سوچوں میں گم تھا جب بادل کی گرج چمک سے ساری فضا گونج اٹھی۔ کالے بادلوں کی وجہ سے دن میں بھی رات کا سماں بندھ گیا تھا۔ اسی وقت بجلی زور سے کڑکی۔ ساتھ ہی تینوں نے چیخ ماری اور اندر کی طرف بھاگ گئیں۔ حسن کے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا تھا۔ آسمان سے برستا موسلا دھار پانی اور پانی کی اوٹ سے جھانکتے دو سائے۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے لاشعور کے پردے کو چاک کرتا' کمرے کا دروازہ کھول کر مہک اندر داخل ہوئی۔

"توبہ! اتنے زور سے بجلی چمکی کہ ہماری تو جان ہی نکل گئی۔ بس اللہ رحم کرے۔"

مہک نے الماری سے اپنا سوٹ نکالا اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ جبکہ حسن پھر پنڈولم کی طرح ہونی اور انہونی کے درمیان جھولتا رہ گیا۔ اس نے گہری سانس لے کر دوبارہ کھڑکی سے باہر جھانکا' بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اب ہلکی پھوار جاری تھی۔ حسن نے اکتا کر کھڑکی بند کردی۔ حالانکہ اسے کن من اچھی لگتی تھی' مگر کبھی کبھی اپنی من پسند چیزیں بھی دل کو نہیں بھاتیں۔

پتا نہیں یہ دل کس گورکھ دھندے کا نام ہے۔ جو کبھی کسی حال میں بھی خوش نہیں ہوتا۔

حسن نے لیپ ٹاپ کی چمکتی اسکرین کو دیکھ کر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

یہ شمارہ پاک وسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ایڈ فری لنکس

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

سوچا۔

☆ ☆ ☆

"نویدہ خالہ کے گھر سے کارڈ آیا ہے۔ اس کے پوتے کی شادی ہے۔" حسن شام کی چائے اماں اور ابا کے ساتھ بیٹھ کر پی رہا تھا۔ جب اماں نے ایک کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اسی وقت مہک بھی وہاں آکر بیٹھ گئی۔ جبکہ ہما اور ایرم اکیڈمی گئی ہوئی تھیں۔ ہما ایف ایس سی کی طالبہ تھی جبکہ ارم بی ایس سی آنرز کی طالبہ تھی۔

"شادی تو اگلے ہفتے ہے۔" حسن نے کارڈ دیکھ کر کہا۔

"ہاں' آج نویدہ خالہ کا فون بھی آیا تھا۔ بہت اصرار کررہی تھیں کہ ہم لوگ شادی میں ضرور شرکت کریں۔ میں نے تو اپنی طبیعت کی وجہ سے معذرت کرلی ہے۔ ایسا کرنا تم اور مہک چلے جانا۔ اچھا ہے اسی بہانے مہک ہمارا گاؤں بھی دیکھ لے گی اور بہت سے رشتے داروں سے بھی مل لے گی۔" اماں نے تفصیل سے کہا تو حسن سوچ میں پڑ گیا۔

"مگر اماں! مجھے گاؤں گئے ہوئے کافی سال ہوگئے ہیں۔ میں تو کسی کو جانتا بھی نہیں ہوں اور نہ ٹھیک سے کوئی یاد ہے مجھے۔ میں وہاں جاکر کیا کروں گا؟" حسن نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے بیٹا! پریشان ہونے والی کیا بات ہے۔ مانا کہ ہمارے زیادہ تر قریبی رشتے دار شہر میں سیٹ ہوگئے ہیں مگر ابھی بھی بہت سے لوگ ہیں وہاں۔ تم فکر مت کرو۔ یہاں سے بھی کافی لوگ جائیں گے۔ وہ تمہاری رہنمائی کریں گے۔"

اب کی بار ابا نے بارعب انداز میں کہا تو حسن سر ہلا کر رہ گیا۔

اماں اور ابا بڑھتی عمر کے ساتھ لگی کئی بیماریوں کی وجہ سے بہت کم کہیں آتے جاتے تھے۔ اس لیے حسن کو خوش اسلوبی سے یہ ذمہ داری نبھانی پڑتی تھی۔

اب تو اس کے ساتھ ساتھ مہک پر بھی یہ ذمہ داری لاگو ہوگئی تھی۔

"میں نے کبھی گاؤں نہیں دیکھا۔ سچ میں بہت مزا آئے گا وہاں۔" مہک نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا تو اماں اور ابا نے مسکرا کر تائید کی اور اسے گاؤں کے قصے سنانے لگے۔ حسن کا بچپن وہاں گزرا تھا۔ اماں' ابا کی زبانی اپنے بچپن کے قصے سنتا ہوا وہ بھی زیر لب مسکرا رہا تھا۔

"اور ہاں حسن! اپنی رحمت بوا سے ضرور ملنے جانا۔ وہ تم سے بہت پیار کرتی تھیں۔ مہک کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔ تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں مہک..... حسن جب دس سال کا تھا تو رحمت بوا کی اکلوتی بیٹی ریشماں سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا۔" اماں نے ہنستے ہوئے کہا تو مہک حیرت سے آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھنے لگی۔

"سچ میں اماں!" مہک نے پوچھا تو ابا بھی ہنس پڑے۔

"تو اور کیا..... وہ اس سے پانچ سال بڑی تھی۔ حسن کے بڑے تایا کے بیٹے انور کی منگ تھی۔ اسی کی منگنی کرنے ہم گاؤں گئے تھے۔ جب یہ ریشماں کو دیکھ کر شادی کی ضد کر بیٹھا تھا اور بعد میں بھی کتنے سال ہی..... سب اس کو بہت چھیڑتے تھے۔" اماں کے کہنے پر سب ہنس پڑے۔

"اماں! آپ بھی نا..... کیا' کیا یاد رکھا ہوا ہے۔" حسن جھینپ کر رہ گیا اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ جبکہ وہ سب مزے سے اس واقعے کو دہرانے لگے۔

☆ ☆ ☆

"افوہ اماں! مجھے یہاں کیوں لے کر آئی ہیں۔" دس سالہ حسن نے گاؤں کی ٹوٹی پھوٹی گلیوں میں چلتے ہوئے چڑ کر کہا تھا۔ وہ سب لوگ تیار ہو کر پیدل ہی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ جو کہ قریب کے چند گھر چھوڑ کر ہی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"ارے بھئی! آج تمہارے انور بھائی کی منگنی ہے۔ اس لیے ہم لڑکی والوں کے گھر جارہے ہیں۔ آجا میرا بیٹا! تھک گیا ہے تو میں گود میں اٹھالیتا ہوں۔" تایا ابو نے کہا تو ابا فوراً بولے۔

"ارے نہیں بھائی! بچہ ہے نا' اس لیے گھبرا گیا ہے۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔" ابا کے کہنے پر تایا ابو مطمئن ہو کر آگے بڑھ گئے۔

وہ تقریباً بیس افراد پر مشتمل چھوٹا سا قافلہ تھا۔ جو رحمت بوا کے رنگ برنگی جھنڈیوں اور چھوٹے چھوٹے برقی قمقموں سے سجے گھر کے صحن میں پہنچ کر رکا تھا۔ سب ایک دوسرے سے بہت تپاک سے مل رہے تھے۔ جانتے تو یہ سب ایک دوسرے کو کئی سالوں سے تھے۔ بس کچھ عرصہ پہلے ہی تایا ابو کے ساتھ ساتھ حسن کے والد نے شہر کی طرف کوچ کیا تھا' مگر یہاں سے جاتے ہوئے وہ رحمت بوا سے رشماں کا ہاتھ مانگ گئے تھے۔ اب انور کی نوکری لگتے ہی وہ منگنی کرنے چلے آئے تھے۔ انور کو کویت میں بہت اچھی نوکری مل گئی تھی۔

بیس سالہ انور نے جب پہلی بار رشماں کو دیکھا تھا تو اپنا دل ہار بیٹھا تھا۔ رشماں تھی ہی ایسی۔ حسن اور نزاکت کا مجموعہ۔ اس کے حسن کی وجہ سے بہت سے لوگ اس کے رشتے کے طلب گار تھے مگر رحمت بوا نے انور کے لیے ہاں کی تھی۔ رحمت بوا' بیوہ عورت تھی۔ جس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ گاؤں میں اس کی بہت عزت تھی۔ سب اسے رحمت بوا کے نام سے جانتے اور پہچانتے تھے۔ رحمت بوا کے دونوں بیٹے شادی شدہ اور بچوں والے تھے۔ اب صرف رشماں کی ذمہ داری اس کی بوڑھے کندھوں پر تھی۔ آج وہ دن بھی آپہنچا تھا۔ جس کا انتظار اسے ایک مدت سے تھا۔

چھوٹی سی رسم کے بعد رشماں کی نازک انگلی میں انور کے نام کی انگوٹھی جگمگانے لگی۔ مبارک سلامت کے شور سے فضا گونج رہی تھی۔ سب خوش تھے۔ ہنس رہے تھے۔ حسن اماں کو ڈھونڈتا ہوا عورتوں والے حصے میں چلا آیا۔ جہاں سب گھونگھٹ میں سر جھکائے بیٹھی رشماں کو مٹھائی کھلا رہے تھے۔ حسن نے بھی ضد کی۔

"میں بھی دلہن کو مٹھائی کھلاؤں گا۔" سب ہنس پڑے اور اسے آگے کیا۔

"پہلے دلہن کا منہ تو دکھاؤ۔" حسن نے کہا تو ہر طرف سے قہقہہ ابل پڑا۔

"بھئی چھوٹا سا ہے' مگر ہے بہت تیز۔ کس نے پٹی پڑھائی ہے تمہیں۔" رشماں کی کسی سہیلی نے ہنس کر کہا۔

"جی نہیں۔ مجھے دلہن کو دیکھنا ہے بس۔" حسن کے ضد کرنے پر رحمت بوا نے آگے بڑھ کر تھوڑا سا دوپٹا پیچھے کیا اور کہا۔

"بچہ ضد کررہا ہے تو دکھادو چہرہ۔ ویسے بھی یہاں کون سے مرد ہیں۔"

حسن نے خوشی سے سر جھکائے بیٹھی رشماں کو دیکھا۔ اسی وقت رشماں نے بھی سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ رشماں کا چہرہ خوشی سے سرخ ہورہا تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی اور جب وہ مسکرا رہی تھی تو اس کے سفید چمکتے دانت صاف نظر آرہے تھے۔ حسن مٹھائی کھلانے کے بجائے کچھ سوچتا رہا۔

"اماں! کیا دلہن سچ میں اتنی پیاری ہوتی ہے؟ مجھے بھی لینی ہے دلہن۔" حسن کی معصوم فرمائش پر ساری محفل کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"پگلا کہیں کا۔۔۔ چل ادھر آ۔" اماں نے ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے اٹھایا' مگر حسن اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے کافی ضدی تھا۔ سارے راستے یہ ہی بات کہتا رہا۔ جو آہستہ آہستہ سب میں پھیل گئی۔ سب اسے بچے کی معصوم ضد سمجھتے رہے اور ہنستے رہے۔ جبکہ حسن ایک کونے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ۔۔۔

"میں نے ایسا کیا کہہ دیا کہ کوئی میری بات کو سنجیدہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ہی نہیں لے رہا۔"

انور اور رشماں کی شادی اگلے سال ہونا قرار پائی۔ ان دنوں انور کو نئی نئی نوکری ملی تھی۔ سب کی خواہش تھی کہ وہ تھوڑا سیٹ ہو جاتا۔ تب ہی اس کی شادی کرتے، منگنی کے بعد باقی رشتے دار تو چلے گئے، مگر تایا ابو اور ایا زمین کی کچھ قانونی کارروائی کی وجہ سے وہیں رک گئے۔ ان کا قیام اپنے چچازاد بھائی کے گھر پر تھا۔ حسن تو پہلے ایک دن بھی گاؤں رہنے پر تیار نہیں تھا۔ اب یہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

وہ اور انور بھائی اکثر گھر سے نکل جاتے اور کسی نہ کسی بہانے در صنم پر حاضری لگانے پہنچ جاتے۔ انور خود تو پیچھے رہتا، مگر حسن کو رشماں کے پاس بھیج دیتا، کبھی کوئی رقعہ لکھ کر اور کبھی کوئی زبانی پیغام بھیج دیتا۔ حسن کو اکثر انور کے پیغام بھول جاتے اور وہ خود مزے لے لے کر رشماں سے باتیں کرتا رہتا اور باہر کسی درخت کی اوٹ میں کھڑا انور اس کا انتظار کرتا رہتا۔

کبھی انور حسن سے کہتا کہ رشماں کو لے کر ندی پر آجائے۔ حسن ہاں میں سر ہلا دیتا، مگر رشماں کو لے کر ندی پر نہیں آتا تھا۔ اسی طرح اگر انور کہتا کہ اسے کسی بہانے چھت پر لے آؤ۔ تاکہ میں دیکھ ہی سکوں، تو حسن اس بات پر بھی عمل نہیں کرتا تھا۔ وہ رشماں کے پاس بیٹھ کر خود ہی باتیں کرتا رہتا۔ رشماں اس سے باتیں کرتی اور اس کی باتوں پر ہنستی تھی۔

اور یوں ہی ایک دن ان کی واپسی کا دن بھی آگیا۔ حسن بہت بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے آیا۔ انور کا بھی منہ لٹکا ہوا تھا۔ شہر آکر کچھ دن تو اس کا دل نہیں لگا، مگر پھر زندگی معمول پر آنے لگی۔

انور پردیس چلا گیا۔ حسن یا تو ابو یا تائی امی کے ساتھ اکثر گاؤں چلا جاتا۔ وجہ صرف ایک ہی تھی رشماں۔ ابا کا گاؤں کا چکر بہت کم لگتا تھا مگر تایا ابو اور تائی امی نئی رشتے داری کی وجہ سے بھی گاؤں آتے جاتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے حسن کو بھی ایک راستہ مل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا بات ہوئی بہن۔ میری تو خواہش تھی کہ جلد از جلد اپنی بیٹی کے ہاتھ پیلے کردوں، مگر آپ کہہ رہی ہیں کہ ابھی انور کو دو سال اور لگیں گے، پہلے ہی ایک سال کا کہہ کر اتنا وقت نکال دیا ہے۔ تین سال ہو گئے ہیں ان دونوں کی منگنی ہوئے۔" رحمت بوا نے تائی امی کی بات سن کر پریشانی سے کہا تھا۔ پتا نہیں جواب میں تائی امی نے کیا کہا۔

حسن وہاں سے اٹھ کر بھاگتا ہوا رشماں کے پاس گیا۔ جو کوئی کتاب کھولے گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے جیسے انور کے پاکستان آنے کے چانس کم ہونے لگے تھے، ویسے ویسے رشماں زیادہ تر گم صم رہنے لگی تھی۔ حسن کو دیکھ کر چونکی اور مسکرا کر اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"انور بھائی اس سال بھی پاکستان نہیں آرہے۔ بس دیکھ لینا! آپ کی شادی مجھ سے ہی ہوگی۔" حسن کے کہنے پر رشماں نے ہلکی سے چپت اس کے سر پر لگائی۔

"بُری بات۔ ایسے نہیں کہتے۔ بھابھی کہا کرو مجھے۔" رشماں نے ہمیشہ کی طرح اسے سمجھایا۔

"کوئی نہیں۔ بھابھی کیوں بولوں؟" حسن نے ضدی لہجے میں کہا۔ رشماں گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"اب تم بڑے ہو رہے ہو حسن۔ اس سال چودہ کے ہو جاؤ گے۔ اچھا نہیں لگتا کہ تم میرا نام لو۔" رشماں نے سنجیدگی سے کہا تو حسن منہ بنا کر رہ گیا۔

"مگر مجھے ایسے ہی اچھا لگتا ہے۔" حسن کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ جبکہ رشماں گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"تائی امی کہاں ہیں؟" حسن نے اکیلی بیٹھی ہوئی رحمت بوا کے پاس آکر پوچھا۔ تو انہوں نے سامنے بنے غسل خانے کی طرف اشارہ کیا۔

"وضو کرنے گئی ہیں۔" رحمت بوا کا لہجہ اور آنکھیں بجھی ہوئی تھیں۔

"رحمت بوا۔ دیکھ لیں، میں کتنا بڑا ہو گیا ہوں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ریشماں سے بھی لمبا۔ آپ میری شادی کردیں ریشماں سے۔ آپ کی پریشانی ختم ہوجائے گی۔ وعدہ' میں ریشماں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔" حسن نے ایسے بھولے پن سے کہا کہ رحمت بوا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بری بات ہے بیٹا! ریشماں تم سے عمر میں بڑی ہے۔ اس کا نام مت لیا کرو۔ بھابھی یا باجی کہہ لیا کرو۔ تم یہاں بیٹھو۔ میں بھی نماز پڑھ لوں۔ وقت نکلا جارہا ہے۔" رحمت بوا نے نرمی سے اسے سمجھایا اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں۔

حسن خاموشی سے انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

پھر کتنے ہی سال گزر گئے۔ تعلیمی مصروفیات کے بڑھتے ہی اس کے گاؤں کے چکر لگنا کم سے کم ہوتے گئے۔ تایا ابو اور تائی امی' انور بھائی کے پاکستان نہ آنے کی وجہ سے شرمندگی کے مارے گاؤں نہیں جاتے تھے۔ رحمت بوا تک بھی خبر پہنچ گئی تھی کہ انور نے کویت میں کسی مال دار آدمی کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ شادی کرلی ہے' اسی لیے وہ پاکستان نہیں آرہا تھا۔ مگر جو بھی تھا اسے ایک بار گھر میں بتانا چاہیے تھا۔ اس کی وجہ سے رحمت بوا انتظار کی سولی پر لٹکی ہوئی تھیں اور تایا ابو اور تائی امی شرمندگی کے مارے گاؤں کا رخ نہیں کرتے تھے۔ تعلقات پر وقت نے اچھی خاصی گرد ڈال دی تھی۔ پھر بڑھتی مصروفیات کے دوران آپس میں ملنا ملانا بھی کم سے کم ہوتا چلا گیا۔ ابا اور حسن ایک بار کسی قریبی رشتے دار کی وفات پر گاؤں گئے تھے۔ تب حسن ایف ایس سی کا امتحان دے کر فارغ ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر کبھی اس کا وہاں جانا نہیں ہوا تھا۔

اس دوران انور بھائی پاکستان آئے تھے اچانک۔ سب حیران رہ گئے تھے۔ سنا ہے کہ وہ سب گاؤں بھی گئے تھے اور بار بار گئے' معافی مانگی۔ تلافی کا یقین دلایا' مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ ان کے انتظار میں کئی سال سے بیٹھی ریشماں نے شادی سے انکار کردیا تھا۔ اگر انکار ہی کرنا تھا تو اتنے سال تک انتظار کیوں کیا؟ سب کے ہونٹوں پر ان گنت سوال تھے' مگر سامنے والے کی ایک چپ سب پر بھاری تھی۔ ریشماں مان کیوں نہیں رہی تھی۔ سب کی منتیں کرنے کے باوجود۔ وہ اتنی پتھر دل تو نہیں تھی۔ پھر ایسا کیا ہوا کہ وہ چٹان کی طرح اپنی بات پر اڑ گئی تھی۔

جب دیکھا کہ وہ کسی طرح بھی نہیں مان رہی تو انور نے اپنے والدین کی مرضی اور پسند سے ایک پکی عمر کی لڑکی کے ساتھ شادی کرلی تھی۔ اسے لے کر واپس چلا گیا اور کچھ عرصے کے بعد تایا ابو کی ساری فیملی وہاں سیٹ ہوگئی۔ اب ان کا پاکستان آنا بہت کم ہوتا تھا۔

حسن کو یاد تھا کہ ایک بار تایا ابو نے ابا کو باتوں باتوں میں بتایا تھا کہ انور نے جس لڑکی سے وہاں شادی کی تھی' اس نے کچھ عرصے پہلے ہی انور سے طلاق مانگ لی تھی۔ جس کے بعد اس نے فوراً" پاکستان کا رخ کیا تھا۔ یہ تو شکر تھا کہ اس دوران ان کے یہاں اولاد نہیں ہوئی تھی' نہیں تو ان کی کسٹڈی کے لیے بھی مزید کئی سال انور کو کیس لڑنا پڑتا۔

وقت تیزی سے گزرنے لگا۔ ماضی کی باتوں پر حال کی گرد پڑ گئی تھی۔ بہت سی باتیں اور تعلقات صرف یادوں اور قصوں میں رہ گئے تھے۔ شہر کی تیز رفتار زندگی نے گاؤں سے جڑے ہر رشتے اور تعلق پر لاتعلقی کی چادر ڈال دی تھی اور اب اتنے سال کے بعد حسن ان راستوں پر ایک بار پھر سے سفر کرنے جارہا تھا۔ جہاں کچھ بھی تو باقی نہیں بچا تھا۔ مگر شاید ماضی کی راکھ میں یاد کے کسی لمحے کی کوئی چنگاری' آج بھی جلتی اور بجھتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"گاؤں کی زندگی کتنی مزے کی ہے نا۔ ایک ہفتہ کیسے گزرا' پتا ہی نہیں چلا۔ مزے مزے کے کھانے' دیسی گھی میں پکے ہوئے' تندور کی تازہ روٹیاں' تازہ مکھن' دودھ کا ذائقہ تو میں کبھی نہیں بھول پاؤں گی۔ ہر طرف سرسبز و شاداب کھیت' نہر کا ٹھنڈا پانی' سب سے بڑی بات یہاں کے لوگوں کا خلوص اور پیار... کچھ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بھی کہیں' ابھی بھی شہروں اور گاؤں کی زندگی میں بہت فرق ہے۔ بہت خالص ہے یہاں کی دنیا۔" مہک محسن کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر پگڈنڈی پر چلتی ہوئی مسلسل بولے جارہی تھی۔

"ویسے آپ لوگوں کو گاؤں کی ساری زمین نہیں بیچنی چاہیے تھی۔ کم از کم ایک گھر تو بناتے۔ کبھی کبھار ہی سہی' یہاں آکر رہتے ہم لوگ۔" مہک نے افسردگی سے کہا۔

"یہ اس وقت کی بات ہے جب میں بہت چھوٹا تھا۔ اماں بتاتی ہیں کہ ہمارے اچھے مستقبل اور تعلیم کے لیے تایا ابو اور ابا نے اچانک گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی اور بھی رشتے دار یہاں سے کوچ کر گئے مگر ابھی بھی کچھ خاندان ہیں جو اپنی مٹی سے جڑے ہوئے ہیں۔ دراصل گاؤں سے شہر میں سیٹ ہونے کے لیے ایک مناسب سرمائے کی ضرورت تھی۔ اس لیے سب کچھ بیچنا پڑا۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ' اگر میں گاؤں میں ہی پلا بڑھا ہوتا تو کیا تب بھی تم اس رشتے کے لیے ہامی بھرتیں۔ کیونکہ شہر کے لوگوں کو مستقل طور پر یہاں آکر رہنا بہت مشکل لگتا ہے نا۔" حسن کے پوچھنے پر مہک ایک لمحے کے لیے سوچ میں ڈوبی پھر بولی۔

"شاید عام حالات میں میرا جواب نفی میں ہوتا' مگر میں ایک بات پر یقین رکھتی ہوں کہ آپ کی قسمت آپ کو کہیں بھی لے جاسکتی ہے۔ اس لیے بڑے بول بولنے سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہیے۔" مہک کے جواب پر حسن کی آنکھوں میں ستائش کے رنگ ابھرے تھے۔

"کل صبح ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ آپ مجھے رحمت بوا کے گھر تو لے کر نہیں گئے۔ چلیں' ابھی چلتے ہیں۔" مہک کے اچانک یاد دلانے پر حسن چونکا۔ پہلے سوچا کہ اسے ٹال دے' مگر پھر اماں کی ہدایت بھی یاد آگئی۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر یہاں سے تھوڑا دور ہے۔ تم اتنا چل لوگی؟" حسن نے سوچتی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"چلنا کیوں؟ وہ سامنے تانگہ دیکھ رہے ہیں نا۔ اس پر جائیں گے۔ اب یہاں آکر بھی اپنے سب شوق پورے نہ کروں۔" مہک کے کہنے پر حسن اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ جب تانگہ رحمت بوا کے گھر کے سامنے رکا تو سارا آسمان کالے بادلوں سے چھپ گیا تھا۔

"بھائی! آپ تھوڑی دیر ہمارا انتظار کرسکتے ہیں۔ دراصل موسم کے تیور ٹھیک نہیں ہیں۔ واپسی پر مشکل ہوجائے گی۔" حسن کے کہنے پر تانگے والا مان گیا اور ایک درخت کے سائے میں رک کر ان کا انتظار کرنے لگا۔ حسن نے آگے بڑھ کر لوہے کے گیٹ پر زور سے دستک دی' اسی وقت کن من بارش شروع ہوگئی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد ایک چاپ ابھری۔

"کون ہے؟" مترنم اور سنجیدہ سی آواز میں پوچھا گیا۔

"میں ہوں۔" حسن کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنا تعارف کیسے کروائے۔

"اپنا نام بتائیں۔ ایسے کیسے سمجھ میں آئے گا انہیں۔" مہک نے ہلکی آواز میں ٹوکا۔ اس سے پہلے کہ حسن کچھ کہتا۔ جھٹ سے دروازہ کھل گیا۔ سامنے کالی چادر میں ہیرے کی طرح دمکتی **ریشماں** کھڑی تھی۔

"واؤ! یہ تو بہت خوب صورت ہیں۔" مہک کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ **ریشماں** کا سوگوار حسن ہر دیکھنے والی آنکھ کو اسیر کرلیتا تھا۔

حسن اور مہک نے سلام کیا۔ **ریشماں** نے آہستگی سے جواب دے کر انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں **ریشماں** کے پیچھے پیچھے بڑے سے صحن سے گزر کر سامنے بنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ **ریشماں** انہیں وہاں بٹھا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد رحمت بوا کمرے میں داخل ہوئیں۔ حسن کو دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ مہک

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کے سر پر پیار کیا اور کچھ نوٹ اس کی مٹھی میں تھما دیے۔ حسن اور مہک نے بہت منع کیا' مگر رحمت بوا نے کہا کہ یہ میری طرف سے تحفہ سمجھ کر رکھ لو۔ حسن کو افسوس ہونے لگا کہ جلدی میں ان کے گھر خالی ہاتھ کیوں چلا آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رشماں گرم چائے کے ساتھ مختلف لوازمات کی ٹرے سجا کر چلی آئی۔

"اس کی کیا ضرورت تھی' ہم کھانا کھا کر گھر سے نکلے تھے۔ بس اماں نے خاص تاکید کی تھی کہ آپ سے ضرور مل کر آنا ہے۔ اس لیے آج فراغت ملتے ہی چلے آئے۔" مہک نے کہا تو رشماں نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا تھا۔

"شہری لوگ چائے کے زیادہ شوقین ہوتے ہیں۔ اس لیے میں جلدی سے بنا کر لے آئی۔"

"بہت شکریہ۔" مہک نے متاثر لہجے میں کہا۔

"حسن بیٹا! بہت چپ چپ ہو۔ ارے بیٹا بھول گئے۔ کبھی تم روز یہاں آنے کے بہانے ڈھونڈتے تھے اور سارا سارا دن یہاں گزار دیتے تھے۔ تمہیں پتا ہے مہک! یہ چھوٹا سا تھا جب..." رحمت بوا بھی اماں کی طرح مزے لے لے کر مہک کو اس کے بچپن کا قصہ سنانے لگیں۔ مہک چہرے پر مسکراہٹ سجائے سننے لگی۔ جب تک رشماں کو دیکھا نہیں تھا۔ مہک کو اس قصے کو سن کر اچھا لگتا تھا' مگر آج رشماں کو دیکھ کر وہ عجیب سی بے چینی کا شکار ہو گئی تھی۔

"حسن سے صرف چار پانچ سال ہی تو بڑی ہے' یہ مگر دیکھنے میں مجھ سے بھی چھوٹی لگتی ہے۔" مہک کے دل میں عجیب سے وسوسے سر اٹھانے لگے تھے۔

"مجھے خبر ملی تھی کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ گاؤں آئے ہوئے ہو۔ اس دن سے ہم دونوں ماں' بیٹی تم لوگوں کی آمد کے منتظر تھے۔" رحمت بوا نے سادگی سے کہا۔ مہک نے ایک تیکھی نظر سر جھکائے بیٹھی رشماں پر ڈالی۔

"اسی لیے نام پوچھے بغیر ہی دروازہ کھول دیا تھا محترمہ نے..." مہک اپنی سوچ پر غصے سے پہلو بدل کر رہ گئی۔

"رشماں! اگر والے چاول لے کر آؤ۔ حسن کو میرے ہاتھ کے بنے ہوئے چاول بہت پسند تھے۔ آج بھی چاول بناتے ہوئے تمہیں یاد کر رہی تھی اور تم آ گئے۔" رحمت بوا کے کہنے پر رشماں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"واہ! کیا تیکھی چیز ہے۔" مہک نے چڑ کر سوچا اور فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

"نہیں خالہ! ہمیں بہت دیر ہو رہی ہے۔ وہ تو اماں نے کہا تھا اس لیے میں حسن کو مجبور کر کے یہاں لے آئی۔ حسن کو تو یاد بھی نہیں تھا آپ سے ملنا۔"

مہک کی بات پر رحمت بوا کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ جبکہ دروازے کی طرف جاتی رشماں نے مڑ کر دیکھا تھا۔ حسن کی آنکھوں میں حیرت اور چہرے پر واضح شرمندگی تھی۔ اسے مہک سے اس بات کی امید نہیں تھی۔

"چلیں حسن! تانگے والا کب سے انتظار میں کھڑا ہے۔" مہک نے جلدی سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

"بیٹا! بارش ہو رہی ہے۔ تھوڑی دیر رک جاتے تو۔" رحمت بوا نے سمجھانا چاہا' مگر مہک رکنے پر تیار نہیں تھی اور برستی بارش میں بھاگتی ہوئی تانگے میں جا کر بیٹھ گئی۔ کوچوان نے بڑی شیٹ آگے کر دی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ بارش سے محفوظ رہی تھی۔

"اماں! آپ آرام کریں۔ میں دروازہ بند کر کے آتی ہوں۔" رشماں نے ماں سے کہا' مگر دیکھا حسن کی طرف تھا۔ جیسے اسے جانے کا کہہ رہی ہو۔ حسن نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ وہ دونوں آگے پیچھے کمرے سے باہر نکلے۔ صحن کے بیچ میں پہنچ کر حسن' رشماں کے پکارنے پر رک گیا اور پلٹ کر دیکھا۔

"یہ آپ کی امانت... مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

رشماں نے کالے رنگ کی چادر اس کی طرف بڑھائی۔ بارش دونوں کو بھگو رہی تھی۔ حسن نے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ناسمجھی سے ہاتھ آگے بڑھایا۔ جیسے ہی اس نے چادر تھامی' اس کے ذہن میں ایک کوندا سالپکا۔ اس نے غور سے دیکھا' یہ وہی چادر تھی جو کچھ دیر پہلے ریشماں نے اوڑھی ہوئی تھی۔ مگر یہ چادر مردانہ تھی اور......

حسن آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا دروازے کی طرف بڑھا۔ بارش کی بوندیں سرخ اینٹوں کے بنے فرش پر ناچ رہی تھیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا' چادر اس نے اپنے کندھوں پر ڈال لی تھی۔ ایک عجیب سے احساس نے اسے گھیرا تھا۔ اسی خوشبو سے کسی یاد کا در کھلا تھا۔ اس کے ذہن میں کئی سال پہلے کی' ایک ایسی ہی شام برسات کی تیز جھڑی میں بھیگتے دو سائے لہرائے تھے' وہ چونکا تھا۔

اسے یاد آیا۔

جب آخری بار وہ لبا کے کسی عزیز کی فوتگی پر گاؤں آیا تھا۔ تو رحمت بوا سے ملنے ان کے گھر بھی آیا تھا۔ تب رحمت بوا کے کہنے پر ریشماں کو لینے اس کی سہیلی کے گھر گیا جو دو گلیاں چھوڑ کر تھا۔ اس دن صبح سے موسم کے تیور خطرناک تھے۔ حسن کو یاد آیا کہ واپسی پر بہت تیز بارش شروع ہو گئی تھی۔ جس سے بچنے کے لیے وہ ایک چھپر کے نیچے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس دوران ہی ریشماں کا پاؤں پھسلا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کیچڑ میں گرتی' حسن نے ہاتھ پکڑ کر اسے سنبھال لیا۔ چھوٹی موٹی سی ریشماں' لمبے چوڑے سے حسن کے سامنے چھپ سی گئی تھی۔ حسن نے بارش کے پانی سے بچنے کے لیے اپنی کالی چادر اس طرح تانی تھی کہ وہ دونوں پانی سے محفوظ رہ سکیں۔ بس کچھ لمحوں کی بات تھی' مگر ان لمحوں نے ریشماں کے دل کی دنیا بدل دی تھی۔ واپسی کے سفر میں ریشماں کالی چادر کے حصار میں بہت گم صم سی تھی۔ جبکہ حسن کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔

ریشماں کی خاموشی پر وہ بہت حیران ہوا تھا' مگر ریشماں نے کہا کہ اسے سردی لگ رہی ہے۔ حسن اسے بحفاظت گھر پہنچا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ مگر شاید

ماہنامہ کرن

اگست 2017 کا شمارہ شائع ہو گیا

ایک تحفہ

"کرن کا دسترخوان"

"دیارِ غیر میں 14 اگست" مختلف شخصیات سے شاہین رشید کا سروے

اداکارہ "کبریٰ فاطمہ خان" سے شاہین رشید کی ملاقات،

اداکارہ "علیزے شاہ" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"

اس ماہ "عاصمہ امام" کے "مقابل ہے آئینہ"

"من موہ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول،

"راہگزر" تنزیلہ ریاض کے سلسلے وار ناول

"ہوائیں رُخ بدل گئیں" نگہت عبداللہ کا جلد آنے والا سلسلے وار ناول،

"مجبور نشین" مصباح علی سید کا مکمل ناول،

"روشن صبحیں، خوشگوار شامیں" صائمہ اقبال کا مکمل ناول،

"ملال" نبیلہ ابر راجہ کا دلچسپ ناولٹ،

"پہیلا" فشا محسن علی کے ناولٹ کی آخری قسط،

"نیم کا پیڑ" غزالہ جلیل راؤ کا ناولٹ،

طیبہ عنصر مغل، سحرش فاطمہ اور یمنیٰ اختر کے افسانے اور مستقل سلسلے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کبھی نہ جانے کے لیے۔

حسن فوراً" پلٹا اور بھاگتے ہوئے شیڈ کے نیچے کھڑی **ریشماں** کے پاس آیا۔

"آپ نے آج تک شادی کیوں نہیں کی؟ کیا انور بھائی کی بے وفائی کی وجہ سے؟"

ریشماں نے ایک نظر اٹھا کر بارش میں بھیگتے حسن کو دیکھا تھا۔ "انور جیسا عام اور کم ظرف مرد میرے جیسی عورت کی وفا اور محبت کے قابل نہ پہلے کبھی تھا اور نہ ہی آج ہے۔"

"تو پھر۔۔۔؟" حسن بضد تھا کچھ جاننے کے لیے۔

"تو پھر کیا۔۔۔؟ مٹی کی سوندھی خوشبو آرہی ہے نا۔" **ریشماں** نے فضا میں پھیلی خوشبو کو اپنی سانسوں میں اتارا تھا۔

حسن نے پاس ہی موجود کیاری میں جمع ہوتے بارش کے پانی کو دیکھا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ کچی مٹی ہمیشہ بارش کی پہلی بوندوں سے ہی کیوں مہکتی ہے؟ اس کی سوندھی سوندھی خوشبو میں کیسا فرحت بخش احساس ہوتا ہے مگر پھر بعد میں آنے والا ساون اسے یا تو کیچڑ بنا دیتا ہے یا پھر مٹی پانی کے سنگ بہتی کہیں دور نکل جاتی ہے مگر وہ پہلی بارش کا لمس، وہ احساس ہمیشہ ہی کیوں محسوس ہوتا ہے۔" **ریشماں** نے کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا تھا۔

حسن کو اس لمحے وہ بھی پہلی بارش کی طرح لگی تھی۔ خود میں ہی سمٹی ہوئی، اپنی خوشبو سے ہی مہکی ہوئی سی۔۔۔ اس کے ارتکاز کو **ریشماں** کے نرم لہجے کی پھوار نے چھوا تھا۔

"پھر بہت عرصے کے بعد میں نے جانا تھا کہ محبت کا رشتہ وہ ہوتا ہے جو دل کے تاروں سے بنتا ہے۔ جو دل کے تاروں سے کسی کو جوڑ دیتا ہے، بغیر کہے، بغیر کچھ سنے۔۔۔ پھر یہ راز مجھ پر منکشف ہوا کہ۔۔۔

عورت اور مٹی ایک ہی جیسی ہیں۔ ایک ہی اجزائے ترکیبی ہوگی ان کی یا شاید عورت کی مٹی زیادہ حساس یا وفا شناس ہوتی ہے۔ اس لیے تو عورت محبت میں پجارن بننے میں لمحے بھر کی دیر نہیں لگاتی۔ کوئی بھی معمولی سا لمحہ، کوئی بھی معمولی سی بات، اسے ہمیشہ کے لیے اپنا اسیر بنا لیتی ہے۔

کچی مٹی بھی پہلی بارش کی بوندوں سے مہکتی ہے اور عورت بھی اپنی زندگی میں آنے والے اس پہلے مرد کو کبھی بھی نہیں بھولتی جو اس کے دل کی بنجر زمین پر اپنے لمس سے محبت کے ان گنت پھول کھلا دیتا ہے۔ جس کی ہونے سے اس کے دل کی سوئی زمین کروٹ لے کر بیدار ہو جاتی ہے۔ پھر اس زمین سے اٹھنے والی خوشبو، اس عورت کو کسی اور کا نہیں ہونے دیتی۔ کہ شرک تو محبت میں بھی۔۔۔ نہیں ہے نا۔

مجھے آج بھی چھپر تلے، بارش کی اوٹ میں بھیگا وہ لمحہ یاد ہے۔ زندگی میں جب کبھی اس لمحے کے سحر سے نکلی تو ضرور آگے کا بھی سوچوں گی۔"

ریشماں کا انداز دو ٹوک تھا۔ حسن تھکے قدموں سے پلٹا۔ اسے وقت کی ستم ظریفی پر افسوس ہو رہا تھا۔ کہاں آکر اسے "آگہی" ملی تھی۔ جب پیچھے مڑنا آسان نہیں رہا تھا۔ زمانے کے ڈر، رسم و رواج کے پردے کے پیچھے اس نے اپنی ہر ممکن کوشش کی تھی اسے بھلانے کی، بچپن کی ایک معصوم خواہش سمجھ کر سر جھٹکنے کی۔۔۔ اس لیے تو خود سے بھاگتا وہ ہونی اور انہونی کے درمیان جھولتا رہتا تھا، مگر سچ آج بھی اپنی جگہ مجسم کھڑا تھا۔

حسن نے گھر کی دہلیز پار کی۔ تانگے میں بیٹھی مہک نے ہاتھ ہلا کر اسے متوجہ کیا۔ حسن نے کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر پلٹ کر شیڈ کے نیچے کھڑی **ریشماں** کو۔۔۔

عورت اپنی زندگی میں آنے والی پہلے لمس کو کبھی نہیں بھولتی۔

تو مرد بھی اپنے دل کی زمین پر برسنے والی پہلی بارش کو کبھی نہیں بھولتا۔ پھر کتنے ہی ساون آتے اور جاتے رہتے ہیں۔

وہ بارش میں بھیگ رہا تھا، مگر اس کا اندر ایک مدت سے سوکھا پڑا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

وہ اس لمحے جان گیا تھا کہ بارش کے اس پار کھڑی' محبت کی خاموش پجارن اس کا "عشق" تھی۔

وہ اس کے دل کی وہ پہلی بارش تھی' جو عشق کا روپ لیے' ہر موسم میں دل کی بنجر زمین پر برستی رہتی تھی۔

بارش کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی۔ مہک اسے آوازیں دے رہی تھی۔ حسن نے موسلا دھار بارش کے اس پار سے ریشماں کو بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف آتے دیکھا۔ دروازہ بند کرنے کے بجائے وہ اس کے جانے کا انتظار کرنے لگی۔ یہ بھی محبت کے اصولوں میں سے ایک اصول تھا کہ جب تک محبوب نظر آتا رہے' اسے دیکھتے رہنا۔ حسن مضبوط قدم اٹھاتا آگے بڑھا۔ ریشماں ڈر کر پیچھے ہوئی۔ مہک نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی۔ کچھ ایسا تھا اس لمحے میں جس کا سامنا کرنے سے وہ تینوں ڈر رہے تھے۔

حسن نے اپنے کندھے سے کالی چادر اتار کر' ریشماں کے سر پر ڈالی تھی۔ ایک لمحے کے لیے ہر چیز اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔ مہک کے شک نے یقین کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ ریشماں حیرت سے گنگ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ پیچھے جھروکے سے جھانکتی رحمت بوا کی آنکھوں میں مدت بعد خوشی کے آنسو چمکے تھے۔ بیٹی محبت کے روگ میں ایک مدت سے جوگن بنی ہوئی تھی' وہ جانتی تھیں' مگر مجبور تھیں کہ محبت کے جوگ یا تو مٹی میں لے جاتے ہیں یا مٹی بنا دیتے ہیں۔

"ایک بات' ہمیشہ یاد رکھنا۔ مرد کے دل کی زمین بھی مٹی سے بنی ہوئی ہے۔ جس پر برسنے والی محبت کی پہلی بوندیں اسے بھی ہمیشہ مہکاتی رہتی ہیں۔ بات صرف محسوس کرنے کی ہوتی ہے اور مجھے اعتراف ہے میں نے اسے جاننے میں کچھ دیر کر دی' مگر شکر ہے کہ بہت دیر نہیں ہوئی۔ تھوڑا وقت لگے گا' واپسی کے سفر میں... مگر وعدہ رہا۔ لوٹوں گا ضرور... کیونکہ اب کی بار میں بارش کے اس پار اپنا عشق چھوڑے جا رہا ہوں۔"

اور عشق تو سوئے دار بھی نچاتا ہے۔ یہ تو پھر در جاناں تھا۔

حسن نے پہلی بار زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا اور پلٹ گیا۔ مہک نے خفگی سے منہ پھیر لیا تھا۔ اس بارش میں اس کے آنسو بھی شامل تھے۔ جن سے حسن انجان نہیں تھا۔ مگر وہ فیصلہ کر چکا تھا اور مرد ایک بار فیصلہ کر لے تو پیچھے نہیں ہٹتا۔ اس نے تانگے میں بیٹھی مہک کے نرم ہاتھ تھام کر تسلی دی تھی۔ مہک نے روتے ہوئے اپنا سر اس کے کندھوں پر ٹکا دیا تھا۔ جس ہونی کا خوف اسے پچھلے تین سال سے تھا۔ وہ گھڑی آج سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ جس کا سامنا اسے ہر حال میں کرنا ہی تھا۔ بہرحال حسن نے اسے جو عزت اور مان ہمیشہ دیا تھا۔ اسے اس کا پاس بھی رکھنا ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

ریشماں نے تیز بارش کے اس پار اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ پانی کی چادر اس کی بینائی کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہی تھی' مگر آج وہ بارش سے ناراض نہیں ہوئی تھی۔ یہ بارش ہی تھی جس نے اسے محبت کا پہلا لمس عطا کیا تھا اور یہ بارش ہی ہے جس نے آج کسی کے عشق کا تاج اس کے سر پر سجایا تھا۔

"بارش تو رحمت ہوتی ہے اور بھلا رحمت سے بھی کوئی ناراض ہوتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے دروازہ بند کیا۔

کچے آنگن کے وسط میں' سرخ اینٹوں کے بنے فرش پر دونوں ہاتھ پھیلا کر وہ گول گول گھوم رہی تھی۔

آسمان سے برستی بارش زمین کے سب ہی منظروں کو بھگو رہی تھی۔

اور محبت کی بارش' دل کی زمین پر برستی' خوابوں کی قوس قزح سے سب منظر سجا رہی تھی۔

بارش کے اس پار بھی زندگی بھیگ رہی تھی اور بارش کے اس پار بھی...

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

عالیہ بخاری

خوشبو بھری عشق سایاں

اس دن بہت گرمی تھی۔ شام ڈھلے کچھ ٹھنڈک ہوئی تھی پھر رات کو تو ٹھنڈی ہوا بھی چلنے لگی تھی۔ حالانکہ وقت زیادہ نہیں ہوا تھا' شاید نو ساڑھے نو بجے تھے۔ لیکن سناٹے کی وجہ سے لگتا تھا کہ بہت رات بیت گئی ہے۔

ہم سب اس وقت بڑے ہال میں لیٹے اپنے اپنے مشاغل میں گم تھے۔ ہمارا یہ ہال بیک وقت میٹنگ روم ڈائننگ روم اور ٹی وی لاؤنج کا کام دیتا تھا۔

قدیم طرز کا درختوں میں گھرا ہوا اینابہ گھر ہم سب کو بہت عزیز تھا۔ اونچی چھتوں والے کھلے کمرے' رنگین شیشوں والے دروازے کھڑکیاں' دونوں اطراف برآمدے' لان اور اوپر کی منزل کی کشادہ بالکونیاں جن پر لگی چنبیلی کی گھنی بیلیں فضا کو ہمہ وقت مہکائے رکھتی تھیں۔

اطلاعی گھنٹی کی تیز آواز نے ہم سب کو ہی چونکا دیا۔

"اف توبہ' یہ اس وقت کون آگیا۔" میں نے ہزار بار کی پڑھی ہوئی "ایلس ان ونڈرلینڈ" کو بند کرتے ہوئے کوفت سے سوچا۔

بچوں کے لیے لکھا گیا عالمی ادب ہمیشہ سے ہی میری کمزوری رہا ہے۔ ان دیکھی دنیاؤں کی سیر کراتے یہ

ناولٹ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

پریوں، شہزادوں، جادوگروں، بونوں اور مچھیروں کے کردار میرے لیے جادوئی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ سب میرے بچپن کے ساتھی ہیں۔ آج بھی جب کہ زندگی دھواں اڑاتی ٹرین کی طرح بھاگی چلی جا رہی ہے، میں کچھ نہ کچھ وقت نکال کر انہیں ضرور پڑھتی ہوں۔ یہ مجھے بہت متاثر کرتے ہیں۔

اس دفعہ انٹر کام کی ٹون بھی بجتے لگی۔ سو اسد کو ناچار اٹھنا ہی پڑا، کیونکہ ابا اوپر اپنی اسٹڈی روم میں تھے اور چچا پچھلے کمرے میں دوستوں کے ساتھ مصروف تھے۔

"اسد! پوچھے بغیر دروازہ نہ کھول دینا۔" امی سے رہا نہ گیا اور وہ اسد کے پیچھے پیچھے برآمدے تک پہنچ گئیں لیکن وہ شاید گیٹ کھول چکا تھا کیونکہ ایک دم ہی کچھ ملی جلی آوازوں نے مجھے بھی کتاب چھوڑنے پر مجبور کر دیا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

تھا۔ کچھ حیرت اور خوشی میں ڈوبی ہوئی آوازیں تھیں۔
میں ہال کے دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ امی اور اسد کی معیت میں تین اجنبی چہرے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔
"ارے یہ نازی ہے نا؟ ماشاء اللہ کتنی بڑی ہو گئی ہے' بالکل تمہاری تصویر ہے فرخندہ۔" سب سے آگے آتی ہوئی خاتون نے مجھے گلے لگاتے ہوئے امی سے کہا۔
"بالکل ٹھیک پہچانا آپ نے مومنہ آپا۔" امی کے لہجے میں بے پناہ خوشی تھی۔
"ظہیر بھائی' آپ اطلاع کر دیتے تو کوئی آپ کو اسٹیشن لینے چلا جاتا' گھر تلاش کرنے میں کتنی دقت ہوئی ہو گی آپ کو۔"
امی اب مومنہ آپا کے ساتھ آنے والے صاحب سے مخاطب تھیں۔
اب کسی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ یہ مومنہ خالہ ہیں۔ امی کی اکلوتی ماموں زاد بہن جو کہ کراچی میں رہتی تھیں جن سے ہم غائبانہ طور پر تو متعارف تھے لیکن کراچی اور لاہور کے فاصلے کی وجہ سے کئی سالوں سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔
ان کے ساتھ خالو ظہیر کے علاوہ ایک اور ہستی بھی تھی جو اس وقت میری ساری دلچسپی کا مرکز تھی' یہ رفی آپا تھیں۔ مومنہ خالہ کی اکلوتی صاحبزادی۔ بلا کی جاذبیت تھی ان کے سراپے میں۔ اتنی چمکدار سنہری رنگت جیسے..... میرے ذہن میں کوئی تشبیہ نہیں آ رہی تھی جیسے تازہ شہد یا گندم کا خوشہ' دوسری نمایاں چیز ان کی آنکھیں تھیں۔ دوستانہ چمک لیے ہوئے گہری کالی آنکھیں جن کا گھنی پلکوں نے احاطہ کیا ہوا تھا۔ سیدھی مانگ کے ساتھ لمبی سی چوٹی ان کے چہرے کا بہت معصوم تاثر دے رہی تھی۔
لمحے بھر کے لیے تو وہ مجھے اپنی کسی پڑھی ہوئی کہانی کا کردار ہی لگیں۔
"نازی' چلو اٹھو کھانا نکالو' اور اسد تم اپنے ابا کو اوپر اسٹڈی روم میں مومنہ آپا کے آنے کی اطلاع دو۔" امی کی آواز نے میری محویت کو توڑا۔
"نہیں فرخندہ! کھانا تو ہم ٹرین میں کھا چکے ہیں' اب تو نازی بیٹا تم گرما گرم چائے پلا دو۔" امی کی بات ختم ہوتے ہی مومنہ خالہ بول پڑیں۔
"آپا! کھانا بھلا ٹرین میں کیوں کھایا' جب یہاں میرے پاس آ رہی تھیں۔" امی نے پیار بھری ناراضی دکھائی تو مومنہ خالہ اور خالو ظہیر دونوں ہنس پڑے۔
"ارے بھئی اپنے ہاں ٹرینوں کے ٹائم کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کہ صحیح وقت پر پہنچا دیں گی یا کئی گھنٹے لیٹ ہو جائیں گی' سو اسی لیے ہم سات بجے کھانا کر فارغ ہو گئے اور اب پورے ایک ہفتے یہاں رہوں گی تمہارے پاس۔" مومنہ خالہ نے محبت سے کہا۔
میں چائے کے لیے اٹھی۔ تو رفی آپا بھی میرے ساتھ کچن میں چلی آئیں۔ ذرا ہی دیر میں وہ مجھ سے بے تکلف ہو گئی تھیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ میں ان سے بے تکلف ہو گئی' جو کہ خاصی حیران کن بات تھی کیونکہ میں جلد ہی نئے لوگوں کے ساتھ گھلتی ملتی نہیں۔ اس کا سارا کریڈٹ رفی آپا کے حد درجہ دوستانہ رویے کو جاتا تھا۔
میں نے شامی کباب تلنے کے لیے فرائی پین میں رکھے اور دیگر لوازمات کے لیے ٹرالی سیٹ کرنے لگی۔ رفی آپا میرے منع کرنے کے باوجود مسلسل میری مدد کر رہی تھیں۔ ہم دونوں نے ذرا سی دیر میں ایک دوسرے کے متعلق اچھا خاصا جان لیا تھا۔
وہ چند سال قبل گریجویشن کرنے کے بعد ایک گرامر اسکول میں پڑھا رہی تھیں۔ جواباً میں نے بھی فخر سے اپنے بی ایس سی فائنل کی اسٹوڈنٹ ہونے کی اطلاع انہیں دی۔
"بس رفی آپا' اب آپ بیٹھ جائیں۔" میں نے قریب پڑا اسٹول انہیں دیا اور چائے دم پر رکھنے لگی۔
"ارے ٹرین میں بیٹھے بیٹھے ٹانگیں دکھ گئی ہیں' کھڑے رہنے میں زیادہ مزا آ رہا ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی کچن کے پچھلے دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

یہ دروازہ پچھلے لان کی طرف کھلتا تھا۔ دو تین سیڑھیاں نیچے اتر کر یہ چھوٹا سا لان امی کے شوق اور محنت کی بدولت سارا سال پھولوں سے لدا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک کمرہ بھی تھا جو باہر کی طرف دائیں ہاتھ کی گلی میں کھلتا تھا۔ گھر سے الگ تھلگ ہونے کی بنا پر اشو چچا اپنے دوستوں کو زیادہ تر وہیں بٹھاتے تھے۔ ایک طرح سے وہ منی ڈرائنگ روم تھا۔

"میں پہلے کبھی کراچی سے باہر نہیں گئی اس لیے ٹرین کے سفر کی عادت نہیں ہے۔" وہ سادگی سے بولیں۔ تو میں سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ کون کہتا ہے کہ بڑے شہروں میں معصومیت عنقا ہوتی جا رہی ہے۔ یہ تو قدرت کا ودیعت کردہ جوہر ہے جو کہیں بھی پایا جا سکتا ہے۔

ان کی بات بمشکل ختم ہوئی تھی کہ اچانک پیچھے کا دروازہ زور سے کھلنے پر وہ بری طرح لڑکھڑا گئیں۔

"ارے نازی! یہ دروازے کے ساتھ کیا لگا کر رکھ دیا ہے۔" اندر داخل ہونے والے اشو چچا تھے۔ جن کی نظر جملہ پورا کرتے کرتے رفی آپا پر پڑ چکی تھی۔ میں نے صاف محسوس کیا کہ وہ لمحے بھر کے لیے کچھ کھو سے گئے تھے لیکن یہ صرف ایک پل کے لیے تھا' وہ فوراً ہی خود کو سنبھال چکے تھے۔

"سوری! آپ کو چوٹ تو نہیں آئی۔ حالانکہ اصولاً" تو یہ سوال آپ کو کرنا چاہیے تھا۔" ان کی فطری شوخی لوٹ آئی تھی۔

"جی وہ میں' نازی چائے بن گئی کیا؟" رفی آپا اس حملے کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں تھیں۔

"اشو چچا' یہ رفی آپا ہیں۔ میرا مطلب ہے رفیعہ' کراچی والی مومنہ خالہ کی بیٹی' دراصل پہلی دفعہ یہاں آئی ہیں نا' اسی لیے آپ پہچان نہیں سکے۔" میں نے اس طرح سے تعارف کرایا جیسے میں تو برسوں سے رفی آپا سے واقف تھی۔

"یقین کیجئے' اپنی اس بے خبری پر شرمندہ ہی نہیں رنجیدہ بھی ہوں۔ بائی دا وے' آپ نے آنے میں اتنی دیر کیوں کر دی۔ آپ کو تو بہت پہلے یہاں آجانا چاہیے تھا۔" وہ سر جھکا کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے تو رفی آپا حقیقتاً" گڑبڑا گئیں۔

"نازی میں اندر جا رہی ہوں۔ شاید امی آواز دے رہی ہیں۔" وہ میرا جواب سنے بغیر چھپاک سے کچن سے باہر نکل گئیں۔

"بہت بری بات ہے اشو چچا' آپ نے انہیں کنفیوژ کر دیا' کیا سوچیں گی بھلا وہ آپ کے بارے میں۔"

"ارے وہ کیا سوچیں گی' فی الحال تو انہوں نے ہمیں سوچ میں ڈال دیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اشو چچا نے بھی دروازے کا رخ کیا تو مجھ سے رہا نہ گیا۔

"آہم... خیر تو ہے۔ آپ کو بھی بڑی جلدی ہے' کچھ کچھ دال میں کالا ہے کیا؟" میں جو ان کی ہمیشہ سے لاڈلی اور بقول امی کے "سر چڑھی" بھتیجی تھی' کیسے چپ رہ سکتی تھی۔

"جب کچھ کالا یا پیلا نظر آئے گا تو ضرور بتا دیں گے' فی الحال تو روشنی اتنی تیز ہے کہ نظریں خیرہ ہوئی جا رہی ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے دروازے پر رک کر کہا اور باہر نکل گئے۔

موقع بے موقع ہوائی قلعے بنانے کی عادت نے اس وقت بھی مجھ پر شدت کے ساتھ حملہ کر دیا تھا' سوٹر الی کے ساتھ ہال تک پہنچتے پہنچتے میں مستقبل کے کئی منظر اپنے پسندیدہ رنگوں سے سجا چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح بڑی ہنگامہ خیز تھی۔ امی نے صبح ہی سب رشتے داروں کو فون پر مومنہ خالہ کے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ لہٰذا گیارہ بجے سے ہی مہمانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا سب سے پہلے آنے والوں میں ماموں جان کی فیملی تھی۔

"جیسے ہی مومنہ کے آنے کا سنا' فوراً" ہی دوڑی چلی آئی ہوں۔" مامی جن سے اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ چلنا پھرنا بھی دوبھر تھا' ان کے منہ سے دوڑنے کا ذکر سن کر مجھے اپنی ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ان کے پیچھے ہمیشہ کے خاموش طبع ماموں جان اور صائمہ باجی تھیں۔ انتہائی نخریلی اور پرلے درجے کی شو باز۔ باوجود اس کے کہ وہ میرے اکلوتے ماموں کی صاحبزادی تھیں، میری ان کی کبھی انڈر اسٹینڈنگ نہ ہو سکی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے کبھی مجھے لفٹ کرانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی میں جو ان کی اداؤں سے ویسے ہی خائف رہتی تھی اور ان سے کھنچتی چلی گئی۔

عجیب طبیعت پائی تھی صائمہ باجی نے، ہر کسی کو اپنے سے کم تر سمجھنا، ہر اچھی چیز پر اپنا تسلط جمانا ان کی عادت تھی۔ مامی نے لاڈ پیار اور ہر بات میں انہیں بے جا شہ دے کر بالکل ہی ناکارہ کر کے رکھ دیا تھا۔ جب کہ ان کے برعکس تیمور بھائی یعنی صائمہ باجی کے اکلوتے بڑے بھائی، بہت ہی اچھی عادت کے مالک تھے۔ ملنسار، انتہائی حساس اور دوسروں کا خیال رکھنے والے۔

امی کہتی تھیں کہ تیمور بھائی بالکل ماموں جان کی کاپی ہیں، لیکن مجھے اس پر یقین نہیں آتا تھا۔ اس لیے کہ تیمور بھائی تو بولنے کے ایسے دھنی تھے کہ بات بات پر پھلجھڑیاں چھوڑا کرتے تھے۔ جب کہ ماموں جان کو تو میں نے ضرورت کے وقت بھی دو لفظوں میں بات ختم کرتے دیکھا تھا۔ ہاں ایک شفیق سی مسکراہٹ ضرور ان کے چہرے کو گھیرے رکھتی تھی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں ایک دفعہ جب چھوٹی خالہ انگلینڈ سے آئی ہوئی تھیں تو امی نے کیسے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ان سے کہا تھا۔

"میرا ہیرے جیسا بھائی، بیوی کی بدمزاجی اور پھوہڑ پن سے بالکل ٹوٹ کر رہ گیا ہے۔"

اس وقت تو میں یہ بات سمجھ نہیں سکی کہ اچھا بھلا صحیح وسالم انسان کس طرح ٹوٹ جاتا ہے لیکن عمر کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے شعور آتا گیا تو یہ ادراک بھی ہوا کہ صرف شریف عورتیں ہی برے مردوں کے پلّے بندھ کر ساری زندگی سزا کے طور پر نہیں گزارتیں۔ کئی گھرانوں میں ایسے شریف مرد بھی پائے جاتے ہیں جو گھریلو سکون قائم رکھنے کے لیے زندگی بھر اپنے وجود کی کرچیاں سمیٹتے رہتے ہیں، چاہے انگلیاں کتنی ہی فگار ہو چکی ہوں۔

"بیٹا نازی، ہمارے لیے چائے اوپر بھجوا دینا۔" ماموں جان نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور زینے کی طرف مڑ گئے کیونکہ ابا چھٹی کی وجہ سے آج گھر پر ہی تھے۔ ماموں جان چھٹی کا دن ان کے ساتھ اسٹڈی میں ہی گزارا کرتے تھے اور آج تو خالو ظہیر بھی تھے۔

"تم سناؤ، آخر اتنے برسوں بعد رشتے داروں کی یاد کیسے آ گئی، تم تو عرصے سے سب کو بھلائے بیٹھی تھیں۔" مامی کے لہجے میں وہ طنز تھا جو اب ان کا خاصہ بن چکا تھا۔

اشو چچا تو کہتے تھے کہ مامی کے شناختی کارڈ میں ان کی شناخت "کٹ دار لہجہ" ہی لکھنا چاہیے تھا۔

"بس بھابھی! دل تو بہت چاہتا تھا لیکن کچھ تو کراچی کے حالات، کچھ میرا اپنا جوڑوں کا درد، ان سب وجوہات کی بنا پر نکلنے کی ہمت ہی نہ ہوئی، اور اب بھی رنی کے ابو اپنے بزنس کے سلسلے میں یہاں آ رہے تھے تو میں نے بھی پروگرام بنا لیا۔" مومنہ خالہ نے مامی کی جرح کے جواب میں صفائی پیش کی تو انہوں نے بے نیازی سے سر ہلا دیا۔

یہ جو مامی خود ہر دوسرے مہینہ کراچی کا چکر لگاتی ہیں اپنی بہن کے گھر کا، بھلا آج تک گئی ہیں مومنہ خالہ کے گھر، لیکن میں یہ کہہ نہ سکی۔ صرف سوچ کر رہ گئی۔

"بیٹی کا کہیں رشتہ طے کیا؟ میری صائمہ سے تو پورے چھ مہینے بڑی ہے رفیعہ۔" انہوں نے "چھ" پر کچھ اس طرح زور دیا گویا چھ سال ہوں۔ میں نے شکر ادا کیا کہ رنی آپا ابھی ابھی کمرے سے باہر نکلی تھیں۔

"نہیں بھابھی، ابھی تو کہیں نہیں کیا، اللہ مالک ہے۔ جب اس کا حکم ہو گا ہو جائے گا۔" مومنہ خالہ نے رسان سے کہا۔

"آپ تیمور کی سنائیں، خیریت سے تو ہے، کوئی فون

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

وغیرہ آیا۔" ماں ابھی یقیناً" کچھ اور کہتیں اسی لیے امی نے دانستہ طور پر تیمور بھائی کا ذکر چھیڑا جو پچھلے چار مہینے سے اپنی کمپنی کی طرف سے کسی شارٹ کورس کے لیے جاپان گئے ہوئے تھے۔

"ہاں ہاں خیر سے بالکل ٹھیک ہے' رات ہی فون آیا تھا۔ ابھی آتے آتے دو ڈھائی ماہ لگ جائیں گے۔" ماں کے جواب پر میں نے سکھ کا سانس لیا کہ مجھے معلوم تھا کہ اب اگلے ایک گھنٹے ان کا موضوع گفتگو کیا ہوگا۔

دوپہر کے کھانے میں ابھی خاصی دیر تھی۔ آج امی نے بہت اہتمام کیا تھا۔ میرے اور امی کے لاکھ منع کرنے کے باوجود رفی آپا صبح سے ہی باورچی خانے میں میرے ساتھ لگ گئی تھیں۔ وہ اتنی پھرتی سے کام کو سمیٹتی تھیں کہ مجھے حیرت ہونے لگتی۔ نرگسی کوفتے اور مرغ کڑھائی تیار ہو چکی تھی۔ فرائی مچھلی کے لیے مچھلی کو مسالا بھی لگا دیا تھا۔

"پلاؤ کھانے سے ذرا دیر پہلے دم کریں گے۔" یہ کہہ کر رفی آپا نے یخنی تیار کر کے رکھ دی تھی۔ لہٰذا اس وقت فراغت کا احساس ہو رہا تھا۔

چائے کے لوازمات کے ساتھ میں نے دوبارہ ہال میں قدم رکھا تو حسب توقع ماں کی تیز آواز گونج رہی تھی۔

"ارے لڑکیوں کی کیا کمی ہے' ایسے ایسے اونچے گھرانوں کی لڑکیوں کے پیغام آرہے ہیں میرے بچے کے لیے کہ کیا بتاؤں' کیا میکہ کیا سسرال' ہر جگہ لوگ آس لگائے بیٹھے ہیں' جہاں جاتی ہوں لوگ تواضع میں بچھے جاتے ہیں۔" انہوں نے میرے ہاتھ سے گاجر کے حلوے کی پلیٹ لیتے ہوئے کہا تو میں سٹپٹا کر رہ گئی۔

"ارے بھاڑ میں جائیں یہ اور ان کے بیٹے' لو بھلا ہم تو اپنے گھر آنے والے ہر مہمان کی حسب توفیق مہمان نوازی کرتے ہیں۔ یہ نہ جانے کیا کیا مطلب نکالتی ہوں گی۔" میں اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔

"بڑے مقدر والی لڑکی ہو گی' جو میرے تیمور کی دلہن بنے گی۔ کس چیز کی کمی ہو گی اسے' خیر سے آٹھ سیٹ' چوڑیاں اور کڑے تو میں بنوا کر رکھ چکی ہوں۔ جھومر اور ٹیکا بھی جڑاؤ ہے۔ اس کی شادی ہوتے ہوتے دو چار سیٹ اور بن جائیں گے ان شاء اللہ۔"

تیمور بھائی کی ہونے والی دلہن کے زیورات کی تفصیل مجھے گزشتہ کئی برسوں سے ازبر ہو چکی تھی۔

"اللہ مبارک کرے' آپ کو اپنے بچوں کی خوشیاں دکھائے' کب تک ارادہ ہے تیمور کی شادی کا۔" مومنہ خالہ نے بڑے خلوص سے پوچھا۔

"پہلے کوئی ڈھنگ کی لڑکی تو نظر آئے' میں تو دیکھ دیکھ کر تھک چکی ہوں۔ کتنے ہی ملنے والوں سے کہہ رکھا ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ اچھی لڑکیاں تو ساری بیاہی گئی ہیں۔" انہوں نے نہایت احمقانہ بات کی تو میں غصے کے باوجود ہنس پڑی۔

"یہ ڈھنگ کی لڑکیاں کیسی ہوتی ہیں ماں۔"

"ارے بیٹا' یہی کہ ناک نقشہ اچھا ہو' باپ بھائی کھاتے پیتے ہوں۔" وہ باتوں کے ساتھ ساتھ خود بھی کھانے پینے سے پورا انصاف کر رہی تھیں شاید اسی لیے کھانے پینے پر زور تھا۔

"یہ اشعر کہاں ہیں' کیا ابھی تک سو کر نہیں اٹھے۔" صائمہ باجی نے بے زار سے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔ وہ اشو چچا کی غیر موجودگی میں اسی طرح منہ بنائے بیٹھی رہتی تھیں۔

"جاؤ اسد' جا کر اٹھاؤ انہیں۔" میرا جواب سنے بغیر وہ اسد سے مخاطب ہوئیں۔ لہجے میں بڑا استحقاق تھا۔ اشو چچا میں صائمہ باجی اور امی کی دلچسپی ہم لوگوں سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

"ارے نہیں بیٹا' سونے دو اسے' ایک چھٹی کا دن ہی تو غریب کو ملتا ہے آرام کے لیے' نہیں تو صبح کا نکلا رات گئے تک مصروف رہتا ہے۔" امی کو ہم سب سے زیادہ اشو چچا کا خیال رہتا تھا۔

امی جب ـــــ بیاہ کر آئیں تو اشو چچا بہت کم عمر تھے۔ یعنی صرف چار سال کے' امی ان کی سگی چچا زاد بہن بھی تھیں۔ پھر میں بھی امی کی شادی کے ٹھیک

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ساڑھے چار سال بعد پیدا ہوئی۔اس طرح طویل عرصے تک اشو چچا گھر کے اکلوتے بچے بنے رہے۔

میری پیدائش سے پہلے دادا جان اور دادی جان کے یکے بعد دیگرے انتقال سے اشو چچا امی کے بہت نزدیک ہو چکے تھے۔امی کو ان سے والہانہ محبت تھی۔ ان کے اچھے بھلے نام اشعر کو بھی امی کی محبت نے ہی مختصر کر کے اشو کر دیا تھا۔اب جب کہ وہ چند سالوں سے اپنا ایم بی اے مکمل کر کے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ایک اچھی پوسٹ پر فائز تھے۔امی کے نزدیک اسد فیضی اور مجھ سے کہیں بڑھ کر اہمیت رکھتے تھے اور وہ تو خیر امی کا بھی اور ہم تینوں پر جان لٹاتے ہی تھے۔

"رفی آپا! آپ کے بال ماشاء اللہ کتنے خوب صورت ہیں اور سیدھی مانگ بھی آپ پر کتنا سوٹ کرتی ہے۔" میں نے فوراً" زور سے کہا کیونکہ میں نوٹ کر رہی تھی کہ صائمہ باجی رفی آپا کو مسلسل نظر انداز کر رہی ہیں۔

"بھئی مجھے تو بڑی الجھن ہوتی ہے لمبے بال دیکھ کر، آدھا دن تو ان کو سلجھانے میں لگ جاتا ہے اور نہ ہی کوئی خاص ہیر اسٹائل بن سکتا ہے۔"

صائمہ باجی اپنے سامنے کسی اور کی تعریف بھلا کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔

"ایسے تو نہ کہیں صائمہ باجی، جو حسن لمبے بالوں میں ہے وہ ہمارے ان چھوٹے چھوٹے بالوں میں کہاں۔" میں نے مصنوعی ٹھنڈی سانس بھری اب میں ان سے اختلاف رائے کا مزا لینے لگی تھی۔

"کس کے حسن کا ذکر ہو رہا ہے بھئی ہم بھی تو سنیں۔" اشو چچا کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام، بھئی بڑی محفل جمی ہوئی ہے۔" انہوں نے مامی وغیرہ کی طرف رخ کیا۔صبح اٹھ کر سب کو سلام کرنے کی روایت کو ہم نے اپنے گھر میں پوری طرح قائم رکھا ہے۔امی کہتی ہیں اس طرح سارا دن گھر میں سلامتی اور برکتوں کا نزول جاری رہتا ہے۔

"شکر ہے آپ اٹھے تو سہی، میں تو بور ہو گئی تھی۔" صائمہ باجی نے بڑی نزاکت سے کہا۔

"اخاہ، صائمہ جی بھی آئی ہیں، زہے نصیب، زہے نصیب۔ کہیے کیا حال چال ہے۔" اشو چچا نے اس طرح چونکنے کی ایکٹنگ کی جیسے ان کی ابھی ابھی صائمہ باجی پر نظر پڑی ہے۔

"ہم تو اکثر یاد کر لیتے ہیں، آپ نے ہی تیمور بھائی کے جانے کے بعد ہمارے گھر میں قدم نہیں رکھا ہے، فون کرو تب بھی آپ نہیں ملتے۔" صائمہ باجی اپنی اس پذیرائی پر نہال تھیں۔

"ارے آپ فون پر ملنے کی بات کرتی ہیں ہم تو کل سے خود اپنی تلاش میں ہیں۔" دوسرا فقرہ خاصا دھیرے سے کہا گیا تھا۔لیکن رفی آپا کا چہرہ گلابی پڑتا جا رہا تھا۔ نظروں کا مرکز بھی تو وہی تھیں۔

"میں تو آج سخت بور ہو رہی ہوں، آؤٹنگ کا پروگرام رکھ لیتے ہیں۔" اب صائمہ باجی پوری طرح موڈ میں آچکی تھیں۔پہلے والی بے زاری کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

"ہاں ہاں ضرور، آخر ہمیں اپنے مہمانوں کو بھی تو سیر کرانی ہے اپنے شہر کی، کیوں رفیعہ! آپ بھی تو کچھ رائے دیں۔" وہ براہ راست رفی آپا سے مخاطب ہوئے تو وہ جو خاموش بیٹھی سب کی باتیں سن رہی تھیں دھیرے سے مسکرا دیں۔

"میں کیا بتاؤں، آپ کا شہر ہے۔" میں نے محسوس کیا تھا کہ رات کی بہ نسبت اب وہ خاصی پُر اعتماد تھیں۔رات شاید ایک دم نئے ماحول اور نئے لوگوں کی وجہ سے وہ کچھ کنفیوژ ہو رہی تھیں لیکن اب وہ بالکل پُرسکون تھیں۔حتیٰ کہ صائمہ باجی کی خود پسند اور گلیمرس شخصیت بھی ان پر ذرہ برابر اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ہاں ایک حجاب ان کی شخصیت کا حصہ ضرور تھا۔جو ان کی آنکھوں سے بات چیت سے، اٹھنے بیٹھنے سے غرض کہ ان کی ذات کے ہر رنگ میں نمایاں تھا۔

یہ حجاب بھری خود اعتمادی مجھے بہت پیاری لگ رہی تھی اور کسی اور کو شاید مجھ سے بھی زیادہ۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"آپ آخر کہاں گم ہیں' کچھ اتا پتا بھی ہے یا آپ پر بھی ہمارا والا وائرس حملہ آور ہو رہا ہے۔" اشو چچا نے میرے آگے ہاتھ ہلایا تو میں بھی اپنے خیالوں سے باہر آ کر ہنس پڑی۔

ضائمہ باجی کو شاید آؤٹنگ کے پروگرام میں اوروں کو اہمیت دینا اچھا نہیں لگ رہا تھا اسی لیے وہ پھر سے بے زار نظر آنے لگیں۔

"افوہ بھئی' آخر یہ تمہارے گھر میں اس قدر شور شرابا کیوں مچا رہتا ہے۔ یہ اسد اور فیضی کو تم منع کیوں نہیں کرتیں۔" وہ مجھ سے مخاطب تھیں۔

"اسد اور فیضی تو میرے گرو ہیں بھئی' جہاں کا پروگرام وہ بنائیں گے وہیں جایا جائے گا۔" اشو چچا نے دونوں کو پیار سے دیکھا تو وہ دونوں جو اپنے خواہ مخواہ ہی لپیٹ میں آجانے سے کچھ شرمندہ سے نظر آنے لگے تھے۔ دوبارہ سے تفریح کا پروگرام بنانے لگے۔

☆ ☆ ☆

مومنہ خالہ بڑے کمال کی خاتون تھیں۔ ہر وقت مصروف رہتی تھیں۔ آج انہیں آئے ہوئے پانچواں دن تھا۔ وہ درحقیقت ہر فن مولا تھیں۔ گھریلو امور کے متعلق کوئی چیز ایسی نہ تھی جو ان کی دسترس سے باہر ہو اور ایسی ہی تربیت انہوں نے رفی آپا کی بھی کی تھی۔ وہ بھی گھنٹوں کا کام منٹوں میں نبٹا لیا کرتی تھیں۔ پچھلے چند دنوں میں چونکہ روزانہ ہی سہ پہر سے گھومنے پھرنے کی تیاری شروع ہو جاتی تھی لیکن وہ صبح سے ہی اٹھ کر سارا کام ختم کر دیتی تھیں۔ دوپہر اور رات کا کھانا بنانے کی ذمہ داری ہم دونوں کی تھی۔ امی کو تو مومنہ خالہ اپنے پاس سے اٹھنے ہی نہیں دیتی تھیں۔

رفی آپا کے ہاتھ میں ذائقہ بھی بہت تھا۔ جس روز ہم سارا دن باہر گزارنے کے لیے شالامار باغ گئے اس دن تو ان کی بنائی ہوئی ساری چیزیں بہت ہی زبردست تھیں۔ چکن' ویجی ٹیبل رولز' پراٹھے' دہی بڑے' گولا کباب' پائن ایپل کیک اور کئی چیزیں میں نے ان دنوں ان سے سیکھی تھیں۔

امی اور ابا تو ان کے گرویدہ ہو چکے تھے اسد اور فیضی بھی رفی آپا یہ' رفی آپا وہ کی گردان جاری رکھتے تھے۔ چند دنوں میں ہی ایسا لگتا تھا کہ وہ ہمارے گھر کی اہم فرد بن چکی ہیں۔

"کیا ہوا' تمہارا کیک ابھی تک بنا نہیں۔" اسد نے چوتھی بار کچن میں آکر جھانکا۔

"جب بن جائے گا تو تم تک بھی پہنچ جائے گا۔۔۔ بے صبرا پن مت دکھاؤ۔" میں نے اپنے دو سال بڑا ہونے کا فائدہ اٹھایا۔

"ویسے رفی آپا! آپ کو تو میرا رواں رواں دعائیں دے رہا ہے جو آپ کی بدولت ہمیں بھی کچھ کھانوں کی ورائٹی نصیب ہو گئی' ورنہ یہ نازی تو آلو گوشت' بھنڈی گوشت' لوکی گوشت' روز ایک نئی سبزی گوشت میں ڈال کر پکانے سے زیادہ کچھ نہیں جانتی تھی۔" وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا۔

"سچ کہہ رہا ہوں' آپ ابھی کچھ عرصہ اور رک جائیں' ہم غریبوں پر بڑا احسان ہو گا۔" اس نے شرارت سے بات پوری کی تو میں اس کی بات پر آنے والا غصہ بھول کر اس کی ہمنوا ہو گئی۔

"واقعی رفی آپا! ابھی مت جائیں۔ خالہ اور خالو کو جانے دیں۔ ہم آپ کو بعد میں خود چھوڑ آئیں گے پلیز۔"

"کیسے رک سکتی ہوں نازی' اسکول سے ایک ہفتے کی چھٹی بھی بڑی مشکل سے ملی ہے۔ ایسا کرو اگلے مہینے تم لوگ کراچی کا پروگرام بنا لو۔ سچ بڑا مزا آئے گا۔"

"ارے ہم کہاں نکل سکتے ہیں فیضی کے امتحانوں تک۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"مان جائیے نا' کیوں بچوں کا دل توڑ رہی ہیں۔ دل رکھنا تو بڑے ثواب کا کام ہے۔" پتا نہیں اشو چچا کب کمرے میں آئے۔

سفید شلوار قمیص میں ان کا دراز قد نمایاں ہو رہا تھا۔ ڈارک براؤن آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھی ہوئی تھی۔ مجھے تو وہ اس وقت اتنے اچھے لگ رہے تھے کہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

میں نے ان پر سے نظر ہٹالی مبادا میری ہی نظر نہ لگ جائے۔

"اسکول کا مسئلہ نہ ہوتا تو ضرور رک جاتی' وہاں میری عدم موجودگی میں بڑا مسئلہ ہو رہا ہوگا۔" رفی آپا نے دھیرے سے پلکیں جھپکائیں۔

"مسئلہ تو خیر یہاں بھی ہوگا مگر مشکل یہ ہے کہ اس کی سنگینی کا آپ احساس ہی نہیں کر رہیں۔" اشو چچا کے جملے معنی خیز ہوتے جا رہے تھے۔ اسد تو خیر کب کا باہر جا چکا تھا لیکن میرے لیے رفی آپا کے چہرے پر اترتے رنگ دیکھنا ایک بہت خوب صورت تجربہ تھا۔

☆ ☆ ☆

آج شام کی ٹرین سے مومنہ خالہ وغیرہ کو واپس جانا تھا۔ ظہیر خالو کا کام تو تین دن میں ہی ختم ہو چکا تھا۔ لیکن ہمارے پُرزور اصرار پر وہ تقریباً" ایک ہفتہ رک گئے تھے۔ وہ بڑے خوش مزاج اور مجلسی شخص تھے۔ ان کی باتیں بڑی پُرلطف تھیں۔ نہ جانے کہاں کہاں کے قصے چھیڑے رکھتے تھے۔ ابا سے تو ان کی پہلے سے ہی بہت ہم آہنگی تھی کیونکہ کبھی کبھار جب ابا کراچی جاتے تھے تو ان ہی کے ہاں ٹھہرا کرتے تھے۔ اب تو خیر ابا کو بھی گئے ہوئے سات آٹھ سال کا عرصہ بیت گیا تھا۔

اور تو اور ماموں جان بھی ان دنوں ہمارے گھر تقریباً" روز آنے لگے تھے۔ ظہیر خالو کی صحبت نے انہیں بھی خاصا خوش و خرم کر رکھا تھا۔ ایک روز ماموں جان نے ان کی اور ہم سب کی دعوت بھی کی تھی۔

ہفتہ گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ رفی آپا کی محبت میرے دل میں بہت گہری ہو چکی تھی اور اب تو اشو چچا کی وجہ سے وہ مجھے اور بھی پیاری ہو گئی تھیں۔

ان سات دنوں میں اشو چچا کیا سے کیا ہو گئے تھے۔ شوخی تو خیر شروع سے ان کی فطرت کا حصہ تھی۔ لیکن کسی خاص ہستی کی طرف ان کا واضح جھکاؤ میں نے پہلی دفعہ محسوس کیا تھا۔ صائمہ باجی اور مامی کی اپنی ذات میں نمایاں پسندیدگی رکھنے کے باوجود انہوں نے کبھی ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی بلکہ ایک مناسب فاصلہ ملنے جلنے میں برقرار رکھتے تھے۔ ہاں تیمور بھائی ان کے عزیز از جان دوست تھے۔ اشو چچا کا یہی گریز مامی کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں رکاوٹ تھا۔ اس کا ہم سب کو احساس تھا۔

"بچوں کے امتحانوں سے فارغ ہو کر ان شاء اللہ میں اور نازی کے ابو فوراً" آپ کے ہاں حاضر ہوں گے۔" امی خالو ظہیر سے مخاطب تھیں۔

"ہاں ہاں بھئی ضرور تمہارا اپنا گھر ہے اور صرف تم دونوں کیوں' بچوں نے اور اشعر میاں نے کیا قصور کیا ہے۔" انہوں نے گرمجوشی سے جواب دیا۔

"ایک دفعہ تو ہم دونوں کو ہی آنے دیجئے پھر خیر سے سب کے ساتھ آئیں گے۔" امی کے لہجے میں خوشی کی کھنک اتنی واضح تھی کہ مومنہ خالہ سے باتوں میں مصروف مامی نے ایک گہری نظر ای پر ڈالی۔

میرا دل خوشی سے دھک دھک کرنے لگا۔ کیا امی نے بھی وہ تحریر پڑھ لی تھی جو پہلی خوشی بن کر اشو چچا کے چہرے پر رقم تھی۔

میری نگاہ برآمدے کی سیڑھیوں سے پھسلتی ہوئی سامنے لان کی طرف سے آتی رفی آپا پر پڑی۔ لائٹ پنک کلر کے چکن کاٹن کے سوٹ میں وہ ڈھیر سارے پھولوں کی ٹہنیاں اٹھائے ان ہی کا حصہ لگ رہی تھیں۔ وہ روزانہ ہال میں رکھے گلدانوں میں تازہ پھولوں کی کئی خوب صورت ٹہنیاں لگا دیتی تھیں۔ برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف آتے ہوئے وہ مجھے اپنے قدیم طرز کے گھر میں بہت فٹ محسوس ہوئیں' جیسے وہ اسی ماحول کا حصہ ہوں۔

سر جھکائے سیڑھیاں چڑھتی رفی آپا نہ جانے کس دھن میں تھیں کہ سائیڈ کے کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کا رخ کرتے اشو چچا سے بری طرح ٹکرا گئیں۔ اگر اشو چچا بروقت انہیں تھام نہ لیتے تو وہ بری طرح سیڑھیوں سے گر جاتیں ان کے تھامے ہوئے سارے پھول اشو چچا کے قدموں میں اس طرح پڑے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ہوئے تھے جیسے اسی مقصد کے لیے چُنے گئے ہوں۔ پل بھر کے لیے ایسا لگا جیسے وقت ساکن ہو گیا ہے۔ فضا میں کوئی آہٹ تک نہیں' دونوں آگہی کے خوب صورت احساس کی گرفت میں تھے۔ لیکن یہ صرف ایک لمحہ تھا عنورا" ہی رنی آپا خود کو سنبھال کر ان پھولوں کو چننے لگیں۔ جنہیں ہوا کے تیز جھونکے نے سیڑھیوں پر پھیلا دیا تھا۔ اشو چچا سیڑھیاں اترتے سیدھے پورچ کی طرف چلے گئے۔

میری نظر اچانک ہی صائمہ باجی پر پڑی جو برآمدے میں پڑی کین کی کرسی پر بیٹھی پوری طرح سے ان دونوں کی طرف ہی متوجہ تھیں غصہ' نفرت' جلن کا احساس' کتنے ہی منفی جذبے ان کی آنکھوں سے عیاں تھے ان کی لودیتی ہوئی آنکھوں کی آنچ مجھے بہت قریب محسوس ہونے لگی۔ مجھے ان سے ڈر سا لگنے لگا۔

"گھبرانے کی کیا بات ہے اگلے مہینے امی کا پروگرام ہے کراچی جانے کا ایک دفعہ کوئی باقاعدہ بندھن بندھ جائے پھر کوئی کیا بگاڑ سکے گا۔" میں نے خود کو جیسے تسلی دی۔ ذرا سی دیر میں مہمانوں کی آمد نے مجھے دوسری طرف مصروف کر دیا۔ آج سب مومنہ خالہ وغیرہ سے الوداعی ملاقات کے لیے آرہے تھے۔

ٹرالی کے ساتھ کچن سے ہال تک کے متواتر چکروں میں ذرا اوپر پہلے کی گھبراہٹ میں یکسر بھول چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

رنی آپا وغیرہ کو گئے آج چوتھا دن تھا۔ ہم سب ہی انہیں بہت مس کر رہے تھے۔ اتنا بڑا گھر خالی خالی لگ رہا تھا۔ میں نے رنی آپا وغیرہ کے جاتے ہی امی سے ان کا ارادہ معلوم کر لیا تھا۔

"نازیہ ذرا فون تو دو اٹھا کر' دو تین دن سے بھائی جان کے گھر کی خیر خبر نہیں' کم از کم خیریت ہی معلوم کر لوں۔" امی کی آواز پر میں کارڈلیس اٹھا کر برآمدے سے ہال میں آگئی۔ ماموں جان کا نمبر ملا کر فون امی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"ہیلو' ہاں کون سلیم؟ وعلیکم السلام' ذرا بھائی جان یا

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید
- ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/350 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/500 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1000 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بھائی جان میں سے کسی کو بلانا۔" امی 'ماموں جان کے ہاں کام کرنے والے لڑکے سے مخاطب تھیں۔

"کب گئے' خیریت تو تھی۔" امی کے لہجے پر میں جو نیچے بیٹھی 'خوامخواہ فیضی کی کتابوں کو الٹ پلٹ کر رہی تھی' چونک سی گئی۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ آئیں تو مجھے اطلاع کر دینا وعلیکم السلام۔"

"بھابھی جان کا بھی کچھ پتا نہیں چلتا' اب بھلا بیٹھے بٹھائے کراچی جانے کی کیا تک تھی۔" امی ٹیلی فون بند کر کے مڑیں۔

"کون کون گیا ہے امی۔" مجھے بے حد بے چینی ہوئی۔

"تینوں ہی گئے ہیں' سلیم بتا رہا تھا کہ ویسے تو سب خیریت ہے بس ایک دم ہی پروگرام بن گیا۔" امی کا لہجہ الجھا ہوا تھا۔

"بائی ایئر گئے ہیں' کل رات واپسی ہے۔" امی کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں لیکن مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ امی کی معنی خیز نظریں اور رفی آپا کو گھورتی صائمہ باجی کی آنکھوں کی تپش مجھے ایک بار پھر سخت گھبراہٹ کا شکار کر گئی تھی۔

"امی! آپ اور ابا اسی ہفتے اشو چچا کی بات پکی کر دیں جا کر' فیضی کا کیا ہے' اس کی پڑھائی میں دیکھ لوں گی۔" میں نے دل میں آتے ہوئے وسوسوں کو دباتے ہوئے امی سے کہا۔

"بیٹا! فیضی یہاں تو مجھے کہیں اکیلا جانے نہیں دیتا' بھلا کراچی کیسے جانے دے گا پندرہ دن کی تو بات ہے۔ اسے اپنے ساتھ ہی لے جاؤں گی' ورنہ یہاں تو خود کو ہلکان کر لے گا۔" امی کا کہنا صحیح ہی تھا کیونکہ فیضی بیس سال کا ہونے کے باوجود امی سے ہی ہر وقت اٹیچ رہتا تھا۔

"چلو خیر اللہ مالک ہے' یہ پندرہ دن بھی گزر ہی جائیں گے۔"

میں نے خود کو سمجھانا چاہا لیکن دل میں ایک بے کلی سی تھی۔

☆ ☆ ☆

"امی! مامی اور صائمہ باجی آئی ہیں۔" اسد نے لان سے ہی آواز لگائی۔ تو میں جلدی سے کچن سے باہر آ گئی۔

"آخر تمہیں کب عقل آئے گی اسد! اتنے بڑے ہو کر بچوں کی طرح چلاتے ہو۔" صائمہ باجی حسب عادت اسد پر ناراض ہوتی آ رہی تھیں' ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔

"السلام علیکم بھابھی جان! خیر تو تھی' یہ ایسے ایک دم کراچی کیسے جانا ہو گیا۔"

امی اپنی بھابھی کے استقبال کے لیے برآمدے کی سیڑھیوں پر پہنچ چکی تھیں۔

"ہاں سب خیر ہی ہے' ذرا سانس تو لے لوں۔" مامی ذرا سا چل کر ہی بری طرح ہانپ جاتی تھیں۔

"آج تو بڑا خوش قسمت دن ہے جو اشعر بھی گھر پر نظر آ رہے ہیں۔" صائمہ باجی نے چہکتے ہوئے اشو چچا پر نظر ڈالی جو آج ذرا جلدی آفس سے آ گئے تھے۔

"ارے ہمارا کیا ہے ہم تو مزدور آدمی ہیں۔ آپ سنائیں' یہ اتنی ساری مٹھائی کس خوشی میں ہے۔" وہ خوش دلی سے ہنسے' امی اور ابا کے ارادوں سے آگہی کے بعد سے تو مسکراہٹ ان کے لبوں سے جدا ہی نہیں ہوتی تھی۔

"خیر سے تیمور کا رشتہ دے کر آئی ہوں مومنہ کے ہاں' اسی کی مٹھائی ہے۔" مامی نے امی کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

"کس کے ساتھ' کیا رفی آپا سے۔" میرے منہ سے بمشکل نکلا۔

"ارے تو اور ان کی کون سی دو چار بیٹیاں ہیں۔" صائمہ باجی کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے چاروں طرف برف سی گر رہی ہو' ساری آوازیں جیسے کسی گہرے کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ بہت ہمت کر کے میں نے اشو چچا کی طرف دیکھا۔ ان کی خوب صورت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

براؤن آنکھوں میں جیسے ہزاروں ' لاکھوں ٹوٹے ستاروں کی کرچیاں تھی۔

وہ جیسے ایک خواب کے عالم میں کھڑے تھے۔ سرخی مائل گندمی چہرہ بالکل سفید پڑ چکا تھا۔ مجھے ڈر لگنے لگا کہ انہیں کچھ ہو نہ جائے اچانک وہ تیزی سے مڑے اور بنا کسی سے کچھ کہے باہر کی سائیڈ پر بنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

"ارے اشعر! کہاں جا رہے ہو۔ رکو تو' ابھی تو ہم آئے ہیں۔" صائمہ باجی کی آواز فکر مندی کا احساس لیے ہوئے تھی۔

"ان کے دوست بیٹھے ہوئے ہیں' چائے کا کہنے آئے تھے۔" مجھے معلوم تھا کہ وہ اس وقت تنہائی چاہ رہے ہوں گے اسی لیے بات بنائی ورنہ صائمہ باجی تو ان کے پیچھے ان کے کمرے تک پہنچ جاتیں اور مجھے اپنے اشو چچا کا بھرم قائم رکھنا تھا۔

"اللہ مبارک کرے۔ کیا مومنہ آپا نے ہاں کر دی۔" امی بمشکل خود کو سنبھال سکی تھیں۔

"ہاں ہی سمجھو' میرے تیمور میں آخر کمی کیا ہے' یہ کہو کہ رسما" سوچنے کے لیے کچھ وقت مانگا ہے۔" مامی کی باتوں سے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے رشتہ مانگ کر مومنہ خالہ پر کوئی احسان عظیم فرمایا گیا ہے۔

"مومنہ کی بیٹی کے تو بھئی نصیب کھل گئے' اتنا لائق' ہزاروں لاکھوں میں ایک لڑکا' انہوں نے تو سوچا بھی نہ ہو گا۔" میری سوچ کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ ابھی چند روز پہلے تک تو رفی آپا کو دیکھ لینے کے باوجود مامی "ڈھنگ کی لڑکی" نہ ملنے کا رونا رو رہی تھیں۔ پھر ایک دم ان کے گھر میں یہ فیصلہ کس طرح کیا گیا جبکہ تیمور بھائی بھی یہاں نہیں تھے۔ میرے دل کو کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ کیا یہ سب کچھ صرف میرے اشو چچا کو شکست دینے کے لیے کیا گیا ہے۔ صائمہ باجی کی خود غرض اور زمانے سے اپنی پسند کی ہر چیز چھین لینے والی عادت ... مجھے بچپن سے اب تک کئی چھوٹے بڑے واقعات یاد آ کر رہ گئے۔

یقیناً" یہی وجہ ہے ورنہ مامی اور صائمہ باجی کبھی بھی اس طرح ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے انداز میں رشتہ لے جانے والی نہیں تھیں۔

"ایک ہی اولاد ہے' دیکھو مومنہ اور ظہیر کیا کیا دیں گے' ویسے تو ظاہر ہے جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے۔" ایسی باتیں کرنا تو مامی کی فطری مجبوری تھی لیکن میری دلچسپی اب ان کی باتوں میں ختم ہو چکی تھی۔ میری نظر تو چھوٹے لان کے دوسرے سرے پر بنے اس کمرے کی طرف بار بار جا رہی تھی جس میں اشو چچا اب نہ جانے کتنی دیر کے لیے گم ہو گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

دن رات بالکل بدل کر رہ گئے تھے۔ اشو چچا نے خود کو بظاہر سنبھال لیا تھا لیکن گہری اداسی اور بے بسی کا احساس ان کی آنکھوں میں مستقل ڈیرہ ڈال چکا تھا۔ انہوں نے خود کو بالکل الگ تھلگ کر لیا تھا۔ اول تو وہ مصروف ہی بہت رہنے لگے تھے۔ نہ جانے کیا کام تھا ان کے آفس کا جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا اور اگر گھر میں بھی ہوتے تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہی لگتا تھا۔ ان کی وہ جملے بازیاں' فیضی اور اسد کے ساتھ دلچسپ شرارتیں' امی سے لاڈ اٹھوانے کی عادت' غرض کہ کچھ بھی تو پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ میری بالکل بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ان کے لیے کیا کروں۔ جتنی دیر وہ گھر میں رہتے میں ان کا سایہ بنی رہتی لیکن کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اشو چچا نے اپنے گرد ایک محل تعمیر کر لیا ہو' اداسی اور تنہائی کا محل' سات دروازوں اور اونچی اونچی فصیلوں والا محل' جس میں وہ مقید تھے' اور میری لاکھ کوششوں کے باوجود وہ ساتواں در کھلنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

امی کی ممتا بھری نگاہ غافل نہیں تھی۔ اشو چچا کا دکھ ان کی روح تک میں اتر گیا تھا۔ لیکن اب تیمور بھائی کے رشتے پر اشو چچا کا پروپوزل نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ اس طرح قریبی رشتوں میں نہ بھرنے والی دراڑ پڑ جاتی۔ یہ امی اور ابا کا مشترکہ فیصلہ تھا۔

مامی' اشو چچا کا رشتہ اپنی بیٹی صائمہ کے ساتھ طے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کرنے پر بے انتہا اصرار کر رہی تھیں لیکن امی نے واضح طور پر انکار کر دیا تھا۔ جس پر مامی سخت چراغ پا تھیں اور پچھلے تین ماہ سے ان کی ہمارے ہاں آمد و رفت ختم ہی ہو چلی تھی۔ ماموں جان البتہ چکر لگا لیتے تھے۔

"کچھ بھی ہو بھابھی جان ملیں یہ نہ ملیں میں اپنے بچے پر اتنا بڑا ظلم نہیں کر سکتی۔" امی نے مجھ سے کہا۔

مومنہ خالہ کی طرف سے اب تک خاموشی ہی تھی۔ سنا تھا کہ تیمور بھائی کے آنے کے بعد ہی کچھ فیصلہ ہو گا اور آج تیمور بھائی کو آئے تیسرا دن تھا۔

ابھی ابھی میری دوست فرح کا فون آیا تھا۔ وہ "آرٹ اینڈ کرافٹ" کے کسی کورس میں ایڈمیشن لینے کے لیے مجھ پر زور دے رہی تھی لیکن میرا دل ہی نہیں چاہا' گھر سے متعلق جن کاموں میں رفی آپا کے سامنے میری دلچسپی حد درجہ بڑھ گئی تھی وہ تو چند دن میں ہی ختم ہو گئی تھی۔ اب تو بس بے دلی سے روز مرہ کے کام نبٹا دیتی تھی۔

"کاش' رفی آپا کبھی ہمارے گھر نہ آتیں۔" میں پچھلے لان میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔

جب اتنے سالوں سے ملنا جلنا نہیں تھا تو اب بھی نہ ہوتا تو کتنا اچھا تھا۔ میں ان ہی سوچوں میں گم تھی۔ اشو چچا حسب معمول غائب تھے۔ اس بار تو وہ تیمور بھائی سے بھی نہیں ملے تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے تو اگر تیمور بھائی دو دن کے لیے بھی شہر سے باہر جاتے تھے تو وہ بے چین ہو جاتے اور اب جب کہ وہ اتنے مہینوں بعد واپس آئے تھے تو ملنا تو درکنار اشو چچا نے انہیں فون بھی نہیں کیا تھا۔

کل تیمور بھائی خود ہمارے گھر آئے تھے ان کی اچھی طرح خبر لینے کے لیے' لیکن کل بھی ان کی ملاقات نہیں ہو سکی۔

مجھے پکا یقین تھا کہ اشو چچا جان بوجھ کر کترا رہے ہیں شاید ڈرتے ہوں کہ تیمور بھائی سے اپنی بدلی ہوئی کیفیت کیسے چھپائیں گے۔

اچانک ہی فیضی کچن کی طرف سے سیڑھیاں اترتا ہوا نظر آیا۔

"باجی' ماموں جان وغیرہ آئے ہیں' اتنے بڑے مٹھائی کے دو ڈبے لے کر۔" اس نے ہاتھوں کے پھیلاؤ سے ڈبوں کا سائز بتانا چاہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ مومنہ خالہ کی طرف سے ہاں ہو گئی ہے۔"

اگرچہ بات غیر متوقع نہیں تھی لیکن پھر بھی۔ مجھے دھچکا لگا نہ جانے کیوں رہ رہ کر میرے دل کو امید تھی کہ شاید کچھ ایسا ہو جائے گا کہ میرے اشو چچا کی خوشیاں انہیں مل جائیں گی لیکن اب تو۔۔۔

میں نے اندر جانے کے لیے قدم بڑھائے ظاہر ہے اب چائے وغیرہ کا انتظام کرنا تھا کہ کچھ نامانوس سے شور نے مجھے عجیب سی حیرت میں ڈال دیا' آواز تو سو فیصد ماموں جان کی تھی لیکن یہ لہجہ ان کا تو نہیں تھا۔ یہ تو کسی بڑے رعب داب والے آدمی کا انداز تھا۔ میں اسی شش و پنج کے عالم میں برآمدے تک پہنچ گئی۔

"ہمارے بچے کوئی گڈے گڑیا نہیں کہ ہم جو چاہیں ان کے متعلق فیصلہ سنا دیں۔ انہیں اپنی زندگی جینے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔"

ماموں جان کی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

"اس عورت کی کم عقلی میرے بچوں کی خوشیوں کو برباد کرے' یہ میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میری زندگی تو جیسے گزری تم سب کے سامنے ہے لیکن تیمور کا' مجھے گھر کے ساتھ ساتھ دل بھی آباد رکھنا ہے۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا بس اب آپ ریلیکس ہو جائیں بھائی صاحب۔" ابا نے انہیں شانوں سے تھامتے ہوئے کہا تو امی جو گھبرائی ہوئی پاس ہی کھڑی تھیں' آنسو خشک کرنے لگیں۔

"ارے میری بیٹی وہاں کیوں کھڑی ہے۔ یہاں آؤ میرے پاس۔" میں جو ہال کے دروازے پر کھڑی اب تک اندر کی صورت حال سمجھنے سے قاصر تھی۔ خاموشی سے ماموں جان کے نزدیک چلی آئی۔

"احمد' میری جھولی میں یہ خوشی ڈال دو۔ میں ہاتھ جوڑ کر تم سے التجا کرتا ہوں۔" ماموں جان نے ابا کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

آگے واقعی ہاتھ جوڑ دیے تو ابا شرمندہ سے ہو گئے۔

"سب آپ ہی کے بچے ہیں بھائی صاحب' آپ پریشان مت ہوں۔"

"نہیں احمد! یہ تو تمہارا ظرف ہے' اگر تیمور مجھ سے کچھ نہ کہتا تو انجانے میں تین زندگیاں برباد ہو جاتیں۔" ماموں جان اب کرسی پر بیٹھ چکے تھے لیکن میں تو اب تک صورت حال پر غور کے بجائے ماموں جان کے بدلے انداز پر حیران تھی۔ وہ کتنے دبنگ لگ رہے تھے اور خاموش آنسو بہاتی مامی کس قدر کمزور' مجھے تو ان پر رحم آنے لگا۔ اس طرح سب کے سامنے ماموں جان ان کی گوشمالی کریں گے' میرے تو کبھی تصور میں بھی نہیں تھا۔ نہ جانے گھر میں کیا کچھ کہہ کر آئے ہوں گے۔

"بس کریں بھابھی جان' آپ کیوں دل چھوٹا کر رہی ہیں۔ یہ باتیں تو زندگی کے ساتھ چلتی ہی ہیں۔" امی نے مامی کو گلے لگا لیا۔

"تم سب مجھے معاف کردو فرخندہ' میں ہمیشہ سب کے دل دکھاتی چلی آئی ہیں نے بڑی ہونے کے باوجود بھی بڑا بن کر نہ دکھایا' اپنی خواہشوں کی غلام بن کر رہ گئی تھی۔" وہ ایک بار پھر رو پڑیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ' ہمیں تو آپ سے کوئی شکایت نہیں۔" امی ان کی مسلسل دل جوئی کر رہی تھیں۔

"نہ جانے میری عقل پر کیوں پتھر پڑ گئے تھے۔ میں تو تب سمجھوں گی کہ تم نے مجھے معاف کر دیا جب تم نازی کے لیے ہاں کرو گی۔" مامی نے محبت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا تو یک دم میری سمجھ میں ساری بات آتی چلی گئی۔ اس کے بعد تو میرا وہاں اک پل ٹھہرنا بھی محال تھا۔

"میری تو یہ دیرینہ خواہش تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ یہی میرے بیٹے کی آرزو بنی۔" ماموں جان کی آواز باہر برآمدے میں صاف سنائی دے رہی تھی۔

"میں نے پرسوں کی فلائٹ کی بکنگ کراچی کے لیے کرالی ہے' ان شاء اللہ اشعر اور رنی کی بات طے کر کے ہی لوٹیں گے پھر جیسے سہولت ہو' کوئی رسم وغیرہ کرلیں گے۔" ماموں جان ابا سے مخاطب تھے۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" ابا جان نے کہا۔

"اور ہاں صائمہ کے لیے میرے بچپن کے دوست فرید احمد اپنے بیٹے کے لیے خواہش مند ہیں۔ اچھا لائق لڑکا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ایم ایس کر کے لوٹا ہے۔ بہت اچھے اور سلجھے ہوئے لوگ ہیں۔ میں نے انہیں اپنی رضامندی دے دی ہے۔ مجھے امید ہے کہ صائمہ بھی ان کے ساتھ رہ کر اپنی عادتیں سنوار لے گی۔" ماموں جان تو آج صرف اپنے فیصلے سنا رہے تھے۔

میں کچھ عجیب سے احساسات کا شکار ہو رہی تھی۔ شرم گھبراہٹ میں سب کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔

اور آج اس خوب صورت شام میں مجھے تیمور کے نام کی انگوٹھی پہنائی جانی ہے۔ دو روز قبل ہی ہم لوگ اشعر بھائی اور رنی آپا کی منگنی کی رسم ادا کر کے آئے ہیں۔ اور اگلے جمعہ کو صائمہ باجی کی منگنی ہے۔ سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ وہ خوش بھی بہت ہیں۔ ہے نا حیرت کی بات!

اب جب کہ گھر میں بڑا خوشگوار سا ہنگامہ پھیلا ہوا ہے مجھے وہ خاموش سی سہ پہر یاد آ رہی ہے جب تیمور بھائی اپنی آمد کے دوسرے دن ہمارے ہاں آئے تھے۔ میں بلا مقصد ہی برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ جب وہ کھلے ہوئے گیٹ سے مجھے اندر داخل ہوتے دکھائی دیے۔ امی اس وقت اوپر کی منزل میں کسی کام میں مصروف تھیں۔ فیضی حسب عادت ان کے ساتھ تھا۔ ابا ابھی تک لوٹے نہیں تھے۔ غرض نیچے سناٹا تھا۔

سرخ اینٹوں کی روش کو تیز قدموں سے پار کرتے ہوئے وہ اسی طرف آ رہے تھے کہ پل کے ہزارویں حصے میں میں نے فیصلہ کیا۔

"تیمور بھائی! میری ایک بات سن لیں پلیز۔" میں نے انہیں لان میں ہی جا پکڑا۔

"الٰہی خیر۔ نہ سلام نہ دعا' آخر اتنے مہینوں بعد آیا ہوں کم از کم خیریت ہی پوچھ لیتیں۔" وہ بڑے ہشاش

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بشاش تھے۔

"خیریت سے تو آپ نظر آرہے ہیں۔ خیر السلام علیکم۔" میں نے قرض اتارنے کے انداز میں سلام کیا تو وہ ہنس پڑے۔

"وعدہ کریں' جو بات میں آپ سے کہوں گی' آپ ضرور مانیں گے۔" میں نے گھر والوں کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر فائنل راؤنڈ کھیلنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"لڑکی! مجھے اس وقت تم بہت مشکوک دکھائی دے رہی ہو' کہیں مروا نہ دینا۔" انہوں نے مصنوعی سنجیدگی اختیار کرلی تھی۔ "خیر کہو' کیونکہ کہے بغیر تم مانو گی نہیں۔"

"تیمور بھائی! آپ رفی آپا سے شادی سے انکار کر دیں۔ پلیز' دیکھیں وہ اور اشو چچا ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے ہیں۔ آپ نے تو انہیں دیکھا بھی نہیں ہے۔ آپ کو کچھ فرق نہیں پڑے گا لیکن اشو چچا بہت زیادہ ہرٹ ہوئے ہیں۔" میں نے ایک ہی سانس میں سب کچھ ان کے گوش گزار کیا۔

"آہا۔" تیمور بھائی نے ایک گہرا سانس لیا جیسے کوئی بھاری بوجھ ان کے سر سے اتر گیا ہو۔

"اچھا پھر میرا کیا بنے گا' بڑی مشکل سے تو والدہ ماجدہ کو کوئی لڑکی پسند آئی ہے۔"

"ارے آپ بالکل فکر نہ کریں' اچھی سے اچھی لڑکی آپ کو مل جائے گی' آپ تو خود اتنے اچھے ہیں۔" میں نے انہیں تھوڑا سا مکھن لگانا ضروری خیال کیا۔ ویسے بھی بیرون ملک کی آب و ہوا نے ان کی شخصیت پر اچھا اثر ڈالا تھا۔

"چلو کم از کم یہ تو پتا چلا کہ میں کتنا اچھا ہوں' اب ذرا میں پھوپھی جان سے مل لوں۔" انہوں نے اندر جانے کے لیے قدم بڑھائے تو میں بوکھلا گئی۔

"ارے میری بات کا جواب تو دے دیں۔ آپ منع کردیں گے نا...؟" میری ساری محنت بے کار جارہی تھی۔

"دیکھیں گے' ویسے یہ بڑوں کے فیصلے ہیں اور آفٹر آل میں ایک مشرقی لڑکا ہوں۔" انہوں نے فیضی کو دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ جو سامنے سیڑھیوں سے تیمور بھائی آگئے کے نعرے لگاتا ہوا آرہا تھا اور اس کے پیچھے امی تھیں۔

اب کوئی اور بات کرنے کا وقت نہیں تھا۔ مجھے شدید غصہ آرہا تھا۔

"ہیں تو آخر امی کے بیٹے اور صائمہ باجی کے بھائی ہی' خوامخواہ اتنی دیر خوشامد کی۔" میں نے زیر لب تیمور بھائی کی شان میں گستاخی کی۔

"کچھ بات بھی نہیں بنی اور اگر انہوں نے کسی سے یہ سب کہہ دیا تو جوتے پڑنے کا خدشہ الگ' امی تو مجھے کبھی نہیں بخشیں گی۔"

میں نے سامنے پڑے لکڑی کے چھوٹے سے ٹکڑے کو پاؤں کی ٹھوکر سے دور پھینکتے ہوئے اپنا غصہ اتارا۔

☆ ☆ ☆

جس وقت میں عقلمندوں کی سرداری سنبھالے تیمور بھائی کو صلواتیں سنا رہی تھی' میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ تیمور نے تو گھر پہنچتے ہی اس رشتے سے انکار کردیا ہے اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ "نازی" کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کریں گے۔ ہاں اشو چچا والے معاملے سے وہ میری زبانی ہی باخبر ہوئے تھے جس کے بعد انہوں نے ماموں جان کو اعتماد میں لے لیا تھا۔

مجھے کیا معلوم تھا کہ میری اشو چچا اور رفی آپا کے لیے کی جانے والی بے پناہ دعائیں ان کے ساتھ ساتھ خود میرا نصیب بھی جگا رہی ہیں۔

اشو چچا کی خوشی سے کھنکتی آواز ہمارے سارے گھر میں پھول کھلا رہی ہے۔ طمانیت کا گہرا احساس میرے دل میں اترتا جارہا ہے۔ ساتواں دروازہ آخر کار کھل ہی گیا میں نے وہ اسم جو پالیا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ماہ وش طالب

ستاروں کے آنگن میں

"ارے میری بات مان لے' ابھی بچی کو زیادہ دن نہیں گزرے اسکول جاتے ہوئے' ہٹا لے اسے' اس نے کیا کرنا ہے پڑھ لکھ کر۔" اماں نے پرات میں آٹا گوندھ کر ایک طرف رکھا اور اب آلو کے شوربے کے لیے دیگچی میں ہی پیاز کاٹنے لگی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"او بھلیے لوگے (او بھلی عورت) تو کیوں بچی کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ اسکول ہی داخل کرایا ہے نا' کون سا لڑنے بھیج دیا ہے۔ پڑھ لکھ جائے گی' ڈاکٹر بنے گی اور نہیں تو کسی اسکول میں استانی لگ جائے گی' نام روشن کرے گی ہمارا۔" ابا نے پہلے کی طرح ہی اماں کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ بڑے بڑے خواب سجائے بول رہے تھے۔

"اونہہ' کیا کروانا ہے ہم نے نام روشن کر کے' پہلے ہی مزاج نہیں ملتے' اب اور بھی کام کاج سے جائے گی' وہ کوئی بلب ہے جو نام روشن کراتا ہے۔" اماں نے انتہائی بے زاری سے ابا کو جواب دیا۔

"اوہ کچھ خدا دا خوف کر' وہ معصوم سی کیا کرتی ہے نخرہ' ابھی تو پیر' پیر (پاؤں پاؤں) چلنا شروع کیا ہے اس نے' تیرے والی تو حد ہی ہو گئی ہے' بے فضول ہی بولے جاتی ہے' بس میں نے کہہ دیا ہے وہ اسکول جائے گی ہر روز' تو نے اب اس کے سامنے کوئی بات نہیں کرنی۔" ابا ایک تنبیہہ کر کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں زینب اپنی نئی نئی کاپیوں اور کتابوں میں سر دیے بیٹھی تھی — اماں کی بڑبڑاہٹیں بدستور جاری تھیں۔ دیگچی میں چمچہ چلانے کے ساتھ ساتھ۔

✡ ✡ ✡

جب سے پانچ سالہ زینب نے اسکول جانا شروع کیا تھا۔ اماں اٹھتے بیٹھتے باتیں سناتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ ابا کو جو یہ بیٹی کو پڑھانے لکھانے کا بخار چڑھا ہے۔ چار دن کی چاندنی ثابت ہو گا۔ جب آئے دن کاپیاں' پنسلیں اور ان گورنمنٹ اسکولوں کی نندیدی مسوں (ٹیچرز) کے حکم پر آئے بہانے پیسہ خرچ کرنا پڑے گا۔ مگر اماں کا خیال محض خیال ہی رہا بلکہ اپنی موت آپ ہی مر گیا۔ جب دو ہفتے گزر جانے کے باوجود بھی ابا اتنے ہی ذوق و شوق سے زینب کو نہ صرف اسکول چھوڑنے جاتے بلکہ صبح اسکول جانے کے لیے تیاری میں اماں کا ساتھ دیتے اور واپسی پر بذات خود اسے لے کر آتے جیسے کہ پہلے دن۔

اماں ذرا سخت طبیعت کی اماں تھیں اور بیٹی کے اسکول جانے کے معاملے میں اور بھی زیادہ مگر ابا کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔

زینب اماں' ابا کی اکلوتی اولاد تھی اور یہ ابا کا بڑا پرانا خواب تھا کہ وہ اپنی اولاد کو پڑھائیں گے۔ انہوں نے کبھی اپنی غربت کو اس خواہش کے پورا ہونے میں رکاوٹ نہیں بننے دیا تھا۔ اماں سے کبھی اس بات کو کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کیوں کہ زینب سے پہلے اماں نے تین بیٹوں کو جنم دیا تھا' مگر ہر بار آنے والا ننھا وجود جھولی بھرے بغیر ہی لوٹ گیا تھا۔ اور پھر اماں نے آس ہی چھوڑ دی' مگر دو سال بعد اللہ نے دوبارہ رحمت کی تو اماں ابا نے پھر سے نئی امید' نئے یقین کے ساتھ آنے والے کی زندگی کی دعائیں مانگنا شروع کر دیں۔

اب کی بار دعائیں رنگ لے آئی تھیں۔ زینب کی شکل میں اللہ نے ننھی پری عطا کی تھی انہیں' اماں ابا تو اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے تھے۔

مگر لڑکیوں کی تعلیم کے معاملے میں اماں پکی دیہاتی عورت ثابت ہوئی تھیں۔ مگر جیسے ہی زینب نے پانچویں سال میں قدم رکھا' ابا نے اسے گھر کے قریب ہی واقع پرائمری اسکول میں داخل کرا دیا۔

✡ ✡ ✡

شہری آبادی سے ذرا دور یہ قصبہ سبز لہلہاتے کھیتوں میں گھرا تھا۔ جس کے آس پاس بیسیوں چھوٹے چھوٹے گاؤں لگتے تھے۔ زینب کے ابا قصبے کی مرکزی سڑک پر پھلوں کا ٹھیلا لگاتے تھے۔ ابا نے محلے کے کسی دوست سے زینب کو اسکول داخل کرانے کا ذکر کیا تھا۔ چچا صابر کے اپنے بچے تو ان پڑھ نکلے تھے' سب سے چھوٹی بیٹی نے بھی بس پانچویں جماعت تک اسکول کا منہ دیکھا تھا اور ان کی بیوی کو اس پر ہی بڑا مان تھا۔ جب اپنے شوہر سے ہمسائے کی اکلوتی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بنی کے اسکول داخلے کی بات سنی تو فوراً اگلی صبح اماں کے پاس پہنچ گئیں۔

"رانی کے ابا نے بتایا تھا مجھے کہ اپنی زینب بھی اب اسکول جائے گی' بڑی سوہنی بات ہے یہ تو۔" اماں نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"یہ میری رانی کی وردی ہے۔ وہ تو اب جاتی نہیں ہے۔ زینب کو چھوٹا کر دینا۔" رشیدہ چاچی نے ہاتھ میں پکڑا تھیلا اماں کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بڑی مہربانی۔ ویسے تو میں ـــ کپڑا لے آئی تھی اس کا سوٹ سینے کے لیے۔" اماں نے آگ بڑھانے کے لیے پھونک مارتے ہوئے کہا اور تھیلا پکڑ لیا۔

"ویسے تو بچیوں کو شروع شروع میں ہی شوق ہوتا ہے اسکول جا کر پڑھنے کا' پھر مسوں کی ڈانٹ پھٹکار سے تنگ آ کر خود ہی چھوڑ دیتی ہیں۔" اماں کو تو پہلے ہی قلق تھا مگر رشیدہ چاچی کے کہنے پر سادہ سے انداز میں بولیں۔

"بس اس کے ابے کو بڑا شوق ہے' پڑھنے والی بچیاں تو ہر حال میں پڑھ لکھ جاتی ہیں۔"

"نا میری رانی کوئی ماڑی ہے' ماشاء اللہ سے سارا گھر سنبھال رکھا ہے اس نے' پڑھ لکھ کے کیا کارنامے کر لینے تھے اس نے' وہ تو بڑا اچھا پڑھتی تھی۔ اس کے باوا نے منع کر دیا۔"

چاچی نے فوراً" پینترا بدلا تھا' اماں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئیں۔ جانتی تھیں اس عورت کی فطرت کو۔ ہر محلے میں ایک ہنگامہ پھیلانے والی عورت لازمی ہوتی ہے جو باقی اہل محلہ کو یکسانیت اور بوریت کا شکار نہیں ہونے دیتی۔ بس چاچی رشیدہ کو بھی یہی اعزاز حاصل تھا۔

"اب مجھے تو بڑا آرام ہے' کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی میری رانی' اور تو ابھی تک سارے کام خود ہی کرتی ہے۔ اب اللہ نے اتنی ـــ مشکلوں / سے اولاد دی ہے تو اس کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔" رشیدہ چاچی نے پھر سے اماں کے جلے پر نمک چھڑکا تھا۔

ان کا بھی تو یہی ارادہ تھا کہ زینب ذرا قد نکالے تو اسے اپنے ساتھ کام کاج میں لگائیں' جس طرح اس علاقے کی بیشتر عورتیں بیٹیوں کے ساتھ کرتی تھیں' مگر زینب کا ابا بھی نا! اماں نے بظاہر رشیدہ کے خیالوں کی تردید کی' اور جب وہ بیزار ہو کر جانے لگیں' اماں نے کھانا تیار کر لیا تھا۔ جاتے جاتے رشیدہ کو بھی دعوت دے ڈالی۔

"ارے نہیں' رانی نے آج گڑ والے چاول بنانے تھے' بنا لیے ہوں گے۔ اب تو وہی کھاؤں گی بلکہ تجھے بھی بھیجوں گی جا کر ٹیپو کے ہاتھ۔" کہتے ہوئے وہ ڈیوڑھی پار کر گئیں۔

☆ ☆ ☆

زینب بہت پیاری اور ذہین بچی تھی۔ جب اپنی توتلی زبان میں ٹوٹنکل ٹوٹنکل پڑھتی تو حقیقت میں کوئی چمکتا تارہ لگتی تھی۔ ابا کو تو دیر سارا پیار آتا ہی تھا' اماں بھی صدقے واری جاتی تھیں۔ بس ایک یہ خیال کہ "اتنا پڑھنے کا فائدہ" اماں کی خوشی پر کوڑے کی طرح لگتا۔ مگر آہستہ آہستہ اماں بھی جیسے مطمئن ہو گئی تھیں۔

اور پھر ایک سنہری دوپہر میں ان کے گھر ایک نئی گڑیا نے جنم لیا۔ زینب اسکول سے آئی تو ابا کے ہاتھ میں تولیے میں لپٹے کسی گڑیا سے وجود کو پایا۔

"دیکھ زینب! اللہ نے تیرے لیے بہن بھیجی ہے۔" ابا جس خوشی سے دمکتا چہرہ لیے بول رہے تھے' وہ قابل دید تھی۔ زینب نے حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات سے اماں کی جانب دیکھا۔ اماں نے نقاہت کے باوجود الوہی مسکراہٹ سے سر ہلا دیا۔ زینب اس وقت پانچویں جماعت میں تھی۔ اس کی تنہائی ـــ ختم کرنے کو اللہ نے اسے بہن جیسی دوست' نعمت اور رحمت سے نوازا تھا۔ اس کا بس چلتا تو اسے بھی اسکول اپنے ساتھ ہی لے جایا کرتی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"ابا یہ بڑی کب ہوگی' میں اسے اپنے ساتھ اسکول لے جانا چاہتی ہوں۔" ہر دوسرے دن وہ آس اور معصومیت سے پوچھتی کہ اب ابا کہیں گے کہ "ہاں زینب' اب خدیجہ اتنی بڑی ہوگئی ہے کہ کل سے تمہارے ساتھ اسکول جاسکے۔" حالانکہ زینب سمجھتی تھی کہ ابھی تو خدیجہ نے بولنا بھی نہیں سیکھا تھا۔ لیکن اسے یہی انتظار تھا کہ جھٹ سے وہ دن آجائے جب خدیجہ اس کے ساتھ باتیں کرے' وہ دونوں کھیلیں' ایک ساتھ اسکول جائیں۔

اور پھر دھیرے دھیرے وقت گزر گیا۔ خدیجہ نرسری کلاس میں داخل ہوگئی اور زینب پرائمری اسکول سے ہائی اسکول میں۔ یہ اسکول ایک سال پہلے ہی پرائمری سے مڈل اور ہائی اسکول میں بدلا تھا۔ زینب اب بڑی ہوگئی تھی اور جہاں اس کی سمجھ داری میں اور عقل مندی میں اضافہ ہوا تھا وہیں اس کے سکھڑاپے اور خوش اخلاقی کو دیکھ کر اماں کے سارے غم جاتے رہے تھے۔

مس مریم نے زینب پر بہت محنت کی تھی۔ وہ نویں جماعت سے اسے اسلامیات پڑھاتی تھیں۔ مس مریم بچوں کی اخلاقی تربیت پر بہت زور دیتی تھیں۔ زینب نے ان سے اخلاقیات اور گھر داری سیکھی تھی۔ زینب میں سیکھنے کی صلاحیت موجود تھی لہٰذا جو کچھ کتابوں سے سیکھتی اسے عملی طور پر اپنی زندگی میں شامل کرتی۔ وہ ہر سال یا چھ ماہ بعد نیا یونی فارم یا نئی چیزیں نہیں خرید سکتی تھی۔ مگر صاف ستھرا یونی فارم اور تیل لگے بالوں کو چٹیا میں گوندھنا تو اس کے اختیار میں تھا۔ سلیقہ سے دوپٹہ لیے وہ کئی لڑکیوں میں ممتاز نظر آتی۔ اس نے اپنے گھر کو بھی اپنی محنت سے جنت بنا دیا تھا۔ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے پودے لگا کر گھر کی آرائش و زیبائش کر کے اس نے اماں کو خوش کر دیا تھا۔ اماں اس کی عقل مندی کی قائل ہوگئی تھیں۔ موسم گرما کی چھٹیوں میں اس نے محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیا۔ اماں نے پہلے تو منع کر دیا مگر پھر مان گئیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی طبیعت میں بھی نرمی آگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"زینب پتر تو کیوں کھپ رہی ہے اتنی گرمی میں۔" زینب شام کے وقت بچوں کو پڑھا کر فارغ ہوئی تھی جب ابا نے اسے آواز دی۔

"ابا اس میں کھپنے کی کیا بات ہے۔ میں فارغ ہی ہوتی ہوں۔ مجھے اچھا لگتا ہے۔" زینب نے ہلکے پھلکے انداز میں وضاحت کی۔

"میں کیا (میں نے کہا) پتر! تو یہ تو نہیں سمجھ رہی کہ کہیں آگے تیری پڑھائی کے خرچے سے ڈر کر تیرا ابا تجھے پڑھائے ہی نا۔" ابا کے انداز میں فکر مندی اور معصومیت کو دیکھ کر اسے بے انتہا پیار آیا۔

"نہیں ابا ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" زینب نے کہا تو اماں بھی ابا کی چارپائی کے پائنتی پر آکر بیٹھ گئی۔

"نہیں زینب کے ابا' یہ بتا رہی تھی کہ آگے والی پڑھائی یہ مفت میں کرے گی۔ کیا نام بتا رہی تھی۔۔۔" اماں سوچنے لگی۔ "ہاں وظیفہ۔۔۔ اپنی زینب کو وظیفہ ملے گا ہر سال' ہے نا زینب؟" اماں نے زینب سے تصدیق چاہی۔ زینب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اچھا' اچھا زینب کو آٹھویں میں بھی تو ملا تھا وظیفہ۔" ابا کو یاد آیا "خوش رہ میرا بیٹا۔" ابا نے زینب کے سر پر پیار کیا۔

☆ ☆ ☆

اماں کی ہڈیوں میں پہلے والا دم خم نہیں رہا تھا۔ زینب کو اس کا احساس تھا۔ تب ہی اس نے آدھی سے زیادہ ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں۔ صبح خدیجہ کو تیار کرتی' اسکول سے آکر اگرچہ تھکی ہوتی پھر بھی آٹا گوندھ کر پھلکے تیار کر لیتی۔ سالن اماں پہلے ہی تیار کر لیتی تھیں۔ زینب محلے کی دوسری لڑکیوں کے برعکس تمام کام بغیر زبان چلائے کرتی تھی۔ ورنہ ماں بخوبی جانتی تھیں کہ لڑکیاں کیسے کولہوں کے بیل کی طرح کام کرتی تھیں اور لتر لتر زبانیں بھی چلاتی تھیں۔ ہر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

دوسرے گھر کا یہی ماحول تھا مگر زینب کو اس کی پڑھائی نے زبان چلانا نہیں سکھائی تھی نہ ہی ابا کے اعتماد نے اسے بد لحاظ کیا تھا۔ اماں زینب سے مکمل طور پر مطمئن تھیں۔

زینب کے میٹرک کا رزلٹ آگیا تھا اور امید کے عین مطابق اس نے اپنے علاقے میں ٹاپ کیا تھا۔ ابا کا تو بس نہ چلتا تھا ورنہ اپنا ٹھیلا بیچ کر پورے قصبے میں مٹھائی بانٹ دیتے۔ اماں کی خوشی بھی دیدنی تھی اور وہ بخوشی زینب کا کالج میں داخلہ کرا دیتیں مگر ان دنوں اماں کی خالہ زاد بہن اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آگئی۔ ابا نے تو صاف انکار کر دیا لیکن اماں کی یہی خواہش تھی کہ بیٹی کے ہاتھ پیلے کر دیے جائیں۔ اسکول میں ٹاپ اور پڑھائی کی اہمیت اپنی جگہ مگر بیٹی کے ہاتھ بھی تو پیلے کرنے ہی تھے اور جب اتنا اچھا رشتہ گھر چل کر آجائے لڑکے نے میٹرک کر رکھا تھا اور اس کی قریب ہی گاؤں میں کریانے کی دکان تھی اور پھر دیکھنے میں بھی خوش شکل اور خوش اطوار تھا پھر بھلا اور کیا چاہیے تھا مگر ابا کو کون سمجھاتا۔ وہ چاہتے تھے کہ زینب مزید تعلیم حاصل کرے' ابھی کون سا اس کی عمر نکلی جاتی ہے۔ ابا کا موقف بھی ٹھیک تھا۔

"ارے' وہ لوگ تو یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ زینب شادی کے بعد جتنا چاہے پڑھ لے۔"

اماں نے یقیناً" ابا کا موقف ان تک پہنچایا تھا۔ وہ لوگ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر زینب کی تعلیم پر انہیں کوئی اعتراض نہ تھا۔ ابا سوچ میں پڑ گئے اور کچھ وقت مانگ لیا۔ اماں کی مراد بر آنے والی تھی۔ ظاہر ہے وہ ماں تھیں' بچیاں جتنے بھی وظیفے اور ڈگریاں حاصل کر لیں' جب تک وہ باعزت طریقے سے اپنا گھر نہ بسالیں' ماؤں کو چین نہیں آتا۔ اور یہاں آکر شہری دیہاتی ماں کی تھیوری ایک ہو جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

زینب کچھ دنوں سے مضطرب نظر آرہی تھی۔

چاول چنتے ہوئے اماں نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر دیکھا تو ٹھٹک گئیں۔ گندمی رنگت بڑی بڑی آنکھیں اور درمیان سے مانگ نکالے بالوں کی چوٹی باندھے' وہ عام سے حلیے میں بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اماں نے نظروں ہی نظروں میں بلائیں لیں جبکہ زینب اماں کی نظروں سے خائف ہو کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

شام سیاہ رات میں مدغم ہو رہی تھی۔ دیواروں میں چھپے جھینگروں کی آوازیں عجیب سی سنسناہٹ پھیلا رہی تھیں۔ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے پھر سے تسلی کرنی چاہی کہ اماں گہری نیند سو رہی ہیں۔ ان کی بائیں طرف والی چارپائی پر خدیجہ لیٹی تھی۔ ابا مغرب کی نماز کے بعد اپنے دوستوں' یاروں کے پاس تھے۔ وہ مطمئن تھی' کنڈی کھول کر پردے کے پیچھے سے اس نے ہاتھ بڑھایا اور ساتھ ہی سرگوشی کے انداز میں تنبیہہ کی۔

"یہ لے جاؤ لیکن اپنی اماں کو نہ بتانا کچھ بھی' اب جلدی سے جاؤ۔" دروازے کے باہر کھڑے لڑکے نے ہاتھ بڑھا کر شاپر لیا اور چلا گیا۔ وہ آگے بڑھ کر دروازہ بند کرنے والی تھی' جب سامنے ابا کو دیکھ کر اس کے قدموں تلے زمین سرک گئی۔ اسے لگا' ابا بھی اسے بالوں سے پکڑیں گے اور زمین پر پٹخ دیں گے۔ مگر ابا... وہ کچھ کہے بغیر صحن میں بچھی چارپائیوں میں سے ایک کی طرف بڑھ گئے اور وہ مرے مرے قدموں سے کمرے کے اندر چلی گئی۔ ابا کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی' اس میں اس نے تو اپنی طرف سے بہت احتیاط سے سب کیا تھا مگر پھر بھی... گرم سال اس کے گالوں پر بہنے لگا۔ وہ بے بسی سے سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

اگلی صبح عجیب تھی۔ ابا نے اس کی طرف دیکھا تھا نہ کوئی بات کی تھی۔ اماں معمول کے مطابق نارمل موڈ میں تھیں۔ مگر شام کو واپسی پر ابا نے جو فیصلہ سنایا' وہ اس کی روح کھینچنے کو کافی تھا۔

"آپ نے اتنی جلدی فیصلہ کر لیا۔ مجھے تو لگا تھا' دو تین ہفتے تو کہیں نہیں گئے۔" اماں خوشی اور حیرانی کی ملی جلی کیفیت میں بول رہی تھیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"میں نے سوچا' دو چار ہفتوں بعد بھی یہی فیصلہ کرنا ہے تو ابھی کیوں نہیں' تو نکاح کی تیاری کر۔" ابا نے سادگی سے کہا مگر اماں ٹھٹک گئیں۔

"دیکھ تاج دین! تو نے کسی پریشانی میں تو یہ فیصلہ نہیں کیا۔" اماں نے فکر مندی سے پوچھا۔

"اری او نیک بخت! پریشانی والی کیا بات ہے۔ اللہ رحم کرے' مجھے بھی اپنی بیٹی کی خوشی عزیز ہے۔" اب کی بار ابا نے ذرا خوش نظر آنے کی کوشش کی۔

دوسری طرف زینب پریشانی سے نڈھال تھی۔ اسے ابا سے یہ توقع نہیں تھی۔ وہ ابا کو وضاحت دے سکتی تھی مگر ابا نے اس سے کوئی وضاحت مانگی ہو تب نا۔ اسے ابا کے فیصلے پر اعتراض نہ تھا مگر ابا کے فیصلے کے محرک پر اعتراض تھا۔ ابا کے کہنے پر وہ کسی اندھے لنگڑے سے بھی شادی کر لیتی ... مگر اس طرح سے نہیں ... خود کو ابا کی اور اپنی نظروں میں مجرم سمجھتے ہوئے تو ہرگز نہیں۔

زینب نے چاچی رشیدہ کی بڑی بیٹی کی شادی پر جو سوٹ پہنا تھا' وہ برا فٹ تھا اور تب ہی سے رانی کی اس پر نظر تھی۔ چند دن پہلے جب اماں رانی کے شگن کی مبارک باد دینے گئیں تو چاچی نے زینب کے اس سوٹ کی بابت پوچھا تھا اور اگلے ہی دن رانی کو لے کر اماں کے پاس آ پہنچیں کہ شادی پر پہننے کے لیے زینب کا وہ سوٹ ادھار مل جائے' اماں بہت حیران ہوئیں کہ اس بال بچوں والی کو زینب کا ماپ کیسے آئے گا۔ مگر چاچی کا خیال تھا کہ آج کل کھلے اور لمبے سوٹوں کا رواج ہے تو اسے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ قد کاٹھ میں بھی ان کی بیٹی زینب جتنی ہی تھی' اماں تذبذب کا شکار نظر آئیں تو انہوں نے یہ پیشکش دی کہ وہ آدھی قیمت پر سوٹ ان کی بیٹی کو ہی دے دیں ... اور اماں ... اول تو وہ یہ سوٹ دینے کو تیار نہ تھیں اور اگر راضی ہوتیں بھی تو چاچی رشیدہ جیسی عورت کو کبھی نہ دیتیں جن کا محلے بھر میں کوئی اعتبار نہ تھا۔ سو اماں نے دبے لفظوں میں انکار کر دیا۔ زینب کو پتا چلا تو اسے افسوس ہوا کہ اماں نے ایسے کیوں کیا۔

کچھ ہی دن گزرنے کے بعد رانی کا چھوٹا بھائی جو غالباً" کسی چھوٹے سے نجی اسکول میں جاتا تھا' زینب سے چھٹی جماعت کی کتابیں لینے آیا۔ اب کی بار بھی اماں نے یہی کہا کہ اگر کتابیں چاہئیں تو آدھی قیمت میں مل جائیں گی۔ زینب کو بے حد افسوس ہوا' کیوں کہ زینب کو ہر سال مفت کتابیں ملتی تھیں۔ اب کی بار زینب چپ نہ رہ سکی۔ اماں نجانے کیوں رشیدہ چاچی سے خائف تھیں۔ زینب کو یہی لگتا تھا' زینب یقیناً" اماں کی طرح چاچی کی فتنہ پرداز طبیعت سے ناواقف تھی۔

لہٰذا جب اماں ٹیپو (رانی کا چھوٹا بھائی) کو صاف انکار کر کے غسل خانے کی طرف بڑھ گئیں تو اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر اسے روکا اور کہا کہ وہ پرسوں شام کو آ کر کتابیں لے جائے مگر گھر میں کسی کو نہ بتائے۔ اسے ابا کا ڈر نہ تھا کہ انہیں تو وہ کسی طرح سمجھا ہی لیتی بس وہ خفا ہوتے کہ وہ اپنی ماں کو بتائے بغیر سب کر رہی ہے اور پرسوں شام وہی ہوا جو وہ نہیں چاہتی تھی۔ ابا گھر پر موجود نہ تھے مگر اچانک آ گئے اور انہوں نے یقیناً" اس کی باتیں بھی سن لی تھیں۔ اس نے تو ٹیپو کو خبردار کیا تھا کہ وہ چاچی کو نہ بتائے ورنہ وہ اماں سے آ کر ذکر ضرور کرتیں اور پھر اماں اس کی جو شامت بلاتیں وہ الگ ... مگر شامت تو اب بھی اس کی ہی آئی تھی۔ اسے افسوس تھا کہ ابا کو اس پر شک تھا۔ وہ اس پہ اعتبار نہ کرتے تھے تب ہی آنکھوں دیکھی' بلکہ ادھوری دیکھی سنی کو سچ سمجھ کر جلدی میں نکاح کر دیا تھا وہ افسوس نہ کرتی تو کیا کرتی۔

☆ ☆ ☆

"تاج دین! یہ صابر کی دو ہٹی (بیوی) ابھی کیا بکواس کر کے گئی ہے۔ بے شرموں کی طرح میری زینب پر کیا الزام لگا کر گئی ہے۔" ابھی کچھ دیر پہلے رشیدہ چاچی آئی تھی اور زینب کے بارے میں حد سے زیادہ بکواس کر کے گئی تھی' اماں کو حیران و پریشان چھوڑ کر۔

"تو اس کی باتوں میں نہ آ' میں نے دماغ ٹھکانے لگا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

دیا ہے۔ اب نہیں آئے گی ادھر جب تک معافی نہ مانگ لے۔" غصہ تو ابا کو بھی بہت تھا بلکہ ان حالات کا اندازہ تھا۔ جب ہی رشیدہ کو ٹھیک ٹھاک سنادی تھیں۔

"تب ہی میں کہوں' تجھے کیسے اتنی جلدی بیٹی کی شادی کا خیال آگیا۔ دال میں کچھ تو کالا ہوگا۔ ہم نے تو زینب کی تربیت ایسی نہیں کی تھی۔ اس کے سسرال والے کیا سوچتے ہوں گے ایسی ہنگامی شادی کرنے پر۔" اماں یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں تھیں۔

"او' کچھ سوچ سمجھ کر بولا کر' تیری بیٹی ہے وہ' تجھے نہیں پتا اس فسلی (فسادی) عورت کا۔ ہماری زینب کبھی کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کر سکتی۔" ابا پر یقین لہجے میں بولے تھے اور کمرے کے دروازے کے پار کھڑی زینب کے دل سے منوں بوجھ اُترا تھا۔

وہ اپنے کالج میں داخلے کی خبر اماں کو سنانے آئی تھی۔ ماجد کے کہنے پر ہی اسے آنا پڑا ورنہ ابا کی بے اعتباری نے تو پرھائی کی طرف سے اس کا دل برا کر دیا تھا' اس کا شوہر کچھ۔ دیر پہلے ہی اسے یہاں چھوڑ گیا تھا مگر اماں ابا اس کی آمد سے بے خبر اپنی بحث میں پڑے ہوئے تھے۔

"ابا!" وہ جھٹ سے ابا کے سینے سے جا لگی۔ اماں پھر سے اس صورت حال پر پریشان ہو گئیں۔

"آپ نے مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا' آپ کو اندازہ نہیں میں کتنی پریشان تھی اور پھر آپ نے اس طرح سے کیوں میری شادی کر دی؟" آنسو پیتے ہوئے اس نے ابا سے شکوہ کیا۔

"نہ میری بیٹی! ایسی بات نہ کر۔ صابر کا لڑکا تو پہلے ہی میرے پاس آیا تھا' میں نے اسے کہا تھا کہ زینب باجی سے پوچھ لے کتابوں کا جا کر' پتر! میں نے تجھے کچھ کہا تھا بھلا؟" ابا اب اطمینان سے ساری کہانی سنا رہے تھے۔

"اور جہاں تک بات ہے ہنگامی شادی کرنے کی تو بہت ضروری تھا یہ' اس رشیدہ نے اپنے خاوند سے اپنے بیٹے کے لیے زینب کے رشتے کی بات بھی کہلوائی تھی میرے پاس اور اس شام میرے آنے سے پہلے رشیدہ ہمارے دروازے پہ پہنچی ہوئی تھی' بیٹا! تیری بھی تو غلطی تھی نا کہ تو نے شام ویلے اسے کتابیں لے جانے کا کہا۔" انہوں نے زینب کی غلطی کی بھی نشاندہی کی تو' زینب شرمندگی سے سر جھکا گئی۔

"مجھے پتا تھا اس نے اپنے بندے (شوہر) کو پٹیاں پڑھا کر پورے جگ میں تماشا لگانا تھا' ہمارے خلاف الٹی سیدھی باتیں پھیلا کر۔ اور اب دیکھ بھیجے ہی زینب کے نکاح خبر ملی فوراً آگئی وہ فساد مچانے۔"

"بھلا تم لوگ مجھے بھی بتا دیتے میں معاملے کو دیکھ لیتی۔" اماں کو اپنی بے خبری کا دکھ ہوا۔

"او چل چھڈ دی دے' کھے (مٹی) پاہن ساری گل تے' زینب دھیے خوش تو ہے نا' میں نے کہیں زیادہ جلدی بازی میں کوئی غلطی تو نہیں کر دی۔" ابا کو یکدم زینب کی فکر ہوئی۔

"نہیں ابا مجھے پہلے بھی آپ دونوں کے کسی فیصلے پر اعتراض تھا نہ اب ہے میں بہت خوش ہوں اور یہی تو بتانے آئی تھی کہ ماجد نے میرا کالج میں داخلہ بھیج دیا ہے۔"

"شکر ہے میرے رب دا' اس نے ہم غریبوں کی لاج رکھ لی۔" ابا بہت خوش ہوئے تھے۔ اماں نے بھی بیٹی کو گلے لگا لیا۔

"اماں! خدیجہ نظر نہیں آرہی۔" زینب کو یکدم اس کی کمی محسوس ہوئی۔ "اسکول گئی ہے' تو اپنے آنے کا بتا دیتی تو میں چھٹی کروا دیتی اس کی آج۔"

"نہیں کوئی بات نہیں میں شام تک یہیں ہوں' مجھے تو یہ ڈر تھا کہیں میری وجہ سے آپ لوگ خدیجہ کا اسکول نہ چھڑوا دیں۔"

"نہیں دھیے آئندہ ایسی بات سوچنی بھی نہیں ہے۔ تم دونوں تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ تم لوگوں پہ کیوں بے اعتباری کرنی' مجھے اپنی تربیت پہ کوئی شک نہیں۔" زینب کھلے دل سے مسکرائی تھی اور اماں ابا نے بھی مسکراہٹ میں اس کا ساتھ دیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

تقسیم ہند کے فسادات میں گوجرانوالہ کے رہائشی تیرہ سالہ برکت اللہ کے تمام گھر والے کام آگئے تھے۔ صرف اس کی ماں اور وہ بچ گئے۔

ان ہی دنوں لکھنؤ کے نواب خاندان کی ایک بیگم، اپنے وفادار کوچوان اسمٰعیل کی مدد سے اپنے کم سن بیٹے کے ساتھ جان بچا کر برکت اللہ کے گاؤں پہنچیں۔ جہاں برکت اللہ کی ماں نے انہیں پناہ دی۔ دونوں خواتین اور ان کے بچوں میں دوستی ہو گئی۔ دونوں نے اپنے بچوں کی شادیاں بھی ایک ہی خاندان میں کیں۔ برکت اللہ کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ نواب حسنین خان کے دو بچے عائشہ اور شارق تھے۔ عائشہ اور جمال ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، مگر نواب حسنین خان نے نوابی کے زعم میں برکت اللہ کے بیٹے کا رشتہ ٹھکرا کر انڈیا میں مقیم اپنے رشتہ دار نواب تبرک حسن خان کے انتہائی مال دار گھرانے میں عائشہ کی شادی کر دی۔

انڈیا سے بارات آئی تو دولہا اس میں شامل نہیں تھا۔ بتایا گیا وہ بیمار ہے۔ نکاح لڑکی کو انڈیا لے جا کر کیا گیا۔ عائشہ کا شوہر نیم پاگل تھا جس کا علم نواب صاحب کو نہ ہو سکا۔ عائشہ پاگل شوہر کا تشدد برداشت نہ کر سکی اور ایک بچے کو جنم دے کر چل بسی۔ جسے چھپایا گیا۔ جب حسنین خان بیٹی سے ملنے انڈیا پہنچے تب انہیں پتا چلا۔ کوچوان اسمٰعیل نے جان پر کھیل کر نواب صاحب کا نواسا ان تک پہنچا دیا۔ نواب تبرک حسن خان دیوانہ وار پوتے کو ڈھونڈتے رہے، مگر ناکام رہے۔ نواب صاحب نے برکت اللہ سے دوبارہ دوستی قائم کرنے کی غرض سے اپنے بیٹے کا رشتہ اس کی بیٹی سے طے کر دیا، مگر اس بار بیٹے نے انکار کر دیا۔ یوں بچپن ادھیڑ عمری تک کی دوستی سرد جنگ میں بدل گئی۔ البتہ دونوں گھرانوں میں تعلقات بحال رہے۔ نواب صاحب کا بیٹا ایک فضائی حادثے میں اپنی بیوی اور بچے سمیت ہلاک ہو گیا۔

نواب صاحب گاؤں کا گھر چھوڑ کر ایک کالونی میں آبسے جہاں کچھ عرصے بعد اتفاق سے برکت اللہ بھی ان کے ہمسائے بن کر آ گئے۔ دونوں بزرگوں کی سرد جنگ سے پوری کالونی واقف تھی۔ برکت اللہ کی پوتی حرم اور نواب صاحب کے نواسے احرار نے دونوں بزرگوں کی دوستی پھر سے کرانے کی ٹھانی۔ حرم اور احرار دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔

اُم طیفور

۲
دوسری اور آخری قسط

پیا ملن کی رُت

DOWNLOADED ... SOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ان ہی سوچوں میں غرق اپنے بستر میں لیٹے لیٹے اس نے ساڑھے نو کردیے تھے اور ابھی بھی اس کا لحاف سے نکلنے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا... ایک گہری بوجھل سانس اندر کھینچتے ہوئے اس نے کروٹ بدلی تو کانوں میں ہلکے ہلکے شور کی آواز آئی جو رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے

یہ اعلان کر رہا تھا کہ باہر فوزیہ پھوپھو——— آ چکی ہیں۔ سب کے ملنے ملانے کی آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں... ایک دھیمی سی مسکان نے اس کے ہونٹوں کو چھوا... اس وقت فوزیہ پھوپھو کا آنا اسے اچھا لگا تھا... دل پر جو ایک بے نام سی اداسی طاری تھی وہ ضرور چھٹتی محسوس ہوئی تھی۔ وہ سستی جھاڑتی الماری میں سے کپڑے نکال کر واش روم میں جا گھسی۔

✸ ✸ ✸

باہر بڑے سے صحن میں وہ قیامت کا شور مچا ہوا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی... ہر کوئی اپنی بین بجائے جا رہا تھا... فوزیہ پھوپھو پورے چھ ماہ بعد آئی تھیں اس دفعہ... اور اس دفعہ پورے چھ بچے ان کے ہمراہ تھے... بیس سالہ بیٹی سے لے کر سب سے چھوٹے پانچ سالہ بیٹے تک سب کے سب ایک لائن میں پھوپھو کے شانہ بشانہ کھڑے تھے۔ ایک طرف چار فل سائز سوٹ کیس دھرے تھے جو پھٹنے کے قریب تھے... پھوپھو کی عادت تھی کہ چاہے پندرہ دن رکنا ہوتا' سامان وہ مہینے کا باندھ کر لاتی تھیں۔

اس دفعہ بھی ایسا ہی ہونے والا تھا' مگر فی الحال تو وہ پورے جوش و خروش سے باری باری گھر کے ایک ایک فرد سے گلے مل رہی تھیں... بھابھیوں سے ملنے کے بعد جب وہ بے جی کے گلے لگیں تو فرط جذبات سے رو دیں... پہلے ذرا دھیمے سروں میں اور پھر تان اونچی ہوتی چلی گئی... بے جی کی بھی آنکھیں بھر آئیں... آخر بیٹی اتنے ماہ بعد آئی تھی' مگر فوزیہ پھوپھو کا سیشن ابھی پورا نہیں ہوا تھا... وہ عید ملنے کے انداز میں پہلے بے جی کے داہنے کندھے پر سر رکھ کر روتیں... دو جھٹکے کھاتیں اور پھر بائیں کاندھے پر سر دے مارتیں... بے جی بے چاری ان کا سر ناک پر لگنے کے ڈر سے ناک کی سیدھ میں دیکھے جا رہی تھیں...

DOWNLOAD ... OM

Downloaded from Paksociety.com

جب تیسری سے چوتھی مرتبہ پھوپھو کا سر بے جی کے دائیں کاندھے پہ پڑا تو انہوں نے پھوپھو کی گدی پر ایک ہلکا ہاتھ جمایا اور بولیں۔

"اے مونڈھا تیرے پیو دا اے جنوں تروڑن لگی ہوئی ایں۔۔۔ پھوزی!" (یہ کندھا تمہارے باپ کا ہے جس کو توڑنے لگی ہوئی ہو۔۔۔ فوزیہ)

"بے جی۔۔۔! فوزیہ کال کیا کریں"۔۔۔ بچے گرو (بڑے) ہوگئے ہیں۔" پھوپھو کا نام بچپن سے گھر والوں نے بگاڑ کر پھوزی کر دیا تھا اور اب تک یہ نام باقی سب کے منہ سے تو اتر گیا تھا مگر بے جی اور میاں جی آج بھی اسی نام سے تے تھے۔ جو فوزیہ پھوپھو کو تیر کی طرح لگتا۔ ابھی بھی برا مانتے ہوئے بے جی کو جتایا۔

فوزیہ پھوپھو جذبات پر قابو پاتے ہوئے وہیں دھپ سے بے جی کے پلنگ پر براجمان ہوئیں تو باقی افراد بھی کرسیاں گھسیٹ کر ارد گرد ہی بیٹھ گئے۔ بچوں کا ٹولا صحن کے دوسری طرف دھما چوکڑی مچانے میں مشغول ہوگیا۔

فوزیہ پھوپھو کی سب سے بڑی بیٹی قندیل عرف کینڈی بھی قدرے نزاکت کے ساتھ ماں کے ساتھ ٹانگ پر ٹانگ دھر کر بیٹھ چکی تھی۔ فوزیہ پھوپھو نے پورے انہماک سے کینڈی کی فیس کا پرنٹ تاڑتی بیگم جمال کے گھٹنے پر زوردار دھپ رسید کی تو پرنٹ میں کبھی ان کی "آنکھیں" گرتے گرتے بچیں۔۔۔ بے چاری بوکھلا کے نند کا منہ دیکھنے لگیں۔

"اللہ۔۔۔! بھابھی! میں کیا ٹیل کروں کہ میں کتنا ریمیمبر کرتی ہوں آپ سب کو۔"

فوزیہ پھوپھو کی بات پر ارد گرد بیٹھے سب ہی افراد کے منہ سے نا سمجھی والا "ہیں" یوں نکلا تھا جیسے انڈین ڈراموں میں ایک چھینک مارنے کے بعد دو منٹ تک دھن دھنا دھن ہوتی رہتی ہے۔

"ہیں نی پھوزی۔۔۔ اے کی بولی ایں تو۔۔۔؟" بے جی نے ابرو اچکا کر فوراً سوال کیا۔ جواب کینڈی کی طرف سے آیا۔

"وہ۔۔۔ اصل میں امی کے کہنے کا مطلب ہے کہ وہ بتا نہیں سکتیں کہ وہ آپ سب کو کتنا یاد کرتی ہیں۔"

"واہ جی واہ۔۔۔" بیگم جمال اور بیگم اجمل نے فوراً" مرعوب ہو کر سر دھنے تھے۔۔۔ آٹھویں پاس پھوزی نے کتنے اسٹائل سے فقرے میں انگریزی کے تروپے (ٹانکے) لگائے تھے۔۔۔ ان کے خود کے بچے انتا پڑھ لکھ گئے تھے پر وہ ایسا کمال کبھی نہیں دکھلپائی تھیں۔

بے جی نے ناک چڑھا کر بیٹی کو گھورا اور منہ ہی منہ میں بدبدائیں۔۔۔

"باکل دی پتر۔۔۔" اب بھلا بہوؤں کے سامنے بیٹی کو کیا ٹوکتیں۔۔۔ البتہ میاں جی نے حقہ گھسیٹ کر قریب کیا اور ایک بھرپور کش لے کر فخر سے بیٹی کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"اے میری دھی شروع توں ہی لیق (لائق) سی۔۔۔"

میاں جی کی کھانسی سے مشابہ ہنسی نے باقی سب کو بھی ہنسا دیا بشمول کینڈی کے۔۔۔ جس کو پھوپھو نے کھسیاتے ہوئے ٹھوکا مار کر بتیسی اندر کروائی۔۔۔ بے جی نے میاں جی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں گھر کا تو ان کی ہنسی کے انجن کو بریک لگا۔۔۔ بے جی نے مسکراہٹ دباتے ہوئے بیٹی کو پچکارا۔

میری بچی۔۔۔ ہم بھی تمہیں بہت یاد کرتے تھے۔۔۔ چل چھوڑ ساری باتیں۔۔۔ مجھے یہ بتا کہ تجھے انگریزی کا ٹیکہ کس نے لگا دیا یا اپنی کینیڈا والی نند کا جوٹھا کھالیا ہے۔

"اونو بے جی۔۔۔ ابھی میں نے ڈیڈ نہیں ہونا جو نند کا جوٹھا ایٹ کروں۔۔۔ اصل میں مسٹر ارشد (شوہر) نے کینیڈا شفٹ ہونے کا پروگرام بنایا ہے۔۔۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے خود سیٹ ہو جائیں تو پھر ہم سب کو بھی بلا لیں گے۔۔۔ اس لیے اب ہم سب ہوم میں ہی انگریزی اسپیک کرنے کی پریکٹس شریکٹس کرتے ہیں۔۔۔ یہ اپنی کینڈی تو اتنی پریٹی (پیاری) انگلش بولتی ہے کہ۔۔۔ بس! ابھی ادھر آئے ہوئے ایک ڈنکی کا روالا (گدھا گاڑی) ہماری چنگ چی کے فرنٹ میں آگیا ایک دم۔۔۔ اس سے پہلے کہ چنگ چی والا اور ڈنکی کا روالا آپس

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

میں فائٹ کرتے۔۔۔ میری کینڈی نے دونوں ہینڈز اٹھا کر اتنے اسٹائل سے بولا۔۔۔ "اسٹاپ۔۔۔ اینڈ گو ٹو ہیل۔۔۔!"

اللہ۔۔۔! کچھ نہ پوچھیں بے جی۔۔۔ میاں جی! کیسے سب نے ٹرن ٹرن (مڑ مڑ) کر میری کینڈی کو دیکھا۔

فوزیہ پھوپھو نے بے حد فخر اور لاڈ سے پاس بیٹھی۔۔۔ اٹھلاتی اور انگلی پر بالوں کی لٹ کا کنڈل بناتی کینڈی کی ٹھوڑی کو چھوا تھا۔ ہونق سی مرعوبیت ہنوز بیگم جمال اور اجمل کے چہروں پر چھائی تھی جب کہ بے جی نے فوزیہ پھوپھو کو بغور سر سے پیر تک دیکھا اور میاں جی سے بڑی معصومیت سے سوال کیا۔

"میں نے کہا جی۔۔۔! یہ ڈنکی کار کیٹری ہے۔"

"کھوتا ریڑھی۔۔۔" میاں جی نے بڑی متانت سے ایک ابرو اچکا کر۔۔۔ حقے کی نے منہ میں دبا کر اور دھیمے دھیمے گردن ہلا کر جواب دیا تھا۔ بے جی نے ناک چڑھا کر "ہیں" والی شکل بنائی اور فوزیہ پھوپھو کا ایک بار پھر سر سے پیر تک جائزہ لیا اور لہجے کو سرسری بناتے ہوئے بولیں۔

"ہیں نی پھوزی۔۔۔! تو کنے دن رہنا اے۔۔۔؟"

"ون منتھ یعنی ایک ماہ۔۔۔!" فوزیہ پھوپھو نے لاپروائی سے جواب دیا اور برآمدے کی سیڑھیاں اترتی حرم کو دیکھ کر جھٹ اٹھ کر اس کی طرف بڑھ گئیں۔۔۔ بے جی نے ایک لمبا اور ٹھنڈا سانس فضا میں چھوڑا جب کہ میاں جی نے انہیں مزہ لیتی نظروں سے دیکھا اور امڈ امڈ کر آتی ہنسی کو حقے کی نے تلے دبائے اسے زور زور سے گڑگڑانے لگے۔۔۔ دونوں بھابھیاں "مریدوں" سی شکل لیے نند کے کھانے پینے کا خصوصی انتظام کرنے کچن میں جا گھسی تھیں۔

☆ ☆ ☆

دوپہر کا کھانا کھا کر سب تسلی سے بیٹھے تھے۔ لاؤنج میں ہی محفل جمی تھی۔۔۔ فوزیہ پھوپھو کی وجہ سے گھر کے سب مرد بھی کھانے کے وقت موجود تھے۔۔۔ جمال اور اجمل صاحب بھی بہن کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے تھے۔۔۔ فوزیہ پھوپھو نے ان دونوں کے گلے لگ کر بھی آنسو بہانے کی کوشش کی تھی، مگر تھوڑی دیر پہلے تو ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں تو اب ایک دم سے آنسو کہاں سے دیدار کرواتے۔۔۔ لہٰذا دو چار سسکیاں بھر لینے پر اکتفا کیا۔ کھانے پر خاصا اہتمام تھا۔۔۔ چپلی کباب جو پھوپھو کو بے حد مرغوب تھے وہ بطور خاص بھابھیوں نے بڑی محبت سے نند کے لیے بنائے تھے۔۔۔ اس کے علاوہ نرگسی کوفتے بھی مینو کا خاص آئٹم تھے۔

میاں جی دوپہر کو کھانا نہیں کھاتے تھے۔۔۔ گرمیوں میں لسی اور سردیوں میں گرم گرم دودھ پیتے تھے۔۔۔ خوب سیر ہو کر۔۔۔ اب جو کھانا شروع ہوا تو باقی سب تو فرشی دسترخوان کے گرد بیٹھے تھے جب کہ میاں جی پیچھے صوفے پر۔۔۔ شومئی قسمت فوزیہ پھوپھو ان کے بے حد قریب تھیں۔۔۔ ایک کباب ان کی بھری ہوئی پلیٹ سے اٹھالیا۔۔۔ ایک کوفتہ بھی اچک لیا۔۔۔ فوزیہ پھوپھو کن انکھیوں سے دیکھتیں۔۔۔ اپنے ایک کباب اور کوفتے پہ صبر کرتی۔۔۔ ذرا سا رخ موڑ کر دوسری طرف بیٹھی، ادریس بھائی کی بیوی ثوبیہ سے باتیں مٹھارنے لگیں۔۔۔ اس دفعہ وہ الرٹ تھیں۔۔۔ جیسے ہی میاں جی نے ایک لمبی سی ڈکار لے کر ان کی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو پھوپھو نے لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر پلیٹ ان کی پہنچ سے دور کر دی۔

"کیا میاں جی۔۔۔! نو۔۔۔ نو بولتے ہوئے بھی آپ ماشاء اللہ سے کتنے ہی کباب اور کوفتے لپیٹ گئے۔۔۔ اور پوچھنے پر آپ بولیں گے کہ میں لنچ تو ٹیک کرتا ہی نہیں۔۔۔ اب یہ میرا فائنل (آخری) کباب اور کوفتہ ہے۔۔۔ ان پر تو آپ لک بھی نہ ڈالیں۔۔۔" فوزیہ پھوپھو نے دوپٹے کی آڑ دے کر اپنی پلیٹ کو محفوظ کیا تھا۔

"او پاغلے۔۔۔! میں نے تو تیرا ہی بھلا کیا ہے۔۔۔ شیدائین نہ ہووے تے۔۔۔ یہ کباب اور کوفتے وڈے کے قیمے کے ہیں اور تو رہنے والی اچھرے کی۔۔۔ تم لوگ عادی ہو "کھوتے" کھانے کے۔۔۔ گائے کا قیمہ کھا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کر کہیں تیرا (سانس) اوکھا نہ ہوجائے" میاں جی چڑاتی ہوئی نظروں سے بیٹی کو دیکھ کر بولے۔

فوزیہ پھوپھو خشمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھے گئیں۔۔۔ پھر بے جی کو متوجہ کرتے ہوئے بولیں۔

"لک کریں بے جی۔۔۔ کیسے میاں جی ہم "لاہوریز" کو باتیں سنا رہے ہیں۔۔۔ امپورٹنٹ (لازمی) تو نہیں نا کہ پورے لاہور نے ڈنگی کھائے ہوں۔"

بے جی نے نوالہ نگل کر پانی کا گھونٹ بھرا اور پرسوچ انداز میں فوزیہ پھوپھو کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ویسے پھوزی۔۔۔ پچھلی واری اسی جب تیرے گھر آئے تھے لاہور۔۔۔ تیرے شہر دا پتا۔ لیئن واسطے اس ویلے تیرا کھسم عجیب کھوتیاں والیاں حرکتاں کرتا تھا۔۔۔ چھلانک مار کر کبھی اندر تے کبھی باہر۔۔۔ ہنستا تھا تو بچارے کے گلے سے کھوتے کی آوازیں آتی تھیں۔"

بے جی کی بات پر گھر کے سب ہی افراد کھلکھلا کر ہنس دیے۔۔۔ وہ سب ایسی صورت حال کے عادی تھے اس لیے انجوائے کر رہے تھے۔

بیگم جمال نے ایک کباب اٹھا کر اور بیگم اجمل نے ایک نرگسی کوفتہ اٹھا کر فٹافٹ روٹھی روٹھی سی فوزیہ پھوپھو کی پلیٹ میں رکھ کر "مریدی" کا فرض نبھایا۔۔۔ فوزیہ پھوپھو نے بھی اتراتے ہوئے "نذرانہ" قبول کیا اور چہرہ بھی کھل اٹھا۔

ان تمام ہنستے مسکراتے چہروں میں واحد حرم تھی جو پر تفکر چہرہ لیے جلدی جلدی نوالے نگل رہی تھی۔۔۔ اس نے ایک نظر اٹھا کر عمیس کو دیکھا، مگر وہ کمینہ پن دکھاتے ہوئے مسلسل کینڈی کو دیکھ رہا تھا اور کینڈی پلیٹ دسترخوان سے اٹھا کر ہاتھ میں تھامے ہوئے بھی اور کانٹے سے نرگسی کوفتے کو کبھی ادھر لڑھکاتی تو کبھی ادھر۔۔۔ ایک بے نیازی نگاہ گاہے بگاہے عمیس پر بھی ڈالتی تھی۔۔۔ ایسی ہی ایک "دست" نظر میں کوفتے کو ذرا زور کی "دشاٹ" لگ گئی اور وہ بے شرم پلیٹ کی باؤنڈری وال کراس کرتا پھدکتا ہوا۔۔۔ کب سے یتیموں کی طرح پڑے "آلو گوشت" کے سالن میں سوئمنگ کرنے کی غرض سے کود پڑا۔۔۔ "ہا۔۔۔ اوہ۔۔۔ ہائے۔۔۔!" کی آوازیں بلند ہوئیں۔۔۔ ارد گرد بیٹھے کافی لوگ شوربے سے فیض یاب ہوئے تھے اور اب سب کینڈی کو فوکس کیے ہوئے تھے وہ بے چاری ہونق بنی کبھی ہاتھ میں تھامے کانٹے کو دیکھتی تو کبھی کوفتے کو۔۔۔ ساری شوخی "شوربے" میں ڈوب کے مر گئی تھی۔

حرم نے موقع غنیمت جان کر پاس پڑا چمچہ ناک کے عمیس کے گھٹنے پر مارا۔۔۔ وہ بے چارہ کینڈی کو بھول کر "گوڈا" پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔۔۔ حرم کو قدرے غصے سے گھورا تو اس نے جھٹ سے کوئی اشارہ دیا جسے عمیس نے سمجھ کر پہلے تو ناک بھوں چڑھائی۔۔۔ اس کے بعد انگوٹھا دکھا کر "ڈن" کا سگنل دے دیا۔۔۔ حرم چپکے سے اٹھی اور لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

✡ ✡ ✡

چھت پر ٹہل ٹہل کر اس کی ٹانگیں جواب دے رہی تھیں مگر ابھی تک احرار اپنی چھت پر نہیں آیا تھا۔۔۔ اب اس کا تفکر طیش میں بدلتا جا رہا تھا۔۔۔ اسے یقین تھا کہ اگلے پانچ منٹ تک اگر وہ نہیں آیا تو مارے غصے کے اس کا سر پھاڑ ڈالے گی۔

پہلے ہی کم پریشانی تھی جو رہی سہی کسر فوزیہ پھوپھو کی آمد نے پوری کر دی تھی۔۔۔ ان کا آنا وہ معمول کے مطابق سمجھی تھی مگر آج جس وقت وہ فریش ہو کر فوزیہ پھوپھو سے ملنے صحن میں گئی تھی۔۔۔ انہوں نے اس کے گال چوم چوم گھسا ڈالے تھے۔۔۔ اسے اچنبھا ہوا تھا۔ اتنی دلاری تو وہ پھوپھو کی کبھی بھی نہیں رہی تھی اور پھر کینڈی نے گلے لگتے ہوئے چند سیکنڈز میں جو کچھ اس کے کان میں انڈیلا۔۔۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔۔۔ فوزیہ پھوپھو اپنے جیٹھ کے بیٹے کا رشتہ لائی تھیں۔۔۔ وہ بھی پوری تیاری کے ساتھ۔۔۔ ان کے قیام کے دوسرے ہفتے میں ان کے جیٹھ اور جیٹھانی باقاعدہ رشتہ لانے والے تھے۔۔۔ تب سے وہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

احرار سے بات کرنے کا موقع ڈھونڈ رہی تھی۔۔۔ یہ بات سیل فون پر کرنے والی نہیں تھی۔۔۔ وہ اس سے دوبدو اور دوٹوک بات کرنا چاہتی تھی۔

اور اب آدھا گھنٹہ بیت گیا تھا اسے احرار کے انتظار میں، مگر وہ بھی آج اس کا صبر آزمانے پر تلا تھا۔۔۔

اتنی دیر تک وہ "گمشدہ" بھی نہیں رہ سکتی تھی۔۔۔ اس کی ڈھنڈیا پڑ جانی تھی۔۔۔ بے بسی سے ہونٹ کاٹتی وہ اب واپس ہونے کو تھی جب ساتھ والی چھت پر مانوس آہٹ نے اس کی دھڑکنوں کو تیز کردیا۔۔۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے اچک کر دیکھنے کی کوشش کی۔۔۔ دیوار کے پار پہلے احرار کا خوب صورت بالوں سے بھرا سر نمودار ہوا۔۔۔ پھر وہ خود سالم کا سالم بڑی مہارت اور پھرتی سے دیوار پھاند کر اس پار کود گیا تھا۔۔۔ اس کی گہری سبز آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔۔۔ نیوی بلیو ٹی شرٹ کے ساتھ گرے جینز پہنے۔۔۔ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر گھڑی کا اسٹریپ بند کرتا وہ بے نیازی سے چلتا اس کے قریب آرہا تھا۔۔۔ حرم کو اپنا دل بے اختیار ہوتا محسوس ہوا۔۔۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔۔۔ احرار کے شوخی سے کھنکھارنے پر اس کا فسوں ٹوٹا اور اسے یاد آیا کہ وہ تو ناراض تھی۔۔۔ فوراً منہ پھلا کر رخ پھیر لیا۔

"کیا ہوا جان من۔۔۔! ناراض ہو۔۔۔؟" انداز صاف چڑانے والا تھا اور وہ واقعی چڑ گئی تھی۔

"بکواس نہیں کرو۔۔۔ ہزار دفعہ کہا ہے کہ مجھے اس طرح کے گھٹیا ناموں سے مت بلایا کرو۔۔۔ چیپ لگتا ہے۔" دھڑکتے دل کو سنبھال کر وہ قدرے ڈپٹ کر بولی۔

"اچھا۔۔۔! کیا حال ہے موٹی۔۔۔؟ اب ٹھیک ہے۔۔۔؟" سر کو کھجاتے ہوئے وہ اس سے بڑی معصومیت سے سوال کر رہا تھا۔

"کیا کہا۔۔۔ موٹی۔۔۔! میں اور موٹی۔۔۔!" حرم نے ایک نگاہ بے یقین اپنے سراپے پر ڈالی اور آنکھیں پھاڑتے ہوئے جارحانہ انداز میں اس سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ تم نہیں۔۔۔ تمہارے پیچھے تمہاری کزن کھڑی ہے۔۔۔ اس کو بولا۔۔۔" وہ حرم کے عقب میں دیکھتے ہوئے بھرپور سنجیدگی سے بولا۔۔۔ وہ بے چاری بری طرح گھبرا کر پلٹی، مگر پیچھے کوئی ہوتا تو دکھائی دیتا۔۔۔ حرم خفا سی سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگی تھی جب احرار نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی تھام کر روکا تھا۔

"ناراض ہو کر جارہی ہو۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ میں بھلا کیوں ناراض ہونے لگی۔۔۔ حالات کسی بھی نہج پر چلے جائیں۔۔۔ ناراضی کیسی۔۔۔! آدھے گھنٹے سے خوار ہو رہی ہوں چھت پر۔۔۔ مگر تمہیں پروا ہی نہیں۔۔۔ ناراضی کیسی؟ گھر میں پھوپھو میرا رشتہ لے کر پہنچ گئی ہیں۔۔۔ منظور ہو گیا تو کیا۔۔۔؟ ناراضی کیسی۔۔۔؟" وہ روہانسی ہوئی بولے چلی گئی۔۔۔ پھر ہاتھ چھڑا کر وہیں ماربل کے بینچ پر ٹک گئی۔۔۔ آنکھوں میں نمی تھی۔۔۔ جنہیں وہ پلکیں جھپک جھپک کر چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ احرار بے چین سا ہو کر اس کے قریب **گھٹنوں** کے بل بیٹھ گیا اور بولا۔

"اچھا سوری۔۔۔ قسم سے مجھے نہیں معلوم تھا کہ مسئلہ اتنا گمبھیر ہے۔۔۔ اور جہاں تک چھت پر دیر سے آنے کا تعلق ہے تو مجھے ابھی ابھی تو **عمیس** نے تمہارا پیغام دیا ہے۔۔۔ جیسے ہی اس نے مجھے بتایا میں سب کام چھوڑ چھاڑ اوپر چلا آیا۔۔۔"

"یہ عمیس بھی نا۔۔۔ ایک نمبر کا کمینہ ہے۔۔۔ اور آج تو اس کا دماغ صبح سے ٹھکانے نہیں ہے۔۔۔ پھوپھو فوزیہ کی کینڈی کو پٹانے میں لگا ہے۔۔۔ گدھا کہیں کا۔۔۔!" وہ غصے سے ہاتھ کا مکا بنا کر بینچ پر مارتے ہوئے بولی۔

"کہیں کا نہیں۔۔۔ یہیں کا۔۔۔ میں نے ایسا گدھا کسی اور کے پاس نہیں دیکھا۔۔۔ قسم کھا کر کہتا ہوں۔۔۔" احرار نے شرارت سے ہنستے ہو کہا، مگر جواباً حرم مسکرا بھی نہ سکی۔

"کیوں اتنی ٹینشن لے رہی ہو۔۔۔؟ ابھی صرف رشتہ آیا ہے۔۔۔ منظور تو نہیں ہو گیا نا۔۔۔ رشتے تو آتے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ہی ہیں... یہ کوئی ایسی انہونی تو نہیں... پریشانی والی بات تو تب ہے نا' جب کوئی رشتہ طے ہو گیا..." وہ اسے رسان سے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"تو کیا تم رشتہ طے ہونے کا انتظار کر رہے ہو...؟ اس کے بعد ہلہ بولو گے کیا...؟ کیا بات ہے جناب نواب زادہ احرار حسن خان کی..." وہ اس کی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے... چیخ کر بولی۔

"میں تمہارا رشتہ کہیں ہونے دوں گا... تب نا...!"

"اچھا جی...! کیا کریں گے آپ...؟ بڑھکیں مارتے ہوئے شادی رکوانے پہنچ جائیں گے یا میرے نادیدہ منگیتر کا مرڈر کرائیں گے... اونہہ... آئے بڑے...!"

"استغفراللہ......! تم نے مجھے موالی سمجھ رکھا ہے یا کسی علاقے کا بھائی... جو ایسے گھٹیا کام کروں گا... بے وقوف...!" وہ اسے عورت کہتا کہتا زبان دانتوں تلے دبا گیا... اسے اپنے خوب صورت بال بے حد عزیز تھے جو نچوانے کا اس کا ارادہ ہرگز نہیں تھا... اس نے ایک اچٹتی نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی جو کالے اور سبز امتزاج کے لباس میں دل میں اتری جا رہی تھی... سورج کی روشنی ایک رخ سے اس کے چہرے کو چھو رہی تھی اور ناک میں پہنی باریک سی لونگ کا سنہری نگینہ ساری تپش خود میں جذب کیے اس کے چہرے پر گلال کی صورت بکھیر رہا تھا... اس نے جلدی سے نظر ہٹائی اور گلا صاف کرنے کے بعد بولا۔

"میرا یقین کرو حرم... تم اگر میرے نصیب کی زنجیر سے بندھی ہو تو اس کڑی کو کوئی نہیں توڑ سکتا... سب کچھ بھی ہو' تمہیں میرے ہی پاس آنا ہے... ٹانگ ٹوٹیاں مارنے کا کوئی فائدہ نہیں... لہٰذا..." اس نے ایک پیار بھری چپت حرم کے سر پر رسید کی۔

"اب تم چل Chill کرو اور بل مجھے بھیج دو... آخر میں نے بھی کنچے کھیل رکھے ہیں بچپن میں... نشانہ میرا بھی خاصا منجھا ہوا ہے... میرے بھی پیادے تمہارے گھر میں ڈیرے ڈالے بیٹھے ہیں... بس وقت کا انتظار کرو اور فی الحال اسے داؤ کھیل لینے دو..." حرم بے حد مطمئن سی ہو لے سے مسکرا دی اور ایسے میں اس کی ناک کی لونگ سے پھوٹنے والی روشنی نے ایک بار پھر اس کا چہرہ جگمگا دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"یہ... مارا...! ہاہاہا...! مان لیجیے آپ اب ہمیں... دوسری بار آپ کا بادشاہ مار گرایا ہے۔" وہ بڑے فخر سے شطرنج کی بچھی بساط کو تک رہے تھے... پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کے پنجوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر سر کی پشت پر رکھا اور جسم میں بھرپور تناؤ پیدا کر کے یک دم اسے ڈھیلا چھوڑ دیا... وہ جب بھی خوشی یا ہیجان کی کیفیت محسوس کرتے ہمیشہ یوں ہی خود کو نارمل کرتے تھے۔

مقابل نواب حسنین احمد خان تھے جو بے حد حیرت سے بساط کو تکے جا رہے تھے اور دل ہی دل میں اپنے حریف کی ذہانت کے قائل بھی ہو چلے تھے... پچھلی کئی بیٹھکوں سے وہ اپنے حریف سے ہارتے آ رہے تھے... انہوں نے پرسوچ نگاہیں شطرنج پر جماتے ہوئے اپنی باریش ٹھوڑی کو کھجایا اور بولے۔

"میاں...! قائل تو ہم ہو چکے... آپ واقعی خاصے منجھے ہوئے کھلاڑی ہیں... ورنہ کم تو ہم بھی نہ تھے... ساری عمر کھیلا ہے... تین میں سے دو بازیاں تو یقینی ہمارے نام ہوتی تھیں... اب تو ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ کدھر چوک ہو رہی ہے ہم سے جس کا فائدہ آپ حضور اٹھائے چلے جا رہے ہیں..." انہیں ابھی بھی اپنی ہار کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

"آپ ہی سے سیکھا ہے حضور...! ورنہ ناچیز اس کھیل سے واقف ہی کہاں تھا..." وہ بے حد متانت سے گویا ہوئے۔

"ارے میاں...! ہم ہی سے سیکھ کر... ہم ہی کو چاروں شانے چت کر دیا... اب سوچ رہے ہیں کہ ہمیں بھی کوئی گر سنبھالے رکھنا چاہیے تھا... برے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

وقت کے لیے۔۔۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے ہنس دیے۔

"تو سنبھال لیتے نا' آپ کو منع کس نے کیا تھا۔۔۔؟" وہ ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے۔

"ہمیں یہی گُر تو نہیں آیا کہ کوئی گر سنبھال رکھتے۔۔۔ ورنہ برا وقت ہمیں یوں پچھاڑ کر بیت جاتا۔۔۔؟ ہمارا پورا وجود چھلنی بن گیا۔۔۔ پور پور میں سے دکھ نکلتا ہے جناب۔۔۔!" وہ یک دم بے حد آزردہ ہوگئے۔۔۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔۔۔ پتا نہیں کیا کچھ یاد آگیا تھا۔ ان کے مقابل بیٹھے غم خوار نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر دھرا اور دلاسا دیا تھا۔

"رشتوں میں اکھاڑ پچھاڑ تو زندگی کا حصہ ہے۔۔۔ قدرت کے کھیل بڑے عجیب ہیں۔۔۔ زندگی میں جو لوگ ہمیں زخم دیتے ہیں' وہی مرہم بن جاتے ہیں۔۔۔ اچھا وقت' برے وقت کے پروں میں چھپا بیٹھا ہوتا ہے۔۔۔ پر پھڑپھڑانے کی دیر ہوتی ہے بس اور کایا پلٹ جاتی ہے۔" وہ مدہم لہجے میں نواب حسنین احمد خان کی آنکھوں میں بجھتی امید کی لو کو تیل دے رہے تھے۔

"کیا وہ کبھی مجھے سینے سے لگائے گا۔۔۔؟" حسنین احمد خان نے حسرت سے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔۔۔! انسان کے سینے میں بڑی گنجائش ہوتی ہے۔۔۔ پہاڑوں سا وزن سمونے کی سکت رکھتا ہے۔۔۔

"چلیے چھوڑیے ان باتوں کو۔۔۔ آپ کی "جپھی" میں طاقت ہونی چاہیے کہ مقابل کے دل کی رگوں تک آپ کے سینے کی حرارت پہنچ جائے۔ ہاہاہا۔"

انہوں نے پورے جوش سے نواب صاحب کے ہاتھ کی پشت کو تھپتھپایا اور شطرنج کی بساط پر ایک دفعہ پھر مہرے سیٹ ہونے لگے۔۔۔ کھیل ابھی باقی تھا۔

✡ ✡ ✡

"کچر کچر۔۔۔ کچر کچر۔۔۔!" مولیاں اور گاجریں چبانے کی آوازیں پورے صحن میں چکراتی پھر رہی تھیں۔۔۔ بچے اسکولوں کو' حرم اپنے کالج اور مرد سارے کام پر۔۔۔ لہٰذا تسلی بخش ناشتوں کے بعد ساری خواتین گھر کے صحن میں آبیٹھی تھیں۔۔۔ موسم میں ہلکی ہلکی خنکی محسوس ہونے لگی تھی۔۔۔ دھوپ سینکنے کو جی کرتا تھا۔۔۔ بیگم اجمل سبزیوں کی ٹوکری بھی لیتی آئی تھیں۔۔۔ باتوں باتوں میں بن جاتی تھی سبزی بھی۔۔۔ کچھ دونوں دیورانی جٹھانی نے جب فوزیہ پھوپھو کو بے جی کے پاس فرصت سے بیٹھے دیکھا تو اس کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع کیسے جانے دے سکتی تھیں۔۔۔ آج کل تو خواب میں بھی دونوں اپنی اکلوتی نند سے "گرومنگ کلاسز" لیتی تھیں اور صبح جب اٹھتی تھیں تو خود کو سرتاپا فائز محسوس کرتی تھیں۔

ادھر ادھر کی باتوں میں سبزی بننے کا پتا بھی نہیں چلا اور اب مولیوں اور گاجروں کا دور چل رہا تھا۔۔۔ کینڈی گوبھی کے ڈنٹھل اور مٹر کے چھلکے بھینس کے آگے ڈال کر آگئی۔۔۔ بیگم جمال کو وہ بڑی اپنی اپنی سی لگی۔

"اے پھوزی۔۔۔! توکیوں نئیں کھاندی مولی۔ اے ویکھ تے سہی کنی مٹھی شید (شہد) اے۔۔۔ لے ذرا۔ چک مار کے دیکھ۔۔۔!" بے جی نے مولی پر نمک اور لال مرچ لگا کر فوزیہ پھوپھو کی طرف بڑھائی۔ جواباً انہوں نے خوب ناک چڑھا کر اور دائیں آنکھ قدرے موند کر نخوت سے اسے پرے کیا۔

"نو بے جی نو۔۔۔! میں نہیں کھاتی۔۔۔ اس کی تو اسمیل ہی اتنی آتی رہتی ہے ماؤتھ سے۔۔۔ اور پھر ڈکاریں بھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔"

بیگم جمال اور بیگم اجمل نے ایک ساتھ ادھ کھائی مولی کونے پہ بندھی بھینس کی طرف اچھالی تھی اور ایک دوسرے کو اس حکمت عملی پر توصیفی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"دفع دور۔۔۔!" بے جی نے ہاتھ جھٹک کر بیٹی کو "دفع دور" کیا۔

"وڈی آئی شوخی۔۔۔! ایانہ پڑھی وخت نو پھڑی۔۔۔ ساری عمر ایہو کج کھا کھا کے ہن انگریزاں دے "ڈڈو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

مچھی" کھان داخیال آیا اے۔۔۔ شیدائین نہ ہووے تے۔۔۔!"

"بس بتائیں بے جی۔۔۔! آپ نے ہی اسٹونز مارنے ہیں تو بھلا شریکوں کی کیا ضرورت۔۔۔" فوزیہ پھوپھو برا مانتے ہوئے گردن اکڑا کر بولیں۔۔۔

"نامینوں دس۔۔۔ کڑی داویاہ نئیں او کرنا۔۔۔" بے جی کے سوال پر بیگم جمال کے کان فوراً کھڑے ہوئے تھے اور حواس چوکس۔۔۔ آخر انہیں ابھی عمیس کو بیاہنا تھا اور کینڈی انہیں بے حد بھائی تھی۔۔۔ بیگم اجمل کو قلق سا جاگا۔۔۔ کاش زارون ادھر ہوتا یا پھر ان کا گونگلو ہی وڈا ہوتا۔۔۔!

"افوہ۔۔۔! بے جی ابھی ایج ہی کیا ہے۔۔۔! ٹو تھری ایئرز ذرا کینڈا جا کر انجوائے تو کرلے میری ڈاٹر۔۔۔ نیا گرافال کا واٹر بھی واچ کرلے پھر میرج کردوں گی اس کی۔۔۔!" فوزیہ پھوپھو کا لمبا پلان تھا۔۔۔ بے جی نے بھنویں اچکا کر چند لمحے منہ کے زاویے بگاڑ کر بیٹی کو گھورا اور پھر اسی انداز میں قریب بیٹھی کینڈی سے مخاطب ہوئیں۔۔۔

"پتر۔۔۔ اے کی پونکدی پئی اے۔۔۔؟ کینڈی سٹپٹائی۔۔۔ ماں کو دیکھا تو ان کے انداز میں لاپروائی تھی جیسے بے جی کے یوں کہنے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑا۔۔۔

"وہ۔۔۔ بے جی! ماما کے کہنے کا مطلب ہے کہ ابھی میری عمر ہی کیا ہے' دو تین سال ذرا کینڈا جا کر ان کی ڈاٹر۔۔۔ یعنی کہ میں۔۔۔ کینڈا کا واٹر۔۔۔ یعنی کہ پانی کے مزے لے لوں تو پھر میری شادی کے بارے میں سوچیں گی۔۔۔!" آخری جملے کی ادائیگی تک کینڈی کا لہجہ شرمیں ہوگیا۔۔۔ جو سیدھا بیگم جمال کے دل میں ترازو ہوا تھا۔۔۔ کتنے سبھاؤ سے ماں کی بات کی تشریح کی تھی اس نے۔۔۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ یہاں سے اٹھ کر پہلا کام انہیں کینڈی سے مرچیں وار کر چولہے میں جھونکنے کا کرنا ہے۔۔۔! بے جی کی پاٹ دار آواز انہیں مرچوں سے واپس مولیوں' گاجروں میں لے آئی۔۔۔!

"میں نے کہا وڈی (بیگم جمال)۔۔۔! ذرا تھوڑا سا واٹر میری بیٹی پر ڈالو۔۔۔ اس کے دماغ میں خشکی ہوگئی اے۔۔۔!"

"آپ ٹینشن نہ لیں بے جی۔۔۔!" فوزیہ پھوپھو نے صلح جو انداز میں ماں کے گھٹنے پر ہاتھ دھرا۔۔۔ مجھے کینڈا جا لینے دیں بس۔۔۔ ساری ڈرائی سنیں۔۔۔ گیلی ہوجائے گی۔۔۔!" پھوپھو کی بات پر سب ہی نے سر دھنا تھا۔۔۔ بے جی نے تاسف سے اور دونوں بھابھیوں نے ستائش سے۔۔۔!

"ابھی آپ میری ایک ٹاک غور سے سنیں۔۔۔!" فوزیہ پھوپھو نے بے جی کے قریب کھسک کے رازدارانہ ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

"پہلے بندے دی پتر بن کے گل کر۔۔۔ پھر میں سنوں گی نئیں تے دفع دور۔۔۔!" انہوں نے گھٹنے پہ دھرا فوزیہ پھوپھو کا ہاتھ جھٹک کر دوٹوک انداز میں کہا۔

"افوہ بے جی۔۔۔ آپ بھی نا۔۔۔! اچھا صرف ابھی کے لیے۔۔۔ بعد میں' میں دوبارہ اپنی لینگویج میں ہی بات کروں گی۔۔۔ پھر آپ نے مجھے نہیں ٹوکنا۔۔۔!"

"ہن بول بھی دے۔۔۔!" بے جی نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

"اصل میں' میں اس دفعہ ایک خاص مقصد کے تحت یہاں آئی ہوں' اتنا خاص۔۔۔ اتنا خاص۔۔۔ کہ۔۔۔!"

"ہن تو تیجی واری بولی تے تیرے خاص وچ باس پے جانی اے۔۔۔" (اب تم تیسری دفعہ بولی تو تیرے خاص میں بو پڑ جانی ہے) بے جی نے فوزیہ پھوپھو کے ہاتھ پر پتلی سی مولی مارتے ہوئے کہا۔۔۔ وہ بے چاری جھٹ سے ہاتھ سہلانے لگیں۔۔۔

"اچھا۔۔۔ اچھا بول رہی تھی میں۔۔۔ بات کا سارا مزہ کرکرا کردیا آپ نے بے جی۔۔۔! ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ میں اس دفعہ اکیلی نہیں آئی۔۔۔ بلکہ۔۔۔!"

"آہو۔۔۔! چھے شٹو نگڑے (بچے) وی نال نے تیرے۔۔۔ افلاطون دی اولاداں۔۔۔!" بے جی بے پھر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

فوزیہ پھوپھو کی بات کاٹ کر لقمہ دیا.....

"ہا..... ہائے بے جی.....! آپ کو تو میری اولاد ویسے ہی نہیں بھاتی..... اب اگر وہ آپ کے پوتوں پوتیوں سے زیادہ حسین اور ذہین ہیں تو آپ صبر سے کام لیں..... کیا پتا آپ کے پوتوں میں کوئی ایسا نکل ہی آئے.....!" فوزیہ پھوپھو نے مبالغہ آرائی کی حد کردی.....

اب کے بے جی نے ٹوکری میں کوئی موٹی سی مولی ڈھونڈنے کی کوشش کی جسے وہ ان کے سر پر مارتیں..... بیگم اجمل نے فوراً" بے جی کے آگے سے ٹوکری جھپٹ لی اور صلح جو انداز میں بے جی سے مخاطب ہوئیں۔

"آپ پہلے بات تو سن لیں پھوزی..... میرا مطلب فوزیہ کی بے جی.....!" کیا پتا' کتنی ضروری بات ہو جو ابھی تک ادھوری ہے.....!

بے جی تیکھے چتون لیے بیٹی کی طرف متوجہ ہوئیں تو فوزیہ پھوپھو ڈیلے گھما کر سر آگے کیا.....

"میں اپنی بھتیجی حرم کے لیے اپنے جیٹھ کے بیٹے ہارون کا رشتہ لائی ہوں.....! اپنے تئیں بم پھوڑ کر فوزیہ پھوپھو نے سب کے تاثرات جانچے مگر تینوں خواتین ایک دم چپ سی انہیں دیکھے گئیں۔ چند لمحے مزید یوں ہی بیت گئے اور پھر سب سے پہلے بے جی نے ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

"فٹے منہ.....! دفع دور.....!" فوزیہ پھوپھو کو ایسے جواب کی توقع ہرگز نہیں تھی..... سٹپٹا کر پیچھے ہوئیں۔

"یہ وہی جیٹھ دا پتر ہے نا تیرے..... جسے تو آپ "ہاتھی کا بچہ" کہتی تھی.....

فوزیہ پھوپھو حیرت سے جی ہی جی میں بے جی کی یادداشت کو سات سلام پیش کر رہی تھیں..... کینڈی منہ پھیر کر ہنسی روکنے کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھی..... جبکہ بیگم جمال اور اجمل کے تاثرات سے ابھی کچھ بھی اندازہ لگانا بے حد مشکل تھا..... دونوں سنجیدہ اور سپاٹ چہرے لیے اپنی ساس اور نند کا مکالمہ ملاحظہ کر رہی تھیں۔

"بے جی.....! وہ تو بچپن کی بات ہے تب ہارون ذرا موٹا ہوتا تھا.....!"

"(اچھا)! تے وہ بچپن دو سال وچ گیا واہ بھئی واہ تے اب کتنا موٹا ہے نمانا....." بے جی استہزائیہ لہجے میں سوال کیا.....

"اب بھی ذرا سا ہی موٹا ہے وہ بے جی..... کام سے لگا ہے تو کملا گیا ہے.....!" فوزیہ پھوپھو نے کمزور سا دفاع کیا..... تب ہی کینڈی بیچ میں بول پڑی.....

"کدھر ماما.....! ویسے کے ویسے ہی ہیں ہارون بھائی..... بلکہ پہلے تو پھر آنکھیں دکھتی تھیں اب تو ڈھونڈنی پڑتی ہیں..... اب بھی ذرا ڈھیل دے کر بیٹھیں تو "چی ی ی....." کی آواز کے ساتھ ان کی پتلون پھٹ جاتی ہے..... پچھلی منگنی بھی اسی لیے ٹوٹ.....!"

"بکواس بند کرو کینڈی.....!" فوزیہ پھوپھو نے اسے بری طرح ڈانٹا اور بایاں ابرو اچکا اچکا کر چپ کرنے کا اشارہ کیا۔

"بے جی! اس کی عادت ہے بک بک کرنے کی..... منگنی شنگنی نہیں ہوئی تھی بس یوں ہی بات چلی تھی..... مگر ہارون کو لڑکی نہیں بھائی تھی اس لیے بات وہیں کی وہیں ختم ہوگئی.....!"

"سیدھی طرح بول کہ کڑی نولڈو پتھی جیسا ہارون نئیں بھایا..... بڑی آئی کہنے والی..... ہارون کو لڑکی نہیں بھائی.....!" بے جی نے باقاعدہ منہ ٹیڑھا کر کے فوزیہ پھوپھو کی نقل کی..... وہ شرمندہ سی ٹوکری میں رکھی سبزیاں پھرولنے لگیں۔

"دیکھ پھوزی.....! حرم کے ساتھ دشمنی نہ کر..... اتنا ہی او لڑکا اچھا ہے تے اپنی کینڈی دا بیاہ کردے اودے نال..... میری پوتی کو کیوں پھنساتی ہے.....!" بے جی انگلی اٹھا کر دوٹوک انداز میں بولیں تو فوزیہ پھوپھو فوراً" جذباتی ہوگئیں.....

"اللہ نہ کرے بے جی.....! میں کیوں پھنسانے لگی اپنی بھتیجی کو..... میری کینڈی نے جٹھانی کا دودھ پیا ہے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ورنہ ضرور بیاہ دیتی میں اسے ہارون کے ساتھ۔۔۔ اور حرم کے لیے خود میری جٹھانی نے بات کی ہے۔۔۔ میں خود بھی چاہتی ہوں' بے جی کہ میرے میکے کی بچی کھپ جائے ہارون کے ساتھ۔۔۔ اتنی بڑی لمبی چوڑی جائیداد ہے اس اکیلے کی۔۔۔ باہر سے جو آکر راج کرے گی کوئی۔۔۔ تو اپنی حرم کیوں نہیں۔۔۔؟ میں جب کینیڈا چلی جاؤں تو کوئی میرا اپنا میرے پیچھے موجود ہو جو میرے پورشن کی رکھوالی کر سکے۔۔۔ آج کل کسی کا کیا بھروسا بے جی۔۔۔!"

"بہت اچھے اے۔۔۔!" بے جی نے اپنے گھٹنے پر خوب زور کا ہاتھ مارا جیسے خود کو شاباش دی ہو۔ "تو اصل میں یہ بات ہے۔۔۔ تمہیں چوکیداری کے واسطے اپنا بندہ چاہیے۔۔۔ شرم نہیں آتی تجھے فوزی۔ وہ گائے کا بچہ ہی ملا تھا میری حرم واسطے۔۔۔ بھل جا۔۔۔ اے رشتہ نئیں ہو سکدا۔۔۔ تے نالے اپنی جیٹھ اور جٹھانی کو بھی منع کر دے کہ خبردار جو ادھر آئے۔۔۔ میں ٹانگیں تروڑ دیاں گی۔۔۔!" بے جی نے ایک مولی کو ٹھیک درمیان سے ٹھک کر کے توڑا جیسے بیچ میں فوزیہ پھوپھو کے جیٹھ کی ٹانگ ہاتھ میں ہو۔

"لمٹ ہو گئی بے جی۔۔۔ وہ میرے ان لاز ہیں۔۔۔ آپ ان کی لیگ بریک کریں گی تو وہ میرے ساتھ رشتہ بریک کر دیں گے۔۔۔ میں کسی کو اپنا فیس دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔۔۔!" فوزیہ پھوپھو اپنی جون میں لوٹ آئی تھیں اور اب قدرے خفا سی بے جی کو حالات اور تعلقات کی نزاکت سے باخبر کر رہی تھیں۔۔۔ بیگم جمال اور بیگم اجمل بھی کچھ کچھ قائل سی نظر آ رہی تھیں۔

"کیوں چھوٹی بھابھی۔۔۔! آپ بتائیں کہ آپ حرم کی میرج کسی اچھی ایٹنگ ڈرنکنگ فیملی میں کرنا لائیک نہیں کریں گی کیا۔۔۔؟" فوزیہ پھوپھو نے یک دم بیگم اجمل سے سوال کیا تھا اور جواباً" وہ بے چاری ہونق سی محض اتنا ہی بول سکیں۔

"نہیں۔۔۔!"

"ہچ۔۔۔ اووف! یہ اپنی فوزیہ کے کہنے کا مطلب ہے کہ کیا تم حرم کو کسی کھاتے پیتے گھرانے میں نہیں بیاہنا چاہتی۔۔۔ جواب دو اس کو۔۔۔ کیا کہتی ہو تم اس رشتے کے متعلق۔۔۔" بیگم جمال نے بڑے مدبرانہ انداز میں اپنی دیورانی کو پوری بات کا ترجمہ کر کے بتایا۔۔۔ آنکھوں میں فخر بھی ناچ رہا تھا" دیکھا! مجھے سمجھ آئی فوزیہ کی انگریزی کی۔۔۔

"میں کیا بولوں بھابھی جی۔۔۔! جو بے جی اور میاں جی کا فیصلہ ہو گا وہی میرا بھی۔۔۔ حرم کے لیے ان سے زیادہ اچھا کون سوچ سکتا ہے بھلا۔۔۔" بے جی نے بہو کے جواب پر جتاتی نگاہوں سے فوزیہ پھوپھو کو دیکھا۔

"ہن بول۔۔۔!" فوزیہ پھوپھو نے نخوت سے بیگم اجمل کو دیکھ کر سر جھٹکا تھا۔۔۔

"ڈونگر جئی نہ ہووے تے۔۔۔!" جی ہی جی میں بدبدائیں اور غصہ وہ اب بھی پنجابی میں ہی نکالتی تھیں' بھلے دل میں ہی سہی!

"ٹھیک ہے بے جی۔۔۔! ڈن ہو گیا۔۔۔ اب یہ سارا میٹر میں میاں جی کے آگے رکھوں گی۔۔۔ وہ اس رشتے کو ریفوز نہیں کریں گے۔۔۔!" وہ پورے بھروسے سے کہتی ہوئی اٹھیں اور اندر چلی گئیں۔۔۔

"ہونہہ۔۔۔! دفع دور۔۔۔!" بے جی نے بھی ان کی پشت پر باقاعدہ ہاتھ سے لعنت بھیجی۔۔۔ دونوں بھابیاں بھی اٹھ کر ٹوکریاں سمیٹتی نند کے پیچھے پیچھے چل دیں۔۔۔ انہیں فوزیہ پھوپھو کی ناراضی کی فکر لگی تھی۔

صحن میں اب صرف بے جی اور کینڈی بیٹھی رہ گئی تھیں۔۔۔ کینڈی بے چاری مسلسل شرمندہ سی کونے میں بندھی جگالی کرتی بھینس کو تکے جا رہی تھی۔۔۔ جبکہ بے جی کی آنکھوں میں تفکر ہلکورے لیتا صاف نظر آ رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

"آ۔۔۔ آ۔۔۔ آ' آ۔۔۔!" صبح صادق کا وقت تھا اور حسنین احمد خان اپنے پالتو کبوتروں کو چھت پر دانہ ڈال رہے تھے۔۔۔ کابک کھلی ہوئی تھی اور سارے کبوتر اس

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

وقت تازہ ہوا کا مزہ لے رہے تھے۔۔۔ انہوں نے ایک بار پھر مٹھی بھر باجرہ اچھال کر فرش پر پھینکا اور آواز لگائی۔

"آ۔۔۔ آ۔۔۔ آ آ۔۔۔!"

"کھا۔۔۔ کھا۔۔۔ سب کو کھا۔۔۔!" حسنین احمد خان چونکے اور پلٹ کر دیکھا۔ پیچھے کوئی نہیں تھا۔۔۔ نگاہ ساتھ والوں کی چھت پر پڑی تو برکت اللہ چارپائی پر لنگی کرتا پہنے ٹانگیں پسارے بیٹھے تھے۔۔۔ پہلو میں موٹا تازہ شیرو (پالتو بلا) بیٹھا تھا جو بار بار اپنی زبان ہونٹوں پر پھیرتا تھا۔ جیسے ہی ہمسائے سے آواز آتی۔۔۔

"آ۔۔۔ آ۔۔۔ آ۔۔۔!" یہ بلا توقف اونچی آواز میں شیرو کو ترغیب دیتے۔

"کھا۔۔۔ کھا۔۔۔ کھا۔۔۔!"

حسنین احمد خان کا خون کھول رہا تھا۔۔۔ اس سے پہلے بھی یہ شیرو کم بخت ان کے اتنے خوب صورت اور قیمتی کبوتر ہڑپ چکا تھا۔۔۔ وہ دانہ ڈالنے کا کام موقوف کرتے ہوئے کبوتروں کو کابک میں بند کرنے کی نیت سے آگے بڑھے۔۔۔ برکت اللہ نے ہانک لگائی۔

"نس جا۔۔۔ نس جا۔۔۔ فٹافٹ نس جا کبوترا۔۔۔!"

حسنین احمد خان نے خون کا گھونٹ بھرا اور جی ہی جی میں برکت اللہ کو کوسا۔۔۔

انہوں نے سوچا کہ کبوتروں کو یونہی چھوڑ کر خود نیچے چلے جائیں اور کل وقتی ملازم لڑکے سے کہہ کر کبوتر کابک میں بند کروالیں۔۔۔ یہی سوچ کر وہ سیڑھیوں کی طرف مڑے تھے کہ کندھوں پر اوڑھی ہوئی گرم مردانہ شال میں پاؤں اٹک گیا۔ گرتے گرتے بچے۔۔۔

ادھر برکت اللہ چھڑاپی (چھلانگ) مار کر یکدم چارپائی سے اترے تھے اور بے چینی سے دونوں چھتوں کے بیچ کی دیوار کے قریب چلے آئے۔۔۔ مگر جب حسنین احمد خان کو سنبھلتے دیکھا تو خود کو بھی بے نیاز پوز کرتے ہوئے کان کے اندر انگلی پھیرتے ہوئے بولے۔

"اک تو تیری نازکِ مزاجیاں نئیں گئیں۔۔۔ یلا (سردی) ابھی اندروں میں وڑا (گھسا) نئیں اور تو ٹھٹھر ٹھٹھر کر بجا چوچا (بھیگا چوزہ) بن جاتا ہے۔۔۔ تیرا تو وہ حال ہے کہ کیلنڈر پہ بدل (بادل) ویکھ لے تو جرسی چڑھا کر آجاتا ہے۔۔۔ ہاہا۔۔۔ ہاہا۔۔۔!" برکت اللہ خود ہی اپنی جگت پر اتنا ہنسے کہ کھانسی چھڑ گئی۔۔۔ ہنستے جاتے اور کھانستے جاتے۔۔۔ حسنین احمد خان کے بس میں ہوتا تو ایسا عمل کرتے کہ برکت اللہ کبوتر بن جاتے اور وہ مزے سے انہیں پنجرے میں پھڑپھڑاتا دیکھتے۔۔۔

"ہم آپ کے منہ نہیں لگنا چاہتے برکت اللہ۔۔۔ بہتر ہے کہ آپ بھی احتراز کیجیے۔۔۔ ورنہ باتیں ہمارے پاس بھی ہیں کہنے کو۔۔۔!" حسنین احمد خان چادر جھٹک کر دوٹوک انداز میں بولے۔

"او۔۔۔ خانا۔۔۔! میرے نال سیدھی طراں بول۔۔۔ تیری آپ جناب میرے پلے تب نئیں پڑتی تھی جب جوانی کا طوطی بولتا تھا۔۔۔ اب ایس عمرے تو گوڈے گٹوں سے کڑاکے بھی پنجابی میں نکلتے ہیں۔۔۔" برکت اللہ کی بات پر حسنین احمد خان نے فوراً رخ پھیر کر مسکراہٹ چھپائی تھی۔۔۔ آخر وہ پنجابی سمجھ تو بخوبی لیتے تھے۔۔۔ ایک لمحے کو تو جی چاہا کہ بیتا وقت اور جوانی لوٹ آئے اور وہ یونہی یکدم پلٹ کر ایک جست میں دیوار پر چڑھ کر ٹانگیں لٹکا کے بیٹھ جائیں۔۔۔ پھر باتوں کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے اور دن ڈھل جائے۔۔۔ دل بھیگ سا گیا اور ایک نم سی آہ آنکھ میں جگنو کی مانند چمک اٹھی۔۔۔ مگر اگلے ہی پل برکت اللہ کے جملے نے سارے جذبات جھاگ کی طرح بٹھا دیے۔

"گل سن خانا۔۔۔! اپنے منڈے کو ذرا تمیز شمیز سکھا' لگتا ہی نئیں نوابوں کی نسل ہے۔۔۔ شہدا نہ ہووے تے۔۔۔ اور اسے کہہ کہ ذرا میری کوٹھی وچ تاکا جھاکی بند کرے۔۔۔ ورنہ برکت اللہ کو بنٹے کھیدنے ابھی بھی آتے ہیں۔۔۔ سمجھا!"

"ہمیں علم ہے اس بات کا برکت اللہ صاحب! آپ کے اسی وصف کے سبب تو آپ کو بنٹا کہا جاتا تھا' ہم بھلا بھول سکتے ہیں۔۔۔؟"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ٹھہرے ہوئے لہجے میں برکت اللہ پر چوٹ کر کے حسنین احمد خان نے اپنی گرم شال کا پلو جھٹک کر کندھے پر ڈالا اور ایک گہری نگاہ برکت اللہ کے غصے سے سرخ چہرے پر ڈال کر بوجھل قدموں سے زینے کا رخ کیا۔۔۔

☆ ☆ ☆

زینت بی ہال کمرے کی داہنی دیوار کے ساتھ بچھے خوب صورت دیوان پر مخملی گاؤ تکیے سے پہلو ٹکائے بڑی نزاکت و نفاست سے گھٹنے موڑ کر دونوں ٹانگیں پسارے بیٹھی تھیں۔۔۔ ہاتھ مہارت و مشاقی کے ساتھ کروشیا تھامے الجھے ریشم کے لچھوں کی بنت کرنے میں مصروف تھے۔۔۔ قریب ہی چاندی کا منقش پاندان دھرا تھا جو آج بھی جگر جگر چمکتا تھا۔۔۔ حالانکہ وہ پان کی رسیا نہیں تھیں‘ اسے یونہی قریب رکھ لیتی تھیں۔۔۔ کبھی کبھی دو چٹکی سونف پھانک لی اور بس۔۔۔! ایک زمانہ گزر گیا تھا انہیں یہ بھولے ہوئے کہ وہ دیہاتی اور ٹھیٹھ پنجابی ہیں۔۔۔ ان کی خو بو اس قدر تبدیل ہو چکی تھی کہ کسی نئے ملنے والے کو ان کے چہرے پہ چھائے وقار اور تمکنت دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا کہ وہ جدی پشتی نواب ہیں۔۔۔ یہ تو بس وہ جانتی تھیں کہ اس ”نوابی لبادے“ نے ان کے جذبات اور ان کی اولاد کا خون چوس رکھا ہے۔۔۔ نواب زادی عائشہ اور نواب زادہ شارق کا خیال آتے ہی ان کی انگلیوں کی رفتار سست ہو گئی۔۔۔ آنکھوں میں پانی کی لکیر سی کھنچ گئی۔۔۔

یک دم ہال کمرے کا داخلی دروازہ دھاڑ سے کھلا اور غیض و جلال کی تصویر بنے ہوئے نواب حسنین احمد خان اندر داخل ہوئے۔۔۔ وہ فوراً سمجھ گئیں کہ برکت اللہ سے مناظرہ کر کے تشریف لا رہے ہیں۔

”یہ۔۔۔ یہ شخص۔۔۔ اس کی جرأت تو دیکھو۔۔۔ ہمارے خون پر تہمت باندھتا ہے۔۔۔ نواب حسنین احمد خان کے۔۔۔ ہمیں دھمکاتا ہے۔۔۔ اگر اس شخص نے ہمارے نواسے احرار خان کی طرف میلی نگاہ بھی کی تو ہم سچ مچ اس کی آنکھیں نکلوا دیں گے۔۔۔ ہمیں کوئی عذر مانع نہیں ہو گا۔۔۔“

صوفے پہ بیٹھے وہ مارے غصے کے ہانپ رہے تھے۔۔۔ چہرہ آتش فشاں بنا ہوا تھا۔۔۔

”آئیں آج یہ مجنوں میاں بھی۔۔۔ کچھ ہوش کے ناخن ان کو دلانے کی بھی ضرورت ہے۔۔۔ عشق کیجیے تو گور کن کو بھی ہوشیار رکھیے‘ یہ بلا جان لے کر ٹلا کرتی ہے۔۔۔ اور ہم میں اب سکت نہیں کہ ہم بار بار اپنا ہی جگر کاٹ کر دفناتے رہیں۔۔۔ ہم تھک گئے ہیں۔ تھک گئے ہیں ہم میتیں ڈھوتے ڈھوتے۔۔۔!“ وہ بے دم سے ہو کر صوفے سے سر ٹیک کر اکھڑے اکھڑے سے سانس کھینچ رہے تھے۔۔۔ زینب بی کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔۔۔ جھٹ سے پانی کا گلاس منہ کو لگایا۔۔۔ چند گھونٹ پانی کے حلق میں اترے تو آنکھیں موند کر خود کو پر سکون کرنے لگے۔

”آپ کیوں برکت بھائی کے منہ لگتے ہیں۔۔۔ جانتے بھی ہیں کہ ان کی عادت ہے آپ کو چڑانا۔۔۔ اور آپ چڑ جاتے ہیں۔۔۔ ہم بات کریں گے حاجرہ آپا سے۔۔۔ وہ سمجھائیں گی انہیں۔۔۔ آپ فکر مت کیجیے۔۔۔ کہیے تو عاصم (ملازم لڑکا) سے کہہ کر ڈاکٹر صاحب کو بلواؤں۔“ زینب بی نے فکر مندی اور محبت کے ساتھ شوہر کے ماتھے پہ ہاتھ دھرا۔۔۔

”نہیں۔۔۔ ہم اب بہتر ہیں‘ اب بھی ہم میں اتنا دم خم ہے کہ ایک کے جواب میں دس کہہ سنائیں۔۔۔“

ذرا اعصاب ٹھکانے آئے تو نواب صاحب کا طنطنہ بھی ٹھکانے پر تشریف لے آیا۔۔۔ زینب بی نے سکون کا سانس لیا اور دھیما سا مسکرا دیں۔۔۔ انہیں بھی اس جلی ہوئی رسی کے بل بے حد عزیز تھے۔۔۔

”بس آپ احرار کو سمجھا دیجیے۔۔۔ حرم بیٹی کا خیال نکال دیں دل سے‘ ورنہ اب کی بار جو سرخ آندھی چلی تو سب اندھے ہو جائیں گے۔۔۔ نفرتوں کی میخیں سب کی آنکھیں پھوڑ دیں گی۔۔۔!“ زینب بی نے دہل کر کلیجہ تھاما۔۔۔ وہ یک ٹک نواب حسنین احمد خان کے چہرے کو تکے جا رہی تھیں۔۔۔ جس پر کچھ کھو دینے کا ہراس غبار

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کی صورت چھایا تھا۔

☆ ☆ ☆

فوزیہ پھوپھو کو ٹھنڈ لگ گئی.... فلو' بخار اور ساتھ میں کپکپی... دونوں بھابیاں خدمت میں پیش پیش اور وہ خود تین تین جوڑی موزے.... سر پر گونگلو سے ادھار لیا ہوا موٹا اونی ٹوپا اور اس کے اوپر شال.... جس کے ساتھ ناک اور منہ ڈھک رکھے تھے.... دو جرسیاں بھی زیب تن کی ہوئی تھیں.... یعنی کہ کل ملا کر فوزیہ پھوپھو کے وزن میں دس کلو کا اضافہ تو ہو ہی گیا ہو گا.... یہ سب پہن اوڑھ کر وہ ذرا سی دھوپ نکلنے پر باہر صحن میں کرسی ڈال کر بیٹھ گئیں۔ بے جی کے پلنگ سے فرلانگ پرے.... دونوں کی بات چیت بند تھی.... محض طنز کے فائر مارتی تھیں بوقت ضرورت....!

بے جی کو ابھی تک کل والی بات پر غصہ تھا.... اور کئی بار تنبیہہ کر چکی تھیں کہ فوزیہ پھوپھو اس رشتے کا ذکر میاں جی کے سامنے نہ کریں مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک تھیں.... بے جی کو کھرا جواب دیا تھا کہ وہ یہ رشتہ کروا کر رہیں گی.... اب یہ محض اتفاق تھا کہ رات ہونے والی بارش نے موسم کی خنکی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا اور سرِ شام ہی فوزیہ پھوپھو کو ہونے والے نزلے زکام میں بھی برکت پڑ گئی تھی.... رہی سہی کسر بخار نے پوری کر دی ورنہ وہ رات ہی میاں جی کے ساتھ بیٹھک جما لیتیں....! اب دھوپ سینکتے ہوئے اور بے جی کی مسلسل خود پر پڑتی تیز چبھتی نگاہیں نظر انداز کیے.... ان کا دھیان گیٹ کی طرف لگا تھا.... انہوں نے سوچ لیا تھا کہ جیسے ہی میاں جی آئیں گے۔ وہ انہیں یہیں لے کر بیٹھ جائیں گی اور ہاں کروا کر اٹھیں گی.... آخر کو ان کے سسرال کا معاملہ ہے....

بے جی گونگلو کے سر میں تیل کی مالش کر رہی تھیں۔ اسے آج اسکول سے زبردستی چھٹی کروا دی تھی کیونکہ بے جی کو اس کا پنڈا گرم گرم لگ رہا تھا۔ گونگلو میاں کو بھی بہانہ مل گیا۔ وہیں تخت پر بستر پھینک کر لیٹ گیا۔

بے جی کی نظریں فوزیہ پھوپھو پہ بھی ٹکی تھیں.... جو کبھی نزاکت سے دو انگلیوں کے ساتھ اپنی پیشانی مسلتیں تو کبھی رومال سے ناک صاف کرتیں۔

بے جی کے حملے کے جواب میں انہوں نے اپنی جلتی آنکھوں کو بمشکل کھول کر بے جی کو گھورا اور جوابی فائر داغا....

"آپ جو بھی کہیں بے جی.... آج ہی واٹر کا واٹر اور ملک کا ملک ہو جائے گا۔ دیکھتے ہیں میاں جی کیا ریپلائی کرتے ہیں مجھے....!" بے جی کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے.... ایک تو فوزیہ پھوپھو کے انگریزی ٹانکے ان کے پلے نہیں پڑتے تھے.... اوپر سے جواب بھی تفصیلی ہوتا تھا۔ قریب سے ہی اوریس بھائی کی بیگم ثوبیہ بھورے رنگ کا ڈبل پلائی والا کمبل لے کر گزر رہی تھیں.... بے جی نے غصہ دباتے ہوئے اسے آواز دی....

"نی ثوبیہ....!" ثوبیہ بھابھی بے جی کی پکار سن کر آدھ کھلے منہ کے ساتھ مستعد سی انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھتی کھڑی ہو گئیں....

"پت منہ بند کر.... نہیں تو (دانت) گر جائیں گے.... تے نالے اے کمبل اپنی پھوپھو فوزی دے اتے پا دے....!" ثوبیہ بھابھی نے سختی سے ہونٹ بھینچ کر.... فوزیہ پھوپھو کے نہ' نہ کرنے کے باوجود انہیں وزنی کمبل اوڑھا دیا....

"چل.... ایس انگریزی پتر داڈھکن (منہ) تے بند ہویا....!" بے جی گونگلو کے سر میں باریک کنگھی پھیرتے ہوئے بڑبڑائیں....

اتنے میں میاں جی اندر آئے.... دھیمی چال چلتے ہوئے فوزیہ پھوپھو کے بالکل ساتھ والی کرسی پر آ کر ٹک گئے۔ نظر ساتھ والی کرسی پر ڈالی اور کمبل کے پھولے ہوئے حصے پر زوردار تھپکی دے کر بولے....

"اے کون رچھ دا بچہ اے....؟"

اتنے میں فوزیہ پھوپھو نے زوردار کراہ کے ساتھ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بڑی مشکل سے کمبل میں درز ڈھونڈ کر منہ باہر نکالا۔۔۔ میاں جی بے چارے کھسیائے سے انہیں دیکھتے چلے گئے۔

"اف' میاں جی! آپ کا ہینڈ ہے کہ ہیمو (ہتھوڑا)۔۔۔ میرے ہیڈ (سر) کا سرمہ بنا دیا۔ اتنی مشکل سے ذرا سی اونگھ آئی تھی۔ آپ نے سب ڈسٹرائے کر دیا۔۔۔ اف اللہ!" فوزیہ پھوپھو اپنی زکام زدہ آواز میں کرلائیں۔۔۔ میاں جی پچکارتے ہوئے بولے۔

"نہ میرا پت۔۔۔! تجھے کس سیانے نے مشورہ دیا تھا' اتنا وڈا کمبل اوڑھ کر بیٹھنے کا۔۔۔ نکی سی کرسی ہے۔۔۔ شکر کر' تجھے سہارا ہوا ہے اس نے اوپر سے تو نے سوا من کا کمبل بھی نمانی پر لادو دیا۔۔۔"

"آپ بھی۔۔۔ آپ بھی میاں جی اپنی ڈاٹر کو ایسا کہہ رہے ہیں اگر آپ نے مجھے فیٹ کہنا ہے تو باقی سب کا ماؤتھ میں بھلا کیسے کلوز کر سکتی ہوں۔ پہلے ہی یہاں آتے ہی مجھے سائیٹ (نظر) لگ گئی ہے۔۔۔ ابھی بھابھی کو کہتی ہوں کہ مجھ پر سے چلیز (مرچیں) واریں۔" فوزیہ پھوپھو ناک پونچھتے ہوئے بیگم جمال کو آوازیں دینے لگیں۔ وہ بھی جیسے تیار بیٹھی تھیں۔ بوتل کے جن کی طرح ہاتھ میں سات مرچیں پکڑے حاضر ہو گئیں۔ بڑے جوش اور شوق سے مرچیں وارتے ہوئے خوشی سے ان کا چھو بھی لال مرچ بنا جا رہا تھا۔

میاں جی جو بڑی کینہ توز نظروں سے یہ منظر ملاحظہ کر رہے تھے۔۔۔ فوراً بولے۔

"واری جاؤ تے اجاڑی جاؤ۔۔۔ اے وڈی نو (بڑی بہو) جتنی مرچیں تو وار وار کے چولہے میں جھونکتی ہے نا۔۔۔ کسی دن شہر میں مرچاں کا کال (قحط) پا دینا ہے تو نے۔"

انہوں نے مرچیں قریب رکھی انگیٹھی میں جھونک دی تھیں۔

میاں جی غصے میں کھانستے ہوئے اندر چلے گئے۔۔۔

بے جی کا متوقع صورت حال کے تصور سے ہی ہنس ہنس کر حشر ہو چلا تھا۔۔۔ اور پھر اگلے چند لمحوں میں ہی بری طرح کھانستی ہوئی فوزیہ پھوپھو نے ایک جھٹکے سے کمبل الٹ دیا۔۔۔ زکام اور بخار نے پہلے ہی مت مار رکھی تھی۔ اب مرچوں کی دھانس نے چہرہ آتش فشاں بنا دیا تھا۔۔۔

"بس کر دیں بھابھی۔۔۔ بس کر دیں۔ اب تو کھانس کھانس کے میرا دل اوپر حلق میں چڑھ آیا ہے!" لال بوٹی ہوتی آنکھوں کا پانی صاف کر کے فوزیہ پھوپھو نے بمشکل جملہ پورا کیا۔۔۔

بے جی نے ایک تیز نظر فوزیہ پہ ڈال کر سکون کا سانس لیا کہ کم از کم ابھی کے لیے وہ اس قابل نہیں رہی تھیں کہ میاں جی کے سامنے اپنے جیٹھ کے رشتے کی بین بجاتیں۔۔۔ مگر کب تک؟ اس سے پہلے ہی انہیں کوئی قدم اٹھا لینا چاہیے۔۔۔ انہیں اب جلد از جلد زینب بی سے بات کرنا تھی۔

☆ ☆ ☆

عمیس لاؤنج میں داخل ہوا تو وہاں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا' صرف داہنی دیوار کے آخری صوفے پر کینڈی اون سلائیاں تھامے کچھ بننے میں مگن تھی۔ آج کل وہ بے جی سے سیکھ کر ہاتھ صاف کر رہی تھی۔۔۔ شوق تھا اس لیے جلدی سیکھ رہی تھی۔۔۔! بے حد ہلکی آواز میں ٹی وی پر کوئی ڈرامہ چل رہا تھا۔۔۔ یعنی کہ ماحول بے حد سازگار تھا۔۔۔ عمیس کی باچھیں چر گئیں۔۔۔ یکدم اس کی شاعرانہ رگ پھڑک پھڑک کر اسے اکسانے لگی۔۔۔ اس نے دھیرے سے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔۔۔ کینڈی یونہی مگن سی بیٹھی رہی حالانکہ وہ عمیس کی موجودگی سے باخبر تھی۔۔۔ وہ چند قدم چلتا ہوا آگے آیا اور سب سے اگلے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے آواز میں بھاری پن پیدا کرتے ہوئے بولا۔

"عرض کیا ہے۔۔۔"

"تھا یقیں کہ آئیں گی یہ راتاں کبھی۔۔۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کینڈی نے اک ادا سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور بایاں ابرو اچکاتے ہوئے بولی۔
"اچھا جی...!" اس کا انداز دیکھ کر لمحے بھر کو تو عمیس سٹپٹا گیا مگر اگلے ہی پل وہ پھر سے پر اعتماد تھا۔
"تھا یقیں کہ آئیں گی یہ راتاں کبھی...
تم سے "نانا کے گھر" میں ہوویں گی ملاقاتاں کبھی۔"

"واہ' واہ... واہ!" کینڈی نے سلائیوں کو اون کے گولے میں گھسیڑا اور دونوں مٹھیاں ٹھوڑی پر جما کر پوری طرح عمیس کی طرف متوجہ ہوئی... نگاہوں میں اشتیاق کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیا عمیس کو اوہ کورنش بجالایا...
"آداب عرض ہے... آداب عرض ہے...!"
"مگر آپ نے تو شعر عرض کیا تھا۔ عمیس بھائی۔"
کینڈی نے معصومیت سے عرض کیا۔
"ہچ...! شاعر' شاعر ہوتا ہے پگلی... بھائی نہیں ہوتا ... بھائی کہنے سے شاعرانہ "تخیلات" مردہ ہو جاتے ہیں۔"
عمیس نے جھنجلاہٹ چھپاتے ہوئے ناصحانہ انداز میں کہا۔
"یوں کہیں نا... کہ شاعر کو بھائی کہہ دو تو اس کا دل کھائی میں کودپڑنے کو کرتا ہے... ہاہا... ہا!" کینڈی زور دار تالی مارتے ہوئے ہنسی ... عمیس نے دانت کچکچائے۔
"ٹھیک ہے... یعنی تم سنجیدہ ہی نہیں میرا کلام سننے کے لیے...!" وہ مصنوعی دل گرفتی سے اٹھنے لگا... کینڈی فوراً "سے پیشتر بولی۔
"ارے! ایسا ہرگز نہیں... آپ کا کلام سننے کے لیے تو مشتاق بیٹھے ہیں..."
"ہائیں... اوہ تیری...!" عمیس ڈڈو کی مانند یکدم اچھلا تھا۔" سراسیمہ سا پورے لاؤنج میں نظریں گھمانے لگا۔
"ک... کہاں ہیں مشتاق صاحب؟ بھلا پہلے بتاؤ کہ یہاں کوئی مشتاق صاحب بھی تشریف فرما ہیں... حد کرتی ہو کینڈی بہن...!" جوتے پڑنے کے خیال سے

عمیس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ بوکھلاہٹ میں وہ اول فول بکے جا رہا تھا... کینڈی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔
"واہ جی واہ... کیا کہنے آپ کے عمیس بھائی ٹی ٹی!"
کینڈی نے لفظ بھائی کو قدرے چباتے ہوئے داد دی تھی۔
"مان گئی آپ کا جگرا... ایک پل میں جس کے ساتھ عشق جھاڑا جا رہا ہو... اگلے ہی پل اسے آپی' باجی پکارنے کا فن آپ کو بخوبی آتا ہے۔ واللہ! میں تو آپ کی شاگردی اختیار کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں!" طنز کے شیرے میں ڈوبی مصنوعی عقیدت کا اظہار کرتی کینڈی کا اعتماد دیکھ کر عمیس سچ مچ بوکھلا گیا تھا۔
"وہ تو میرے منہ سے اچانک نکل گیا تھا... اصل میں کینڈی۔" بھرپور سنجیدگی کا تاثر لیے نگاہیں اس پر جمائیں۔ "میں نہیں چاہتا کہ تمہاری محبت کا جو بیج میں نے اپنے دل میں بویا ہے... اس میں سے کونپل پھوٹنے سے پہلے ہی کوئی اسے نوچ ڈالے۔"
"آں... ہاں!" کینڈی نے مزہ لینے والے انداز میں ہونٹ سکیڑے۔
"اچھا آپ کوئی کلام سنا رہے تھے اپنا... سنائیے نا۔"

"ارے ہاں' وہ اصل میں مشتاق کے چکر میں ذہن سے ہی نکل گیا... لو پھر عرض کیا ہے۔"
"ہم بھول گئے رے ہر بات... مگر تیرا پیار نہیں بھولے...
تمام رات ہوتی رہی برسات... مگر تیرا پیار نہیں بھولے..."
پرانے پاکستانی گانے کا دلیہ بنا کر عمیس اب داد طلب نظروں سے کینڈی کو دیکھ رہا تھا... جس کے چہرے پر واضح طور پر ہائیں کا تاثر تھا... اس نے دھیرے سے کھنکھار کر بالائی لب پر انگلی ٹکاتے ہوئے کہا۔
"آپ تو بہت مہان ہیں عمیس بھائی... آپ کا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کلام تو آپ کی پیدائش سے کئی دہائیاں پہلے ہی چوری بھی ہو گیا... دھت تیرے کی...!"

اپنے ہی سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا۔

عمیس نے فخر سے سینہ پھلایا اور بات کی تہ میں پہنچے بنا ہی بڑھک ماری۔

"اف...! دل تو چرایا تھا... جگر بھی لے اڑیں ظالم صرف تم نے ہی میرے کلام کی قدر پہچانی ہے... ورنہ ایک دہائی تو مجھے بھی ہو گئی کہتے ہوئے کہ میرے الفاظ چرائے جا چکے لوگو... خدارا کوئی تو سنو... مگر دیوانے کی بڑ پہ کون کون کان دھرتا ہے!" عمیس نے مصنوعی تاسف سے آنکھیں میچ لیں... کینڈی کو یکدم شرارت سوجھی۔

"عمیس بھائی ایسی ہلکی پھلکی تک بندیاں تو میں ناچیز بھی کر لیتی ہوں... تو کیا خیال ہے ہو جائے کچھ فی البدیہہ...!"

"ہیں... کون سی دہی...؟" عمیس نے تھوک نگل کر پوچھا۔

"دہی کدھر بنی ابھی عمیس بھائی... چلیے نا موقع بھی ہے... دستور بھی... کچھ آپ کہیے کچھ ہم سناتے ہیں... ذرا داؤ پیچ آزماتے ہیں؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں..." (مر گیا عمیس) جی ہی جی میں عمیس کرلایا... کینڈی کے بھرپور جوش کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک لمبا اور ٹھنڈا سانس کھینچا اور اتر آیا میدان میں... "آ رہا یار... بیٹا جتنے شاعر نظر سے گزرے ہیں سب کا گھوٹا لگا دے... ورنہ ورنہ عزت کی چٹنی بن جائے گی؟" اندر ہی اندر خود کو دلاسا دیتے ہوئے عمیس جمال نے آنکھوں میں خمار بھرتے ہوئے پہلے عرض کیا۔

"ہم...! میں نے کہا... تم سے بہت پیار ہے۔"

"آہاں...! ہم نے کہا... تو ہی تو دلدار ہے...!"

میں نے کہا "دھوم دھام سے لے کر بارات اپنی جاؤں گا..."

ہم نے کہا "یہ بھی بول 'ساری عمر بیوی کو رلاؤں گا'۔"

بے حد دل گرفتی سے کینڈی نے آنکھیں میچتے ہوئے کہا... ستر کی دہائی کی ہیرو ٹن کی طرح لہرا کر آنکھوں پر دوپٹے کا پلو بھی دھر لیا...

عمیس کی پٹاری میں ابھی چار مصرعے مزید تھے اور وہ پورے فارم میں بھی تھا... جب پیچھے سے یکدم میاں جی نے شاندار اینٹری دی۔

"خنجر دیا پترا... ایدر آ...!"

کینڈی تو لمحوں میں نو دو گیارہ ہو گئی... میاں جی کے ہاتھ میں عمیس کی پتلی اور لمبی گردن آ گئی تھی... اس کے بعد عمیس آگے آگے اور میاں جی ہاتھ میں اپنا چمڑے کا کھسہ لیے پیچھے پیچھے... تاک تاک کے نشانے پہ مارا تھا... اور پھر شام تک جب جب چوٹیں سہلاتے عمیس کے منہ سے دہائی نکلتی تب تب وہ اپنی سات پشتوں سمیت تک بندیوں سے تائب ہوتا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

گونگلو کو اسکن الرجی ہوئی تھی... سارے جسم پر چھوٹے چھوٹے باریک دانے سے نکل آئے تھے۔ چٹا گورا گونگلو اس وقت لال چقندر ہوا جا رہا تھا... بخار الگ کسر پوری کر رہا تھا... بے جی کی تو ویسے ہی اس میں جان اٹکی تھی... ہتھیلیاں مسل مسل کر واویلا کیے جا رہی تھیں۔

"آئے ہائے! ہورے کدی نظر لگ گئی میرے گونگلو نو... سارا پنڈا (جسم) پتوپت ہو گیا منڈے دا۔"

بے جی کی دہائی تب تک جاری رہی جب تک حرم کالج سے گھر نہیں آ گئی... گھر کے مردوں کے آنے میں ابھی ٹائم تھا اور بے جی جانتی تھیں کہ میاں جی نے محض گونگلو کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے لیے وقت سے پہلے کسی لڑکے کو گھر روانہ نہیں کرنا... اور جو تے کھانے کے بعد تو عمیس بھی باقاعدگی سے فیکٹری جا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

رہا تھا۔۔۔ لہٰذا کسی کو فون کر کے بلاتیں بھی تو آتے آتے ہی چار گھنٹے لگا دیتے۔۔۔ اس لیے جیسے ہی حرم گھر پہنچی، بمشکل اسے منہ پہ دو چھینٹے مارنے کی اور منہ میں دو نوالے ڈالنے کی رعایت ملی تھی۔۔۔ بے جی نے گونگلو کا بازو پکڑا۔۔۔ سر پر برقعہ ٹکایا۔۔۔ کوفت زدہ سی حرم بمشکل ساتھ چلنے پر راضی ہوئی تھی۔۔۔ وہ تو شکر تھا کہ ادریس بھائی کی کلٹس گھر میں ہی کھڑی تھی اور حرم ڈرائیو کرنا جانتی تھی اس لیے جلدی ہی کلینک پہنچ گئے۔۔۔

اسکن اسپیشلسٹ کے کلینک پر رش بے تحاشا تھا اور ڈاکٹر غائب۔۔۔! ٹوکن لے کر حرم فرصت سے ویٹنگ روم میں آ کر بیٹھ گئی۔۔۔ بے جی اور گونگلو کے برابر۔۔۔! بے جی بڑی محویت سے مریضوں کی اکتائی ہوئی شکلوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔۔۔ حرم جانتی تھی کہ ان میں سے ہی کسی مریضہ کے ساتھ اگلے پندرہ منٹ میں بے جی دوستانہ تعلقات استوار کر کے اس کا شجرہ نسب تک جان لیں گی۔۔۔ حرم نے سر پر اوڑھی چادر کو کھینچ کر ناک تک آدھا چہرہ ڈھکا اور سر ٹیک کر آنکھیں موند لیں۔۔۔ اس پر غنودگی طاری تھی یا شاید واقعی وہ سو گئی تھی جب اس کے حواس یک دم بے جی کی قدرے اونچی اور غصیلی آواز پر بیدار ہوئے۔

"لے دس! میرے نالوں سال کھنڈ چھوٹی ہونی۔۔۔ تے مینوں اماں جی کہندی اے پئی۔۔۔ تیرے تے سارے دند (دانت) ڈگ گئے۔۔۔ پھلے (پھولے) شاپر ورگا تیرا منہ اے۔۔۔ میرے وات (دہانہ) اندر رب دا شکر پورے ست (سات) دند تے چار داڑھاں (داڑھیں) سالم دیاں سالم موجود نے۔۔۔ وڈی آئی تو چھور چھنی (کاکی منی)۔۔۔!"

حرم بے چاری بوکھلا کر بے جی کو چپ کروانے کے لیے ٹھوکے دیے جا رہی تھی۔ اسے پوری بات تو نہیں پتا چلی بس بے جی کے فقروں نے اسے بخوبی باور کرا دیا تھا کہ سامنے والی کرسی پر غصے سے بڑبڑاتی خاتون نے یقیناً "بے جی کو بزرگی کی سند عطا کرنے کی کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں بے جی نے جواباً "ان خاتون کے کشتوں کے پشتے لگا دیے تھے۔ ادھر گونگلو خارش کر کر کے بے حال ہوا جا رہا تھا۔۔۔ اس نے قدرے بے بسی کے ساتھ کلینک کے داخلی دروازے کی طرف نگاہ کی۔۔۔ عین اسی لمحے ڈاکٹر کی آمد ہوئی۔۔۔ حرم نے شکر کا کلمہ پڑھا اور بے جی کو متوجہ کیا۔

"بے جی۔۔۔ اب بس کریں، اٹھیں جلدی ڈاکٹر صاحب آ گئے ہیں۔۔۔"

"ہن آیا اے ٹٹ پینا۔۔۔ میرا دل پھیا کردا اے کہ کونی (کہنی) مار کے ایڈیاں ناساں (ناک) بن دواں۔۔۔ خچر جیا نہ ہووے تے۔۔۔!" بے جی تو مزید طیش میں آ گئی تھیں۔۔۔ سارا غصہ انہوں نے ڈاکٹر پہ نکالا تھا۔۔۔ ارد گرد بیٹھے مریض دبی دبی ہنسی ہنس رہے تھے۔۔۔ محظوظ ہو رہے تھے۔۔۔

اللہ اللہ کر کے ان کا نمبر آیا تو تینوں اندر چلے گئے۔۔۔ گونگلو کو پیشنٹ اسٹول پر ٹکا کر حرم خود اس کی تکلیف کو تفصیلاً "بیان کرنے لگی۔۔۔ ڈاکٹر بلال، حرم کو دیکھ کر ٹھٹک سا گیا۔۔۔ نظر بار بار بھٹک کر گونگلو کے بجائے اسی کے حسین چہرے پر آ ٹکتی۔۔۔ جبکہ بے جی بایاں ابرو اچکائے نظر کے موٹے چشمے کے پیچھے سے مسلسل ڈاکٹر بلال کو کینہ توز نگاہوں سے تکے جا رہی تھیں۔۔۔

ڈاکٹر بلال نے گونگلو کا معائنہ کیا اور نسخہ لکھنے سے پہلے استفہامیہ انداز میں حرم کو دیکھتے ہوئے گونگلو کا نام پوچھا۔۔۔

"ایدا ناں گونگلو۔۔۔!" جواب بے جی کی طرف سے آیا تھا۔

"نہیں اماں جی! پیٹ نیم نہیں، اصل نام!" ڈاکٹر بلال نے نرمی سے بے جی سے پوچھا۔

"ناں تے میں تینوں کدوں اودے ٹڈ (پیٹ) وا ناپ دسیا اے۔۔۔ آکھیا تے ہے گونگلو۔۔۔ گونگلو۔۔۔!" بے جی نے نظروں ہی نظروں میں حرم کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے تلخی سے ڈاکٹر بلال کو جواب دیا۔

ڈاکٹر بلال نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے پوچھا۔

"والد کا نام۔۔۔؟"

"اجمل۔۔۔!" جواب پھر بے جی نے ہی دیا۔۔۔ حرم

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

مارے شرمندگی کے سر جھکائے بیٹھی تھی۔
"پیشنٹ کا نام... گونگلو! والد کا نام... اجمل! یعنی کہ گونگلو اجمل... ہاہا'ہا... یہ تو بڑی فنی (مزاحیہ) سی بات ہے۔" ڈاکٹر بلال نے بڑی میٹھی نظروں سے حرم کو دیکھا اور ہنستے ہوئے بولا۔
اس کی حرم کو تاڑتی نظریں دیکھ کر بے جی دوبارہ طیش میں آگئیں۔
"میں اک چھپڑ مارنی اے'تیری ساری فنی خرابی نکل جانی اے... ڈاکٹر بن ٹشوہدا نہ بن..."
اب کے ڈاکٹر بلال کے چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔ اس نے عافیت اسی میں جانی کہ خاموشی سے نسخہ لکھے اور ہاتھ میں تھمائے ورنہ ان بزرگ خاتون سے کوئی بعید نہ تھا کہ باہر بیٹھے مریض بھی اس کی اس عزت افزائی کو لائیو ملاحظہ کرتے۔

☼ ☼ ☼

بے جی... حرم اور گونگلو کے ساتھ گھر پہنچیں تو فوزیہ پھوپھو آگے پنچائیت لگائے میاں جی کو گھیرے بیٹھی تھیں... بیگم جمال اور بیگم اجمل بھی قریب ہی براجمان تھیں... کینڈی ابھی ابھی چائے بنا کر لائی تھی اور سب کو کپ پکڑا رہی تھی۔
بے جی پہلے ہی اکتائی ہوئی تھیں... یہ تماشا دیکھ کر تو ان کا جی چاہا کہ فوزیہ پھوپھو کی گردن مروڑ دیں... بے جی نے برقعہ اتار کر حرم کو پکڑایا اور آستین چڑھاتی میدان میں اتر آئیں... پھر تو وہ گھمسان کا رن پڑا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دی... صرف بے جی کی پنجابی اور فوزیہ پھوپھو کی انگریزی ایک دوسرے سے سر ٹکراتی 'پاش پاش ہو کر فضا میں بکھر رہی تھیں... میاں جی بیٹھے مزے سے سر دھنتے ہوئے چائے کے گھونٹ بھر رہے تھے... انہیں عورتوں کی لڑائی دیکھنے میں لطف بہت آتا تھا... بیگم جمال گئیں اور اندر سے مرچیں پکڑ لائیں... دونوں ماں بیٹی پر سے وارنے لگیں... ان کے خیال میں کسی کی بد نظر لگی تھی جو ماں بیٹی لڑ پڑی تھیں... بے جی نے چڑ کر بیگم جمال کا ہاتھ پرے جھٹکا... "پراں کر وڈی! تے مرچاں دی بجائے پھوزی نو چلے (چولہے) وچ پا دے..."
فوزیہ پھوپھو کو تو پتنگے لگ گئے... میاں جی کو دیکھتے ہوئے بولیں۔
"آپ سکون سے ٹی ڈرنک کریں میاں جی... اور ادھر بے جی مجھے اسٹوو میں تھرو (پھینکنا) کر کے فائر لگانے کا بول رہی ہیں... بس... اینف ہو گیا۔ میں نے مسٹر ارشد کو فون کر دیا ہے'پرسوں فرائیڈے (جمعہ) پڑھتے ہی نکل پڑیں گے... اور اب میں گئی تو آپ کو کبھی بھی اپنا فیس نہیں دکھاؤں گی... ایک پرپوزل ہی تو لائی ہوں اپنی بھتیجی کے لیے... کیا... ہے جو ایکسیپٹ کر لیں...!"
فوزیہ پھوپھو نے شال کے پلو سے آنکھیں رگڑ رگڑ کر سرخ کر لی تھیں مگر آنسو ایسے ڈھیٹ تھے کہ شاید آنسو گیس کی شیلنگ ہوتی تو نکل ہی پڑتے...
"او پھوزی پتر...! جذباتی نہ بن... سوچنے کے لیے ٹیم تو دے!" میاں جی رسان سے بولے... اس دوران بے جی اب آرام سے بیٹھی... فوزیہ پھوپھو کی چائے والا کپ تھامے سڑ سڑ کی آواز کے ساتھ پیے جا رہی تھیں... چہرے پر سکون تھا کیونکہ ان کی بھڑاس نکل چکی تھی... اور میاں جی کے تاثرات سے بھی وہ اندازہ کر چکی تھیں کہ انہوں نے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی تھی اس رشتے میں... یہ بات خاصی طمانیت بخش تھی۔

دیوار پار اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑے احرار نے بے ساختہ شکر کا کلمہ پڑھا تھا... میاں جی کے پھیکے سیٹھے رویے نے اس کی نس نس میں خوشی بھر دی تھی۔
کم از کم ہارون نامی بلا تو سر سے ٹلی تھی... احرار کو میاں جی پہ ڈھیروں پیار آیا... اس کی نظروں کی حرارت تھی کہ میاں جی نے چونک کر سر اٹھایا اور نگاہ ٹیرس میں کھڑے احرار کی نگاہ سے ٹکرائی... اسے یکدم شرارت سوجھی اور میاں جی کی طرف فلائنگ کس اچھالتا' بھرپور ہنسی ہنستا پرے ہو گیا... میاں جی نے سٹپٹا کر سب کے چہرے دیکھے... کوئی بھی متوجہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

نہیں تھا... وہ شکر ادا کرتے جی ہی جی میں بڑبڑائے... "خچر دا پتر...!"

✡ ✡ ✡

دیوان خاص میں وحشت بھری خاموشی چھائی تھی، یوں جیسے ابھی ابھی میت اٹھی ہو اور پیچھے شخص اس کا سوگ دھیمی سسکیاں بھرتا ہو... بے حد اونچی چھت اور خوب صورت شیشوں سے مزین روشن دانوں والا یہ کمرہ پرانی طرز تعمیر پر مشتمل جدید آسائشات سے لیس تھا... وسط میں لٹکتا فانوس اور اس کا جگر جگر کرتا کانچ... روشن دان سے آتی سورج کی کرنیں پڑنے کی وجہ سے نگاہوں کو دہکائے دے رہا تھا۔

یہاں موجود نوابی طرز کا بھاری بھرکم فرنیچر اس کی شان و شوکت میں اضافے کا باعث تھا...

اس وسیع و عریض دیوان خاص کی سفاک خاموشی میں غیظ و غضب چھلکاتی شخصیت نواب ترک حسین خان کی تھی... مارے طیش کے نوابی رنگت لاوا اگل رہی تھی...

"ہم...! تو آخر کار زمین نے نواب حسنین احمد خان کو اگل ہی دیا... ہونہہ، وہ ہمیں کیا سمجھتے تھے اگر وہ آسمان کی وسعتوں میں بھی چھپ جاتے تو وہاں سے بھی ہم ہاتھ بڑھا کر انہیں نوچ لاتے... چھبیس سال، پورے چھبیس سال ہم نے اپنے پوتے کو ڈھونڈا ہے۔

ہماری عمر بھر کی کمائی تھی وہ... ہمارے فرزند نواب زادہ طلال حسن خان کی نشانی... جس طرح انہوں نے اسماعیل نمک حرام (کوچوان) کے ذریعے ہماری ناک کے نیچے سے ہمارا پوتا غائب کروایا تھا۔ ٹھیک ویسے ہی ہم حسنین احمد خان کی نگاہوں کے سامنے اسے لے کر آئیں گے... ہم شب خون نہیں ماریں گے...

ہمارے جانے کے انتظامات مکمل کرواؤ شیر افگن... ہمیں جلد از جلد پاکستان پہنچنا ہے اور اپنے پوتے کو پورے طمطراق کے ساتھ اس محل میں لانا ہے... وہی ہمارا اصلی وارث ہے... چلنے کی تیاری کرو شیر افگن... اب ہم مزید تاخیر نہیں چاہتے..."

دودھیا سفید مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے انہوں نے ابرو اچکا کر ادھیڑ عمر شیر افگن اور اس کے جواں سال بھتیجے زرولی کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا تھا... وہ دونوں جان کی امان پانے پر جی ہی جی میں شکر بجالاتے ہوئے سر جھکائے الٹے قدموں واپس ہو لیے... آج کئی سالوں کی مشقت کے بعد شیر افگن اس محل کے وارث کو ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوا تھا... اس سے پہلے اس کا باپ اسی مہم میں ناکامی کے باعث نواب صاحب کے عتاب کا نشانہ بنا اسے معلوم ہو گیا کہ پاکستان میں نواب حسنین احمد خان اپنے نواسے اور نواب تبرک حسن خان کے پوتے کو لے کر کس علاقے میں روپوش ہیں۔ اور اب یہ خوش خبری نواب صاحب کو دینے کے بعد کم از کم اسے بھوکے شیر کے آگے نہیں ڈالا جانا تھا...... وہ سرعت کے ساتھ محل سے نکلا تھا اور اب اسے اگلے انتظامات کرنے تھے...

نواب تبرک حسن خان، اپنی جگہ سے اٹھے اور ہیروں جڑی چھڑی کا دستہ مضبوطی سے تھام کر سہج سہج چلتے کمرے کے سب سے تاریک گوشے تک چلے آئے... باقی ماحول سے کٹ کر اور ہٹ کر بنے اس اندھیرے اور ٹھنڈے حصے میں ایک بے نام سی وحشت اور سوگواریت طاری تھی جیسے دیوار پار کوئی زندہ لاش ہچکیاں لیتی ہو... نواب تبرک حسن خان نے ایک چھوٹا سا بٹن دبایا... کھٹ کی آواز کے ساتھ دیوان خاص سے متصل اس گوشے کی قدرے نیچی چھت پر لگے یلو اسپاٹس جل اٹھے... تبرک حسن خان مسکرا دیے... سامنے زندگی کی رعنائیوں سے بھرپور طلال حسن خان کا ہوشربا اور جاندار پورٹریٹ پوری شان سے آویزاں تھا...

"کتنا حسین ہے یہ چہرہ...!" نواب تبرک حسن خان نے گہری سانس بھرتے ہوئے سوچا۔

ہلکے بھورے چمک دار بال، اونچی پیشانی، روشن آنکھیں، کھڑی ناک اور بھرے بھرے گالوں کے ساتھ وہ ایک مکمل شاہکار تھا... بے عیب بھرپور مرد،

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

مگر صرف نظر آنے کی حد تک... نواب زادہ طلال حسن خان... مرحوم!

"آپ کی جواں مرگی کا داغ ہمارے سینے پہ ناسور بن کر دھرا ہے۔ ہم نے برسوں اس کی آبیاری کی ہے... اور تب تک کریں گے جب تک نواب حسنین احمد خان کا سینہ ایسے کئی ناسوروں سے چھلنی نہ کردیں۔

ہم ان کی نگاہوں کے سامنے سے اپنا "وہ نور" جھپٹ لائیں گے اور پھر وہ اپنے بڑھاپے کے بقایا دن یوں ہی تڑپ تڑپ کر کاٹیں گے جیسے ہم نے گزشتہ کئی سال کاٹے ہیں... آپ کی قبر پر کھڑے ہو کر جو قسم ہم نے کھائی تھی طلال خان... آج اس کے پورے ہونے کا دن آن پہنچا ہے... ہم اس محل کا وارث... اپنا خون اور آپ کے اکلوتے بیٹے "چھوٹے نواب" کو لینے عنقریب پاکستان جا رہے ہیں..."

نواب زادہ طلال حسن خان کی تصویر کے آگے کھڑے ہو کر اندھا دھند زہر اگلتے ہوئے انہیں لمحہ بھر کو یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ان کے دیے دکھوں کے تمغے تو آج بھی نواب حسنین احمد خان کے سینے پر سجے ہیں جو بے کسی اور دربدری کی موت نواب زادی عائشہ خان کا مقدر بنی تھی وہ کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے تھے... آج بھی وہ تنہائی میں بیٹی کو یاد کر کے بچوں کی طرح بلک اٹھتے تھے، جس کا مرا منہ بھی انہیں دیکھنا نصیب نہ ہو سکا تھا... طلال حسن خان نے تو دورے کی حالت میں خود کو دوسری منزل کی بالکونی سے گرا لیا تھا... شدید زخمی ہونے کے بعد وہ جانبر نہ ہو سکے اور دم توڑ گئے... جبکہ نواب زادی عائشہ کو تو دھکا دے کر گرایا گیا تھا... کسی کو خبر بھی نہ ہو سکی... اور وہ مدتوں سے دیار غیر میں نواب خاندان کے خاندانی قبرستان میں پیوند خاک تھیں... نواب تبرک حسین خان کی بیگم کا بھی برسوں ہوئے ساتھ چھوٹ چکا تھا ایک بیٹی تھیں رومانہ... وہ طلال حسن خان سے چھوٹی تھیں ... بیاہ کر دکن گئیں... وہیں پر اپنے شوہر اور دو بچوں کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کر رہی تھیں... طلال حسن خان کے مرنے کے بعد سے تو وہ مزید خوش و خرم ہو گئی تھیں کیونکہ ان کے شوہر ان پر پہلے سے زیادہ فریفتہ ہو گئے تھے... آخر کو اب ساری جائیداد اور محلات رومانہ کا مقدر تھے... مگر فی الوقت بازی الٹ گئی تھی... جس گھڑی سے نواب تبرک حسن خان کو اپنے پوتے کی اطلاع ملی تھی گویا ان کے کھنڈر وجود میں زندگی نئے سرے سے جاگ اٹھی تھی... وہ ابھی اس محل میں آیا نہیں تھا مگر انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنے پوتے کی شادی رومانہ کی اکلوتی بیٹی زونائشہ کے ساتھ کر دیں گے یوں ان کا خون ایک دفعہ پھر اس محل کی دیواروں میں حرارت بن کر دوڑے گا... خواب بھی اونچے تھے اور ارادے بھی... بس ظرف بے حد چھوٹا تھا... وہ دل میں بے شمار فیصلے قائم کرتے ہوئے طلال حسن خان کے صندلی فریم والے پورٹریٹ کو دیکھے گئے... انہیں لگا جیسے آج ایک طویل عرصے کے بعد طلال حسن خان کے بے تاثر چہرے پر مسکراہٹ سی رینگ گئی ہے...

☆ ☆ ☆

فوزیہ پھوپھو ناراض ہو کر واپس چلی گئی تھیں... بقول ان کے... ان کی شدید نوعیت کی بے عزتی کی گئی تھی... کیا تھا جو حرم کے لیے ہارون کا رشتہ قبول کر لیا جاتا... مگر بات جب جمال تایا کے کانوں میں پڑی تو انہوں نے دوٹوک انداز میں منع کر دیا تھا بلکہ وہ فوزیہ پھوپھو پہ باقاعدہ غصہ ہوئے تھے اور ردعمل کے طور پر اسی دن انہوں نے سامان باندھا... بچے اکٹھے کیے اور روتی بسورتی نکل لیں... بے جی سے تو ملی بھی نہیں اور انہوں نے بھی بیٹھے بیٹھے ہاتھ جھٹک کر زوردار "ہونہہ" بول دیا... فی الحال وہ خود بھی یہی چاہتی تھیں کہ فوزیہ پھوپھو اپنے گھر سدھاریں تاکہ وہ حرم کے لیے سکون اور تسلی سے کچھ طے کر سکیں۔ میاں جی نے البتہ بہتیری کوشش کی تھی انہیں روکنے کی... پیار سے پچکار کے...

"چل پھوزی... پتر نہ جا... جانے دے غصہ...!"

"ہرگز نہیں میاں جی... نہ...!"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"چل نا... پپو کی بات نہیں مانے گی... نہ جا...!"

"میں اب ہرگز نہیں اسٹے کروں گی میاں جی...!"

"مان جا پتر...!"

"نو... میاں جی...!"

"مان جا...!"

"ناں...!"

"چل فیر چھیتی نکل... ٹرین چھوٹنے والی ہے تیری...!"

میاں جی نے ناک کھجاتے ہوئے بے نیازی سے کہا اور فوزیہ پھوپھو منہ بسور کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں... میاں جی نے عمیس کو آواز دی اور اسے فوزیہ پھوپھو کو جلدی سے اسٹیشن چھوڑ کر آنے کے لیے کہا۔ عمیس اندر سے یکدم برآمدے میں یوں نمودار ہوا جیسے کسی نے دھکا دے کر پھینکا ہو... کینڈی کے اداس چہرے پر رونق سی اتر آئی... وہ تو ابھی واپس بھی نہیں جانا چاہتی تھی مگر ماں کی دو گھوریوں پر چپکی بیٹھ رہی... بے جی نے بغور یہ منظر دیکھا تھا جبکہ میاں جی کا دھیان عمیس پر تھا... وہ گردو پیش سے بیگانہ سا کینڈی کو یوں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جیسے آخری دیدار کر رہا ہو۔ میاں جی کو اس کا چھچھورپن دیکھ کر اندر ہی اندر ابال آرہا تھا مگر موقع کی نزاکت کا خیال تھا... وہ کسی کو متوجہ نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے پہلے تو ہلکا سا بڑبڑاتے ہوئے اسے "بے غیرت" کہا اور پھر قدرے اونچی اور ٹھوس آواز میں مخاطب ہوئے...

"میں کیتا عمیس پتر... ایک شاپر میں اپنی آنکھیں ڈال اور پھوپھی کے نال ہی بھیج دے...!"

عمیس نے یکدم سٹپٹا کر میاں جی کو دیکھا جو قہر بار نگاہیں اسی پر جمائے ہوئے تھے۔ کینڈی کا چہرہ خفت سے سرخ ہوا تھا جبکہ بے جی نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے سر نیچے کر لیا تھا... وہ جو سوچ رہی تھیں یہاں وہی معاملہ تھا... انہوں نے اپنے اندازے کی درستی پر خود کو داد دی۔ فوزیہ پھوپھو دونوں بھابھیوں سے رو رو کر گلے مل رہی تھیں... بھائیوں سے بھی وہ ناراضی کے اظہار کے طور پر بغیر ملے چلی گئی تھی۔

اسی وقت حرم کالج سے لوٹی تو اس سے بھی فوزیہ پھوپھو... گیٹ پر کھڑے کھڑے ہی مل لیں... اور جلدی سے اپنی پلٹن لے کر عمیس کے ساتھ نکل لیں... اس افراتفری پر حرم حیران پریشان سی کھڑی تھی جبکہ گھر کے بقیہ افراد کے تاثرات خاصے اطمینان بخش تھے... وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتی وہیں بے جی کے پیروں کے پاس آکر بیٹھ گئی... بے جی حرم سے نہ جانے کیا کھسر پھسر کیے جا رہی تھیں پر اس کا دھیان کہیں اور اٹکا تھا... یکدم کوئی خیال آنے پر وہ تیزی سے اٹھی... اتاری ہوئی سینڈل دوبارہ اڑسیں... اور بے جی کو "ابھی آئی" کہہ کر گیٹ سے باہر نکل آئی... اس کا رخ کچھ فاصلے پر بنے پارک کی طرف تھا... آج احرار نے اسے ضروری بات کرنے کے لیے وہاں بلایا تھا اور وہ یکسر بھول گئی تھی... وہ تیز تیز قدموں سے چلتی پارک میں داخل ہوئی تو حیران رہ گیا تھا... کوئی اکا دکا بزرگ آدمی بنچوں پر بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا... حرم گیٹ کے قریب ہی ایک بینچ پر بیٹھ کر بے چینی سے احرار کا انتظار کرنے لگی... آج اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے مجبور کرے گی کہ وہ حسنین نانا اور زینب نانی کو رشتہ لانے کے لیے کہے... ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔

اسے وہاں بیٹھے ہوئے بیس منٹ گزر گئے مگر احرار کا کوئی پتا نہیں تھا... وہ زچ ہونے لگی تھی... جلدی میں اپنا سیل فون بھی بے جی کے پلنگ پر چھوڑ آئی تھی ورنہ کال کر کے ہی پوچھ لیتی... مزید دس منٹ انتظار کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور مضطرب سی گیٹ کی طرف چل دی... نظریں مسلسل ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں کہ شاید کہیں سے احرار کا چہرہ نظر آجائے... جی ہی جی میں غصے کو دباتی وہ پارک کے گیٹ سے باہر نکل رہی تھی جب کسی نے دور سے اسے پکارا تھا... وہ ٹھٹک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی... ایک خوش پوش اور خوش شکل سا نوجوان تیز قدموں سے چلتا اس کی سمت آرہا تھا... حرم نے اسے پہچاننے کی کوشش کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

...اوہ ڈاکٹر بلال...!

"کیسی ہیں آپ؟ پہچانا مجھے؟" قریب پہنچ کر ڈاکٹر بلال نے جوش سے پوچھا۔

"جی... پہچانا نہ ہوتا تو کبھی ٹھہرتی نا...!"

حرم نے سادہ لہجے میں جواب دیا... ڈاکٹر بلال فوراً سنبھلا تھا اور خود کو کمپوز کرتے ہوئے بے جی اور گونگلو کا حال احوال دریافت کرنے لگا۔ چند منٹ حرم نے بے حد تحمل سے سوالوں کے جواب دیے تھے مگر پھر اسے کوفت نے گھیر لیا... ایک تو پہلے ہی احرار پر غصہ تھا اوپر سے یہ ڈاکٹر بھی لسوڑہ ثابت ہو رہا تھا... اس نے جان چھڑانے کی غرض سے کہا۔

"ایسا ہے ڈاکٹر بلال...! میں کسی دن اپنے بھائی کو آپ کے کلینک بھجوا دوں گی... آپ اس کا تفصیلی معائنہ کر لیجیے گا... آپ کو دوبارہ مجھے سرِ راہ روک کر اس کا حال دریافت کرنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی... چلتی ہوں!"

حرم نے قدم آگے بڑھا دیے... ڈاکٹر بلال خفیف سا کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا... یہاں تک کہ بالکل سیدھی سڑک پر کافی فاصلے پر حرم ایک خوب صورت کوٹھی میں گھستی دکھائی دی۔

"اوہ...!" ایک خوشگوار اور طمانیت سے بھرپور سانس ڈاکٹر بلال کے منہ سے خارج ہوئی... تو آخر اسے اس دل نشین پری پیکر کا اتا پتا مل ہی گیا تھا جس کے لیے وہ گزشتہ کئی دن سے کالونی کی گلیوں میں خوار ہو رہا تھا... ڈاکٹر بلال نے تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے تھے...!

☆ ☆ ☆

"میاں! آج کل ہم خاصے پریشان ہیں... نہ جانے کیسے اندیشوں سے دم الجھتا رہتا ہے..."

سنگی بساط پر مہارت سے ایک مہرہ آگے بڑھاتے ہوئے نواب حسنین احمد خان نے کہا... لہجہ قدرے بوجھل اور بجھا بجھا سا تھا۔

"دانش مندی کا تقاضا ہے کہ جب ستانے بیٹھیں تب بھی چوکنے رہیں تاکہ دشمن آپ کی فرصت کو کمزوری نہ جانے اور پیٹھ پیچھے وار نہ کرنے پائے... امید ہے کہ میری بات آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے...!" نواب صاحب کے اعصاب کو ایک جھٹکا سا لگا تھا... اس نہج پر تو انہوں نے کبھی سوچا ہی نہ تھا... وہ یکدم گم صم سے ہو گئے اور چند ثانیے بعد جب گویا ہوئے تو آواز بھلے ہی دھیمی تھی مگر لہجہ مضبوط تھا۔

"آج پانچواں دن ہے میاں... ہمارا نواسہ ہم سے کنی کترا رہا ہے... احرار میاں ہمارے بیدار ہونے سے پہلے نکل جاتے ہیں اور رات آنکھ لگنے کے بعد تشریف لاتے ہیں... ہم پر نظر پڑے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کچھ جانچ رہے ہوں... کسی کھوج میں ہوں...!"

"تو پتا کیجیے ناں... نواب صاحب! عمر ہے... تجربہ ہے... چوٹ کھائے بیٹھے ہیں... آپ بھی جانچیے کہ کس زخم کا کھرنڈ اکھڑنا چاہتا ہے... رسنے سے پہلے مرہم کا انتظام کیجیے... عمر سے کچھ نہیں ہوتا نواب صاحب... کھلاڑی مہارت رکھتا ہو تو ہاری بازی پلٹ سکتا ہے... جیسے یہ رہا آپ کا مہرہ..." انہوں نے نواب صاحب کا ہاتھ تھام کر ایک مہرے پر رکھا...

"اور یہ رہی آپ کی چال..." دھیرے سے ان کے ٹھنڈے ہاتھ کو جنبش دی "اور یہ شہ مات...!"

نواب حسنین احمد خان کے کمزور سے پیادے نے ان کا بادشاہ مار دیا تھا اور وہ بڑے ٹھنڈے میٹھے انداز میں نواب صاحب کو تک رہے تھے جبکہ نواب حسنین احمد خان یک ٹک بساط کو حیرت سے تکے جا رہے تھے... یہ جیت ان کی توقع کے برعکس تھی۔

نواب صاحب نے دھیرے سے پلکیں اٹھائیں، ہلکی گلابی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی... انہوں نے اپنے مقابل بیٹھے اس مہمان چہرے کے لیے دل میں بے پناہ محبت محسوس کی... جی ہی جی میں مصمم ارادہ باندھا کہ اب کی بار انہیں کسی صورت شکست نہیں کھانی... نہ اختیار سے اور نہ وقت سے...!

☆ ☆ ☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

حرم کا رشتہ آیا تھا۔۔۔ ڈاکٹر بلال کے لیے اس کے والدین سوالی بن کر آئے تھے۔۔۔ اور بہت محبت سے تقاضا کیا تھا۔۔۔ پوری کوٹھی میں تھرتھلی سی مچ گئی تھی جیسے۔۔۔ رشتہ بہت پائے کا بھی تھا اور پوری فیملی خاصی اسٹینڈرڈ کی تھی۔۔۔ پڑھی لکھی۔۔۔ شائستہ اطوار اور وضع دار۔۔۔!

بے جی کا میٹر تو اسی لمحے گھوم گیا تھا جس لمحے انہوں نے ڈاکٹر بلال کو ڈرائنگ روم کے سنگل صوفہ سیٹ پر دانت نکو سے بیٹھے دیکھا تھا۔۔۔ میاں جی البتہ بے حد خوش تھے اور بچھے جا رہے تھے۔۔۔ کیونکہ ڈاکٹر بلال کے دادا کا تعلق بھی میاں جی کے پنڈ سے نکل آیا تھا اور میاں جی اس بات پر "خانخواہ" والا فخر محسوس کر رہے تھے۔ بے جی نے بمشکل وہاں بیٹھ رہنے کی ذمہ داری پوری کی تھی وگرنہ ان کا دل کر رہا تھا کہ بغیر لگی لپٹی رکھے صاف کہہ دیں کہ ان کی پوتی کا رشتہ طے ہو چکا ہے۔ مہمانوں سے بھی وہ اکھڑی اکھڑی سی رہیں۔۔۔ جبکہ بیگم اجمل اور بیگم جمال بھی مرعوب سی خاطر داری میں لگی تھیں۔۔۔

مہمان چلے گئے اور رشتہ ڈال گئے۔۔۔ اس یقین کے ساتھ کہ انہیں "نہ" نہیں کی جائے گی۔۔۔ اور اب ڈرائنگ روم میں میاں جی۔۔۔ گھر کے بچوں کے ساتھ مل کر ریفرشمنٹ کے لیے رکھی گئی چیزوں کا صفایا کر رہے تھے۔

بے جی نے فون کر کے فوراً" تایا جمال اور اجمل صاحب کو بلایا تھا۔۔۔ دونوں سرعت سے پہنچے تھے اور پھر کچھ ہی دیر میں گھر کے سارے بڑے بیٹھک میں بند ہو گئے تھے۔۔۔ یہاں تک کہ اویس بھائی بھی گھر آتے ہی بیٹھک کی نذر ہو گئے تھے۔۔۔ عمیس نے بہتیری کوشش کی کہ اسے بھی بڑوں کی صف میں شامل سمجھا جائے مگر میاں جی کی ایک کٹیلی نظر نے اس کی ہوا نکال دی تھی۔۔۔ اب وہ شرافت سے بیٹھک کی اس کھڑکی سے کان لگائے کھڑا تھا جو لان کی طرف کھلتی تھی۔۔۔ جبکہ حرم کمرے میں بند تھی۔۔۔ احرار کو کال ملا ملا کر انگلیاں گھس گئی تھیں مگر اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔

زیادہ تکلیف اس بات کی تھی کہ اس دن پارک میں نہ آنے کے باوجود اس نے معذرت کا یا شرمندگی کا کوئی فون تک نہ کیا تھا۔۔۔ اور اب حرم کا غصہ حقیقتاً" پریشانی میں بدل چکا تھا۔ ایک دفعہ بہانے سے اس کے گھر بھی ہو آئی تھی مگر زینب نانی بھی اس کی روٹین سے بیزار بیٹھی تھیں۔۔۔

اور اب یہ ڈاکٹر بلال کا رشتہ۔۔۔! کیا وہ اتنا بے خبر تھا یا پھر جان چھڑانے کے بہانے ہیں؟ حرم نے دکھتے سر کو دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے مسلتے ہوئے سوچا۔۔۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ بیٹھک میں اس وقت کیا ہو رہا ہے۔۔۔ اس کی ساری دلچسپی کا سامان تو دیوار پار تھا اور دیوار پار بیٹھا سا جن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سمندر پار جا بیٹھا ہے۔۔۔ بیٹھک سے اونچا اونچا بولنے کی آوازیں باہر تک سنائی دے رہی تھیں۔۔۔ اندر میاں جی کے بھڑکنے اور بھڑک کے صلواتیں سنانے کی آواز اب صاف اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

"میں کہہ دتا۔۔۔ کوئی سوچ وی نا۔۔۔ اے میں ہونے ہی نہیں دینا۔۔۔ پاویں (چاہے) وہ نواب کا پتر میرے پیروں میں آکر بیٹھ جائے۔۔۔!"

"تے فیر میں وی آکھ دتا۔۔۔ کہ حرم داویاہ میں احرار نال ہی کرنا۔۔۔ پاویں کج وی ہو جائے۔۔۔ میں زبان دتی اے۔۔۔!" بے جی نے بھی گردن اکڑا کر تڑی دی۔۔۔

میاں جی نے طنزیہ ہنکارا بھر کر کہا۔

"ہونہہ۔۔۔! کیڑی زبان۔۔۔ زبان تے تیرے منہ وچ اے۔۔۔ مینوں پاگل بنالی ایں۔۔۔!"

"گل سنو جمال دے ابا۔۔۔! دشمنی تے صرف حسنین بھرا نال اے نا۔۔۔ احرار نمانے نے کی قصور کیتا اے۔۔۔ اینا سوہنا منڈا۔۔۔ اینا لیق فیق (لائق فائق)۔۔۔ تسی ہن جان دیو پرانیاں گلاں۔۔۔ دل وڈا کر لوتے سارے گلے آپوں آپ ہی مک جانے۔۔۔!"

بے جی اب کے بے حد رسان سے سمجھاتے ہوئے بولیں۔۔۔ میاں جی نے آنکھیں چندھی کر کے بے جی کو بغور دیکھا اور پھر تایا جمال اور اجمل صاحب پر نظر ڈالی۔۔۔ قریب پڑا سلگتا حقہ گھسیٹا اور ایک بھرپور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کش لینے کے بعد بلغمی آواز میں بولے۔

"جا... کیا یاد کرے گی...!" حاضرین کے چہرے یوں کھلے جیسے بجھتے دیے میں تیل ڈال دیا ہو... سب ہی نے ایک پرسکون سانس خارج کی تھی۔

"جا... نئیں مکاتا (ختم کرتا) میں گلے! کرلے جو بھی کرنا... اب کی بار میری لت (ٹانگ) اوپر ہی رہے گی... میں نے بھی اپنے آپ کو زبان دی ہے... یہ دیکھ۔" میاں جی نے اپنے زبان باہر نکال کر بے جی کو دکھائی... "میرے منہ کے وچ ہی ہے یہ!" بچوں کی طرح ایک بار پھر سب کو اپنی زبان کا دیدار کرا کے حقے کا کش لیا اور دھواں بے جی کے چہرے کی طرف رخ کر کے چھوڑ دیا۔ جن کے تیور خاصے جارحانہ ہو رہے تھے... جمال تایا بھی یکدم پریشان سے ہو اٹھے... دھیمے اور باادب لہجے میں گویا ہوئے۔

"میاں جی...! آپ کا فیصلہ سر آنکھوں پر... مگر اب سے پہلے ماضی میں ہوئوں کی... کی گئی غلطیوں کا خمیازہ ہم سب نے بھگتا اور ابھی تک بھگت رہے ہیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ایک اور غلط فیصلہ کر کے ہم اپنی اگلی نسل کو اس کا خراج بھرنے کے لیے چھوڑ جائیں... تاکہ یہ سلسلہ کبھی تھم ہی نہ سکے... پے در پے غلط فیصلے صادر ہوتے جائیں اور ہماری نسلیں ان کی بھینٹ چڑھتی جائیں... کیا ایسا چاہتے ہیں آپ؟"

"پتر...! تو کرتا ہے کتابی باتیں اور میں حقیقت کے پنے التا ہوں...!" میاں جی کا مدبرانہ جواب آیا۔

پھر ایک خشمگیں نظر اجمل صاحب پر ڈال کر بولے۔

"یہ اپنا صدر ممنون ہے جو... اس سے بھی پوچھ لے... ہورے یہ ہی وہ نہ چاہتا ہو نمانا جو تم لوگ چاہتے ہو...!"

"صدر ممنون" میاں جی اجمل صاحب کو کہا کرتے تھے... ان کی خاموشی جو انہیں ہمیشہ ان کی فرماں برداری لگا کرتی تھی۔ اس وقت زہر لگ رہی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ ان کا یہ سپوت ان کی مرضی کے خلاف جا ہی نہیں سکتا۔

"میں نے کیا کہنا ہے میاں جی! جو بے جی اور بڑے بھائی صاحب فیصلہ کریں... مجھے منظور ہوگا... حرم ان ہی کی اولاد ہے...!" اجمل صاحب نے ہمیشہ کی طرح جھکے سر کے ساتھ سیدھا سادا سا جواب دیا۔

"نا... تو کاغذی ابا ہے حرم کا... وڈا تو بقراط... اگے پیچھے بولتا نئیں... بولا تو لفن ہی پھاڑ مارا...!"

میاں جی کے بس میں نہیں تھا کہ اجمل صاحب کی پھینٹی لگا دیتے... بے جی کے چہرے کی چمک لوٹ آئی... واری صدقے جاتے ہوئے بولیں۔

"چھڈ دو جی... جمال دے ابا...! میرا اے پتر بڑا ہی بیبا اے... پہلاں تو لدا اے فیر بولدا اے...!"

"پر میں نئیں مانتا... ایس رشتے میں بڑے رولے ہیں...!" میاں جی کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"رولے تو اڈے (آپکے) دماغ وچ نے...!" بے جی نے تیوریاں چڑھائیں۔

"مان جائیں میاں جی... بچوں کی خوشی دیکھیں۔" جمال تایا کا التجائیہ انداز...

"تسی صرف میری مرضی ویکھو...!" میاں جی کی وہی اکڑ...

"مان جائیں میاں جی... میری بیٹی وہاں خوش رہے گی..." اجمل صاحب نے منمناتے ہوئے عرض کیا۔

"نا... کیتا ناں...!" وہی صفا چٹ نا' بے جی کا پارا چڑھائے دے رہی تھی... کب سے مکمل خاموشی کے ساتھ ساری کاروائی ملاحظہ کرنا اور بس اب کے چپ نہ رہ سکا... تھوک نگل کر... گردن کو ہلکا سا جھٹکا دیتے ہوئے بولا۔

"میرا بھی ووٹ احرار کی طرف ہی ہے میاں جی! وہ بہترین لڑکا ہے... ہم اس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں' لہٰذا اس کو ہم سے بہتر کون جانے گا... میرا خیال ہے کہ آپ...!"

"او... تو چپ کرا و کاکا...!" میاں جی نے غصے سے بانہہ لہرا کر اور بس کو چپ کرایا... چہرے پہ افسردگی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

لانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولے۔

"تسی سارے ملے ہوئے او۔۔۔ ایس طراح کرو کہ ابے نو ڈبے وچ بند کروتے دریا وچ روڑھ دیو۔۔۔ (بہاؤ۔۔۔)!"

"نا۔۔۔ ناخیری صلا۔۔۔!" بے جی نے مٹھی بھینچ کر سینے پہ رکھی۔۔۔ میاں جی خوش ہوئے کہ تیر نشانے پر لگا۔

"کیسی آں گلاں کردے او جمال دے ابا۔۔۔ دریا وچ اوویں ای روڑھ دیں۔۔۔ ڈبہ مینوں دے دیا جے۔۔۔ میں سانبھ (سنبھال) لواں گی۔۔۔!" بے جی نے ناک پر سے مکھی اڑاتے ہوئے گویا قصہ ہی ختم کیا۔۔۔ ادریس اور اجمل صاحب نے ہنسی چھپانے کے لیے ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔۔۔ جمال تایا نے سر پکڑ لیا' کیوں کہ بے جی نے معاملہ بگاڑ دیا تھا۔ کھڑکی سے لگا عمیس ادھوری بلیٹن لیے اندر کو بھاگا۔

میاں جی کے نتھنے پھڑکنے لگے تھے۔۔۔ مارے طیش کے سینہ ابلنے لگا۔۔۔ خر خراتی سانس جاری ہو گئی۔۔۔ بے جی نے جی ہی جی میں خود کو کوسا۔۔۔ ناحق طیش دلا دیا۔۔۔ اور دو چار جذباتی حملے ہوتے تو میاں جی ڈھے ہی جاتے' مگر اب تیر کمان سے نکل گیا تھا' میاں جی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھ پیچھے باندھتے ہوئے بھرپور سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"حرم کا ویاہ ڈاکٹر بلال نال ہی ہوئے گا۔۔۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔۔۔ ہن کسی نے احرار دا ناں میرے سامنے لئیا تے میرا مویا (مرا) منہ ویکھے گا۔۔۔!"

بیٹھک میں یک دم خاموشی چھا گئی۔۔۔ سب اپنی جگہ جیسے بیٹھے رہ گئے۔۔۔ میاں جی گرم چادر کی بکل مارتے۔۔۔ حقہ ہاتھ میں اٹھائے تن کر چلتے باہر نکل گئے تھے۔۔۔ بے جی نے اپنے ہاتھوں سے ایسی گرہ لگائی تھی جسے منہ سے کھولنے کے لیے دانت کدھر سے لاتیں۔۔۔ اب تو بس انہونی ہو جانے کی دعا کرنی تھی۔۔۔!

✲ ✲ ✲

سارا دن برستی بارش نے سردی کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا اور رات ہونے تک ہلکی ہلکی پھوار پھر سے شروع ہو گئی تھی۔۔۔ اس ٹھٹھرتی سردی سے بے نیاز احرار کب سے چھت پر ٹہلے جا رہا تھا۔۔۔ اس کے وجود کے اندر نہ جانے کون سا الاؤ بھڑک رہا تھا جو اسے چین ہی لینے نہیں دے رہا تھا۔۔۔ سرخ ہوتی ناک اور متورم آنکھیں لیے اس کا لمبا چوڑا وجود بھی اس کے خیالات کی طرح منتشر تھا۔۔۔ بیزاری اس کے روم روم سے چھلکتی تھی۔

اچانک دیوار پار چھت پر کھٹکا سا ہوا۔۔۔ کوئی سہج سہج چلتا اسی کے پاس آ رہا تھا۔۔۔ وہ دونوں چھتوں سے متصل دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا مگر پلٹ کر نہیں دیکھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ حرم کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔۔۔!

حرم کے دل میں جیسے کوئی کانٹا سا چبھا تھا۔۔۔ اتنے دن ہو گئے تھے انہیں ایک دوسرے کو دیکھے۔۔۔ اور اب جب اتفاقاً" وہ اسے مل ہی گیا تھا تو اتنا بے نیاز کیوں دکھائی دے رہا تھا۔۔۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ وہ کتنے ہی شکوے کرے گی۔۔۔ نخرے دکھائے گی۔۔۔ ناراضی کا اظہار کرے گی اور تب تک نہیں مانے گی جب تک اسے اتنا ہی ستا نہ لے جتنا وہ خود پچھلے کئی دنوں سے پریشان تھی۔۔۔ مگر یہاں احرار تو وہ احرار لگ ہی نہیں رہا تھا۔۔۔ اس کا بے حد سنجیدہ اور سپاٹ چہرہ دیکھ کر حرم کو یوں محسوس ہوا جیسے پہلی بار وہ "نواب زادہ احرار حسن خان" سے متعارف ہو رہی ہے۔۔۔ وہی نوابی رعونت اور طنطنہ اس وقت اس کی خوب صورت کھڑی ناک پر بڑی شان سے براجمان تھا۔۔۔

حرم بے اختیار جھجک کر چند قدم کے فاصلے پر ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔۔۔ اس نے دیکھا کہ اس ٹھٹھرتی سردی میں وہ بغیر کسی جیکٹ یا گرم سوئیٹر کے کھڑا تھا۔۔۔ اس کے چوڑے اور مضبوط شانے بارش کی پھوار نے بھگو ڈالے تھے۔۔۔ اس نے بمشکل بات شروع کرنے کے لیے سرا نکالا۔۔۔

"احرار۔۔۔! تمہیں اتنی سردی میں یوں کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ اگر بیمار پڑ گئے تو۔۔۔! دیکھو نا تم

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

سارے بھیگ چکے ہو۔۔۔!"

حرم کو اپنا ہی جملہ بے ربط اور پر تکلف محسوس ہوا۔ وہ اپنے ہونٹ چبانے لگی۔۔۔!

"تم اوپر کس کام سے آئی ہو؟ کوئی تماشا کھڑا کرنا ہے کیا؟" اس غضب کی ٹھنڈ نے حرم کے اعصاب شل نہیں کیے تھے مگر احرار کے بے مہر لہجے اور اجنبی جملے نے اس کی رگوں میں دوڑتا لہو ضرور جما دیا تھا۔۔۔ ایک ہی پل میں اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔۔۔ وہ بمشکل ضبط کرتے ہوئے بولی۔۔۔ اس کے انداز میں کٹیلا پن تھا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے نواب زادہ احرار حسن خان۔۔۔ کہ میاں جی نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے۔۔۔ میں جو آپ کی تھمائی آس کی ڈوری تھامے اتنی آگے نکل آئی تو کیا اس لیے کہ آپ وقت پڑنے پر پیٹھ موڑ کر کھڑے ہو جائیں۔۔۔ یا میری محبت کو سستا جان کر تماشا بنائیں۔۔۔!"

"تو پلٹ جاؤ واپس، واپسی کا راستہ ابھی کھلا اور ہموار ہے۔۔۔ میں آج سے۔۔۔ ابھی سے وہ ڈوری کاٹتا ہوں جسے انجانے میں تمہیں تھما بیٹھا۔۔۔"

پرخچے اڑنا کیا ہوتا ہے۔۔۔ یہ آج حرم نے جانا تھا۔۔۔ اس قدر اہانت۔۔۔! اتنی ناقدری۔۔۔! اتنی دور آ کر کیا وہ واپس پلٹ سکتی تھی۔۔۔؟ کیا وہ کسی اور کی ہو سکتی تھی؟

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے یک ٹک احرار کے گھنے براؤن بالوں والے سر کی پشت کو تکے جا رہی تھی اور آنسو قطار در قطار کٹوروں سے چھلکتے چلے گئے۔۔۔ اس کے پاس سارے لفظ ختم ہو گئے تھے جیسے۔۔۔ اور وہ اسے کہتی بھی کیا۔۔۔؟ منت سماجت کرتی۔۔۔؟ کیوں۔۔۔؟ تاکہ اس کا دل پگھل جائے۔۔۔؟ اور اگر اس کے دل کو موم ہونا ہی ہوتا تو کیا وہ اسے اتنی بڑی بات کہہ ڈالتا۔۔۔؟ نہیں ہرگز نہیں۔۔۔! وہ کسی صورت مزید خود کو نہیں گرائے گی۔۔۔ مزید اپنی عزت نفس کو روندنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔۔۔ وہ میکانکی انداز میں دو قدم پیچھے ہٹی۔۔۔

احرار نے اس کی مسلسل خاموشی پر ایک ذرا سا رخ موڑ کر اس کی موجودگی کو محسوس کیا۔۔۔ پلٹ کے اس سنگدل نے ابھی بھی نہ دیکھا تھا۔۔۔

"مجھے سمجھنے کی کوشش کرنا حرم۔۔۔! میں بہت الجھنوں میں گھرا ہوا ہوں، رشتوں کے بننے اور ٹوٹنے کے عمل کو سہہ رہا ہوں۔۔۔ بلکہ میں خود ٹوٹ پھوٹ رہا ہوں۔۔۔ برکت دادا ابھی بھی اس رشتے کے لیے نہیں مانیں گے۔۔۔ اور میں ان دنوں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ کسی کو مناؤں یا منتیں کروں۔۔۔ میں تو خود۔۔۔ میں تو خود۔۔۔!"

اس نے شدید بے چینی کے عالم میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں بالوں کو جکڑا۔۔۔ اور پھر ہیجان زدہ سا چلا کر بولا۔۔۔

"میں تو خود اپنوں کی سفاکی کا شکار ہوا ہوں۔۔۔ میرا ہر رشتے سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔۔۔ میری قابلیت اور صلاحیت کو جیسے زنگ لگ گیا ہے۔۔۔ میں کسی کو کیا سناؤں گا؟ لیکن، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔۔۔ بس میں مجبور۔۔۔!" وہ جھٹکے سے پلٹا تھا۔۔۔ اور پھر اسے جھٹکا لگا تھا۔۔۔ ساتھ والی چھت ویران پڑی تھی۔۔۔ حرم جا چکی تھی۔۔۔ اس کا دکھ جانے بغیر، اس کا اعتراف سنے بغیر۔۔۔!!

اس نے بے حد آزردگی کے ساتھ بادلوں سے بھرے آسمان کو تکا۔۔۔ بارش کا ایک قطرہ اس کے گال پر پڑا اور آنکھ سے بہہ جانے والے آنسو میں مدغم ہو گیا۔۔۔

☆ ☆ ☆

جب وہ خود سے تنہا لڑتے لڑتے تھک گیا تو نیچے چلا آیا۔۔۔ وہ بے حد آزردہ تھا، یہ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا۔ اس کا بیڈ روم لاؤنج پار کرنے کے بعد آتا تھا اور جس وقت اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تو وہیں ٹھٹک کر رک گیا تھا۔۔۔ نواب حسنین احمد خان اور زینب بی۔۔۔ دونوں ہی وہاں بیٹھے تھے۔۔۔ یقیناً" اسی کے انتظار میں، وہ ایک گہرا سانس بھرتا۔۔۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ ان کے قریب چلا آیا۔۔۔ ماحول پر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

مکمل سکوت طاری تھا... پر اثر اور پر وحشت!

"آیئے برخوردار...! آیئے... آپ ہی کے لیے آج دو ضعیف و نزار وجود اپنی توانائیاں مجتمع کیے بیٹھے ہیں... قسمت نے یہ دن بھی ہمیں دکھانا تھا کہ ہمیں اپنے نواسے سے ملے ہوئے کئی دن بیت چکے ہیں اور آج ہمیں مجبوراً"... رات کے اس پہر... ٹھنڈ سے چٹختی بوڑھی ہڈیوں کو نظر انداز کر کے... محض آپ سے اس سرد جنگ کی وجہ جاننی ہے، جو کئی دن سے آپ کے اور ہمارے بیچ جاری ہے...

ساگوان کی لکڑی سے بنی منقش چھڑی پہ دونوں ہاتھ ٹکائے... بالکل سیدھ میں غیر مرئی نقطے کو تکتے ہوئے نواب صاحب نے بے حد ہموار اور بے لچک انداز میں گلہ کیا تھا...

احرار نے ایک تھکی تھکی بے تاثر نگاہ اپنے نانا جان پر ڈالی اور لب بھینچ کر سر جھکا لیا... زینب بی کی گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز اس کے کانوں میں پڑی... اس کے دل کو کچھ ہوا مگر اگلے ہی پل کسی خیال نے اس کے نرم پڑتے احساسات پر برف ڈال دی تھی...

"ہمیں جواب چاہیے برخوردار...!" نواب صاحب اس کی چپ سے تنگ آ کر دوبارہ گویا ہوئے۔

"آخر ایسا بھی کیا ہو گیا کہ آپ اتنے کٹھور ہو گئے کہ آج آپ کی نانی جان کو بخار میں تپتے تیسرا دن ہے اور آپ کو ان کا احوال دریافت کرنے کی بھی فرصت نہیں... کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ جسے ہم نے عصائے پیری (بڑھاپے کی لاٹھی) جان رکھا تھا... اسے اندیشوں کی دیمک نے چاٹ لیا... نفرتوں کی سلگتی بھٹی کا ایندھن بننا اس کا نصیب ٹھہرا...!"

نواب صاحب کی آنکھوں میں تیرتی نمی ان کے اندرونی خلفشار کی گواہ تھی... ان کا بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا... لاٹھی پہ ہاتھوں کی گرفت مزید سخت ہو گئی تھی...

احرار نے نگاہیں اٹھا کر بے حد کرختگی اور تنفّر سے نواب صاحب کو دیکھا... جسم کی رگوں میں دوڑتا خون ابلنے لگا... ہیجان پہ طیش غالب آیا اور وہ پھٹ پڑا...

"کیسی لاٹھی نانا جان؟ چرائی ہوئی؟ رات کی سیاہی میں شب خون مارتے ہوئے کسی کی امیدوں اور تمناؤں کا مرکز آپ چرا لائے... یہ سوچ کر کہ آنے والے کل میں وہ آپ کے بجھتے چراغ کی لو بنے گا... کیا کبھی جائز کو ناجائز کی کوکھ میں پنپتے دیکھا آپ نے، جو ایسی آس لگائے بیٹھے رہے...؟"

لفظ نہیں تھے... گرم تپتی سلاخیں تھیں، جو نواب حسنین احمد خان کے جسم کے آر پار ہو گئی تھیں... ان کا رواں رواں تکلیف کی شدت سے بلبلا اٹھا تھا... اتنی شدید نفرت... اتنا زہر... کس نے بھر دیا تھا ان کے نواسے کے اندر...؟

ان کی پتلیاں ساکت تھیں اور زبان مفلوج...

زینب بی سینے پہ ہاتھ دھرے فوراً" نواب صاحب کی طرف لپکیں اور ان کے کندھے سہلانے لگیں... بے یقینی کی کیفیت میں وہ احرار کے چہرے کو تکے جا رہی تھیں جس پر شرمندگی کے رتی برابر بھی آثار واضح نہیں تھے۔ کدھر خرابی ہوئی تھی؟ کس کا داؤ چلا تھا؟

ساری عمر پروں میں چھپائے رکھا تھا اپنی بیٹی کی اس نشانی کو... گرم ہوا کا جھونکا بھی اسے چھو جائے... یہ ان دونوں میاں بیوی کو گوارا نہ تھا... تو اب ایسا کیا ہوا تھا کہ لال آندھی ان کا آشیانہ پھونک ڈالنے کے درپے تھی...

انہوں نے نواب صاحب کے سرد کاندھوں کو گرم شال سے ڈھکتے ہوئے ایک ملامتی نظر احرار پر ڈالی... جواباً" وہ نظر چرا گیا تھا...

"ان سے کہیے زینب بی... کہ ہمارے سامنے سے ہٹ جائیں... جو آنسو ان کی دی ہوئی چوٹ پر ہماری آنکھوں سے چھلکنا چاہتے ہیں... وہ ہم ان کے سامنے بہا کر ارزاں نہیں کرنا چاہتے... جائیں، چلے جائیں یہاں سے..."

نواب صاحب کی بھنچی بھنچی آواز میں انجانا کرب ہلکورے لے رہا تھا... زینب بی ان کے پیچھے کھڑی... اپنے ہی کاندھے پر لب رکھ کر سسک اٹھیں... صرف

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

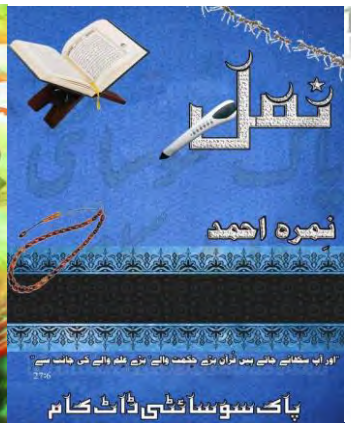

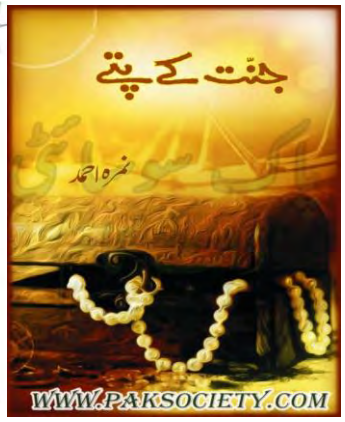

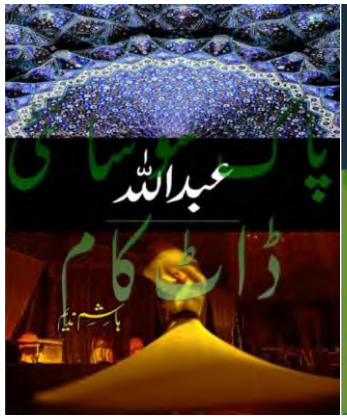

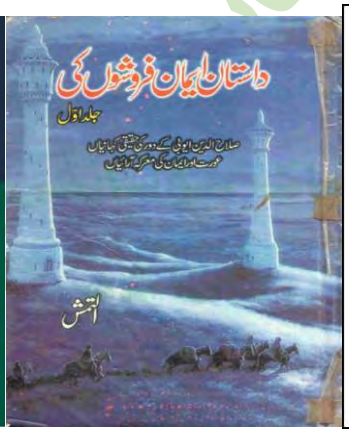

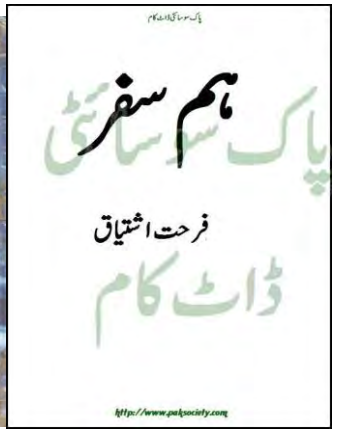

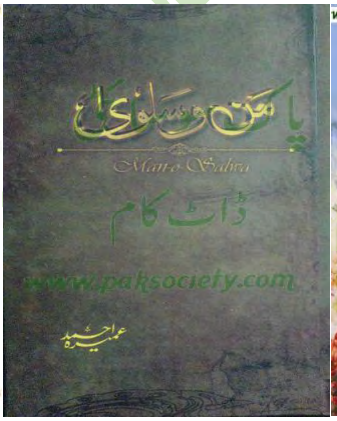

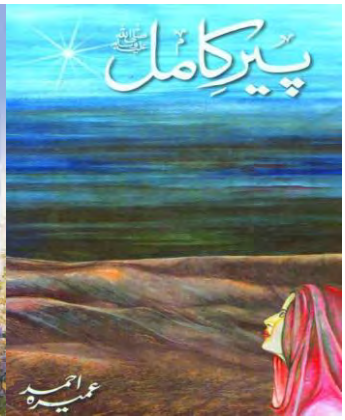

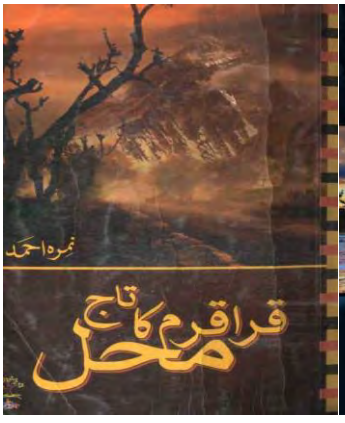

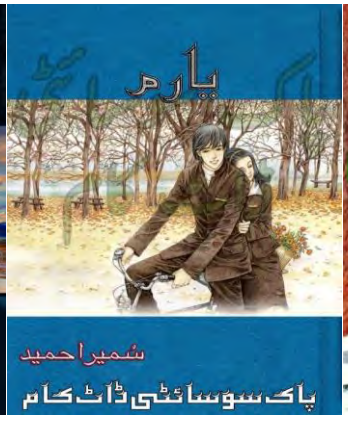

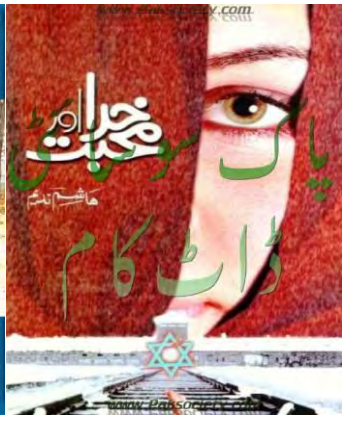

Downloaded from Paksociety.com

وہی تھیں جو اس وقت اپنے خاوند کی دلی کیفیت سے آگاہ تھیں۔

"چلا جاؤں گا... جلد چلا جاؤں گا یہاں سے... پھر آپ اپنے کیے پر آنسو بہانے کے لیے بالکل تنہا ہوں گے نانا جان... ویسے ہی، جیسے آج تک میری جدائی میں، میرے دادا حضور نے بہائے ہیں..!" احرار سفاکی سے کہتا ہوا... تیز قدموں سے چلتا لاؤنج پار کر کے اپنے کمرے میں جا چکا تھا... اور پیچھے سکتے کی حالت میں رہ جانے والے دو بوڑھوں کے دل جیسے دھڑکنا بھول گئے تھے...

☆ ☆ ☆

میاں جی نے حرم کی شادی کی تاریخ طے کر دی تھی۔ گھر کی پہلی بیٹی کی شادی تھی... سوائے بے جی کے سب ہی راضی تھے... ہاں! عمیس، حرم اور احرار کے لیے فکر مند تھا مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا... ویسے بھی فوزیہ پھوپھو سب کچھ بھلائے ایک دفعہ پھر سامان باندھے وارد ہوئی تھیں اور ساتھ میں بلاشبہ کینڈی بھی تھی جسے دیکھتے ہی عمیس کا منہ میٹھا ہو گیا تھا...

جمال تایا نے پراسرار سی چپ سادھ رکھی تھی... اور اجمل صاحب تو شروع سے ہی مرنجاں مرنج قسم کے انسان تھے... جدھر باپ نے لگایا ادھر ہی سر سمایا... تو اب بھلا کیسے چوں چرا کر سکتے تھے؟ گھر کی خواتین پورے جوش و خروش کے ساتھ شاپنگ میں جت گئی تھیں... مشورے کے لیے بے جی کے پاس آتیں تو وہ سر تک لحاف تان لیتیں... بات چیت مکمل بند کر رکھی تھی انہوں نے... خاص طور پر میاں جی کو دیکھتے ہی نفل نماز کی نیت باندھ لیتی تھیں... میاں جی برا سا منہ بناتے، سر جھٹک کر وہاں سے ہٹ جاتے مگر اپنی ضد سے ہٹنے کو تیار نہ تھے...

حرم نے کالج سے استعفیٰ دے دیا تھا... اور اب سارا سارا دن کمرے میں گھسی نہ جانے کیا کرتی رہتی تھی... اس کی متورم آنکھیں اور حلقے صرف بے جی کو دکھائی دیتے تھے... مگر وہ بے بس تھیں... صرف انہونی کے لیے دعا گو رہتی تھیں...

میاں جی نے ارجنٹ نوٹس پر زارون کو بلا لیا تھا۔ آخر کو حرم کا بڑا بھائی تھا... بہن کی شادی کے موقع پر اس کا ہونا بے حد لازم تھا۔ جس دن سے زارون آیا تھا، فوزیہ پھوپھو اس کے واری صدقے جا رہی تھیں... اس کے آگے پیچھے پھرتی وہ اسے بھی حیران کیے دے رہی تھیں... ماں الگ نظروں ہی نظروں میں بلائیں لیتی رہتیں... وہ خاصا نکھر گیا تھا... اسے پردیس کی آب و ہوا خاصی راس آئی تھی... گال سرخی مائل اور رنگت مزید سفید ہو رہی تھی... بول چال میں بھی واضح تبدیلی آئی تھی... اپنے چھ حرفی جملے میں چار حرف انگریزی میں جھاڑتا وہ ہو بہو فوزیہ پھوپھو کا ہی بھتیجا لگ رہا تھا۔ اور انگریزی بولتے ہوئے جس قدر اس کا منہ بگڑتا تھا اس سے ڈگنا... میاں جی کا اس کے انداز دیکھ کر بگڑ رہا تھا... دو دن تو انہوں نے خاصے حوصلے سے برداشت کیا اور تیسرے دن اسے آڑے ہاتھوں لیا...

جس دن زارون آیا تھا... اسی دن شام میں اس نے میاں جی کے فرمائشی پیپ (سگار) ان کے ہاتھ میں تھمائے تھے... میاں جی بڑے خوش...! اسی وقت سوچ لیا کہ جس وقت ان کا دشمن حسنین خان اپنے گیٹ سے باہر آتا ہے... عین اسی وقت وہ کھڑے پیر منجی ڈھا کے اس سوغات کے سوٹے لگائیں گے اور اسے جلائیں گے!

اگلے دن صبح گیارہ بجے کے آس پاس زارون بے جی کے پلنگ کے قریب بیٹھا مالٹے کھا رہا تھا... وہ کاٹ چھیل کے دھرتی جا رہی تھیں اور صاحب بہادر بڑی نزاکت و نفاست کے ساتھ پھانک پھانک، پھانکتے جا رہے تھے۔ میاں جی ہاتھ میں سگار کا ڈبہ پکڑے اندر سے برآمد ہوئے اور ذرا فاصلے پر پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔ دزدیدہ نگاہوں سے بے جی کو دیکھا تو وہ مگن سی پوتے کے لیے مالٹے چھیل رہی تھیں اور ہلکی سی آواز میں بات بھی کر رہی تھیں... میاں جی کو مکمل نظر انداز کیے... میاں جی کو کھدبد سی لگ گئی مگر پوچھتے انا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

آڑے آتی... پوتے پہ ناقدانہ نگاہ ڈالی تو تیور بدل گئے۔ زارون کی جینز گھٹنوں سے پھٹی ہوئی تھی... میاں جی نے ارد گرد دیکھا کہ کوئی گھر کی بچی تو نہیں ہے وہاں، جی ہی جی میں زارون کو بے حیا اور بے شرم کہا... ہاتھ میں تھامے ڈبے کی تاثیر تھی ورنہ انہیں بہانگ دہل کہنے سے بھی روک کون سکتا تھا... قدرے نرم لہجے میں پوتے سے مخاطب ہوئے...

"زارون پتر...!"

"جی... جی گرینڈ پا...!"

"انگریز دا پتر... کھچر!" ایک دفعہ پھر دل میں اسے خطابات سے نوازا... جس دن سے آیا تھا اسی منحوس لفظ سے انہیں پکار رہا تھا... اور وہ اس ڈبے کی مروت میں کڑوی گولی نگلے جا رہے تھے۔

"پتر...! صبح جب تو سیر کے لیے گیا تھا تو کیا تجھے کتے پڑ گئے تھے؟" زارون نے بوکھلا کے یوں ٹانگیں سمیٹیں جیسے وہاں کہیں آس پاس کتے ہی ہوں...

"نو... ناٹ ایٹ آل گرینڈ پا...! آپ نے ایسا کیوں کہا...؟"

"تیرے گنجے گوڈے دیکھ کے...!"

"اوہ...! یہ فیشن آج کل ان ہے گرینڈ پا...!" اس نے تسلی سے جواب دیا اور اپنے گنجے گوڈے پہ کھجلی کی۔

میاں جی نے بظاہر بے نیاز بنی بیٹھی بے جی کے چہرے پہ کھیلتی دل جلانے والی مسکراہٹ کو کینہ توزی سے گھورا اور پھر انہوں نے ناک چڑھا کے، نتھنے پھلا کے ہو بہو اس انداز میں پوتے کو تاڑا جس طرح ٹکر مارنے سے پہلے بیل شکار کو تاڑتا ہے۔

"اٹھ اوئے... اٹھ اوئے ذرا ادھر سے انگریزی گنڈے (پیاز)...!" میاں جی اونچی آواز میں ڈپٹ کے زارون سے بولے... وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ پہ کھڑا ہوا تھا...

"وہ ذرا اپنی مج کے پڑے جا اور میرا حقہ پھڑ کے لا... وہیں پہ پڑا ہے...!" میاں جی حکماً بولے... زارون کو بے حد کوفت ہوئی... بھلا بھینس کا کیا بھروسا... اس کے اتنا قریب تو پڑا ہے حقہ... لے کے دم مار دی تو... سارے کپڑوں کا ناس ہو جائے گا! میاں جی کے ہنکارے سے سہم کر وہ بھینس کے قریب آ کر کھڑا ہوا... ایک قدم آگے... بس ایک اور... تھوڑا دائیں سے ہو کر پکڑتا ہوں... یہ بھینس ذرا سا ادھر کھسک جائے تو آسانی سے حقہ پکڑ لوں گا... یہ' یہ... اور یہ...

اور جیسے ہی زارون کا ہاتھ حقے پر پڑا... عین اسی وقت بھینس کے گوبر پہ پاؤں بھی جا پڑا... سارا دھیان تو حقے اور بھینس کی دم پر تھا... کسی اور طرف نظر ہی نہیں گئی تھی...

"او... مین! واٹ دا ہیل...!" اس نے کراہت سے آنکھیں میچ کر سر اونچا کیا۔

"پتر...! یہ وہی ہیل ہے جسے تو ہی چکا (اٹھاتا) کرتا تھا۔ بوہتی ٹیں ٹیں کیتی نا... تو اس ہیل میں تیرا سر دے دوں گا... سمجھا...!" میاں جی نے دو منٹ میں ساری فوں فاں نکال کر رکھ دی تھی۔ انہوں نے بھلا کہاں اتنے نخرے برداشت کیے تھے۔

"اب میں کیا کروں... گرینڈ پا...؟" زارون کرلایا۔

"میاں جی بول... میاں جی...!"

"اب کیا کروں میاں جی...! بے جی... ی...!" زارون نے روہانسا ہوتے ہوئے لگے ہاتھوں بے جی کو بھی آواز دے ڈالی... مگر انہوں نے شاید کانوں میں تیل ڈال رکھا تھا... مجال ہے جو ذرا بھی ہمدردی سے پوتے کو دیکھا ہو... شاید انہیں بھی زارون کے اوپرے انداز و اطوار نہیں بھا رہے تھے۔

"کرنا کیا ہے تو نے... مشٹنڈے... وہی کر جو پہلاں کیا کرتا تھا' ہاتھ ڈال میرا پتر اور چار تھاپیاں بنا کر دیوار پر لگا دے... میرے حقے کی چلم کے لیے...!"

میاں جی ایسی غضب کی لاپروائی سے بولے کہ زارون کا دم خشک ہو گیا... اب بھلا دو سال انگلینڈ رہ آنے کے بعد وہ یہ کام کیسے کر سکتا تھا۔ وہ سچ میں رو دینے کو تھا... میاں جی نے اس کے لیے تھوڑی کو بہت جان کے اس کی گلوخلاصی کرائی...

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"پاؤں نکال اب باہر۔۔۔ اور کھرے میں دھو۔۔۔ آئندہ کے واسطے بندے کا پتر بنی ہن۔۔۔ بوہتی منہ ڈنگا کر کے گٹ مٹ کیتی نا۔۔۔ تو سارا شوہدا پونا (شوخیاں) کھلار (پھیلا) کر رکھ دوں گا۔۔۔ سمجھا۔۔۔ وڈا آیا۔۔۔ دیسی کتی تے ولایتی چوں چوں۔۔۔ ہونہہ!"

زارون کا بس چلتا تو اتنی شرمندگی اٹھانے سے بہتر تھا کہ پاکستان آتا ہی نا۔۔۔ برآمدے کے ستون کی اوٹ میں کھڑی کینڈی اور ثوبیہ بھابی کی ہنسی کی آوازیں مسلسل اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔۔۔ اس نے خود پر نفرین بھیجی اور بمشکل اپنا تھرتھراتا پاؤں گھسیٹ کر کھرے کی طرف چل دیا۔۔۔ بقایا ایام اسے انگریز کا نہیں بندے کا پتر بن کے رہنا ہے۔۔۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا۔۔۔

☆ ☆ ☆

فوزیہ پھوپھو کا زارون کی طرف جھکاؤ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں رہا تھا۔۔۔ ہر وقت وہ زارون کی تسبیح کرتی رہتی تھیں۔۔۔ جتنی دیر وہ گھر میں موجود ہوتا۔۔۔ اتنا وقت فوزیہ پھوپھو اس پر پروانہ وار نثار ہوتی رہتیں۔۔۔ یہ صورت حال بیگم جمال کے لیے جتنی مایوس کن تھی، بیگم اجمل کے لیے اتنی ہی حوصلہ افزا۔۔۔! بیگم جمال تو بے جی اور میاں جی کے کان میں کینڈی اور عمیس کے رشتے کے حوالے سے بات ڈال بھی چکی تھیں اور اس بات کا اندازہ کچھ کچھ فوزیہ پھوپھو کو بھی تھا مگر یہاں پہنچ کر' زارون کا بہتر اور روشن مستقبل دیکھتے ہوئے وہ کھلم کھلا ڈانواں ڈول ہوئی جا رہی تھیں۔ جبکہ کینڈی کا رویہ غیر جانب دارانہ تھا۔۔۔

حرم اور عمیس اس وقت ایک سی کیفیت میں گھرے کمرہ بند ہوئے بیٹھے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کا غم سمجھ ضرور سکتے تھے لیکن کر کچھ بھی نہیں پا رہے تھے! عمیس بڑھی شیو اور ملگجے کپڑوں کے ساتھ کمرے میں گھسا پرانے المیہ نغمے سن کر غم ہلکا کر رہا تھا۔۔۔ آنکھیں موندے نیم دراز سا تکیے کو سینے سے لگائے وہ ہو کے بھرنے میں مگن تھا جب زارون بنا دستک کے اس کے کمرے میں داخل ہوا۔۔۔ وہ خود بے حد اکتایا ہوا تھا فوزیہ پھوپھو کی ہر وقت کی اوپری محبتوں سے۔۔۔ ایسے میں عمیس کا اجڑا حلیہ اور کمرے میں گونجتے روتے بسورتے گانے نے اس کی طبیعت مزید مکدر کر دی تھی۔۔۔ وہ اس کی ٹانگ پر زوردار دھپ مار تا خود بھی دھپ سے بیڈ پر گر گیا۔۔۔ عمیس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔۔۔ اپنے سامنے زارون کو دیکھ کر بے رخی سے منہ پھیر لیا۔۔۔ "رقیب روسیاہ" کی ہی جی میں اسے وہی گھسا پٹا لقب عنایت کیا۔

"کیا ہے بے۔۔۔! ایسے کیوں گھور رہا ہے مجھے۔۔۔ اب تو میں اپنی جون میں بھی لوٹ آیا ہوں۔۔۔"

زارون کو کل میاں جی کے ہاتھوں بنی درگت یاد آ گئی۔۔۔ حلق چھوڑ' یادداشت تک کڑوی ہو گئی۔۔۔

"ہونہہ۔۔۔! میری پیٹھ میں چھرا گھونپ کے چاہتا ہے کہ میں تجھے گھوروں بھی نا۔۔۔ واہ رے زمانے۔۔۔!"

سارے جہاں کا درد اپنے ڈائیلاگ میں انڈیل کر عمیس نے ناکام عاشق ہونے کا ثبوت دیا۔

"ابے او۔۔۔ دیوداس کے مالی! سیدھی طرح بک کہ کس بات کا ماتم منا رہا ہے۔۔۔!" زارون نے کس کے ایک مکا اس کے سینے پہ مارا اور اس کے چودہ طبق روشن فرمائے۔

"تمہیں کیا ظالم' غاصب۔۔۔ تم جاؤ اور اپنی ہونے والی بھابھی کے ساتھ گلچھرے اڑاؤ۔۔۔!"

عمیس نے کلائی آنکھوں پر دھر کر کراؤن کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے آزردگی سے کہا۔۔۔ زارون نے ہونقوں کی طرح اس کو دیکھا۔۔۔ آنکھیں پٹپٹائیں اور بولا۔

"ہائیں۔۔۔! کون سی ہونے والی بھابھی۔۔۔ گونگلو کی منگنی کر ڈالی اور مجھے بتایا بھی نہیں۔۔۔ حد ہے۔۔۔ ابھی تو اسے کسے باندھنے نہیں آتے اور لے کر بندھن میں باندھ دیا۔۔۔ چچ۔۔۔!" وہ تاسف سے سر دھننے لگا۔۔۔ جب ہی عمیس نے ایک زوردار چماٹ اس کی گردن پہ دھرا۔۔۔ وہ بلبلا کر رہ گیا۔

"ابے او گدھے۔۔۔! انگریزوں کے بیچ رہ کر تیرا دماغ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بھی کھوتا ہو گیا ہے۔۔۔ میں اپنی بات کر رہا ہوں۔۔۔ اور ہونے والی بھابھی یعنی کینڈی!" عمیس جلا کٹا سا ہاتھ لہرا لہرا کر بولا۔

"او۔۔۔ و۔۔۔ و!" زارون نے او کو خاصا لمبا کھینچا۔۔۔ "تو یہ معاملہ ہے' جب ہی تو پردہ نشین ہوا پڑا ہے۔۔۔ تو کینڈی پر لٹو اور کینڈی کی اماں مجھ پر۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ یعنی کہ میں نے ادھر آکر تیرا پتا کاٹ دیا۔۔۔ ہاہا۔۔۔!" زارون ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔۔۔ ساری کہانی اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔۔۔ اب جب عمیس نے اپنا دل کھول کر رکھا تھا تو اس نے بھی سوچا کہ لگے ہاتھوں وہ بھی اپنے دل کی کہہ سنائے تاکہ دونوں کی نیا پار لگ سکے۔۔۔ اس نے عمیس کی خفا نظروں سے سہم کر بمشکل ہنسی کنٹرول کی اور تھوک نگل کر جملہ ترتیب دیا۔

"ایسا ہے یار۔۔۔ کہ تیری کینڈی مجھے ہی مبارک کیونکہ میں اپنی ککی پسند کر چکا ہوں۔۔۔ مجھے تیری لوکل کینڈی میں کوئی دلچسپی نہیں!" عمیس جو بے دلی سے اس کا منہ تکے جا رہا تھا۔۔۔ زارون کی بات سننے کے بعد اس کا دل کیا کہ اس کا منہ چوم لے۔۔۔ وہ مینڈک کی طرح پھدک کے بیڈ سے اترا اور کھینچ کر زارون کو کھڑا کیا اور والہانہ گلے سے لگا لیا۔ اس سے پہلے کہ واقعی وہ جوش الفت میں اس کا منہ چوم ڈالتا۔۔۔

"تو سوچ نہیں سکتا یار! کہ تو نے مجھے کتنے بڑے دکھ سے نکالا ہے۔۔۔ میرا تو کھانا پینا حرام ہو گیا تھا۔۔۔ فوزیہ پھوپھو کا تیری طرف جھکاؤ دیکھ کر میری راتوں کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔۔۔ اب تو بیچ سے نکل گیا ہے تو باقی سارا معاملہ میں سنبھال لوں گا۔۔۔ بے جی اور میاں جی کو آگے لگانے کی دیر ہے بس۔۔۔ اب تو مجھے یہ بتا کہ یہ ککی کون ہے اور کب سے یہ چکر چل رہا ہے۔۔۔ اور خبیث مجھ سے بھی چھپایا۔۔۔؟" وہ مطمئن اور شاد سا زارون کے کندھے پہ مکا جڑتے ہوئے بولا۔ اعصاب یکدم ہلکے پھلکے ہو گئے تھے۔

"بس یار۔۔۔!" زارون نے سر کھجاتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ "اصل میں جس گھر میں' میں پے انگ گیسٹ کے طور پر رہ رہا ہوں۔۔۔ یہ ان ہی صاحب کی بھتیجی ہے۔۔۔ رہنے والی فیصل آباد کی ہے مگر تنویر صاحب کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لیے اسپیشل پاکستان سے وہاں آئی تھی۔۔۔ کشمالہ نام ہے۔۔۔ پیار سے سب ککی بولتے ہیں۔۔۔ بس وہیں آتے جاتے انڈر اسٹینڈنگ ہوئی اور بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک آ پہنچی۔۔۔ اب بس اسے انتظار ہے کہ میں کب گھر کے بزرگوں سے اس بارے میں بات کرتا ہوں اور رشتہ لے کر اس کے گھر آتا ہوں۔۔۔ مگر میری ہمت ہی نہیں ہو پا رہی کہ میں کوئی بات چھیڑوں۔۔۔ اوپر سے میری والدہ محترمہ۔۔۔ فوزیہ پھوپھو کے آگے پیچھے پروانہ وار یوں نثار ہو رہی ہیں کہ مجھے نہیں لگتا' وہ ککی کو اتنے آرام سے قبول کریں گی۔۔۔ اب سمجھ میں نہیں آرہا کہ کروں تو کیا کروں۔۔۔"

"او۔۔۔ تو چچی کی بالکل فکر نہ کر۔۔۔ اللہ لوک خاتون ہیں۔۔۔ ان کو منانا بائیں ہاتھ کا کام ہے۔۔۔ اور فوزیہ پھوپھو سے تو ہماری والدہ میں شروع سے مرعوب رہی ہیں۔۔۔ اصل مسئلہ بے جی اور میاں جی سے ککی کی بات کرنا ہے تو اس سلسلے میں اور یس بھائی کام آسکتے ہیں۔۔۔ بس سمجھ' ہو گیا یہ مسئلہ حل۔۔۔!" عمیس نے چٹکی بجاتے ہوئے گویا اس کی مشکل آسان کی تھی۔۔۔ زارون نے اسے امید افزا نظروں سے دیکھتے ہوئے سر دھنا۔۔۔ اور پھر کچھ یاد آنے پر ایک دم عمیس سے پوچھ بیٹھا۔

"یار۔۔۔! ایک بات تو بتا۔۔۔ یہ احرار آج کل کدھر غائب ہے؟ جس دن سے آیا ہوں' دکھائی نہیں دیا۔۔۔ دو دفعہ گھر بھی چکر لگایا ہے اس کے۔۔۔ صرف زینب نانی سے ملاقات ہوئی۔۔۔ وہ بھی خاصی بیمار بیمار سی لگیں۔"

عمیس سوچ میں پڑ گیا کہ اسے کیا جواب دے۔ حرم اور احرار والے سلسلے سے زارون بے خبر تھا اور حرم آخر اس کی بہن تھی۔۔۔ وہ کس طرح زارون کو دونوں کی آپس کی ناپسندیدگی کے بارے میں بتا سکتا ہے۔۔۔ اس نے گول مول سے جواب پر اکتفا کیا۔

"ہم۔۔۔ م۔۔۔ م! کافی دن ہو گئے' مجھ سے بھی نہیں ملا۔۔۔ آج کل کاروبار جمانے کی کوششوں میں لگا ہوا ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بتا رہا تھا کہ یونیورسٹی سے ریزائین کر رہا ہے۔۔۔ چل دیکھتے ہیں کسی دن مل کر دھرتے ہیں اسے۔۔۔!"

زارون کی تو اس نے تسلی کروا دی تھی مگر خود یک دم بے چین سا ہو گیا تھا۔ حرم اور احرار، اسے دونوں بے حد عزیز تھے۔۔۔ ایک بہن جیسی کزن تھی تو دوسرا بھائی جیسا دوست۔۔۔! دونوں کی معصوم محبت کا امین تھا وہ۔۔۔ مگر حالات نے ایسا پلٹا کھایا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکا تھا۔ کچھ دیر پہلے جس دل میں شادمانی کا بھرپور احساس جاگا تھا۔ ایک دفعہ پھر تاسف نے وہاں گھر کر لیا تھا۔۔۔ وہ سچ میں آزردہ ہو گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

شطرنج کی بساط کے مہرے آج بالکل خاموش پڑے تھے۔۔۔ بے جان، ساکت وجامد! آج کھلاڑیوں کو چال چلنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔۔۔ نواب حسنین احمد خان کے تھکے ہوئے اور سلوٹ زدہ چہرے پر اپنی ہار کا غم ثبت تھا۔۔۔ زندگی کے اس موڑ پر ایک دفعہ پھر حالات اور تقدیر نے مل کر انہیں پچھاڑ دیا تھا۔۔۔ ان کے مقابل بیٹھے ان کے حریف کی نگاہیں مسلسل ان کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں جو ہرگز بھی دلچسپی سے عاری نہیں تھیں۔۔۔

"آج ہمیں یہ کہنے میں کوئی عذر مانع نہیں کہ ہم تھک گئے۔۔۔ ہم میں اب اتنی سکت نہیں کہ ہم اپنے ہی خون کو للکار سکیں۔۔۔ بس! اب ہم ہتھیار پھینکتے ہیں۔"

نواب صاحب نے بے تاثر لہجے میں کہا اور لرزتے ہاتھوں سے بساط الٹا دی۔۔۔ مقابل نے آنکھیں سکیڑ کر انہیں دیکھا اور ان کے ہاتھ پر ہاتھ دھرتے ہوئے رسان سے کہا۔

"یاد ہے، میں نے آپ سے کہا تھا کہ شطرنج کی بساط میں آپ کے ہاتھ ایک بازی ایسی ضرور آتی ہے جس میں آپ کے سارے مہرے داؤ پر لگ جاتے ہیں۔۔۔ وہ بس ایک موقع۔۔۔ ایک موقع۔۔۔! سب کچھ لٹا دو۔۔۔ یا پالو۔"

نواب حسنین احمد خان کا سارا وجود گویا برف میں ڈھل گیا۔۔۔ یہ شخص کیا ساری عمر انہیں اپنا زیر بار رکھے گا۔۔۔" انہوں نے اپنے مقابل کے پیروں پر نظریں جماتے ہوئے دکھ سے سوچا۔۔۔

"آپ کا آخر ارادہ کیا ہے۔۔۔ آپ ہم پر مزید کتنے احسانات کریں گے۔۔۔؟"

"وہ جو محبتوں کا قرض سر پر اٹھائے پھرتے ہیں نا۔۔۔ وہ احسان نہیں کیا کرتے۔۔۔ بس خراج چکاتے ہیں۔۔۔ وہی میں بھی کر رہا ہوں۔۔۔ میرا انتظار کیجیے گا۔۔۔ یہیں۔۔۔ اسی بساط پر۔۔۔!"

اور وہ چلے گئے۔۔۔ پیچھے الٹی ہوئی بساط پر ماتم کناں نواب حسنین احمد خان کی شکستہ انا بچی تھی۔۔۔

✡ ✡ ✡

"ہمیں پوری امید تھی کہ خون کی کشش آخر آپ کو ہمارے پاس کھینچ کر لے ہی آئے گی۔۔۔ ہمارے دل کی تڑپ کو آپ کے دل کی کسک بننے کی دیر ہے۔ بس، دیکھو۔۔۔ دیکھو شیر افگن! یہ ہے ہمارا پوتا نواب زادہ احرار حسن خان۔۔۔ ذی شان۔۔۔!"

یہ فخر و غرور سے پر لہجہ نواب تبرک حسین خان کا تھا جن کی سفاک آنکھوں میں اس وقت محبت کا جہاں آباد تھا۔۔۔ احرار کو دونوں بازوؤں سے تھامے وہ اپنے بائیں جانب کھڑے اپنے خاندانی ملازم شیر افگن سے مخاطب تھے۔۔۔! ایسا نہیں تھا کہ احرار پہلی دفعہ اپنے دادا سے ملاقات کر رہا تھا۔۔۔ بلکہ پچھلے ڈھائی ماہ میں وہ کئی بار یہاں آ چکا تھا۔۔۔ نواب تبرک حسن خان ٹھیک تین ماہ پہلے ہندوستان سے پاکستان آئے تھے اور اس گھر میں رہائش پذیر تھے جو ان کے مرحوم دوست کے بیٹے کا تھا۔۔۔ نواب صاحب کو زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا تھا۔ اپنے دوست کے بیٹے کی انیکسی میں قیام کرنے کے لیے۔ دوست تو کافی عرصہ ہوا فوت ہو چکے تھے مگر ان کے بیٹے مخدوم محمود قریشی نے ان کا بھرپور خیر مقدم کیا تھا۔۔۔

چند ہی دن میں شیر افگن نے احرار کو نواب صاحب کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔۔۔ بس پھر وہ تھے اور ان کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

شاطرانہ فطرت کی مہارتیں...! انہوں نے کچھ اس انداز میں اپنی اور طلال حسن خان کی مظلومیت کے قصے احرار کے گوش گزار کیے کہ احرار بری طرح بدظن ہو گیا۔ نواب صاحب نے سارا ملبہ نواب حسنین احمد خان پہ ڈال دیا تھا۔

نواب زادی عائشہ یعنی اس کی ماں کی شخصیت کا ایسا نقشہ کھینچا کہ احرار حق دق بیٹھا رہ گیا تھا... اسے تو آج تک کچھ اور ہی پتا تھا...

"ان ہی پریشانیوں اور تفکرات کے زیر اثر نواب زادہ طلال حسن خان ذہنی توازن کھو بیٹھے... ریاست کا سارا بوجھ نواب تبرک حسن خان کے بوڑھے کاندھوں پر آن پڑا... اور اسی چیز کا فائدہ نواب حسنین احمد خان نے اٹھایا اور ان کی ریاست کے وارث' ان کے بڑھاپے کی لاٹھی کو راتوں رات ہندوستان سے غائب کروا کر پاکستان میں خود بھی روپوش ہو گئے... طلال خان اپنے بیٹے کے غم میں مر گئے اور انہوں نے اپنی زندگی صرف اور صرف اپنے پوتے کو ڈھونڈنے میں صرف کردی...."

احرار کی مربوط اور مضبوط شخصیت دھجیوں میں بکھر گئی تھی... واقعات کا ربط اس قدر مستحکم تھا کہ احرار کے پاس ان کی نفی کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی تھی اور پھر اوپر تلے کئی بار کا ملنا آخر رنگ لے ہی آیا... نواب تبرک حسن خان ایک دفعہ پھر نقب لگانے میں کامیاب ٹھہرے... احرار کلی طور پر اپنے نانا سے برگشتہ ہو چکا تھا۔ اور اب وہ تیار تھا انہیں چھوڑ دینے کے لیے... وہ غم و غصے سے اتنا پاگل ہو چکا تھا کہ اسے اس وقت حرم کی بھی پروا نہیں تھی... وہ بس یہاں سے دور چلا جانا چاہتا تھا... ہمیشہ کے لیے...! اور آج وہ یہی سب طے کرنے کے لیے نواب تبرک حسن خان سے ملنے یہاں آیا تھا... وہ جلد از جلد پاکستان سے جانا چاہتا تھا... جس اذیت اور تکلیف سے وہ اس وقت گزر رہا تھا' اس کا ایک ہی حل اس کی نظر میں تھا کہ وہ کھو جائے... ہمیشہ کے لیے گم ہو جائے...

"میں نے سوچ لیا ہے دادا حضور... !میں آپ کے ساتھ ہندوستان جاؤں گا اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے... مجھے اب واپس نہیں آنا..." بظاہر مضبوطی سے کہتے احرار کے لہجے میں جیسے کانچ پروئے تھے... اور اسے صرف وہی محسوس کر سکتا تھا۔

"بالکل... بالکل! جیسا آپ کہیں... آپ کا حکم ہمارے سر آنکھوں پر... ہم نے یہاں سے جانے کے مکمل انتظامات کر رکھے ہیں... بس آپ ہی کے اشارے کے منتظر تھے... بس ایک بات کا خیال رہے ہمارے لخت جگر... کہ آپ اپنے نانا کو بے خبر رکھیں گے..." احرار نے یک دم چونک کر ان کی شکرے جیسی آنکھوں میں جھانکا... اور حیرت سے انہیں دیکھا۔

"ہم نہیں چاہتے کہ وہ راہزن آپ کے ارادوں کو کمزور کرے... آپ شش و پنج میں مبتلا ہو جائیں... دوسرے ہم چاہتے ہیں کہ انہیں وہی اذیت دے کر کے یہاں سے کوچ کریں جو گزشتہ کئی سالوں سے ہمارے حصے میں آئی ہوئی تھی..."

اپنے ایک ابرو کو اچکاتے ہوئے اور مونچھ کا کونا مروڑتے ہوئے نواب تبرک حسن خان سامنے دیوار پر آویزاں ڈوبتے سورج کے عکس کو دیکھتے ہوئے بولے۔

ان کا لہجہ لطف لیتا ہوا تھا... حظ اٹھاتا ہوا... احرار کو ایک عجیب سی ناگواری کا احساس ہوا... اس کا ہرگز ایسا ارادہ نہیں تھا کہ وہ اپنے بوڑھے نانا اور نانی کو ایسی کڑی سزا دیتا... (حالانکہ سزا تو وہ ابھی بھی دے رہا تھا) ایسا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ انہیں بے خبر رکھ کر ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائے... لیکن نجانے کیوں فی الوقت اس نے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا... اسے گھبراہٹ سی محسوس ہو رہی تھی... نواب تبرک حسن خان مسلسل شیر افگن اور اس کے ساتھ آئندہ کے لائحہ عمل پر گفت و شنید کرتے رہے... وہ بس ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا اور آخر کار اٹھ کھڑا ہوا...

"میں اب چلوں گا دادا حضور! آپ مجھے فون پر تاریخ' دن اور وقت سب بتا دیجیے گا... میں پہنچ جاؤں گا!" نواب صاحب نے اس مضبوط چوڑی چھاتی والے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کو اپنے سینے سے لگایا۔۔۔ چند پل اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔ طلال خان کا عکس تھا وہ۔۔۔ صرف چہرے پہ رعونت نہیں تھی۔۔۔

"آجائے گی۔۔۔ آجائے گی۔۔۔ ایک دفعہ ہم اپنے پوتے کو یہاں سے نکال لے جائیں۔۔۔ اپنی ریاست کی گدی پر بٹھادیں تو پورے کروفر کے ساتھ حکومت کرنا ہم سکھادیں گے۔۔۔!" نواب صاحب نے دل ہی دل میں اپنی پلاننگ خود پر واضح کی اور اپنے پوتے کو رخصتی کا عندیہ دیا۔

احرار پلٹ کر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ یہ کوریڈور تھا اور نیم اندھیرے میں تھا۔۔۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا تھا کہ یکدم پشت سے کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور کھینچ کر کچھ فاصلے پر لے گیا۔۔۔

صرف ایک لمحے کو احرار بدحواس ہوا تھا مگر اگلے ہی پل اس نے پلٹ کر مقابل پر وار کرنا چاہا تھا اور اسی لمحے جیسے زمین اس کے پیروں کے نیچے سے سرک گئی۔۔۔!

"تایا جمال۔۔۔ آپ۔۔۔؟"

"ہاں میں۔۔۔! کیوں شکی کیوں گم ہو گئی صاحبزادے؟"

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟" وہ تحیر زدہ سا پوچھ رہا تھا۔۔۔ جواباً تایا جمال نے دھیمی سی مسکان ہونٹوں پہ سجاتے ہوئے کہا۔

"میں تو اس دن سے باخبر ہوں جس دن آپ نے یہاں پہلی دفعہ اپنے نانا جان سے چھپ کے قدم رکھا تھا۔۔۔ بس آپ ہی بے خبر رہے۔۔۔ ہر احساس سے اور ہر حقیقت سے۔۔۔"

"میں بے خبر پہلے تھا۔۔۔ اب نہیں!" وہ تنفر سے سر جھٹکتے ہوئے بولا۔۔۔ "میرا سارا بچپن اسی کرید میں گزر گیا کہ میرا باپ کون ہے؟ کہاں ہے؟ ان کے ماں باپ کون ہیں؟ نانا جان نے ہمیشہ مجھے اپنی ذات کے گرد الجھائے رکھا۔۔۔ میرا باپ میری یاد میں سسک سسک کر جان کی بازی ہار گیا۔۔۔ اور اب یہ دادا کا بوڑھا وجود۔۔۔! یہ بھی تشنہ کامی کے سائے میں اپنی آخری سانسیں پوری کر لیتے جو اتفاق سے مجھے کھوج نہ لیتے۔"

"اتفاق سے نہیں۔۔۔ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کہیے۔۔۔!" تایا جمال نے قدرے سنجیدگی کے ساتھ ٹوکتے ہوئے کہا۔

"جو بھی ہو۔۔۔ لیکن اب میں ان ہی کے ساتھ ان ہی کے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں۔۔۔ اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔۔۔!"

"ہمم۔۔۔! اچھی بات ہے۔۔۔ آپ نے جو بھی فیصلہ کیا ہے 'یقیناً' ہر پہلو سے سوچ سمجھ کے ہی کیا ہو گا۔۔۔ اور ظاہر ہے 'آپ نے اپنے نانا' نانی کی پیرانہ سالی کو بھی خوب دھیان میں رکھا ہو گا۔۔۔ ہے نا؟" ان کے دھیمے لہجے میں کیے استفسار پر احرار کسمسا کر رہ گیا۔ اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔۔۔

"انہوں نے آپ کو کھو دینے کے ڈر سے اپنی جائیدادیں بیچ ڈالیں اور ایک طرح سے روپوشی کی حالت میں زندگی گزار دی۔۔۔ اور اب جب آپ جوان ہو چکے تو یہی صلہ ملنا چاہیے تھا انہیں کہ آپ ان کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جائیں۔۔۔ اچھا ہے۔۔۔ بہت اچھا ہے۔۔۔ ایک بیٹا تو فضا میں منتشر ہو گیا۔ لاش بھی نہ ملی اور بیٹی!! آپ کی والدہ۔۔۔ انہیں نواب خاندان کے محل میں پلنے والی سازشوں نے نگل لیا۔۔۔ لاش تو دور کی بات۔۔۔ قبر کا سراغ بھی نہ مل سکا۔۔۔ اچھا ہوا۔۔۔ بہت صحیح ہوا۔۔۔ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ۔۔۔ یہ اسی قابل تھے۔۔۔!"

بولتے بولتے تایا جمال کی سانس پھول گئی۔۔۔ چہرہ شدت جذبات سے دہکتا انگارہ بن گیا۔۔۔ ویسے بھی وہ بے حد بھنچے لہجے میں بات کر رہے تھے کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ان کی آواز اندر کمرے میں موجود نواب تبرک حسن خان کے کانوں میں نہ پہنچ جائے جبکہ کھیل ابھی باقی تھا۔۔۔!

احرار کے ماتھے پر پسینے کے چند قطرے نمودار ہوئے۔۔۔ جنہیں اس نے ہاتھ سے پونچھ ڈالا اور سرسراتی آواز میں گویا ہوا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"میری والدہ نے تو ملکاؤں سی زندگی بسر کی۔۔۔ وہ شادی کے کئی برس تک اولاد ہی پیدا کرنے کے حق میں نہ تھیں۔۔۔ بلکہ میری پیدائش کو لے کر بھی وہ خاصی ناخوش تھیں۔۔۔ کئی بار انہوں نے حمل کے دوران ہی مجھے نقصان پہنچانے کی بھی کوشش کی۔۔۔ وہ تو اتفاق ایسا ہوا کہ میری پیدائش کے وقت ہی ان کی موت ہو گئی ورنہ شاید وہ زندہ رہتیں تو کبھی بھی مجھے نہ اپناتیں۔۔۔ میرے والد طلال حسن خان چونکہ ان سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان کی غلط روش کی وجہ سے خائف بھی تھے لہٰذا ان کی اچانک موت نے ان کے ذہن کو مفلوج کر ڈالا۔۔۔ اور وہ بھی عین جوانی میں داغ مفارقت دے گئے۔۔۔ اس کے بعد نانا جان نے ظلم کی انتہا کر دی اور مجھے میرے آبائی محل سے اغوا کرا لائے۔! کیا ایسا ہی نہیں ہوا جمال تایا۔۔۔ بولیے۔۔۔ کیا میں نے یہ سب غلط کہا؟"

احرار میکانکی انداز میں پوری کہانی لفظ بہ لفظ ویسے ہی سناتا چلا گیا جیسے نواب تبرک حسن خان نے اس سے کہی تھی۔۔۔ اور اب آخر میں وہ نڈھال سا سوال کر رہا تھا۔۔۔ اس کی آنکھوں میں اندیشے ہلکورے لے رہے تھے۔۔۔!

ایک پل کو ان کے جی میں آیا کہ کس کے ایک تھپڑ احرار کے چہرے پر لگائیں۔۔۔ مگر وہ سختی کے ساتھ اپنی مٹھی بھینچ گئے۔۔۔ وہ کیسے اس چہرے کو گزند پہنچاتے جس میں نواب زادی عائشہ جھلکتی تھیں۔۔۔ ایک طویل سانس کھینچ کر انہوں نے خود کو قدرے نارمل کیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے۔

"اس کمرے کے دروازے سے ایک انچ بھی ادھر ادھر مت سرکنا۔۔۔ بس کان لگائے رکھنا۔۔۔ آپ پر سب کی اصلیت کا پول کھل جائے گا صاحبزادے۔۔۔!"

یہ کہنے کے ساتھ ہی انہوں نے احرار کا ہاتھ تھاما اور دبے پاؤں چلتے دروازے کے قریب چلے آئے۔۔۔ ایک نگاہ اس کے پریشان چہرے پر ڈالی اور اس کا کاندھا تھپتھپا کر دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہو گئے۔۔۔ یوں کہ اسے اتنا کھلا رہنے دیا کہ اندر کی آواز بہ آسانی باہر سنائی دے سکے۔۔۔ آخری چال چلنے کا وقت آگیا تھا۔۔۔!

☆ ☆ ☆

دستک کی آواز سنائی دی۔۔۔ شیرافگن کو پراسرار لہجے اور تیکھے چتون لیے ہدایت دیتے ہوئے نواب تبرک حسن خان نے ایک لمحے کا توقف کیا۔۔۔ نووارد کو دیکھ کر بھنویں مزید سکڑ گئیں۔

"کون ہیں آپ؟ کیا ہم آپ کو جانتے ہیں جو یوں ہمارے میزبان کے بغیر ہمارے پاس چلے آئے ہیں؟"

ٹانگ پر ٹانگ دھر کر سوال کیا گیا۔۔۔ جمال صاحب چند قدم نپے تلے سے اٹھاتے ایک کاؤچ کے قریب آئے اور پورے اعتماد سے اس پر براجمان ہو گئے۔

نواب صاحب کا چہرہ ان کی اس حرکت پر متغیر ہوا۔۔۔ ناگواری صاف مترشح تھی۔

"آپ کا میزبان مخدوم محمود قریشی میرا جگری دوست ہے لہٰذا اس نے میرے ہمراہ آنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔۔۔ ویسے میرے تعارف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں نواب حسنین احمد خان کے بے حد قریبی عزیزوں اور خیر خواہوں میں سے ایک ہوں۔۔۔ میرا بچپن ان ہی کے سامنے کھیل کر جوان ہوا ہے۔۔۔ میرا یہاں آنے کا مقصد محض یہ جاننا تھا کہ۔۔۔"

"کہ ہم نواب زادہ احرار حسن خان کو کیوں ورغلا رہے ہیں۔۔۔ ہے نا؟" یک دم نواب صاحب نے جمال صاحب کو ٹوک کر جملہ مکمل کیا تھا۔۔۔ انداز میں لاپروائی اور بے نیازی چھنے کی حد تک زیادہ تھی۔۔۔ جمال صاحب کے ہونٹوں پر بڑی نفیس سی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی۔ وہ بے حد تحمل سے گویا ہوئے۔

"نہیں، ہرگز نہیں! احرار آپ کا پوتا ہے، آپ کا خون۔۔۔ اس پر حق ہے آپ کا۔۔۔ نواب حسنین احمد خان بخوبی جانتے ہیں کہ ان دنوں وہ آپ سے نہ صرف مل رہا ہے بلکہ وہ آپ کے ہمراہ ہندوستان جانے کا بھی خواہش مند ہے۔۔۔ انہیں اس بات پر چنداں اعتراض نہیں۔۔۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اس قدر میٹھے اور ٹھنڈے جواب پر نواب صاحب کے دل میں سوئی سی چبھی تھی۔۔۔ نواب حسنین احمد خان کا ایسا سادہ ردعمل وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے۔۔۔ انہوں نے تلخ لہجے میں استفسار کیا۔

"تو پھر یہاں کیا لینے آئے ہیں آپ۔۔۔ گھر جائیے اور نواب حسنین احمد خان سے کہیے کہ ہمارے پوتے کو ابھی واپس روانہ کردیں۔۔۔ اب جب بات کھل ہی گئی ہے تو ہم مزید تاخیر نہیں چاہتے۔۔۔ بہت سال ہم نے اپنا لہو جلایا ہے۔۔۔ اب ان کی باری ہے۔۔۔ ویسے بھی اپنے میزبان کی اس درجہ گری ہوئی حرکت کے بعد ہم ہرگز یہاں قیام کرنا پسند نہیں کریں گے۔۔۔ ہماری جاسوسی کرکے ہمارے دشمن کے کان کھڑے کیے ہیں انہوں نے۔۔۔!"

نواب تبرک حسن خان کا تنفس تیز ہوا تھا۔۔۔ ان کا بس چلتا تو سب کچھ تہس نہس کردیتے۔۔۔ لیکن ابھی انہیں ذرا تحمل درکار تھا۔۔۔!

"مخدوم محمود قریشی بچپن سے احرار کو جانتے ہیں۔۔۔ میرے گھر آنا جانا ہے ان کا۔۔۔ جب یہاں غیر معمولی آمدورفت دیکھی تو مجھ سے استفسار کیا۔۔۔ وگرنہ انہوں نے آپ کی جاسوسی کی نیت سے ہرگز مجھے کچھ نہیں بتایا۔۔۔ وہ وضع دار آدمی ہیں۔۔۔ آپ الزام مت دھریے۔۔۔!" جمال صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ تپانے والی تھی مگر لہجہ ابھی بھی دھیما اور ہموار تھا۔

نواب صاحب بھڑک اٹھے۔۔۔ شیرافگن اپنی سرکار کے تیور دیکھتے ہوئے ہائی الرٹ ہوا مگر نواب صاحب کے خفیف سے اشارے پر وہیں جما کھڑا رہا۔

"ہمارا وقت بہت قیمتی ہے محترم۔۔۔! بہتر ہوگا کہ آپ کام کی بات کریں۔۔۔ ورنہ ہمارا پالتو غصہ آنے پر غرانے کے علاوہ جھپٹنے کا کام بھی بخوبی کرتا ہے۔۔۔!"

ان کا اشارہ شیرافگن کی طرف تھا جو بڑے فخر سے گردن اکڑائے اس بات کو اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہوئے چھاتی چوڑی کر رہا تھا۔۔۔ جمال صاحب نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا اور استہزائیہ انداز میں بولے۔۔۔

"ہمارے ہاں پالتو کو پٹا ڈال کر رکھا جاتا ہے۔۔۔ خیر چھوڑیے۔۔۔! میں جو بات آپ سے کرنے آیا ہوں وہ یہ کہ آپ احرار کو کسی بھی وقت، کسی بھی دن اپنے ہمراہ لے جائیے۔۔۔ یہ آپ پر منحصر ہے۔۔۔ لیکن اس کے بدلے نواب حسنین احمد خان کی محض اتنی سی چاہ ہے کہ وہ اپنی بیٹی نواب زادی عائشہ کی آخری آرام گاہ دیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔ آپ نشان دہی کر دیجیے تاکہ وہ ہندوستان جاکر اپنی بیٹی کی لحد پر فاتحہ خوانی کرسکیں۔۔۔ ایک بوڑھے باپ کی التجا ہے یہ۔۔۔!"

"ہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔!" زوردار قہقہہ نواب تبرک حسن خان کے حلق سے برآمد ہوا اور ایک انی سی درد ازے کے پار کھڑے احرار کے دل میں گڑ گئی۔۔۔!

"کیسے ہلکے پڑ گئے نواب حسنین احمد خان۔۔۔ دیکھو شیرافگن ہمارے دشمن نے کیسی ہلکی شرط رکھی ہے۔۔۔ اور ہم۔۔۔" انہوں نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا "ہم ان کی یہ شرط ماننے سے انکار کرتے ہیں!" نواب صاحب نے سکون سے کمر ٹیکتے ہوئے آخری فقرہ ادا کیا اور چبھتی نگاہوں سے جمال صاحب کو دیکھے گئے۔۔۔ جمال صاحب نے چند لمحوں تک نگاہیں چار کیے رکھیں اور بے تاثر لہجے میں گویا ہوئے۔

"کیوں۔۔۔! کیوں انکار کرتے ہیں آپ نواب صاحب؟ آخر کب تک آپ نواب حسنین احمد خان کو ناکردہ جرم کی سزا دیتے رہیں گے۔۔۔ بگاڑا کیا ہے انہوں نے آپ کا۔۔۔ پہلے دھوکے سے آپ نے نواب زادی عائشہ کی شادی اپنے نیم پاگل بیٹے سے کی۔۔۔ جس نے انہیں بے تحاشا تشدد کا نشانہ بنائے رکھا۔۔۔ آپ اور آپ کی بیگم نے صرف اس پر پردہ ڈالے رکھا بلکہ ظلم کی انتہا یہ کی کہ ان کا رابطہ یہاں پاکستان میں ان کے بے کس و مجبور والدین کے ساتھ مکمل طور پر ختم کروادیا۔۔۔ نواب حسنین احمد خان اور ان کی بیگم اپنی بیٹی کی آواز تک سننے کے لیے ترس گئے اور آخر کار تقریباً" سال بھر بعد احرار کی پیدائش کا وقت قریب آیا تو آپ کے پاگل بیٹے نے نواب زادی عائشہ کو جان بوجھ کر سیڑھیوں سے دھکا دے ڈالا۔۔۔ وہ زخموں کی تاب نہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

لاتے ہوئے جاں بحق ہو گئیں۔۔۔

احرار کی زندگی تھی جو وہ بچ گیا ورنہ جس پوتے کو جھوٹی کہانیاں سنا کر آپ ہندوستان لے جا رہے ہیں ۔۔۔ آج اس کا بھی نام و نشان نہ رہتا۔۔۔ نواب حسنین احمد خان اور ان کی بیگم کو بیٹی کا آخری دیدار بھی نصیب نہ ہو سکا۔۔۔ اور اس حد تک بہیمانہ سلوک کے بعد بھی آپ فرماتے ہیں کہ انہیں ان کی بیٹی عائشہ کی لحد تک کا پتا نہ دیں گے۔۔۔ ان کی بیٹی کی آخری نشانی تو آپ ہتھیا کر لے جا ہی رہے ہیں۔۔۔ پھر بھی آپ کا دل اس قدر بے رحم ہے۔۔۔!"

نواب تبرک حسن خان مارے طیش کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ صندلی چھڑی پر دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر اپنی ازلی رعونت سے گویا ہوئے۔۔۔

"ہمیں تب تک چین نہیں پڑے گا جب تک ہمیں ہندوستان میں یہ اطلاع نہ مل جائے کہ نواب حسنین احمد خان اپنے نواسے کی یاد میں جان سے گزر گئے۔۔۔ بالکل ویسے ہی جیسے ہمارا بیٹا عین جوانی میں اپنی اولاد کے غم میں جان سے گزر گیا۔"

"اپنی اولاد کے نہیں نواب صاحب۔۔۔ اپنی بیماری اور دن رات کی مے نوشی کے باعث۔۔۔ اور اگر ایسی ہی بات ہے تو جوان اولاد کے گزر جانے کا صدمہ تو نواب حسنین احمد خان نے بھی سہا!" جمال صاحب بات کاٹتے ہوئے بولے۔۔۔ نواب تبرک حسن خان نے پل کے پل نگاہ چرائی مگر ان کا خیر ہی سفاکی سے اٹھا تھا۔۔۔ گردن اکڑاتے ہوئے بولے۔

"ہمارے ہاں بیٹیاں۔۔۔ نواب خاندان پر قربان ہونے کے لیے ہی پیدا ہوتی ہیں۔۔۔ نواب زادی عائشہ اگر مر گئیں تو ایسا بھی کیا غضب ہو گیا۔۔۔ ہمارا احسان ماننا چاہیے نواب حسنین احمد خان کو کہ ہم نے ان کی بیٹی کو نواب خاندان سے باہر نہیں جانے دیا۔۔۔ ان کی قبر کے کتبے پر زوجہ نواب زادہ طلال حسن خان لکھا ہے۔۔۔ اور کیا چاہیے!"

عائشہ کا ذکر اس انداز میں ہو۔۔۔ بھلا جمال صاحب کو کب گوارا ہوا تھا۔۔۔ آنکھیں میچتے اور مٹھیاں بھینچتے وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ سرخ ڈوروں والی آنکھوں میں نمی کی واضح تہ تھی۔ ایک دفعہ پھر عائشہ کی بے کسی اور کرب ناک موت کا خیال ان کے دل کی رگوں کو کاٹ گیا۔۔۔ ایک گیلا سا طویل سانس کھینچ کر بمشکل خود کو مربوط کیا۔۔۔ بس! اب کھیل سمیٹ دینا چاہیے۔۔۔

"احرار۔۔۔ اندر آؤ۔۔۔!"

دروازے کے پیچھے سے احرار کا چہرہ نمودار ہوتے ہی نواب تبرک حسن خان کا چہرہ فق ہوا تھا۔۔۔ وہ لڑکھڑائے تھے۔۔۔ شیرافگن نے فوراً" آگے بڑھ کر انہیں سنبھالا دیا مگر یک دم ان کی ٹانگوں میں ایسی لرزش اتری کہ انہیں واپس کرسی پر بٹھا دیا۔۔۔ وہ سفید ہونٹوں اور پھٹی آنکھوں کے ساتھ یک ٹک احرار کا چہرہ تکے جا رہے تھے جس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی قطار لگی تھی۔۔۔ وہ سب کچھ سن چکا ہے اس بات کی تصدیق کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔۔۔ کیسی مات دی تھی قسمت نے انہیں۔۔۔ فاتح بن کر آئے تھے۔۔۔ سکندر بن کر جانا تھا مگر عین وقت پر بازی پلٹ گئی تھی۔

اف۔۔۔! وہ کیسے بھول گئے کہ ابھی چند منٹ پہلے تو ان کا پوتا اس کمرے سے باہر گیا تھا۔۔۔ وہ کہیں قریب ہی ہو سکتا تھا۔۔۔ واپس بھی آ سکتا تھا۔۔۔ کچھ سن بھی سکتا تھا۔۔۔ اور اس نے سب ہی کچھ سن لیا تھا! کوئی ایسے بھی ہارا ہو گا جیسے انہیں شکست ہوئی تھی۔۔۔ چاروں شانے چت۔۔۔ ایک دم چت۔۔۔!

وہ اپنی صفائی میں کیا کہتے؟ ان کی زبان تو پگھل گئی تھی جیسے۔۔۔! شیرافگن بھی پتھر کا مجسمہ بنا اپنی سرکار کی پشت پر کھڑا نیچے فرش پر بچھے ایرانی قالین کو گھورے جا رہا تھا۔ اس میں نواب صاحب کا چہرہ دیکھنے کی ہمت ختم ہو گئی تھی۔۔۔

"میں آپ سے کچھ نہیں کہوں گا۔۔۔ میں کہنا ہی نہیں چاہتا۔۔۔ صرف ایک خواہش شدت سے دل میں اٹھ رہی ہے کہ کاش میں بھی اپنی ماں کے ساتھ ہی قبر میں اتر گیا ہوتا۔۔۔!"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ٹپ ٹپ... دو قطرے... دو قطرے پانی کے زندگی میں پہلی بار نواب تبرک حسن خان کی آنکھوں سے نکلے تھے... جو ان کے سنگی چہرے پر بے حد اجنبی محسوس ہو رہے تھے۔

"میں نے آپ کی جھوٹی داستان الم سن کر اپنے نانا اور نانی کے دل چھلنی کر دیے... اپنے لفظوں کے تیروں سے... اتنا سفاک اور بے رحم ہو گیا تھا میں... ظاہر ہے خون کا اثر تو آنا تھا مجھ میں۔

میں نے ان کی کئی سالوں کی تربیت کے منہ پر طمانچہ دے مارا... اور آج پلٹ کر وہی تھپڑ میرے منہ پر پڑا ہے... تف ہے مجھ پر... کہ میں نے آپ کی باتوں میں آکر اپنی پاکیزہ اور بے قصور ماں تک کے لیے برا سوچا... غلط قیاس کیا... میں اس کے لیے خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا... اور آپ کو میں آپ کے ضمیر کے حوالے کرتا ہوں... یہی سزا آپ کے لیے کافی ہے۔"

کسی چھوٹی بچے کی طرح اپنی آستین سے آنکھیں پونچھ کر بغیر کسی کو دیکھے وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا... جمال صاحب نے تاسف سے نواب تبرک حسن خان کے حیرت سے ادھڑے چہرے کو دیکھا... جس کی سفیدی واضح طور پر زردی میں تبدیل ہو رہی تھی...

"نواب صاحب! زندگی شطرنج کی وہ بساط ہے جس میں آپ کے ہاتھ ایک بازی ایسی ضرور آتی ہے جب آپ کے سارے مہرے داؤ پر لگ جاتے ہیں... اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب تقدیر آپ کو ایک موقع دیتی ہے... تدبیر کرنے کا... وہ ایک موقع! جس میں آپ سب کچھ گنوا دیں یا پالیں! میں تمام عمر اپنی تقدیر سے کبھی نہیں الجھا مگر آج وقت نے تدبیر کا جگنو میری مٹھی میں لا تھمایا... یہ بازی آپ جیت سکتے تھے جو بدنیتی کا مظاہرہ نہ کرتے... آپ نے اپنے مہرے خود ہی پٹوا لیے نواب صاحب! اب اجازت دیجیے... چلتا ہوں۔ لیکن آپ کے لیے دعاگو رہوں گا..."

جمال صاحب آزردہ سے سر جھکائے وہاں سے چلے گئے... پیچھے کمرے میں اعصاب شکن خاموشی تھی... ماتمی خاموشی...! ایک بت پاش پاش ہوا تھا... جو آپ اپنا پجاری تھا... خدائی چھوٹی تھی... جو محض خود ساختہ بڑائی تھی...

☆ ☆ ☆

آج رات احرار گھر نہیں آیا تھا... اور زینب بی کو صبر نہیں آیا تھا... ساری رات دونوں میاں بیوی نے ہال کمرے میں بیٹھے گزار دی۔ نواب حسنین احمد خان نے خود کو لاپروا ظاہر کیا تھا... یوں جیسے وہ جانتے تھے کہ ایک دن احرار انہیں چھوڑ کر جانے والا تو ہے ہی... سو وہ چلا گیا... مگر دل میں کہیں ایک چھوٹی سی امید ٹمٹماتی رہی تھی کہ شاید... شاید وہ ابھی نہ گیا ہو' شاید وہ اپنا ارادہ بدل دے...!

زینب بی کو ساری رات وہ کمرے میں جا کر آرام کرنے کا کہتے رہے مگر وہ کہیں فجر کی اذانوں کے ساتھ ہی وہاں سے اٹھیں اور بے حد نڈھال سی... روتی... سسکیاں لیتی کمرے میں چلی گئیں... ادھر وہ کمرے میں گئیں اور ادھر نواب صاحب کی آنکھیں چھلک گئیں... چند آنسو بہا کے... بڑی بے دردی کے ساتھ آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے رگڑ ڈالا... خود اٹھ کر مسجد کا رخ کیا... ملازم لڑکا اپنے کوارٹر میں تھا... اسے آواز دینا مناسب نہ سمجھا اور خود ہی آہستگی کے ساتھ گیٹ کھولا اور یوں ہی پیدل ہی کڑاکے کی سردی میں مسجد نکل لیے...!

☆ ☆ ☆

برکت اللہ صاحب نے پو پھٹنے سے پہلے بھینس کی خاطر داری کی... اس کے چارے پانی سے فارغ ہو کر برآمدے میں سلگتی انگیٹھی کے پاس کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور شیرو (پالتو بلا) کو بغل میں دبا کر گیٹ سے باہر کھڑے پر پچھی چارپائی پر لحاف اوڑھ کر... گاؤ تکیے سے کہنی ٹکا کر... بڑے مست انداز میں حقے کے کش لینے لگے... یہ ڈیوٹی بھی کئی دن سے زارون ہی ادا کر رہا تھا... فجر کے وقت مسجد جاتے ہوئے کھڑے پر چارپائی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بھی بچھاتا اور حقہ بھی سلگا کے دیتا۔۔۔ آج کل وہ میاں جی کو رام کرنے کے ایک سو ایک طریقوں پر عمل کر رہا تھا۔۔۔!

ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔۔۔ صرف صبح کا ہلکا ہلکا اجالا نمودار ہوا تھا۔۔۔ حقے کے لمبے سے کش کے بعد چھوڑے گئے دھوئیں میں میاں جی کو ایک ہیولا سا دکھائی دیا۔۔۔ آنکھیں چنی کر کے دیکھا تو بے اختیار چٹخارہ سا بھرا۔۔۔

"بڑے دن بعد نظر آیا۔۔۔ اپنا کبوتر۔۔۔!"

نواب حسنین احمد خان کو آتا دیکھ کر وہ شیرو کی گردن سہلاتے ہوئے بڑبڑائے۔ نواب صاحب کا چہرہ اترا ہوا تھا اور قدم بھی ڈھیلے پڑ رہے تھے۔۔۔ اپنے گھر کے گیٹ کے قریب آتے آتے ٹانگوں نے جھٹکا سا کھایا۔۔۔ وہ لڑکھڑائے۔۔۔ نگاہ چند فٹ دور چارپائی پہ مزے سے نیم دراز برکت اللہ کے مسکراتے چہرے پر پڑی۔۔۔ ایک وقت تھا کہ یہ چہرہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تو چین نہ پڑتا تھا۔۔۔ اور اب یہ وقت ہے کہ کسی دن دونوں ایک دوسرے کو دیکھ لیتے تو سارا دن بڑبڑاتے جاتے۔۔۔! ان کا یارانہ گردش زمانہ کی نذر ہو گیا۔۔۔! نواب حسنین احمد خان کی آنکھیں بھر آئیں۔۔۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں ان کے دل نے خواہش کی کہ ڈوبنے سے پہلے اپنے یار کو آواز دیں۔۔۔ اس کے سینے پر سر رکھیں اور پھر بھلے وقت کی طنابیں ہاتھ سے چھوٹ جائیں۔۔۔!

برکت اللہ کے دونوں ابرو تن گئے۔۔۔ مسکراہٹ سمٹ گئی اور دل نے کسی انہونی کے احساس سے ہچکولا سا کھایا۔۔۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر حسنین احمد کو دیکھے گئے۔۔۔ کچھ ہو رہا تھا۔۔۔ ہاں! کچھ ہو چلا ہے۔۔۔ برکت اللہ نے حسنین احمد کو سڑک کے بیچوں بیچ گرتے دیکھا۔۔۔ ایک بھینچی بھینچی سی آواز ان کے منہ سے خارج ہوئی اور وہ کسی چست و ہوشیار کرتب باز کی مانند لحاف اچھالتے، چھلانگ سی مارتے حسنین احمد کی طرف لپکے تھے۔۔۔ ان کے سر کو نیچے سے اٹھا کر اپنی گود میں دھرا۔۔۔ اور اب کے بولے تو آواز قدرے پھٹی ہوئی سی تھی۔

"اوئے۔۔۔ اوئے! ہوش کر میرے یار۔۔۔ کی ہویا تجھے۔۔۔؟" ان کے گال تھپتھپاتے ہوئے برکت اللہ نے ایک زوردار پکار ادریس اور عمیس کو لگائی۔۔۔ حسنین احمد کی زبان بل کھائی ہوئی تھی اور اذیت سے ان کے چہرے پر پسینہ چمک رہا تھا۔۔۔ ہاتھ سے دل والی جگہ کو تھام رکھا تھا۔

"اوئے کبوتر! مجھے نیڑے (قریب) بلانے کے بہانے نہ بنا۔۔۔ میرا تاء (غصہ) ایسے نئیں اترنے والا۔۔۔ اکھاں کھول۔۔۔ اوئے کھول اکھاں۔۔۔!"

برکت اللہ مسلسل چہرہ تھپتھپاتے اور ہاتھ مسلتے ہوئے بولے جا رہے تھے۔۔۔ آنکھوں میں آنسو تھے، لب پھڑپھڑا رہے تھے۔۔۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے ان کا سینہ بری طرح جکڑا گیا ہے۔ حسنین احمد کی تکلیف انہیں اپنے دل میں محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ انہوں نے اپنا ماتھا دھیرے سے حسنین احمد کے ماتھے سے ٹکایا اور ہارے ہوئے لہجے میں بولے۔

"گل سن میری۔۔۔! مجھے چھڈ کے نہ جا۔۔۔ لے میں نے ہار من لی۔۔۔ تو جیت گیا کبوتر۔۔۔ لیکن اب لمبی اڈاری نہ مار۔۔۔ یارا ساری عمر نکل گئی دور دور سے تکتے۔۔۔ آج میرے کول ہی تو ہتھ نہ چھڑا۔۔۔ تجھے یاد ہے۔ میں نے تیرے سے وعدہ لیا تھا کہ میری منجی کو موڈھا تو نے دینا ہے۔۔۔ تو اب مکر نہ کر۔۔۔ ہوش کر بیبا۔۔۔ میں کیسے جیوں گا تیرے سے لڑے بغیر۔۔۔ رس کے نہ جا یارا۔۔۔!"

جیسے چھوٹا بچہ اپنا ٹوٹا کھلونا ہاتھوں میں لیے بے بسی سے سسک اٹھتا ہے۔۔۔ بالکل ویسے ہی برکت اللہ، حسنین احمد کا سر گود میں دھرے آنکھیں میچے روئے جا رہے تھے۔۔۔ انہیں کچھ ہوش نہ رہا کہ کب ادریس نے گاڑی ان کے قریب لا کر روکی۔۔۔ عمیس کے ساتھ مل کر بھاگم بھاگ حسنین احمد کو گاڑی میں ڈالا، اگلی سیٹ پر برکت اللہ کو زبردستی سڑک سے اٹھا کر بٹھایا۔۔۔ جمال تایا کے بیٹھتے ہی ادریس نے گاڑی دوڑا دی تھی۔۔۔ اگلے دس منٹ میں قریبی ہسپتال کے کارڈیالوجی وارڈ میں حسنین احمد ڈاکٹرز کے رحم و کرم پر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

تھے.... جبکہ باہر ٹھنڈے یخ بینچ پر بیٹھے برکت اللہ روتے کراتے ایک ہی گردان کیے جا رہے تھے.... رس کے نہ جایا را....!"

☆ ☆ ☆

نواب حسنین احمد خان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا.... اس وقت وہ سی سی یو میں تھے.... اگلے بارہ گھنٹے ڈاکٹرز نے اہم قرار دیے تھے۔ گھر اطلاع پہنچتے ہی بے جی' زینب بی' حرم اور فوزیہ پھوپھو کو لے کر زارون کے ساتھ ہسپتال پہنچ گئی تھیں.... پیچھے بچوں کے پاس ثوبیہ بھابھی اور کینڈی تھیں' عمیس مسلسل احرار سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کا سیل آف تھا....

بڑی تگ و دو کے بعد اس کے ایک کولیگ سے رابطہ ہوا تھا جس نے صبح صبح احرار کو ملگجے حلیے میں بے حال سا یونیورسٹی کی لائبریری کی طرف جاتے دیکھا تھا.... عمیس نے کولیگ سے نواب صاحب کی حالت بیان کرنے کے بعد درخواست کی تھی کہ کسی طرح احرار تک یہ خبر پہنچا دے....

اس نے دس سے پندرہ منٹ انتظار کرنے کو کہا تھا۔ ٹھیک گیارہویں منٹ اس کی کال آگئی کہ احرار یونیورسٹی سے نکل چکا ہے....!

زارون اور عمیس کڑے تیور لیے ہسپتال کی انٹرنس پر جا کھڑے ہوئے تھے.... دونوں کا ارادہ اسے آڑے ہاتھوں لینے کا تھا.... تھوڑی دیر مزید انتظار کے بعد انہیں اس کی ہوائیاں اڑی صورت دکھائی دی.... وہ نہ صرف بوکھلایا ہوا تھا بلکہ یقیناً" رویا ہوا بھی تھا۔ زارون اور عمیس کو دیکھ کر وہ تقریباً" بھاگتا ہوا ان تک پہنچا تھا.... بڑی بے چینی سے نانا جان کا پوچھا تھا۔ ان کی سنجیدہ شکلیں اس کو ہولا رہی تھیں.... عمیس کا جی چاہا کہ ایک زوردار مکا اس کے جبڑے پہ ٹھونک دے.... وہ عمل درآمد بھی کر گزرتا لیکن اس وقت جمال تایا وہاں چلے آئے.... دونوں کو آنکھوں سے ٹھنڈے رہنے کا اشارہ کیا اور احرار کے کندھوں پر بازو پھیلائے اسے اندر لے کر چلے گئے....!

کوریڈور میں بے جی کے ساتھ زینب بی اور حرم موجود تھیں.... حرم نے اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا تھا۔ وہ پہلے ہی دکھ کا شکار تھا' مزید اذیت میں گھر گیا.... سی سی یو کے دروازے میں لگے شیشے کے پار نواب حسنین احمد خان کے بے حس و حرکت وجود کو دیکھتے ہی وہ خود پر سے کنٹرول کھو بیٹھا.... جمال تایا کے گلے لگ کر ایسا بلک بلک رویا کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا....

میاں جی جو بڑی ضد کر کے سی سی یو کے باہر ہی ٹکے بیٹھے تھے.... اپنی جگہ سے اٹھے۔ جمال تایا کے سینے سے لگے احرار کو کھینچ کر اپنی طرف پھیرا اور زندگی میں پہلی بار اسے پوری آمادگی اور محبت کے ساتھ سینے سے لگا کر بھینچ لیا.... دونوں کی ہچکیاں بندھی تھیں اور دونوں نجانے کیا بڑبڑائے جا رہے تھے۔ جمال تایا نے اپنی آنکھوں کی نمی انگلیوں کی پوروں سے صاف کی اور چہرہ آسمان کی طرف اٹھا کر پورے دل سے مسکرا دیے.... یوں جیسے کسی نادیدہ وجود کے ساتھ مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا تھا! وہ کوئی ماہر کھلاڑی نہیں تھے مگر جن کے سر میں عشق کا سودا سمایا ہو۔ وہ داؤ کہاں آزماتے ہیں' جگر آزماتے ہیں اور لخت لخت ہو جاتے ہیں....

☆ ☆ ☆

سارے حالات آناً" فاناً" بدلے تھے.... پلک جھپکنے میں جیسے کسی نے جادو کی چھڑی گھمائی تھی اور منظر بدل گئے....!

نواب حسنین احمد خان دل کے شدید دورے سے جانبر ہونے کے بعد ڈسچارج ہوئے تو برکت اللہ پورے مان کے ساتھ انہیں سیدھا اپنے ہی گھر لے آئے.... بے جی کی خود ساختہ ناراضی کسی کونے میں جا گھسی.... وہ اتنی خوش تھیں کہ میاں جی کو سو خون معاف کر دیتیں.... سارا دن زینب بی ہوتیں اور وہ ہوتیں.... گھر کی عورتیں نواب صاحب کی خدمت میں پیش پیش تھیں.... اور میاں جی تو جیسے نواب صاحب کو گود لے بیٹھے تھے.... بالکل اس طرح سے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

خیال رکھ رہے تھے جیسے کوئی ماں اپنے نوزائیدہ بچے کا رکھے۔۔۔! دونوں دوست ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیے ماضی کھنگالتے رہتے اور آنکھوں میں نمی چمکتی رہتی۔۔۔ نواب صاحب کی بیماری ایک ایسا جھٹکا ثابت ہوئی تھی جس نے کبھی کی جام ہوئی دوستی کی گاڑی دوڑا دی تھی۔۔۔!

اور اب میاں جی کسی بھی معاملے کو التوا میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔۔۔ پہلی فرصت میں انہوں نے ڈاکٹر بلال کے گھر والوں سے حرم کے رشتے کے لیے معذرت کی تھی۔۔۔ گو کہ یہ خاصی معیوب حرکت تھی کہ شادی میں وقت ہی کتنا رہ گیا تھا مگر ہر بار کی طرح میاں جی نے بے جی کے کندھوں پر بندوق دھر دی۔۔۔ انہیں غصہ تو بے حد آیا مگر پینا پڑا کیونکہ خود بھی تو وہ یہ ہی چاہتی تھیں۔۔۔! وضع دار لوگ تھے۔۔۔ برا تو بے حد مانا مگر تکرار میں نہیں پڑے۔۔۔ خاموشی سے سامان بھجوا دیا اور اپنا منگوا لیا۔۔۔ ڈاکٹر بلال کو عمیس اور احرار نے سنبھال لیا۔۔۔ بالا ہی بالا اس کے کلینک میں اس کے روبرو بیٹھ کر۔۔۔ باتوں کی کچھ کھٹی، کچھ میٹھی اور ذرا سی کڑوی خوراک دے کر چلے آئے۔۔۔ عمیس نے احرار کا تعارف حرم کے ہونے والے شوہر کے طور کروایا، ساتھ ہی دونوں کی باہمی رضامندی کا ذکر کیا تو ڈاکٹر بلال جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔۔۔ بھلا وہ پرائی زمین پر مکان کیسے تعمیر کر سکتا تھا۔۔۔!

حرم کو معلوم ہوا تو اس نے ہر گھسی پٹی لو اسٹوری کی طرح خوب واویلا کیا اور صاف انکار بھی کر دیا۔۔۔ بے جی نے انکار سن کر ناک پر سے مکھی اڑائی۔۔۔ بیگم جمال نے لاپروائی سے سر جھٹک دیا اور بیگم اجمل نے غصے سے گھورنے پر اکتفا کیا۔۔۔ اس کے علاوہ کسی نے بھی کچھ نہ کہا۔۔۔ کسی کو بھی حرم کے انکار سے ہرگز دلچسپی نہیں تھی۔۔۔!

میاں جی نے شادی کی وہی تاریخ رکھی جو پہلے سے طے تھی۔۔۔! نواب حسنین احمد خان اپنے گھر شفٹ ہو چکے تھے اور چاہتے تھے کہ نواسے کی دھوم دھام سے منگنی بھی کریں۔۔۔ مگر میاں جی نے سبھاؤ سے منع کر دیا۔۔۔ شادی میں دو ہفتے ہی تو تھے لہٰذا سارے شوق اور ارمان تب تک کے لیے ملتوی کر دیے۔۔۔! حرم احتجاجاً ایک بار پھر کمرہ بند ہو گئی۔ دیکھ تو یہ تھا کہ عمیس جیسے غم خوار نے بھی پیٹھ دکھا دی تھی۔۔۔!

فوزیہ پھوپھو آج کل بے جی کے خوب آگے پیچھے تھیں۔۔۔ وہ زارون کے حوالے سے بات کرنا چاہتی تھیں۔۔۔ انہوں نے اپنے میاں۔۔۔ ارشد صاحب کو بھی دو دن ہوئے بلوا لیا تھا۔۔۔ ویسے بھی اگلے ماہ وہ کینیڈا جانے والے تھے سو ملنا ملانا بھی ہو جاتا۔۔۔! بے جی بھی کائیاں تھیں۔۔۔ سب سمجھتی تھیں، وہ عمیس اور کینڈی کے دلوں سے بے خبر نہیں تھیں۔۔۔ پھر ایسی صورت میں جبکہ زارون بھی میاں جی اور بے جی کو اعتماد میں لے چکا تھا اور تو اور جمال تایا بھی اس راز میں شریک تھے تو پھر بے جی کیسے اپنے دونوں پوتوں اور نواسی کا دل اجاڑتیں۔۔۔ اس سے پہلے کہ فوزیہ پھوپھو کوئی ذکر چھیڑتیں۔۔۔ بے جی اور میاں جی نے جمال تایا کے ساتھ مل کر ارشد صاحب سے عمیس کے لیے کینڈی کا رشتہ طلب کر لیا۔۔۔ ارشد صاحب تو پھولے نہ سمائے کہ سسرال والوں نے اپنی بیٹی سے ہٹ کر داماد کو اس قدر اہمیت دی ہے۔۔۔ وہ اتنے شوخے ہوئے کہ اسی لمحے ہاں کہہ دی۔۔۔! ایک دم سارے میں مبارک سلامت کا شور اٹھا۔۔۔ بیگم جمال نے آگے بڑھ کر فوزیہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

پھوپھو کو گلے لگایا.... منہ میٹھا کرایا اور قریب کھڑی کینڈی کی انگلی میں اپنی انگوٹھی ڈال دی.... تمام لڑکوں نے عمیس کو کاندھوں پر اٹھا کر وہ شور مچایا کہ فوزیہ پھوپھو کھسیائی سی بس دیکھتی رہ گئیں۔

اس وقت ان کا دل کر رہا تھا کہ خالص دیسی انداز میں بیچ صحن کے پھسکڑا مار کر بیٹھیں اور اونچا اونچا روئیں.... وہ ایسا کر بھی گزرتیں جو کینڈی کی کھلتی صورت پر نگاہ نہ جا پڑتی... کیسی گلال سی ہو رہی تھی وہ، ایسا ردعمل تو انہوں نے تب بھی نہ دیکھا تھا جب زارون کے بارے میں رائے لی تھی.... تب تو یک دم چپ سی ہو گئی تھی وہ! بس.... فیصلہ ہو گیا تھا.... ان کی کینڈی کے لیے عمیس ہی بہترین تھا' وہ ماں تھیں، اپنی انا کا جھنڈا اونچا رکھنے کے لیے بیٹی کی زندگی سے انتقام کیوں لیتیں بھلا! اگلے کچھ ہی پلوں میں فوزیہ پھوپھو' عمیس کے واری صدقے جا رہی تھیں....!

زندگی میں رشتوں کی جگہ کبھی مختصر نہیں ہوتی بلکہ دلوں میں گنجائش کم پڑ جاتی ہے.... اور جب دلوں میں جگہ نہ رہے تو تعلق چھلنی کے کنکروں کی مانند زندگی سے خارج ہو جاتے ہیں....!

✲ ✲ ✲

بے جی اور میاں جی.... اجمل صاحب اور بیگم اجمل کے ساتھ جا کر زارون کی پسند کو اوکے کر آئے تھے.... بیگم اجمل کے دل سے سارا قلق جاتا رہا تھا کشمالہ عرف ککی کو دیکھ کر.... وہ کینڈی جیسی نہیں تھی بلکہ کینڈی سے بھی زیادہ پیاری اور معصوم صورت تھی!

ان لوگوں نے بھی بے حد آؤ بھگت کی تھی.... گھرانہ کھاتا پیتا تھا مگر بے حد سوبر بھی تھا.... میاں جی نے زارون کے دوبارہ پاکستان آنے پر شادی طے کی تھی....! زارون کو پتا چلا تو بیچ صحن میں عمیس اور ادریس بھائی کے ہمراہ بھنگڑے ڈالے تھے.... ساتھ میں گونگلو بھی گول گول گھومے جا رہا تھا.... اور اسی گھومنے میں تین دفعہ رپٹ کے گرا تھا۔

بے جی کے پلنگ پر ان کے ساتھ بڑی پیار محبت سے بیٹھے میاں جی کی آنکھیں یہ منظر دیکھ کر جھلملا گئیں.... یہ سوچ ہی انہیں کند چھری سے ذبح کیے دیتی تھی کہ اگر ان کا یار ناراضی کی حالت میں ہی انہیں چھوڑ کر چل دیتا تو؟ آج جوان کے گھر کے کونے کونے سے خوشیوں کے سوتے پھوٹ رہے تھے' اس کی ایک بڑی وجہ دونوں گھرانوں کے مابین تعلقات کی بحالی تھی۔

بیتا وقت تو کوئی لوٹا نہیں سکتا مگر گزرتے وقت کو پا ضرور سکتا ہے۔

✲ ✲ ✲

کینڈی اور ثوبیہ بھابھی کے پرزور اصرار پر حرم کی شادی کے سلسلے میں گھر میں ڈھولک رکھی جا چکی تھی۔ ثوبیہ بھابھی کے تو رنگ ڈھنگ ہی آج کل جدا تھے۔ مشینی طرز کی زندگی جیتے ادریس بھائی کو بھی لگنے لگا تھا کہ ان کی اور ثوبیہ بھابھی کی شادی کی گاڑی کو اگر بروقت محبت والفت کا پیٹرول نہ ملا تو کبھی بھی انجن کے کل پرزے زنگ آلود ہو کر جام ہو سکتے تھے.... لہٰذا آج کل بلاناغہ ادریس بھائی' ثوبیہ بھابھی کے لیے موتیے کے کنگن پکڑ لاتے تھے.... تو کبھی چپکے سے کسی اوٹ میں میٹھا پان کھلاتے دکھائی دیتے.... اور تو اور رات کو بچوں کو سلا کر خود کالونی کے چکر کاٹنے نکل جاتے.... اس صورت حال نے ہونق سی ثوبیہ بھابھی میں بے حد اعتماد پیدا کیا تھا.... سارا دن بچوں کے ساتھ گلابی اردو میں لعن طعن کرنے والی اور ہر ایک کا حکم نیم وا ہونٹوں سے سن کر.... آنکھیں پٹپٹا کر.... بجا آوری کرنے والی ثوبیہ بھابھی آج کل ہرگز بھی گاؤدی نہیں لگتی تھیں بلکہ وہ بڑے مان اور اعتماد کے ساتھ ہر معاملے میں بہترین مشورہ دیتی دکھائی دیتیں! اعتبار وہ آب حیات ہے جسے پی کر محبت کو کبھی موت نہیں آتی....!

اور سر شام ہی کالونی سے حرم کی اسٹوڈنٹس اور سہیلیاں آن ٹپکتیں.... پھر تو وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنر آزمائے جاتے کہ بس ڈھولک پھاڑنے کی کسر رہ جاتی، لگے ہاتھوں بے جی' زینب بی کو بھی ادھر ہی بلا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

لیتیں... دونوں پلنگ پر بیٹھی سر جوڑے سب کو دیکھ دیکھ ہنسے جاتیں اور رخ موڑ کر چادر کے پلو سے آنکھوں کے گیلے کونے بھی رگڑ دیتیں...!

احرار نے بہتیری کوششیں کر ڈالی تھیں کہ کسی طرح اسے بھی اجازت مل جائے کہ وہ کم از کم صحن تک ہی آجایا کرے... مگر میاں جی کے ہوتے یہ بھلا کب ممکن تھا... بس بالکونی میں کھڑا دیوار پار کے حسین مناظر دیکھا کرتا... نگاہیں حرم کو کھوجتی رہتیں مگر وہ ایسی غائب ہوئی تھی کہ بھولے سے بھی نہیں دکھائی دے رہی تھی... اس وقت بھی وہ اپنے کمرے کے ٹیرس پہ ریلنگ سے کہنیاں ٹکائے دیوار پار صحن میں زور زور سے ڈھولک بجاتی ایک طرح دار حسینہ کے حسین چہرے میں حرم کو ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا... جب یکایک ایک خیال نے اسے چونکایا... جینز کی جیب سے موبائل نکالا اور نمبر ڈائل کر کے کان سے لگایا... کافی دیر کے بعد عمیس نے کال اٹینڈ کی اور جب اٹینڈ کر ہی لی تو بڑے بے مروت انداز میں پوچھا۔

"ہاں... ہیلو... کون بول رہا ہے...؟"

"تیرا بہنوئی...!" احرار کا جواب بھی لٹھ مار تھا۔

"اوہ... اور میری اپنے بہنوئی سے نہیں بنتی...!" وہ دوسرے کان میں انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔

"بکواس بند کر... اور یہ بتا کہ کیا کر رہا ہے؟" احرار نے چڑ کر پوچھا۔

"بس جانی! قدرت کے اسرار کھوج رہا ہوں...!" وہ اس وقت کچن کی لاٹ آف کر کے جالی والے دروازے سے ناک ٹکا کر باہر بیٹھی لڑکیاں تاڑ رہا تھا۔

"اچھا... بس یہی پتا کرنے کا کہا تھا کینڈی نے... رکھتا ہوں اب... ذرا اسے کال کر لوں...!"

"اوئے... اوئے... پاگل ہوا ہے کیا... کیوں کنارے پر ہی میری کشتی ڈبونا چاہتا ہے... بول کیا کام ہے...؟" عمیس بیچ میں بوکھلا کر بولا۔

"ہاں...! یہ ہوئی نا بات... ہزار بار بولا ہے قمیص کے بٹن میں رہا کر... اچھا وہ ایسا ہے کہ... مجھے منانا ہے...!" وہ ذرا سا جھجکتے ہوئے مدعے پر آیا۔

"دیکھ! میں صوفی کی بریانی کے دو ڈبوں اور چمن کی آئس کریم سے کم پر ہرگز' ہرگز نہیں ماننے والا... بتائے دے رہا ہوں!" عمیس نے اپنے گال پر بیٹھے مچھر کو چماٹ مار کر گال سے چمٹایا...

"تیری اوقات اتنی ہی ہے خبیث... واپسی پر تجھے درجن لچھے بھی لے دوں گا جن کے ساتھ دو دو روپے والے کھلونے بندھے ہوتے ہیں... اب خوش... اُف الحال حرم کو منانے میں تو شرافت سے میری مدد کر۔"

"میں بے چارہ کیا مدد کروں... زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ مجھے زنانہ جوڑا بھیج دیتا ہوں... پہن کر آجا اور ذرا ڈھولک سنبھال لے آگے... دو چار سریلے ہاتھ جما دے یار! ورنہ یہ لڑکیاں تو محض گلے پھاڑ رہی ہیں، قسم لے لے...!"

"اب اگر تو نے ایک بھی لفظ بے کار میں پھوٹا تو میں تیرا سر پھاڑ دوں گا اور پھر کینڈی یقیناً" تیرے جیسے چپے کنستر سے شادی نہیں کرے گی...!"

"یہ تو بار بار مجھے کینڈی کی دھمکی کیوں دیے جاتا ہے... اچھا بول کیا کروں...؟" اب کے عمیس شرافت سے مانا تھا... اس سے زیادہ وہ احرار کو تنگ کرتا تو اس سے کوئی بعید نہ تھا' بیچ میں آکر اس کی گردن دبوچ لیتا۔

"چھت پر پہنچو... میں بھی آرہا ہوں...!"

مختصر کہہ کر احرار نے کال منقطع کر دی تھی۔

دو دفعہ عمیس کی اوئے... اوئے بھی سنی تھی مگر اس وقت اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی... اسے حرم کا دل صاف کرنا تھا...

☆ ☆ ☆

چودھویں کے چاند پہ نگاہیں جمائے' اس کی ذہنی رو بھٹکی ہوئی تھی... اس نے پلک تک نہیں جھپکی تھی۔ چہرے پہ اداسی رقم تھی جس نے اس کے حسن کو چودھویں کے چاند سی جلا بخشی تھی... موتیا رنگ کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

شال نے اس کے سرخ و سپید عارضوں سے مس ہو کر گویا ہالہ سا بنا رکھا تھا۔۔۔! مگر اس کی صورت پر بے زاری اور اکتاہٹ تھی ۔۔۔ اس کا دل اچاٹ تھا۔۔۔ عمیس زبردستی اسے چھت پر لے کر آیا تھا کہ چل کر تھوڑی دیر تازہ ہوا میں سانس لے ۔۔۔ ساری کلفت دور ہو جائے گی ۔۔۔ لیکن اوپر سردی اس قدر تھی کہ ہڈیوں کا گودا جمنا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے کٹکٹاتے دانتوں کو بھینچ کر ایک نظر باریک سا دھندلا غلاف اوڑھے چاند کو دیکھا اور دوسری نظر عمیس پر ڈالی جو مزے سے دونوں گھروں کی مشترکہ دیوار پر چڑھ کر بیٹھا جیب سے چھلی ہوئی مونگ پھلی نکال نکال کر ٹونگے جا رہا تھا۔

اس نے تپ کر اسے دیکھا اور بازو پر دھپ مارتے ہوئے بولی۔

"یہ تم میری طبیعت فریش کرنے کے لیے اوپر لائے ہو یا فریز کرنے کے لیے ۔۔۔ میری ہڈیاں کڑکڑا رہی ہیں اور تم مزے سے منہ چلائے جا رہے ہو۔۔۔!"

اس پر رتی بھر اثر نہیں ہوا تھا۔۔۔ وہ اسی تسلسل سے مونگ پھلی ٹونگے جا رہا تھا۔۔۔ حرم زچ ہو گئی۔

"عمیس ۔۔۔ میرا دماغ خراب مت کرو مزید۔۔۔ میں جا رہی ہوں نیچے۔۔۔"

"آہم۔۔۔!" اس کے قریب ہی یکدم کسی کے گلا کھنکھارنے کی آواز ابھری ۔۔۔ وہ گھبرا کے پلٹی ۔۔۔ احرار کو دیکھ کر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"عمیس ۔۔۔! تم انتہائی کمینے ہو۔۔۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ جا رہی ہوں میں نیچے۔۔۔!" وہ عمیس کو گھورتے ہوئے بولی اور واپسی کے لیے مڑنے ہی لگی تھی جب پیچھے سے احرار نے بڑی محبت سے اس کا نام پکارا تھا۔

"حرم۔۔۔!" اس نے اذیت کے احساس سے مغلوب ہو کر آنکھیں میچ لیں مگر خاموش رہی۔

"حرم! پلیز، میری بات سنے بغیر مت جانا۔۔۔ میں مانتا ہوں میرا قصور ہے۔۔۔ مگر یقین مانو، مجھے اس بری طرح سے الجھایا گیا تھا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ میں ساری دنیا کو تباہ کر دوں یا خود کو فنا کر لوں۔۔۔ میرا رشتوں سے، جذبوں سے ۔۔۔ محبت سے، ہر چیز سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔۔۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ساری دنیا محض ایک ہی تعلق کے زیر اثر ہے اور وہ ہے غرض کا تعلق۔۔۔ اس کے علاوہ باقی سب جھوٹ ہے بکواس ہے۔۔۔ میں کیا کرتا حرم۔۔۔ کس کے پاس جاتا۔۔۔ مجھے ان دنوں کوئی بھی اپنا نہیں لگتا تھا۔۔۔ کیونکہ مجھے میرے اپنوں سے ہی بدگمان کیا گیا تھا۔۔۔ میں اپنی کمزوری مانتا ہوں حرم! لیکن خدارا میری محبت کی سچائی پہ شک مت کرو، میں کل بھی تم سے۔۔۔"

"آہم ۔۔۔ آہم م۔۔۔!" مونگ پھلی کا دانہ ہوا میں اچھال کر منہ کھول کر کیچ کرتے ہوئے۔۔۔ زور سے گلا صاف کر کے عمیس نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا ۔۔۔ حرم جو پلکیں موندے، دم سادھے بے خود سی احرار کو سنے جا رہی تھی ۔۔۔ سٹپٹا گئی۔۔۔ غیر محسوس انداز میں آنکھوں میں اتری نمی کو چھنگلی کی پور سے پونچھ کر گردن میں تناؤ پیدا کیا۔۔۔ اور اترا کر بولی۔

"عمیس۔۔۔! نواب صاحب سے کہو کہ ہمیں ان کی کسی بات پر یقین نہیں ۔۔۔ لفاظی سے کام نہ لیں۔"

"اپن کا بھن بول رے لا کہ چل پھٹ لے یاں سے ۔۔۔ کلٹی ہو شاباش۔۔۔!" عمیس نے کالر کھڑے کر کے دادا گیری اسٹائل میں حرم کا جواب پہنچایا مگر اس سے پہلے وہ دیوار سے اتر کر احرار کی زد سے دور ہونا نہیں بھولا تھا۔۔۔ حرم کو اس جواب پہ غضب کی ہنسی آئی مگر دبا گئی جبکہ احرار دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔

"اس نے یہ نہیں کہا۔۔۔ تم اپنا منہ بند رکھو ورنہ بتیسی توڑ دوں گا۔۔۔" پھر وہ حرم سے مخاطب ہوا۔۔۔

"حرم! میں کوئی لفاظی نہیں کر رہا۔۔۔ یہ میرے اندر کی سچائی ہے جو زبان سے بیان کی ہے۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو۔۔۔ تو۔۔۔ تو میں۔۔۔!"

اسے آگے کوئی لفظ نہیں سوجھ رہا تھا۔۔۔ چہرے پر بے چارگی چھائی تھی ۔۔۔ عمیس اسے بڑی کمینی مسکراہٹ سے دیکھتا بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"عمیس! نواب صاحب سے کہو... ہمیں کسی صفائی کی حاجت نہیں... اب جو بات ہوگی' دوبدو ہوگی۔ ذرا یہ بھی انتظار کا مزہ کشید کریں...!"

"اپن کا بھن بول رے لا کہ اسے کس کام والی بائی (صفائی والی) کا ضرورت نئیں رے... ہاں... تیرے کو کام کرنا مانگتا تو' تو آکر ہماری مبج (بھینس) کی کھدمت کر دیا کر رے... پھوکٹ میں!" حرم نے فوراً" شال کا پلو منہ پہ دھرا... اس سے ہنسی روکنا بے حد دشوار ہو گیا تھا۔ وہ تو اس نے رخ موڑ رکھا تھا ورنہ احرار کا چہرہ دیکھ لیتی تو لوٹ پوٹ ہو جاتی... اس نے عمیس کو دوبارہ بک بک کرتے سنا جو نجانے کب کے بدلے لے رہا تھا...

"اب اور (ادھر) کائے کو کھڑا رے... چل شاباش' پتلی گلی سے نکل لے... پیچھے چھوڑے...!"

"تیری تو...!" احرار کی برداشت اسی قدر تھی... نوابی خون تھا... ایک جست میں دیوار پھلانگ کر ادھر تھا اور اگلے ہی پل عمیس کی گردن اس کے مضبوط بازو کے شکنجے میں تھی... عمیس کو کھسکنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا... حرم اس کی درگت پر اب کھل کر ہنسے جا رہی تھی... احرار یک ٹک اسے تکے جا رہا تھا اور اس کے بازو میں پھنسا عمیس حرم کی طوطا چشمی اور دوست کی غداری کی دہائی دیے جا رہا تھا۔

احرار اور حرم کی نظریں ملیں... اور یقین کی شمع پوری آب و تاب سے جل اٹھی... دل کے تاروں نے جلترنگ سا بجایا اور محبت نے مہر ثبت کی... وہ اک دوجے کے لیے تھے اور ہمیشہ کے لیے تھے! حرم شرمگیں مسکراہٹ لیے احرار کی وارفتہ نظروں سے دامن بچاتی نیچے بھاگی... پیچھے عمیس اور احرار فوراً کشتی کے لیے بالکل تیار تھے! چودھویں کا چاند مزید روشن ہو گیا تھا...!

❋ ❋ ❋

چھوٹی سی اسٹڈی میں راکنگ چیئر پر بیٹھے وہ بہت آہستگی سے جھولتے ہوئے مسلسل کھڑکی سے نظر آتے پورے چاند کو تک رہے تھے... انہیں آج بھی پورے چاند کی رات اتنی ہی بھاتی تھی جتنی اس وقت جب پچھلے دالان میں حوروں جیسی پاکیزہ اور حسین عائشہ بیٹھی بے خودی کے عالم میں چودھویں کا چاند نہارا کرتی تھیں اور وہ اتنے ہی مست و بے خود سے اپنی بالکونی سے انہیں دیکھ دیکھ سیر ہوا کرتے...!

ان کی محبت ان کا زادِ راہ تھی۔ ان کی متاعِ حیات' اور عائشہ سے تو انہوں نے عشق کیا تھا... اور یہ عشق لاحاصل نہیں تھا... یہ عشق ان کی روح میں سرایت کر چکا تھا... اسے دوام حاصل تھا... اور یہی ان کی زیست کا حاصل تھا...! جمال صاحب ایک جذب کی کیفیت میں اپنی جگہ سے اٹھے اور کھڑکی کے پاس آن کھڑے ہوئے... انہیں اپنے اردگرد الوہی سی مہک محسوس ہونا شروع ہوئی۔ ان کے عشق کی آگ جب لو دیتی تو خوشبو کی لپٹیں رقص کیا کرتیں! وہ آج بھی ماضی میں جیتے تھے... حال تو بس جھیلتے تھے...!

وہ وقت بہت کڑا تھا جب نواب حسنین احمد خان نے تمام مروت بالائے طاق رکھتے ہوئے عائشہ کے لیے بھیجے گئے ان کے رشتے سے انکار کیا تھا... انہیں ہرگز ایسی امید نہ تھی... وہ جو عائشہ کے ساتھ خوشبو بھری باتیں کیا کرتے تھے... تتلیوں کے رنگوں کو چنا کرتے تھے اور مستقبل کے سنہری جگنو مٹھیوں میں بھرا کرتے تھے... جیسے ایک جھٹکے سے منہ کے بل زمین پر آ رہے...

دلوں میں رنجشیں نمو پا گئیں اور تعلقات کے بٹوارے ہو گئے... وہ اپنے غم کو دل میں دبائے اذیت ناک حد تک تنہائی پسند ہو گئے... ماں باپ نے ایک دیہاتی اور واجبی سے بھی کم پڑھی لکھی لڑکی سے نصیب باندھ دیے... انہیں چنداں پرواہ نہ ہوئی... وہ چاہتے بھی یہی تھے کہ اگر عائشہ نہیں تو پھر کوئی ایسی جو ذوقِ دلبری سے نا آشنا ہو... جس کو ان کی ذات کی پرتوں تلے چھپے نارسائی کے غم سے کوئی واسطہ نہ ہو... اور بیگم جمال ہو بہو ایسی ہی تھیں...! اور پھر جب جدائی کا نشہ سرور بن کر رگوں میں دوڑنے لگا تو عائشہ کے مرنے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کی خبر آگئی۔۔۔ سب سرور' زہر نگل گیا۔۔۔ وہ ہار ہار کے ٹوٹے اور ٹوٹ ٹوٹ کے ہارے۔۔۔ عشق ملنگ بن کر ان کے اندر بیٹھ گیا جو غم پار میں دیوانہ وار رقص جاری رکھتا اور دھڑکنیں زخم زخم ہوتی رہتیں۔۔۔!

کتنی ہی زندگی کیچوے کی مانند سسک سسک کر گزر گئی۔۔۔ اور پھر ایک اتفاق نے انہیں نواب حسنین احمد خان کے سامنے لا کھڑا کیا۔۔۔ دونوں ہی اک دوجے کو دیکھے چلے گئے اور دل نے دل سے دلوں کی بات کہہ دی۔۔۔ دونوں کے دکھ سانجھے تھے۔۔۔ دونوں کو ایک ہی وجود سے بے پایاں محبت تھی مگر نوعیت مختلف تھی۔۔۔ دونوں کو اسی محبت نے جوڑ دیا۔۔۔ ایک کے انداز میں شرمندگی تھی (انکار کی) تو دوسرے کے انداز میں دلجوئی تھی۔۔۔ یوں ایک دوسرے کا مرہم بن کر دونوں نے زندگی کرنے کا سامان پیدا کیا۔۔۔ بیٹھک سج گئی۔۔۔ شطرنج کی بساط بچھ گئی۔۔۔ مہروں نے اپنی اپنی کمان سنبھالی تو چالیں چلنے کا لطف آنے لگا۔۔۔ مہروں کو پٹنے سے بچاتے بچاتے بات رشتوں کو پٹنے سے بچانے پر آئی تو جمال صاحب نے زندگی کا سب سے بڑا داؤ کھیلا۔۔۔ احرار ان کو عزیز تھا' اتنا کہ ان کے پاس پیمانہ نہیں تھا جس سے وہ اس الفت کو ماپتے جو انہیں احرار سے تھی۔۔۔ وہ عائشہ کی اولاد ہے' بس یہی اول آخر تھا۔۔۔!

وہ کیسے اسے خود کی بھی نگاہوں سے دور ہونے دیتے جس کے چہرے کے نقش نقش میں عائشہ بولتی تھیں۔۔۔ جس کی آواز میں عائشہ گنگناتی تھیں۔۔۔ جس کی چال میں ویسا ہی ٹھہراؤ تھا اور جس کے وجود نے عائشہ کا لمس چرایا تھا۔۔۔!

وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی یہ چال کامیاب ہوگی یا نہیں کیونکہ وہ کھلاڑی نہ تھے۔۔۔ انہیں تو شطرنج سے بھی رغبت محض نواب صاحب کی خاطر تھی۔۔۔ مگر کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے نا کہ کھلاڑی بے سوچے سمجھے ایسا داؤ کھیل جاتا ہے جو بس آر یا پار کے چکر میں کھیلے جاتے ہیں۔۔۔ بالکل یہی کام جمال صاحب نے کیا تھا۔۔۔ جمال صاحب نے بھی اندھیرے میں تیر چلایا جو ٹھیک نشانے پہ لگا۔۔۔ بصورت دیگر وہ سب احرار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیتے۔

اور ایسا ہوتا تو وہ عائشہ کو کیا منہ دکھاتے۔۔۔!

جن کی صورت وہ روز تکا کرتے تھے۔۔۔ سر شام جب بھی وہ اپنی اس چھوٹی سی پناہ گاہ میں آکر بیٹھتے تو ملگجے اندھیرے میں یکدم روشنی پھوار کی صورت برسنے لگتی' ایک چاندی میں ڈھلا ہیولا اپنے ان دیکھے لمس سے انہیں سرشاری کی کیفیت میں مبتلا کر دیتا۔۔۔ وہ دھیرے سے آنکھیں موند لیتے۔۔۔ اس لمحے انہیں یوں محسوس ہوتا جیسے وہ غیر مرئی لبادے میں ملبوس خلا میں معلق ہیں۔۔۔

اس استغراق میں ایک عمر تمام ہوئی تھی۔۔۔ ایک لمبا عرصہ تھا جو انہوں نے وقت کے لہو سے سینچ کر بتایا تھا۔۔۔ اب کچھ ہی وقت جاتا تھا جب یہ موج کنارے پہ آن ٹھہرتی۔۔۔!

ست و بے خود سے وہ ملن کا ہنڈولا جھول رہے تھے۔۔۔ کچھ کہہ رہے تھے تو کچھ سن رہے تھے۔۔۔ جب ہلکی سی تھرتھراہٹ ان کے پہلو سے ابھری اور وہ بری طرح چونکے۔۔۔ ان کے سیل پر نواب صاحب کا میسج تھا۔۔۔ اپنی بیٹھک میں شطرنج کی بساط بچھائے بیٹھے تھے اور ان کے منتظر تھے۔۔۔! جمال صاحب پیغام پڑھ کر آزردہ سے مسکرا دیے اور کھڑے ہو گئے۔۔۔

"اے زندگی۔۔۔! تو نے ہمیں کیوں نہ امتحان میں ڈالا۔۔۔!" جیسے سے بڑبڑاتے انہوں نے اجازت طلب نظروں سے روشنی میں ملفوف نازک ہیولے کو دیکھا۔ کھڑکی پہ پڑے ریشمی پردے کی سرسراہٹ کے ساتھ ہی ایک خفیف سا خوشبو کا جھونکا ان کے وجود سے ٹکرایا۔۔۔ گویا جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

وہ بھرپور مسکرا دیے اور سر کو ذرا سا خم کرتے عقیدت سے موجزن دل لیے باہر کو چل دیے۔۔۔

آج کی بازی نواب صاحب کے نام تھی۔۔۔ کیونکہ اب انہیں ہار جیت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ اپنے حصے کی بازی کھیل آئے تھے۔۔۔ اب ان کی بلا سے جو بھی ہو کیونکہ عرصہ ہوا' ان کی زندگی کی بساط کے تمام مہرے قسمت کے ہاتھوں پٹ چکے تھے۔۔۔ کھیل تمام شد۔۔۔!

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

عطیہ خالد

دل کے رشتے

زیادہ وقت نہیں لگا اور جیسے سب کچھ ہی بدل گیا۔ وہ پہلے جیسی نہیں رہی اور میں بھی۔ ایک لمحے میں دل کا رشتہ' زبان کے رشتے میں بدل گیا۔ رشتوں کے سمندر میں اٹھنے والا جوار بھاٹا' محبت کی لہروں سے ٹکرا کر تازہ دم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر رشتوں میں محبت ہی نہ رہے تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ بس فاصلہ اور بے نام تعلق۔

جب تک وہ مجھ سے تعلق کو محبت سمجھتی رہی' کھلی کھلی اور تروتازہ رہی۔ جیسے ہی اس پر حقیقت کھلی۔ وہ مرجھا گئی اور اب اتنے سالوں بعد میں بھی۔

ساس' سسر حیات نہیں تھے' ایک میرے شوہر' ایک شادی شدہ پردیسی لاتعلق سا دیور اور ایک دس سال کی جاپانی گڑیا جیسی' وہ میری نند' ماہا۔ وہ اتنی خوب صورت تھی کہ ہماری شادی میں' میرے میکے میں ہر زبان پر بس اس کی خوب صورتی کا ہی چرچا تھا۔ سب نے کہا کہ مجھے پلی پلائی بیٹی مل گئی ہے۔

شادی کے شروع کے دنوں میں تو وہ مجھے بیٹی ہی لگی تھی۔ لیکن جو کوکھ سے پیدا نہ ہوا ہو' وہ کوکھ والے جیسا بھی نہیں ہو سکتا۔ دو تین سال میں نے اس کے بہت ناز نخرے اٹھائے۔ اسے بستر پر سلانا' دودھ کا گلاس دینا' اس کے بالوں کی چوٹیاں کرنا' نوالے بنا بنا کر اسے کھانا کھلانا' اس کی اسکول وین تک بھاگتے ہوئے اسے جوس کا گلاس ختم کرنے کے لیے کہنا۔ اسکول سے واپسی پر اسے اچھی طرح لنچ کروانا اور سلا دینا۔ شام کو اسے پڑھانے کے لیے بیٹھ جانا۔ رات کو سونے سے پہلے اس سے باتیں کرنا' کبھی کہانی سنا دینا' کبھی کوئی اپنے بچپن کی یاد۔

جب ہم اپنی زندگی کی کہانی کو اپنی مرضی کا رخ دیتے ہیں تو انجام کو بہت دکھی کر دیتے ہیں۔ آہستہ آہستہ مجھے اس کے سب کاموں سے چڑ ہونے لگی۔ اس کی ہر حرکت سے.... کمرے میں پنکھا اور لائٹ جلتے رہنے سے' رات رات بھر کمپیوٹر پر بیٹھے رہنے اور آرڈر دے کر باہر سے کھانا منگوانے سے بھی۔ اس کا کمرہ ہر وقت بکھرا رہتا تھا۔ بلکہ گھر کا ہر وہ حصہ بکھرا ہوا ملتا تھا' جہاں جہاں وہ بیٹھ کر میوزک سنتی اور بے ہنگم ڈانس کرتی تھی۔ ہر دوسرے دن اس کی سہیلیاں گھر آجاتیں اور وہ سب مل کر خوب ہنگامہ کرتیں' کھاتی پیتیں اور سارا گھر بکھیر کر چلی جاتیں۔ میرے دو بچوں کے اتنے کام نہیں تھے' جتنے اس سولہ سال کی لڑکی کے تھے۔

اب میں اس سے اکتانے لگی تھی' بلکہ وہ مجھے بری لگنے لگی تھی۔ مجھے اس سے خواہ مخواہ کی چڑ ہو چکی تھی۔ اس کی ہر حرکت' ہر ادا سے۔ میری دو بہنیں کنواری تھیں' ہمیں ان کی شادی کی بہت فکر رہتی تھی' لیکن پھر بھی وہ مجھے بوجھ نہیں لگتی تھیں' جتنی مجھے سولہ سال کی ماہا بوجھ لگنے لگی تھی۔ بیس سال کا ہونے سے پہلے اس کی شادی نہیں ہو سکتی تھی اور یہ چار' چھ سال مجھے صدیوں جتنے لمبے لگتے تھے۔

میں اب اسے اکثر ڈانٹ دیتی تھی اور وہ آگے سے ہنس دیتی تھی۔ ''آپ اتنا غصہ کیوں کرنے لگی ہیں بھابھی؟''

''تم کب بڑی ہو گی؟''

''آپ نے سنا نہیں کہ اولاد' ماں' باپ کے لیے کبھی بڑی نہیں ہوتی۔''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

جو بات اس نے سُن لی تھی' وہ میں نے سن کر بھی نہیں سمجھی تھی۔ اسے یقین تھا کہ میں اس کی ماں ہوں۔ اسے یقین تھا کہ میں جو اسے ڈانٹتی ہوں تو وہ دراصل محبت میں ڈانٹتی ہوں۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ میں جو آج کل اس کے بھائی کے سامنے اس کی شکایتیں لگاتی ہوں تو وہ بھی "ماں' باپ اور اولاد" کے درمیان چلنے والا معمول کا چلن ہے۔ وہ اپنی فرینڈز سے سنتی ہوگی کہ کیسے ان کی اماں جان' ان کے بابا جانی سے ان کی شکایتیں کرتی ہیں۔ کیسے وہ بظاہر غصے سے' لیکن دل ہی دل پیار میں اپنی لاڈلی کے کان کھینچنے کے لیے کہتی ہیں۔ اب مجھے یاد آتا ہے کہ جب جب میں اس کی شکایت لگاتی تھی' تب تب وہ بہت خوش ہوتی تھی۔ اس کے بھائی اسے ڈانٹ دیتے تھے تو بھی وہ مسکراتی رہتی تھی۔

"مجھے ڈانٹ پڑوا کر آپ نے ٹھیک نہیں کیا۔" وہ مصنوعی خفگی سے کہتی اور پھر بھی خفا نہیں ہوتی تھی۔

میری پیشانی پر پڑنے والے بل اور میری آواز کی کاٹ کا وہ اثر نہیں لے رہی تھی یا اس میں اتنی سمجھ ہی نہیں تھی کہ وہ یہ سب جان سکتی۔

وہ خود کو میرے بیٹوں کی پھوپھو نہیں' آپی کہتی تھی۔ مجھے اس پر غصہ آنے لگا تھا۔ میرے میکے والے بھی اس پر ناک بھوں چڑھاتے تھے کہ میں کیا ہر وقت اپنی نند کا دم چھلا اپنے ساتھ رکھتی ہوں۔ میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھتی تھی' وہ خود میرے ساتھ رہتی تھی۔ جس دن مجھے امی کے گھر بنڈی جانا ہوتا تھا' مجھ سے پہلے وہ اپنی تیاری مکمل کر چکی ہوتی تھی۔ اپنے کپڑے' جوتے' بیگ میں پیک کر کے بیکری کا سامان بھی منگوا چکی ہوتی تھی۔ کراچی ماموں کے پاس جانا ہوتا تھا اور وہ اپنے بھائی کے ساتھ جا کر ٹیلر کو اپنے کپڑے مجھ سے پہلے دے آتی تھی۔ میرے بہن' بھائیوں کو وہ ماموں اور خالہ کہتی تھی۔ ان سے فرمائشیں کرتی' لاڈ اٹھواتی تھی۔ وہ میری سانس کے ساتھ سانس لے رہی تھی اور میں اس سے کتنی بے زار تھی۔

پھر ایک وقت آیا کہ مجھے اس کی سانسوں کی مہک اپنی سانس سے زیادہ عزیز ہوگئی' لیکن پھر... وہی فاصلہ... لاتعلقی۔

امریکہ سے اس کی خالہ آئی تھیں۔ آخری بار وہ میری ساس کی وفات پر آئی تھیں۔ فون پر تو بات ہوتی رہتی تھی' لیکن ملاقات اب ہو رہی تھی۔ وہ تھوڑی تنک مزاج تھیں۔ کچھ پیسہ ان کے پاس بہت زیادہ تھا۔ کہیں کوئی نقص تو نہیں نکالتی تھیں' لیکن نگاہیں بتا دیتی تھیں کہ انہیں کیا کیا پسند نہیں آرہا۔ ناک ان کی ضرورت سے زیادہ اونچی تھی۔ جمال نے ان کی آمد کے لیے اچھے خاصے پیسے گھر کی آرائش پر خرچ کیے تھے' لیکن پھر بھی انہیں گھر میں نقص ہی نظر آرہے تھے۔ ماہا سے وہ پیار کرتی تھیں' لیکن اس کے لیے بھی ان کا انداز تنقیدی ہی تھا۔ کڑی نظروں سے اس کا جائزہ لیتی رہتی تھیں۔

ان دنوں ماہا بالکل بدل گئی تھی۔ وہ صبح جلدی اٹھتی اور کچن میں چلی جاتی تھی۔ ناشتے کی تیاری میں میری مدد کرتی۔ سارے گھر کی صفائی اپنے سامنے کرواتی۔ خالہ کے کپڑے استری کرتی' ان کے سر میں تیل ڈالتی۔ ان کے ساتھ خریداری کے لیے جاتی۔ اب بس وہ اور خالہ۔ آج کل اس کی کوئی سہیلی بھی گھر نہیں آرہی تھی۔ اس کا کمرہ بھی بہت اچھی حالت میں رہنے لگا تھا۔ احد اور فہد سے جو وہ اونچی اونچی آواز میں باتیں کرتی تھی' چیختی چلاتی اور بلند قہقہے لگاتی تھی' وہ سلسلہ بھی مؤخر ہو چکا تھا۔ اب تو وہ اتنی دھیمی آواز میں بات کرتی کہ ایسے لگتا تھا جیسے سرگوشی کر رہی ہو۔ بہت باادب' باتمیز' ٹی وی اور کمپیوٹر جیسی خرافات سے دور رہنے والی پیاری سی لڑکی بن گئی تھی۔

پتا نہیں کیوں مجھے ماہا کا یہ ڈھونگ بہت برا لگا۔ چھٹی والے دن جس لڑکی کی صبح بارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی تھی' اب وہ فجر کے وقت اٹھ کر نماز پڑھ کر اپنی خالہ کو سلام کر کے ان کے لیے چائے بنانے جاتی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

تھی۔ پہلے تو مجھے دل ہی دل ہنسی آتی رہی، پھر میرا دل چاہا کہ میں اس کے ڈرامے کا پردہ چاک کردوں۔

میں نے خود کو باز نہ رکھا اور ایک دن بظاہر مذاق میں، لیکن دراصل سنجیدگی سے خالہ کو اس کی عادتیں گنوا دیں۔ میں نے یہ تک بتا دیا کہ یہ اتنی بڑی ہوگئی ہے، لیکن آج بھی چھت پھلانگ کر اپنی سہیلی کے گھر جاتی ہے۔ وہاں اس کے جوان بھائی ہیں، سو بار منع کیا ہے، لیکن باز نہیں آتی۔

پتا نہیں خالہ پر کس بات نے زیادہ اثر کیا کہ وہ اگلے ہی دن اسلام آباد اپنے دیور کے پاس چلی گئیں۔ پندرہ دن بعد وہیں سے اپنے بیٹے کے نکاح پر ہمیں مدعو کرلیا۔

"چلنا ہے نکاح پر ماہا؟"

اس نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ پہلے ہی سے اس نکاح کے بارے میں جان چکی تھی۔ وہ یہ بھی جان چکی تھی کہ میں اس کی خالہ کو کیا کچھ کہہ چکی ہوں۔

"نہیں بھابھی!"

"کیوں؟ ارسلان تمہارا فرسٹ کزن ہے۔ تم تو شاید کافی کلوز بھی ہو اس سے۔ نیٹ پر چیٹ ویٹ نہیں کرتی رہتیں اس سے۔"

"آپ نہیں کرتی۔ پھر گھر کا خیال کون رکھے گا۔ آپ بھائی اور بچوں کے ساتھ چلی جائیں بھابھی! میرے ایگزیمز ہیں، مجھے تیاری کرنی ہے۔"

جمال بھی نکاح میں نہیں گئے۔ انہیں بھی ماہا کی طرح چپ سی لگی ہوئی تھی۔ پھر میں اکیلی کیوں جاتی۔ اس نکاح کے بعد جیسے گھر کی ہر چیز بدل گئی اور اتنی بدل گئی کہ مجھے چیزوں سمیت خود سے بھی نفرت ہوگئی۔ ماہا فجر کے وقت اٹھتی۔ سب کے لیے ناشتا بناتی۔ پھر گھر کی صفائی کرتی اور کالج چلی جاتی۔ دوپہر کے لیے آٹا وہ گوندھ کر جاتی تھی، روٹی آکر بنا لیتی تھی۔ رات کا کھانا بھی اس نے بنانا شروع کردیا تھا۔ بچوں کو ٹیوشن دیتی۔ ہفتے میں دوبارہ مشین لگا لیتی اور سارے گھر کے کپڑے دھوتی۔ دو مہمان آتے یا دس، وہ سب کے لیے اکیلی کھانا بنانے لگی۔ گھر کو چمکا کر رکھتی۔ پتا نہیں اس نے کیسے اور کب یہ سب کرنا سیکھ لیا تھا۔ کب اس نے بھاری پردوں اور لمبی چھت کو دھونے کی ذمہ داری اپنے ذمے لے لی تھی۔ اسے کیسے یہ احساس ہوگیا کہ اس کی وارڈروب میں کپڑوں کا ڈھیر پڑا ہے اور اب اسے بازار جاکر فضول خریداری نہیں کرنی چاہیے۔ اسے میوزک سے نفرت ہے۔ وہ اونچی آواز میں ہنس بول نہیں سکتی۔ وہ ان سب سے کب دور ہوگئی، میں معلوم ہی نہیں کرسکی۔

اس نکاح کے بعد کوئی ایک بھی دن تو ایسا نہیں گزرا تھا کہ جب وہ دن نو بجے سو کر اٹھی ہو۔ کوئی ایک بھی دن تو ایسا نہیں آیا تھا کہ وہ میرے میکے میرے ساتھ آئی ہو، کوئی ایک ہی دن ایسا ہوتا جب اس کی سہیلیاں گھر آئی ہوتیں، وہ چھت پھلانگ کر اپنی سہیلی کے گھر گئی ہوتی۔ فون پر اس نے کھانا آرڈر کیا ہوتا۔ گلا پھاڑ کر قہقہے لگائے ہوتے۔ فل والیوم میں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول
حساب دل رہنے دو
نبیلہ عزیز

قیمت -/400 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

میوزک لگا کر بچوں کے ساتھ مل کر اُدھم مچایا ہوتا۔ کوئی ایک بھی دن ایسا نہیں آیا کہ مجھے پرانی ماہا کی جھلک نئی ماہا میں دکھائی دی ہوتی۔

میری اماں اور بہنیں تک اسے دیکھ دیکھ کر حیران ہونے لگی تھیں۔

"اللہ نے تمہاری کوئی دعا سن لی ہے ماہوش! دیکھو' کیسا سکھ دیا ہے اس نے تمہیں۔" اماں نے ایک دن کہا۔

کیسا دکھ دیا تھا میں نے اسے۔ اس نے بی اے کرلیا تو اپنی فرینڈ کے ذریعے اپنے بھائی کو پیغام بھجوایا کہ وہ مزید آگے نہیں پڑھنا چاہتی' اس لیے اس کی شادی کردی جائے۔ جمال سے زیادہ میں حیران تھی۔

"تمہارے بھائی تمہارے ایم بی اے کا سوچ کر بیٹھے ہیں اور تم شادی کی بات کررہی ہو۔"

"یہی صحیح عمر ہوتی ہے شادی کی بھابھی' بس پڑھ لیا جتنا پڑھنا تھا۔"

"منگنی یا نکاح کردیتے ہیں۔ تم ایم بی اے کرلو۔"

"نہیں... مجھے آگے نہیں پڑھنا۔" اس نے نرمی سے کہا۔

وہ پہلی رات تھی جب اس کے رخصت ہونے کے خیال نے میرے دل کو ہولا دیا تھا۔ ان تین سالوں میں اس نے میرے پیروں کے نیچے ہاتھ ہی نہیں رکھے تھے' باقی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ جمال نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی' لیکن وہ نہیں مانی۔

جمال کو اس کی شادی کردینا پڑی۔ وہ گھر سے رخصت ہوگئی اور پھر دوبارہ کبھی واپس نہیں آئی۔ وہ شادی کے بعد کویت چلی گئی تھی۔ کویت جانے سے پہلے وہ ایک مہینہ اپنے سسرال میں رہی تھی۔ جاتے ہوئے ایرپورٹ پر ہم سے ملی اور بس... آج چھ سال ہوگئے ہیں۔ وہ لوٹ کر اس گھر میں نہیں آئی۔ میری ساری خدمت گزاری' میرے احسان' میرا پیار وہ لوٹا گئی تھی۔ جتنا میں نے اس کے لیے کیا تھا' اس سے بڑھ کر وہ کرگئی تھی۔

ایک دن میں نے اس سے فون پر کہا۔ "تم ارسلان سے محبت کرتی ہو' اس کا احساس مجھے بہت بعد میں ہوا تھا ماہا۔"

"آپ مجھ سے محبت نہیں کرتیں' اس کا احساس بھی مجھے بہت بعد میں ہوا تھا بھابھی!"

اس نے گہری سانس بھری اور فون بند کردیا۔ اس کے جانے کے بعد مجھے گھر کے کونوں میں اس کی خاموشی گونجتی سنائی دیتی ہے۔ میں آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر خود کو دیکھ نہیں پاتی۔ نظریں نہیں ملا سکتی۔

گھر میں بارہ ہزار ماہوار پر ایک ملازمہ آتی ہے جو سب کام کرجاتی ہے۔ جمال کی پروموشن ہوچکی ہے۔ گاڑی بھی آگئی ہے اور گھر بھی بدل لیا ہے۔ میرے بیٹے سارا سارا دن اے سی چلا کر رکھتے ہیں۔ میری چھوٹی بیٹی دن بارہ بجے سے پہلے سو کر نہیں اٹھتی۔ کیسا بھی کھانا پکالو' اسے بس گھر کا کھانا پسند ہی نہیں آتا۔ اپنے فون اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ وہ اتنی مصروف رہتی ہے کہ اسے یہ تک دیکھنے کی فرصت نہیں ہوتی کہ اس کی ماں بیمار ہے اور مسلسل ڈاکٹر کے پاس جارہی ہے۔

اپنے میکے میں اکیلی ڈرائیور کے ساتھ جاتی ہوں۔ چھوٹی بہن کے بیٹے کی شادی میں بہت مشکلوں سے تینوں بچوں کو بارات پر تیار کرواکر لے کر گئی تھی۔ تینوں بچوں کو اپنی خالہ' ماموں وغیرہ میں کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ مجھے اپنے بچوں سے بہت سی شکایتیں ہیں' لیکن پھر بھی' میں ان کے لیے کچھ برا نہیں سوچ سکتی۔ جس سے شکایتیں تھیں' چڑ تھی' جو بری لگتی تھی اس کے ساتھ برا کردیا' لیکن یہ جرأت بیٹی کے لیے نہیں کرپاؤں گی۔ میں آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر خود کو دیکھ نہیں پاتی۔ نظریں نہیں ملا سکتی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

آسیہ رزاقی

یہی حقیقت ہے

DO

Downloaded from Paksociety.com

سردی اس سال کچھ زیادہ ہی تھی۔ بارشوں نے ملک بھر میں ایک سرد لہر دوڑا دی تھی۔ ٹھٹھن بھی تھی۔ شہزاد کو کئی ماہ بے روزگاری کے بعد یہ دوسری نئی ملازمت ملی تھی۔ وہ کچھ شوق میں، کچھ اپنی کارگزاری دکھانے کی نیت سے آفس کو وقت بھی زیادہ دینے لگا تھا۔ شکر کرتا کہ زیادہ عرصہ خالی نہیں رہا۔ ورنہ... نہ چاہتے ہوئے بھی وہ فضہ کو نمبر دینے پر مجبور تھا۔ جس کی سادگی، کفایت شعاری اور سلیقے کی وجہ سے وہ کافی رقم پس انداز کر چکا تھا۔

گھر کا خرچ حسب معمول پرانے طریقے پر چلتا رہا۔ کسی کو خبر نہ ہوئی کہ وہ بے روزگار ہے۔ صبح حسب معمول گھر سے نکلتا۔ نوکری کی تلاش میں کیا گیا نہ پاپڑ بیلے۔ بس یہ ضرور ہوا کہ اپنی پریشانی کو بدمزاجی میں تبدیل کر دیا۔ بچے حیران ہوتے کہ یہ ابو کو کیا ہو گیا ہے۔ انہیں ہر بات پر غصہ کیوں آنے لگا ہے۔ فضہ نے یہاں بھی خاموشی، لاپروائی اور بے غرضی کا مظاہرہ کیا۔ (شہزاد کی نظر میں بے حسی) نہ احتجاج، نہ کوئی سوال، کبھی خود ہی شہزاد کو اس کی حالت پر ترس آجاتا۔ سردی میں اسے پرانی شال میں لپٹا دیکھ کر وہ ایک نئی شال لے آیا۔ وہ بھی اس نے اندر رکھ دی۔ کہیں آنے جانے میں پہننے کے لیے۔ بڑی آپا لندن سے ایک سوئٹر لائیں۔ فضہ بھلا اتنا نیا انگلش سوئٹر بیتی سوئٹر گھر میں پہنتی، نہ جی نا۔

"امی! یہ لندن سے آیا ضرور ہے۔ ہے مگر چائنا کا۔ انگلش بولتا نہیں۔ اگر آپ کو چینی زبان آتی تو چیں چیں چاں چاں میں جواب ضرور دیتا۔" یمنیٰ کی کوشش کہ ماں پہن لے۔

"نہیں... میں نے ٹیگ دیکھا ہے۔ لندن کا بنا ہوا ہے۔"

"اچھا... پھر تو انگلش بولتا ہوگا۔" لہجے میں مایوسی تھی۔

"بھئی... تم لوگوں کو پریشانی کیا ہے؟ جو تمہارے لیے آئے ہیں۔ تم پہنو۔ میں منع تو نہیں کر رہی۔"

"اصل میں ہم آپ کو ان سیکنڈ ہینڈ سوئٹروں میں دیکھ کر بور ہو گئے ہیں۔"

"خیر... ہیں تو یہ بھی انگریز... یا امریکی، یقیناً" انگلش بولتے ہوں گے۔" ایاز نے ٹانگ اڑائی۔

"تم اپنی خیر مناؤ۔ کل انگلش کا ٹیسٹ ہے، جاؤ بیٹھ کر پڑھو۔"

"ابھی ابو آتے ہوں گے۔ دیکھنا کتنا خفا ہوں گے۔" حمنہ اسے پکڑ کر لے گئی۔

"ابو کو... اور آتا کیا ہے۔ ڈانٹنے کے سوا۔" وہ چڑ کر کتاب کھول کر بیٹھ گیا۔

شادی کے چند سال تو بے حد خوش گوار گزرے۔

مکمل ناول

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

سب ساتھ رہتے تھے۔ فضہ کی سادگی' انکساری' ادب و احترام' فرماں برداری۔ سب اس سے خوش تھے۔ ہنس مکھ اور خوش مزاج تھی۔ بڑی آپا کو وہ بہت اچھی لگتی تھی۔ بڑی بھابھی تو دوستوں کی طرح مشورے' بہنوں کی طرح نصیحتیں بھی کرتی تھیں۔ پھر۔ بچے بڑے ہوگئے۔ گھر میں جگہ کی تنگی ہوگئی۔ منجھلے بھائی تو خیر فوج میں تھے۔ آئے دن شہر بدلتے۔ بھائی جان کے چار بچے۔ اماں بھی تھیں۔ نندیں سب شادی شدہ تھیں۔ لیکن سکینہ سب سے چھوٹی' بدمزاج' اکثر سسرال سے لڑ کر میکے آجاتی۔ شہزاد نے ایک چھوٹا مناسب مکان کرائے پر لے لیا۔ دو بیٹیاں حمنہ' یمنیٰ تھیں۔ دوسرے گھر جاکر آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگیا۔ کرایہ' بل' چھوٹی بچیوں کی ضروریات' اخراجات' سب ساتھ تھے۔ وہ تو ایک محدود رقم دے کر فارغ ہوجاتا تھا۔ اسے علم نہ تھا' بجلی کا بل کتنا ہے' فون' گیس کا کتنا' کھانے پینے پر کتنا خرچ ہوتا ہے۔ بھائی جان نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا۔ وہ سربراہ تھے۔ بھابھی ذمہ دار۔۔۔

الگ گھر میں اسے ہوش ربا مہنگائی کا اندازہ ہوا۔ اف۔۔۔ اس مہنگائی نے زندگی کی کتنی خوشیوں سے محروم کردیا تھا۔ اخراجات کے سلسلے میں وہ اکثر فضہ سے الجھتا۔ فضا خاموشی سے سن لیتی۔ پھر شہزاد کی عادت بن گئی الجھنا۔ نکتہ چینی' اعتراض فضہ کو ہر خرابی کا ذمہ دار ٹھہرانا۔ وہ کیا کرتی۔ بولنا' جواب دینا آتا نہ تھا۔ اگر بولتی تو یقین تھا کہ جھگڑا بڑھ جائے گا۔ اس کی یہ عادت بھی شہزاد کو بری لگتی۔ کم آمیزی' تابعداری سے جھنجلا جاتا۔ وہ کبھی کہیں جانے کی یا کسی چیز کی فرمائش نہ کرتی۔ کبھی شکوہ کیا نہ خواہش کا اظہار۔ شہزاد کے نامناسب اور غلط اعتراض بھی بلا عذر برداشت کرلیتی۔ وہ چڑ جاتا۔ کیسی عورت ہے' بے منہ' بے زبان' کبھی اپنی ضرورت ہی کی کسی چیز کا اظہار کرے۔ بچیوں کے لیے ہی کچھ مانگ لے۔ خود ہی نیٹ لیتی ہے۔ شہزاد نے اماں سے شکایت کی تو وہ ہنسنے لگیں' بولیں۔

"اے ہے۔ چھوٹے گھر کی ہے۔ غریبی کی پلی ہوئی۔ اسے ان نزاکتوں کی کیا تمیز۔ جو پہناؤ گے' پہنے گی' جو کھلاؤ گے' کھائے گی۔ اسی لیے تو اسے لے کر آئی ہوں کہ ہر حال میں خوش رہے گی۔"

"اماں! مگر کبھی تو کسی ضرورت کی فرمائش کرے۔ یا پیسے کم ہونے کا شکوہ۔ لگتا ہے روبوٹ ہے۔ بس کام۔۔۔ کام۔۔۔ میری غلط بات پر ہی ٹوک دے۔ مگر نہیں۔"

"اسے نہیں ان چیزوں کا پتا۔ کبھی ماں سے فرمائش کی ہو تو جانے۔ بھئی یتیمی کی پالی ہوئی لڑکیاں ایسی ہی بے زبان ہوتی ہیں۔ اب تم کہہ کہہ کر زیادہ سر پر نہ چڑھانا۔۔۔ ورنہ بڑی بھاوجوں کا جو حال ہے۔"

چپ ہوگئیں۔ وہ منتظر رہا کہ اماں آگے کچھ بتائیں۔ کیا حال' کیسا حال' مگر وہ پان بنانے میں لگ گئیں۔ یوں تو دونوں بھابھیوں کا سلوک بہت اچھا تھا۔ خصوصاً" شہزاد اور فضہ پر وہ دونوں مہربان تھیں۔ اماں کا بھی خیال رکھتی تھیں۔ پھر۔۔۔ اور بھی الجھ گیا۔

بھابھی سے فضہ کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا۔

"وہ فرشتہ ہے شہزاد! بہت سمجھ دار اور معاملہ فہم ہے۔ قدر کرو اس کی۔ بڑی اچھی تربیت کی ہے اس کی آنٹی نے۔"

منجھلی بھابھی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ "یہ تو اس کی اعلا ظرفی ہے کہ کچھ مانگتی نہیں۔ مگر تمہیں اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا چاہیے۔ وہ تمہاری ہر بات پر عمل کرتی ہے' تو تمہارا بھی فرض ہے بغیر کہے ضرورت کی اشیا مہیا کرو۔"

ضرورت کی اشیا۔ اسے کیا پتا' اسے کس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ تو اخراجات کے لیے جو رقم اسے دیتا تھا۔ اسی میں وہ نہ جانے کیسے اپنے اور بچیوں کے کپڑے بھی بنالیتی تھی۔ شاید اس کے پاس جادو کی چھڑی تھی۔ جو ہر چیز مہیا کرسکتی تھی۔ اب وہ خود بھی کبھی کبھی بچیوں کے لیے کچھ لے آتا۔ فضہ کے لیے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بھی لاتا۔ مگر بہت کم۔ وہ پھر بھی مطمئن رہتی۔ بھابھی کہتی تھیں وہ فرشتہ ہے۔ واہ بھئی۔۔۔

تیسرے بچے کی آمد۔۔۔ وہ پریشان ہوگیا۔ محدود آمدنی میں ایک اور خرچ۔ گو کہ وہ بھی بچت کا عادی تھا۔ کبھی پوری تنخواہ گھر پر نہ دی۔ مگر اب۔۔۔ یہاں اکیلی۔۔۔ اسپتال چلی گئی تو بچوں کا خیال کون رکھے گا۔ اس کے خاکسارانہ لہجے اور رک رک کر بات کرنے سے وہ چڑ گیا۔

"اچھا۔۔۔ تو جو اکیلی عورتیں ہوتی ہیں۔ ان کے بچے نہیں ہوتے؟ یا ان کی امی، بہنیں نہ ہوں تو وہ پڑوسیوں کے گھر چلی جاتی ہیں اس موقع پر اور تم وہاں چلی جاؤ گی تو میرا خیال کون رکھے گا؟"

وہ چہرہ اٹھائے منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ مایوس ہوگئی۔

"امی نے کہا تھا تو میں نے آپ سے پوچھ لیا۔"

اف تابعداری، وہ چڑ گیا۔

"ہاں جی۔۔۔ مجھ سے پوچھے بغیر تو آپ قدم نہیں اٹھاتیں۔ یہ بھی احسان ہے مجھ پر۔۔۔ نہیں بھئی۔۔۔ اپنی امی کا حکم مانیے پھر۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ تو اسپتال امی کے گھر سے نزدیک ہے۔ اس لیے۔۔۔ رائے دی تھی۔ حکم نہیں۔۔۔ آپ نہیں چاہتے تو۔۔۔ پھر۔۔۔ رہنے دیں۔۔۔ میں امی سے کہہ دوں گی۔ وہ ہی یہاں آجائیں گی۔"

کیا التجا آمیز لہجہ تھا۔ مزید غصہ چڑھا۔

"تو یہ کہو نا۔۔۔ پھر۔۔۔ کہ اپنی امی کو پاس بلانے کی تمہید ہے۔۔۔ ہاں ہاں بھئی۔۔۔ بلاؤ۔۔۔ بلاؤ۔۔۔ میری اماں آجاتی ہیں تو تمہارا منہ لٹک جاتا ہے۔۔۔ واہ۔۔۔"

وہ سٹپٹا گئی۔ "ارے نہیں۔۔۔ واہ۔۔۔ کیوں اماں آجائیں۔۔۔ مگر۔۔۔ نہ تو وہ ہسپتال لے جاسکتی ہیں۔ نہ کچن کا کام کرسکتی ہیں۔ امی تو سب کرلیں گی اور یمنیٰ تو گود میں چڑھی رہتی ہے اماں بھلا۔۔۔"

"اچھا۔۔۔ بات۔۔۔ ختم۔۔۔ تم جانا چاہتی ہو، جاؤ۔"

"آپ کو ناراض کرکے تو نہیں جاسکتی۔" وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ چہرہ اتر گیا۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن بھائی جان کے گھر گیا۔ بھابھی نہیں ملیں۔ اماں اپنے کمرے میں لیٹی کنگنا رہی تھیں۔ اس نے فضہ کی چالاکی کا بتایا۔

"اپنی امی کو بلانے کی ترکیب ہے۔ اماں آپ آجائیں تو مجھے اطمینان رہے گا۔ میکے چلی گئی۔۔۔ تو میں اکیلا۔۔۔ کیا کروں گا۔"

اماں کو جیسے بچھو کا ڈنک لگا۔ اچھل کر بیٹھ گئیں۔

"ہائیں۔۔۔ لو۔۔۔ میں تمہارا گھر سنبھالوں۔۔۔ بچیاں ایک آفت۔۔۔ توبہ توبہ۔۔۔ نہ بابا۔۔۔ بھیج دے میکے۔ ماں بلا رہی ہے تو۔۔۔ اچھا ہے، تیرا خرچ بچے گا۔ بھئی بچہ میکے میں ہو۔۔۔ تو میکے والے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہی قاعدہ ہے۔"

پتا نہیں کہاں کا قاعدہ تھا۔ مگر اسے پسند آیا۔ اسی دن اسے میکے چھوڑ آیا۔ وہاں سے آنے لگا تو دبی زبان سے فضہ نے کہا۔

"وہ۔۔۔ ڈاکٹر کی فیس۔۔۔ اسپتال کا خرچا۔۔۔"

"تمہاری امی نے بلایا ہے۔ وہی دیں گی۔ یہی قاعدہ ہے۔" کہہ کر چلا آیا۔ واہ! اچھا قاعدہ ہے۔

روز شام کو آفس سے بچیوں سے ملنے کے بہانے چلا جاتا۔ رات کا کھانا کھا کر آتا۔ فضہ منتظر رہتی۔ وہ انجان بنا خدا حافظ کہہ کر آجاتا۔ آفس میں تھا۔ تو فضہ کے بھائی فراز کا فون آیا۔

"بھائی جان! امی آپی کو لے کر اسپتال گئی ہیں۔ میں ابھی آفس سے گھر آیا ہوں۔ بچیاں میرے پاس ہیں۔"

شہزاد کو حیرانی ہوئی۔ ابھی تو کئی دن باقی تھے۔ ڈاکٹر کے مطابق۔۔۔ اوہ۔۔۔ اور فضہ نہ جاتی۔ اپنے گھر ہوتی اماں کے ساتھ۔ پھر کون اسے اسپتال لے جاتا۔ میں تو یہاں پھنسا ہوا ہوں۔ اماں تو سوائے واویلا کرنے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کے۔ او۔ خدا۔ شکر ہے۔

شام کو ہی آفس سے فراغت ہوئی۔ دوڑا ہوا اسپتال پہنچا۔ کچھ دیر پہلے امی کے فون نے بیٹے کی آمد کی خوش خبری نے رگوں میں طاقت کا انجکشن لگا دیا تھا جیسے۔ امی وہاں مٹھائی تقسیم کر رہی تھیں اسے تو یہ بھی خیال نہ آیا۔ فراز، حمنہ، یمنی کو لے آیا تھا۔ جو چھوٹے سے منے بھیا کو انگلیوں سے چھو کر محسوس کر رہی تھیں کہ وہ سچ مچ کا ہے۔ گڑیا نہیں ہے۔

پتا چلا کہ کسی پیچیدگی کی وجہ سے آپریشن ناگزیر تھا۔ فضہ کے چہرے پر زردی تھی۔ نقاہت۔ ناتوانی۔ وہاں موجود لیڈی ڈاکٹر نے بتایا۔

"بے حد کمزوری۔ خون کی کمی تھی۔ نارمل پیدا ہونے کا خطرہ نہ لیا جاسکتا تھا۔ اس لیے آپریشن ضروری تھا۔"

اس کا وہ گلاب کی پھنکڑی جیسا رنگ نہ جانے کیسے سرسوں کے پھول میں بدل گیا تھا۔ شہزاد کو لگا۔ فضہ نے اسے دیکھ کر آنکھیں بند کرلی ہیں۔ اسے دھکا سا لگا۔ ایسا کیوں؟

ڈاکٹر سے اس نے کہا تو اس نے بتایا۔ ابھی دواؤں کی وجہ سے غفلت میں ہیں۔ آنکھ کھولتی ہیں، مگر پہچانتی نہیں۔ اس لیے آپ کو ایسا لگا۔ ایک گھنٹے تک ہوش آئے گا۔ ان کی غذا کا خاص خیال رکھنا ہے۔ احتیاط ضروری ہے۔ بے وجہ وزن اٹھانا یا طاقت سے زیادہ کام کرنا اچھا نہیں ہے۔

کافی ہدایتیں دے کر وہ چلی گئی۔

وہ باہر نکل آیا۔ جہاں بڑی آپا اور مائدہ آئی ہوئی تھیں۔ مبارک باد دے کر چلی گئیں۔ فراز بچیوں کو لے کر اپنے گھر چلا گیا۔ امی نے بتایا تھا وہ رات کو گھر چلی جائیں گی۔ اسپتال میں نرس کا انتظام ہے۔ بچیوں کی وجہ سے ان کا گھر پر رہنا ضروری تھا۔

شہزاد پریشان ہوگیا۔ پتا نہیں کتنے دن اسپتال رہنا پڑے گا۔ نارمل ہوتا تو اگلے دن گھر آجاتی۔ شہزاد بھائی جان کی طرف چلا گیا۔ بھابھی اسی وقت کہیں سے آئی تھیں۔ پوچھنے لگیں۔ آپریشن کا سن کر اخراجات کے بارے میں پوچھا۔ اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ بھابھی چونک گئیں۔

"کیوں۔ تمہیں کیوں خبر نہیں۔ ساس سے پوچھا ہوتا۔ آپریشن کی فیس ہی بہت ہوتی ہے۔ پھر اور بھی اخراجات۔ آدمی کی کھال کھینچ لیتے ہیں اسپتال والے۔ آخر تمہیں دینا تو ہے تو معلوم تو کرتے۔"

"مجھے کیوں۔ فضہ کی امی نے بلایا تھا، وہی سب کریں گی۔ میکے میں بچہ ہو تو ان ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہی قاعدہ ہے۔" اماں کا جملہ دہرا دیا۔

"یہ کس دنیا کا قاعدہ ہے؟ ہمارے تو چاروں بچے میکے میں ہوئے۔ اماں تو صاف انکار کردیتی تھیں۔ چاروں دفعہ تمہارے بھائی نے اخراجات اٹھائے۔ واہ شہزاد! اولاد آپ کی۔ ذمہ داری دوسروں پر۔ کیوں بھئی۔ اور جبکہ ان لوگوں کی پوزیشن بھی نہیں آپریشن کی فیس دینے کی۔ تمہیں معلوم تو ہے۔ فراز کو ابھی چار ماہ ہوئے ہیں جاب ملے ہوئے۔ بہت غلط بات ہے۔ ابھی جاؤ اور معلوم کرکے رقم جمع کروا۔ پہلے تو فضہ کی بہن نوکری کرکے گھر سنبھالے ہوئے تھی۔ اس نے ماں کو گھر بٹھا دیا تھا، یہ کہہ کر آپ نے بہت دن کام کرلیا۔ اب مجھے اپنی تعلیم کو کام میں لانا ہے۔ اسی نے بھائی کو پڑھایا۔ فضہ کی شادی کی۔ اب تو اس کی بھی شادی ہوگئی۔ باپ کی پنشن پر ہی گزر بسر تھی۔ فراز تو اب جاکے۔ اور تم نے اسے وہاں بھیجا کیوں۔ یہاں لے آتے۔ آنٹی کو بھی میں بلا لیتی تاکہ بیٹی کا خیال رکھیں۔ کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ اتنے خود غرض تو نہیں تھے تم۔"

بھابھی دیر تک اسے شرمندہ کرتی رہیں۔ "ابھی جاؤ یا صبح، رقم مجھ سے لے لو، ان کو پریشانی نہ ہو۔ بے چاری فضہ کتنی پریشان ہوگی۔ تمہیں ذرا احساس نہیں؟ افسوس۔"

"رقم تو ہے، پوچھ کر۔ میں اسپتال سے گھر لے جاؤں گا۔ آپ چھوڑیں۔" اوٹ پٹانگ جملے۔ بوکھلا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

گیا تھا ان کے تابڑ توڑ حملوں سے۔

"گھر۔؟ کیوں مارنا چاہتے ہو اسے۔ اتنی جان ہے اس میں کہ تمہارا گھر سنبھالے۔ بھئی میں یہاں لے آؤں گی۔ پہلے ہی ہلدی کی گانٹھ ہو رہی تھی۔ آپریشن نے اور بھی حشر کر دیا ہوگا۔"

شہزاد کو اس کی شکل یاد آئی۔ آنکھوں کا رنگ یاد آیا۔ بے رونق' مایوسی کا رنگ' اماں کے کمرے میں گیا تو وہ کسی اور ہی خیال میں تھیں۔

"ارے عورتوں کی چالاکیاں تم کیا جانو۔ ویسے ہی۔۔۔ بس۔۔۔ کیسا آپریشن۔۔۔ دو پہلے تو ٹھیک ہو گئیں۔ اب کیا نرالا ہو گیا۔"

"بہانہ کر دیا ہوگا آپریشن کا۔ لو جی بیٹھے بٹھائے پیسے ٹھگنے کے بہانے' جھوٹ بالکل۔۔۔"

وہ اکتا کر گھر آگیا۔ اب تو رات ہو گئی۔ کل جا کر جمع کرا دوں گا۔ تصدیق بھی ہو جائے گی۔ (اماں کے شبہ کی) خالی گھر کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ فریج سے سالن نکال کر گرم کرنے لگا۔ فضہ کئی سالن پکا کر فریز کر گئی تھی۔ روز رات کو تو سسرال میں کھاتا تھا۔ دن کو آفس میں کچھ کھا لیتا تھا۔ سارے سالن جوں کے توں رکھے تھے۔ ڈبل روٹی کے سلائس سینک لیے۔ فضہ کے ہاتھ میں لذت تھی۔ شاید اس کی نیت اچھی تھی۔ وہ خود بھی۔۔۔ اتنی اچھی ہے' پتا نہیں' اماں کیوں ناراض رہتی ہیں۔

رات نیند کم آئی۔ صبح آفس سے بھی دیر ہو گئی۔ سوچا چلو شام کو جا کر پے منٹ کر دوں گا۔ ابھی تو کئی دن رہنا ہے اسپتال میں۔۔۔ آفس سے نکلا تو گھر چلا گیا۔ تاکہ ذرا تھکن اتار کر پھر اسپتال جائے۔ ابھی جی بھر کر بیٹے کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ گھر میں۔۔۔ حیرانیاں منتظر۔۔۔ فضہ بچوں سمیت موجود۔

"ہائیں۔۔۔ یہ۔۔۔ کیا۔۔۔ کیسے آگئیں؟" ابھی ڈاکٹر نے اجازت بھی کیسے دی۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔ فضہ کمرے میں بکھری ہوئی چیزیں اٹھا رہی تھی۔ پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ کبھی دیوار کا سہارا لیتی۔ کبھی الماری کا پٹ پکڑتی۔

"وہ تو اجازت نہیں دے رہی تھیں۔ میں خود ہی اپنی ذمے داری پر آگئی۔ کمرہ مل گیا تھا۔ تو رات کو امی اور بچیاں رہ گئیں۔ لیکن بہت زیادہ مہنگا کمرہ تھا۔ میں نے سوچا۔۔۔ امی پر لور زیادہ بار نہ ہو۔"

"یہ۔۔۔ یہ تم کر کیا رہی ہو۔ حالت دیکھو اپنی' چلو لیٹو' امی۔۔۔ امی کہاں ہیں؟"

"امی۔۔۔ اپنے گھر چلی گئیں۔ میں فراز کے ساتھ ادھر آگئی۔"

"تم۔۔۔ تم۔۔۔ کچھ احتیاط بھی تو۔۔۔ ارے گر جاؤ گی' چلو لیٹو۔"

"نہیں۔۔۔ چلنے' پھرنے کی تو اجازت ہے۔ بس ذرا احتیاط۔"

"تو۔۔۔ کرو احتیاط۔۔۔ یہ سب کام تو۔۔۔ میں کر لوں گا۔ امی کیوں نہیں آئیں؟"

"میں نے ہی کہا آپ چلی جائیں۔ تھک گئی تھیں۔ وہ راتوں سے مسلسل جاگ کر۔"

"اور وہ اسپتال کے بل وغیرہ۔ میں تو ابھی جا کر ادا کرنے والا تھا۔"

"وہ تو۔۔۔ آپریشن سے پہلے ہی جمع کرا دیے تھے امی نے۔۔۔ ہو گیا تھا انتظام۔"

"انتظام۔۔۔ کس۔۔۔ یعنی کیسے۔۔۔ میں خود جا کر دیتا۔" شرمندگی ہوئی۔

وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ "آپ نے ہی تو کہا تھا۔ میکے والے بلاتے ہیں تو خود ہی۔۔۔ امی نے پھر کچھ۔۔۔ خون کی کمی۔۔۔ نقاہت۔۔۔ اور آتے ہی مصروف۔۔۔"

"ارے۔۔۔ مذاق کر رہا تھا میں۔ آپریشن کا تو علم ہی نہ تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ آپریشن کے بعد کئی دن رہنا پڑتا ہے۔ آخر آفت کیا تھی۔ اتنی جلدی آنے کی۔"

فضہ پر تکان کا غلبہ تھا۔ بے بسی سے بچیوں کو دیکھ رہی تھی۔

"امی ان کی دیکھ بھال' گھر کے کام' کھانا ناشتا' بنانا۔

بچیوں کے لیے وہ نئی جگہ تھی۔ دروازہ کھلتے ہی باہر نکل جاتی تھیں۔ انہیں پکڑ کر لانا' بہلانا' پھر اسپتال جاتے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ہوئے بچیوں کو پڑوس میں چھوڑا۔ فراز کو فون کیا تو وہ گھر آیا بچیوں کی وجہ سے۔ کب تک آفس کی چھٹی کرتا۔"

امی کو گھر جاکر کھانا پکا کر اسپتال بھی لانا ہوتا تھا۔ ابھی تو دو سرا دن تھا۔ وہ کب تک ڈیوٹی دیتیں۔ آپریشن کے بعد اطمینان ہونے تک تو وہ وہاں سے ہلی ہی نہیں۔ پھر ذرا اطمینان ہوا تو فراز کو فون کرکے مٹھائی منگائی' شہزاد تو... شام کو ہی آیا۔ ان کے مذاق... اگر وہ مذاق تھا' کتنی اذیت پہنچائی اسے' مذاق کا لہجہ ایسا ہوتا ہے؟ کڑوا کسیلا... وہ تھک کر لیٹ گئی۔ آتے ہی تو چیزیں سمیٹنی پڑی تھیں۔ ایک کمرہ صاف کرکے اس کمرے میں آئی تھی۔ شہزاد آفس جاتے ہوئے بکھیڑا پھیلا گیا تھا۔ ابھی چند سانسیں لی تھیں کہ چھوٹے نے ہاتھ پیر مار کر بد مزگی کا اظہار کیا۔

شہزاد نے جلدی سے کہا۔ "اوہو... لیٹی رہو۔ میں دیکھتا ہوں۔" بہت فکر کر رہا تھا۔ بچے نے بستر گیلا کر دیا تھا۔ شہزاد سے بھلا کیا ہوتا۔ فضہ کو ہی اٹھنا پڑا۔

"تم ابھی آرام کرو۔ میں حمنی' یمنی کو دودھ' بسکٹ کھلا دوں گا۔ بلکہ ابھی انہیں ساتھ لے جاتا ہوں۔ بیکری سے کچھ چیزیں لے آؤں۔ لوگ بھی آئیں گے مبارک باد کے لیے۔ یہ تمہیں تنگ کریں گی۔ تم چائے پیو گی؟ میں بنانے جا رہا ہوں۔"

"آپ بیکری سے ہو آئیں۔ میں بنالوں گی چائے۔"

"نہیں... بالکل نہیں... کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ دونوں تمہیں تنگ نہ کریں اس لیے لے جاتا ہوں۔"

"صبح سے تو تنگ نہیں کیا' میں کام کرتی رہی۔ یہ حمنی' مدد بھی کرتی رہی۔"

"صبح سے...؟ تم گھر کب آئی تھیں۔" وہ حیران ہوا۔

"گیارہ بجے آگئی تھی۔ فراز یہاں چھوڑ گیا۔ امی اپنے گھر لے جانا چاہتی تھیں۔ میں نے کہا۔ وہاں یہ بہت اودھم مچاتی ہیں۔ آپ گھر جاکر آرام کریں۔"

"اوہ... تو... تم نے کچھ کھایا بھی نہیں ہوگا۔ اف... کیا کرتی ہو۔"

"نہیں... میں نے فریزر سے نکال کر کھالیا تھا۔" فراز کیک' بسکٹ' ڈبل روٹی' انڈے بھی لے آیا تھا۔

"اسپتال میں ہی امی نے ہم تینوں کو ناشتا بھی کرا دیا تھا۔ میں نے آتے ہی پہلے کچن سمیٹا۔ انڈا ابال کر کھایا۔ سالن گرم کرکے سلائس کے ساتھ کھالیا۔"

"افوہ' کیا غضب کیا۔ باسی سالن؟ کوئی نقصان نہ پہنچے۔" فکر مندی سے بے حال تھا۔

فضہ خوش تھی۔ بیٹے نے شہزاد کو بدل دیا تھا۔ بچیوں کی دفعہ تو بھابھی جان نے ہی اس کی دیکھ بھال کی تھی۔ شہزاد کو کچھ کرنا ہی نہیں پڑا تھا۔ مگر اب... بہت خیال کر رہا تھا۔ وہ اندر تک سیراب ہو گئی۔ کاش... یہ تبدیلی عارضی نہ ہو۔

☆ ☆ ☆

وہ بیکری سے آیا۔ تو گھر میں آوازیں تھیں... بھابھی جان آئی ہوئی تھیں۔ حسب توقع فضہ کو ڈانٹ رہی تھیں۔

"اکیلے گھر میں کیا سوچ کر آگئیں۔ کوئی فرشتہ تمہیں پکا کر کھلائے گا۔ ارے... نارمل ڈلیوری میں بھی کچھ دن آرام کروایا جاتا ہے۔ تم نے تو خود کو ہرکولیس سمجھ لیا۔ گھر داری کرنے کے لائق تم ہو نہیں۔ آخر کیا آفت تھی وہاں سے بھاگنے کی۔ کیسے سنبھالو گی سب..."

"بھابھی... میں... کچھ کر ہی لوں گی۔ تھوڑا بہت..." وہ منمنا رہی تھی۔

"ہاں... کچھ نہ کچھ... یعنی اپنے اور بچوں کے ساتھ دشمنی... بلکہ ننھے بچے پر ظلم... پتا ہے آپریشن سے ہونے والا بچہ بہت نازک ہوتا ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی سے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میں تو اس ڈاکٹر کی خبر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

لوں گی جاکر۔ کیسے اس حالت میں ڈسچارج کیا۔"

"وہ تو منع کررہی تھی۔ میں نے مجبوری بتائی تو.... پھر۔" وہ چپ ہوگئی۔

"کیسی مجبوری؟ خیر کچھ بھی بتایا ہو۔ مجھے معلوم ہے۔ کمرے کا خرچ بچانے کے لیے خطرہ مول لیا تھا۔ مگر میں تمہیں یہاں چولہا جھونکنے کے لیے اکیلی نہیں چھوڑوں گی۔ تم چھوٹے کی چیزیں بیگ میں رکھو۔ میں بچیوں کے کپڑے وغیرہ رکھتی ہوں۔"

انہیں وہیں چھوڑ کر وہ کچن میں آیا۔ اف.... وہ کس طرح چھوڑ کر گیا تھا اور اب.... صاف ستھرا' برتن دھلے' خدایا' وہ اس حال میں بھی یہ سب کرتی رہی۔ چیزیں جو وہ لایا تھا۔ ڈبوں اور جار میں رکھیں۔ مٹھائی فریج میں۔ پھر آکر دیکھا۔ بھابھی' بچیوں کے کمرے میں ان کے کپڑوں اور سامان کے ڈھیر کے بیچ میں بیٹھی تھیں۔ شہزاد کو سلام کا جواب دے کر بولیں۔

"لو دیکھو' میں نے کہا' حمنہ! میں تم دونوں کے کپڑے رکھ رہی ہوں۔ دونوں نے لاکر سارے کھلونے' جوتے' سینڈل' گڑیاں جمع کردیں اور ضد یہ کہ سب ضروری چیزیں ہیں۔ اب کیا چھوڑوں' کیا رکھوں؟ ہاں' بتانا بھول گئی' میں تمہاری بیوی' بچوں کو اغوا کرکے لے جارہی ہوں اپنے ساتھ' تم تو اس کا حشر کردو گے۔ میں تو گئی اسپتال' خیریت کے لیے' یہ غائب' افوہ جلد بازی' اگر اب کوئی بے احتیاطی یا غلطی ہوگئی' تو تم ذمہ دار ہوگے اس کی صحت کی خرابی کے' بھلا بتاؤ' خرچا بچانے کے لیے' صحت اور زندگی داؤ پر لگادی۔"

"میں تو خود حیران تھا۔ جب یہاں آیا تو یہ موجود' سوچ رہا تھا ابھی جاکر پے منٹ کردوں گا۔"

"تو تم نے کل.... میں کہہ رہی تھی مجھ سے لے لو۔ افوہ.... آپریشن کا خرچ ہی پچاس ہزار سے کیا کم ہوگا۔ پھر اسپتال کے چارجز.... اوہ آنٹی بے چاری نے کس طرح ادائی کی ہوگی شہزاد! بہت زیادتی کی تم نے۔ مجھے تو شرمندگی ہورہی ہے۔ اسی لیے فضہ نے خطرہ مول لیا۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
درد موسم	راحت جبیں	1000/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
مین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین	250/-
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید	200/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	500/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	500/-
آج صحن پہ چاند نہیں	رضیہ جمیل	200/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	200/-
میرے دل میرے مسافر	تسنیم سحر قریشی	300/-
تیری راہ میں رل گئی	میمونہ خورشید علی	225/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	400/-

[redacted]

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"تو کیا ضرورت تھی اتنے مہنگے اسپتال جانے کی۔"
وہ یک دم بے مروتی سے بولا۔
"اچھا!! بجائے شکر ادا کرنے کے' یہ بھی شکوہ باقی ہے۔ بروقت اسپتال پہنچنا اور آپریشن کے مراحل سے گزرنا' معمولی بات ہے؟ یہاں ہوتی' تم تو آفس میں تھے۔ اللہ نہ کرے جنازہ اٹھاتے تو شاید خوش ہوتے۔ احسان مانو فضہ کی امی کا۔ مگر نہیں' فضول ایک ناشکر گزار سے بات کرکے کھو رہی ہوں۔ یاد رکھو! جو مرد' بیوی کی عزت نہیں کرتا' وہ اس کی محبت سے محروم ہوجاتا ہے۔ بیوی اگر وفا شعار ہے تو گھر شوہر کے لیے ایک مشین بن جاتی ہے۔ اس میں کوئی جذبہ باقی نہیں رہتا۔ بے جان' بے روح پرزہ لگتا ہے' تمہاری زبان کے تیر فضہ کا دل بھی چیرتے ہوں گے جب ہی' اس بھی نہ کوئی لگن رہی' نہ شوق۔ میں حیران تھی کہ اسے کیا ہوتا جارہا ہے۔ سوکھ کر کھوکھلی ترلی بن گئی ہے۔ اب اندازہ ہوا' یہ تم ہو جو دن رات اسے۔۔۔ اف۔۔۔ تمہارا گھر چمکاتی ہے' بچے پالتی ہے' تمہاری اطاعت گزار ہے۔ اپنا سکھ چین لٹا کر اسے کیا ملتا ہے؟ تمہارے اعتراض۔۔۔ واہ' کیا مردانگی ہے' کیا واقعی شہزاد' تمہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کی خدمت' قربانی' ایثار' اس حالت میں بھی آکر' گھر کی حالت درست کی۔ عورتوں کے نخرے تم نے دیکھے ہی نہیں۔ سکینہ سے ہی سیکھ لیتے۔ دو مہینے پلنگ سے نیچے نہیں اترتی' ہر دفعہ بچے کی بار۔۔۔"
شہزاد شرمندہ سر کھجانے لگا۔ "اوہو۔۔۔ آپ کے خیال میں میں ظالم مرد ہوں؟"
"ظالم شوہر' قاتل' ارمانوں کا' شوق کا قتل بھی گناہ سے کم نہیں۔ پتا نہیں تم اتنے بے حس کیوں ہو؟"
وہ جھینپ گیا۔ "چھوڑیں' بس میں تو فضول۔۔۔ اچھا چلیں' میں چائے کا پانی رکھ کر آیا تھا۔ چائے لاتا ہوں' وہیں فضہ کے پاس چلیں۔"
گھبرا کر کچن کی پناہ میں آگیا۔ چائے بنا کر ٹرالی میں رکھی۔ سیب کا جوس نکالا۔ بیکری کی تمام چیزیں پلیٹوں میں رکھ کر ٹرالی سجا کر لایا۔ فضہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ زرد رنگ' پپڑی زدہ ہونٹ' سوکھا ہوا چہرہ' کیا یہ وہی فضہ ہے جسے گھونگھٹ میں دیکھتے ہی وہ سو جان سے عاشق ہوگیا تھا۔ کیا وہ اس کے تیز تند جملوں سے گھائل ہوئی ہے؟ کیا وہ جذبوں سے خالی ہوگئی ہے۔ بے جان' بے روح پرزے کی مانند' نہیں' ایسا نہیں ہونا چاہیے' میں اس کے جذبات زندہ کروں گا۔"
بھابھی بولتی ہوئی آئیں۔ "لو بھئی۔۔۔ بچیوں کا سامان تو رکھ دیا میں نے۔ ارے تم تو اسی طرح پڑی ہوئی ہو۔ اچھا خیر' ہوجائے گا سب۔"
شہزاد نے سیب کے جوس کا گلاس فضہ کی طرف بڑھایا۔
"لو۔۔۔ یہ پی لو۔ پھر چائے کے ساتھ کیک لے لینا۔ ابھی تازہ نکال کر لایا ہوں۔"
"واہ شہزاد! تم تو بڑے سلیقہ مند ہوگئے ہو۔ چائے اور ساتھ میں اتنا کچھ۔ فضہ! تم جوس پی لو۔ تمہیں طاقت کی ضرورت ہے۔ لگتا ہے شہزاد کو میرے لیکچر کی اکثر ضرورت پڑے گی۔ کیوں؟" وہ شریر نظروں سے شہزاد کو دیکھ کر چائے پینے لگیں۔
شہزاد جھینپ گیا۔ "سوری بھابھی! میں فضہ سے بھی معافی مانگ لیتا ہوں۔ اسے میرا اعتراض برا لگتا ہے تو۔۔۔"
فضہ گھبرا کر اٹھی۔ شہزاد کے ہاتھ سے گلاس پکڑ لیا۔ "نہیں' نہیں' آ۔۔۔ آپ کیوں۔ مجھے معافی مانگنی چاہیے۔ اتنے دن آپ کو تکلیف ہوئی۔"
"کوئی ضرورت نہیں معافی مانگنے کی۔" بھابھی ڈپٹ کر بولیں۔ "جتنی تکلیف تم نے برداشت کی' اس کا کسی سے مقابلہ نہیں' چلو یہ کیک بھی کھالو' اور پیٹز بھی۔۔۔"
"بھابھی۔۔۔ وہ پرہیز۔۔۔" فضہ منمنائی۔
"مجھے معلوم ہے کس چیز کا پرہیز ہوتا ہے' کھاؤ تم۔"
بھابھی کو چھوڑ کر وہ بچیوں کے کمرے میں آیا' جہاں حمنہ بسور رہی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"ہو جی! بڑی امی نے منی کا بھالو تو رکھ لیا۔ میرا ایلی فینٹ نہیں رکھا۔" نہیں بہلا کر پھر کمرے میں آیا۔

"بھابھی! آپ اماں کو بھی لے آتیں۔ اصل خوشی تو ان کو ہوئی ہو گی۔"

"تم جیسے جانتے نہیں اماں کو۔ وہ کب کسی کی خوشی میں شریک ہوتی ہیں نہ خود خوش ہوتی ہیں۔ نہ دوسرے کی خوشی انہیں برداشت ہوتی ہے۔ میری خالہ ہیں۔ میں ان کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ میں نے کہا' اماں چلیں۔ پوتے کو دیکھ آئیں تو بولیں۔

"تو... کوئی انوکھا پوتا ہے' میں کیا ترسی ہوئی ہوں پوتوں کی۔ اللہ رکھے پہلے بھی تین پوتے ہیں۔ ایسا خاص کارنامہ تو بی بی فضہ نے کیا نہیں کہ دوڑی بھاگی جاؤں اسپتال' گھر آئے گی تو جب جانا ہو گا شہزاد کے گھر۔ دیکھ لوں گی میں بھی۔" پھر میں نے کہا۔ "اماں آپریشن سے ہوا ہے۔ اللہ کی مہربانی کہ صحیح وقت پر اسپتال چلی گئی تھی ورنہ خاصا مسئلہ ہوتا۔" تو کہا۔ "ہزاروں بچے آپریشن سے ہوتے ہیں۔ اب سب کو دیکھنے تو جانے سے رہی۔"

شہزاد کے لیے آج کا دن شرمندگی کا دن تھا۔ پہلے بھابھی نے شرمندہ کیا' اب اماں کے جواب نے۔

فضہ کے چہرے پر مزید زردی بکھر گئی۔ بھابھی سب کو لے کر اپنے گھر آگئیں۔ چھوٹا بچہ تو کھلونا ہوتا ہے۔ بھابھی کی بیٹیوں کے لیے تو خصوصی تحفہ تھا۔ ایک کے بعد ایک گود میں لیتی رہیں۔ ملازمہ بھی کیوں پیچھے رہتی۔ بھابھی نے بڑی بیٹی سے کہا۔

"جاؤ... دادی کو بتادو۔ ہم منے کو اپنے گھر لے آئے ہیں۔"

بچی نے کہا۔ "آپ کا فون آیا تھا' میں نے تب ہی جا کر بتا دیا تھا کہ امی' منے کو لے کر آرہی ہیں۔ تو انہوں نے فوراً" مائدہ پھپھو کے گھر پروگرام بنالیا۔ سکینہ پھوپھی ساتھ چلی گئیں۔"

"اماں کی پھرتیاں دیکھتے جاؤ۔ کیا کہا تھا میں نے۔ نہ خود خوش ہوتی ہیں' نہ کسی دوسرے کی خوشی انہیں برداشت ہوتی ہے۔ پتا نہیں فضہ سے انہیں اتنی چڑ کیوں ہے۔"

"بھابھی میں... چھوٹے گھر کی یتیم لڑکی ہوں۔ اس لیے اماں مجھے برابر کا نہیں سمجھتیں۔" فضہ بولی۔

"تو بھئی... اس میں کیا برابری۔ خود ہی پسند کر کے لائی ہیں۔ خیر' ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں۔ جس کا ہاتھی اس کا نام۔ کتنی ہی بے زاری دکھائیں۔ پوتا ان ہی کا کہلائے گا۔ بہو اسی خاندان کی۔"

☆ ☆ ☆

شہزاد رات ہی مائدہ کے گھر گیا۔ اماں کا رویہ ناقابل فہم تھا۔ خوشی ظاہر کرنے کی تو عادت نہ تھی۔ اعتراض البتہ...

"آپریشن کی ضرورت کیا تھی۔ تھوڑا صبر کر لیتی۔ نارمل ہوتا' مگر آج کل عورتوں میں صبر ہی نہیں۔ آپریشن کا تاج پہننا تھا' ساس کی واہ واہ کروانے کے لیے' کہ دیکھو۔ میری ماں اتنی پیسے والی ہے۔ آپریشن کی فیس دے سکتی ہے۔ ارے شہزاد۔ تم کیا سمجھو گے۔ ان نچلے خاندان کی عورتوں کے چلتر۔ چالاکیاں' مکاریاں' کیسے سب کو الو بنایا ہے۔"

گیا تھا اماں کی خوشی کھوجنے' ان کا تو دکھ ہی بڑا تھا۔ فضہ کی امی نے سب کو چت کر دیا۔ وہ جلتا بھنتا اپنے گھر آگیا۔ اکیلا گھر' سناٹا۔

دیکھو ذرا... فضہ نے بھابھی کے ساتھ جانے کے لیے اجازت بھی نہ لی۔ ان کے ایک دفعہ کے کہتے ہی چل پڑی۔ کیا میں آرام نہ پہنچاتا؟ اگر دو ہفتے فضہ نے بھابھی کے گھر آرام' سکون اور خوشی کے جھولے جھولتے گزارے۔ تو شہزاد میاں نے جلتے بھنتے' مگر وہاں تو وہ بھی خوش گپیوں میں ہی مگن رہتا تھا۔ گھر آکر سارے دکھ اور شکوے یاد آجاتے۔ بھابھی نے بہت چاہا کہ وہ بھی رات کو رہ جایا کرے' لیکن اسے یہ مشورہ پسند نہ آیا۔ اماں بھی مائدہ کے گھر سے آگئی تھیں۔ پوتے کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوتیں۔ ہر وقت گود میں اٹھائے ہلاتی رہتی تھیں۔ بھابھی ان کی گود سے لے کر اسے بستر پر لٹادیتی تھیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"اماں! اسے گود کی عادت ہوگئی' تو فضہ کو بہت مشکل ہوگی۔ اسے گود میں لے گی یا گھر کے کام کرے گی۔"

اماں' بھابھی سے دبتی تھیں۔ ایک تو وہ بھانجی تھی' دوسرے ان کا زیادہ وقت ان ہی کے گھر گزرتا۔ گھر میں نوکر چاکر تھے۔ آرام تھا۔ کبھی کبھی بڑی آپا' کبھی مائدہ کے گھر چلی جاتیں چند دن کے لیے۔ یا پھر شہزاد کے گھر۔ بہزاد تو فوجی آدمی۔ ان کے گھر آرام نہ ملتا۔ وہاں بھتیجی تھی جو بہو بن گئی۔ انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی۔ کیونکہ بہزاد کی پسند سے شادی ہوئی تھی۔ مگر وہاں بھی انہیں منہ کھولنے کی اجازت نہ تھی۔ ساری کسر شہزاد کے گھر نکال لیتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

فضہ کو گھر لا کر شہزاد نے بھابھی کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے اسے ہر طرح آرام پہنچایا۔ خوش تھا۔ فضہ بھی خوش رہنے لگی تھی۔ بیٹا بالکل تنگ نہ کرتا۔

ایک روز شہزاد گھر آیا۔ سڑک پر اس نے رکشے سے فضہ کی امی کو اترتے دیکھا۔ وہ اندر چلی گئیں۔ رکشا وہیں کھڑا تھا۔ وہ رکشے والے سے کچھ مذاکرات کر کے اندر آیا۔ اندر امی' فضہ سے شکوہ کناں تھیں کہ اس نے ایک بار بھی ماں کے گھر آنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ وہ دبی زبان سے جواب دے رہی تھی۔

"امی آتے ہی تو بھابھی مجھے اپنے ساتھ لے گئیں۔ میں نے فون کیا تو تھا آپ کو۔ آخر کیا کرتی' اپنا مطلب نکل گیا۔ شرمندہ رہتی ہوں۔ آپ کا سامنا کرنا مشکل لگتا ہے۔ میری وجہ سے آپ کو کتنی مشکل رہی۔ حمنی' یمنیٰ کی فرمائشیں۔ کھانے' ناشتے پر اہتمام.... پھر.... اس چھوٹے کی وجہ سے زیربار ہوگئیں۔ کس منہ سے جاتی آپ کے پاس پھر۔"

"بس خبردار.... آئندہ ایسا کوئی لفظ منہ سے نہ نکالنا۔ میں نے جو کیا وہ میری ممتا کا تقاضا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں تمہارے کسی کام آئی۔ تم نے ہی وہاں سے بھاگنے میں اتنی جلدی کی۔ مجھے اتنی فکر رہی۔ اس حال میں تم کس طرح گھر سنبھالو گی اور کیسے بچوں کا خیال رکھو گی۔ دیکھ لو اللہ نے مدد کی' تمہاری جٹھانی کو فرشتا بنا کر بھیج دیا۔ ان کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے مجھے۔"

"امی.... آپ نے.... میرے لیے.... کچھ بھی ہوتا۔ آپ کم از کم آپریشن کے لیے راضی نہ ہوتیں تو.... جو فراز کی دلہن کی امانت میری وجہ سے.... مجھے بہت دکھ ہے امی' بہت...." آواز بھاری ہوگئی۔

"بس.... ایک لفظ نہیں۔ آئندہ بھاپ بھی نہ نکالنا منہ سے۔ کیا میں آپریشن منع کر دیتی۔ پاگل ہو۔ اپنی بیٹی کو اذیت سے مرتے دیکھتی؟ کوئی ماں' ایسا کر سکتی ہے؟ مائیں تو اولاد کے لیے جان دے دیتی ہیں۔ وہ ذرا سا زیور میری بچی کی جان سے پیارا نہ تھا۔ اگر میں اسی طرح سوچتی کہ آئندہ کیا ہوگا۔ کل کیسے گزرے گی' تو پھر تو میں ناکارہ ہو جاتی' کچھ کر نہ سکتی' بیٹا! میرا یقین ہے' مجھے بڑا بھروسا اللہ پر ہے' جو بڑا ہی مہربان ہے' اس کی عنایتوں' رحمتوں کی بدولت میرا ہر کام آسانی سے ہو جاتا ہے۔ مجھے کبھی کوئی پچھتاوا ہوتا ہے نہ پریشانی۔"

"امی! آپ.... شاید دنیا کی سب سے اچھی ماں ہیں۔" فضہ جذباتی ہو رہی تھی۔

"ہر ماں بہت مطمئن اور اللہ کی شکر گزار ہوتی ہے اور جس کی اولاد تم جیسی نیک' پارسا' خدمت گزار اور سعادت مند ہو' میرا اللہ گواہ ہے۔ میرے تینوں بچے' بہت حساس اور مجھ سے محبت کرنے والے ہیں۔ میں تو اللہ کی نعمتوں سے لبالب بھری ہوئی ہوں' کوئی کمی نہیں ہے مجھے۔ یاد رکھو سعادت مند اولاد کی ماں کبھی خالی ہاتھ نہیں ہوتی۔ اس کے ہاتھ اس کی جھولی' سکھ چین سے بھری ہوتی ہے۔ بس مجھے تمہاری فکر تھی۔ چلتی ہوں۔ رکشا رو کا ہوا ہے۔ وہ بڑبڑا رہا ہوگا۔"

شہزاد دم سادھے باہر کھڑا ماں' بیٹی کی گفتگو سن کر متاثر ہو رہا تھا۔ اندر جھانک کر اس نے کہا۔

"السلام علیکم امی' بیٹھیں نا' کھڑی کیوں ہیں۔ میں تو ابھی آیا ہوں۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"بیٹا! رکشا روک کر آئی تھی۔ دراصل میں رفعت آپا کے گھر جارہی تھی۔ تمہارا گھر راستے میں ہے۔ میں دو منٹ کا کہہ کر آئی تھی رکشے والے کو۔"

"آرام سے بیٹھیں۔ ایسے کیسے جاسکتی ہیں۔ رکشا کا حساب کرکے میں نے اسے چلتا کیا۔ آپ تو مجھے مبارک باد دینے بھی نہیں آئیں۔ دراصل میں ناراض ہوں آپ سے۔" منہ پھلا کر اس نے کہا۔

امی کو داماد کے اپنائیت بھرے شکوے پر پیار آگیا۔ آگے بڑھ کر گلے لگایا۔ پیار کیا۔

"ناراض نہ ہو بیٹا! میں تو دراصل نزلے' کھانسی' بخار میں مبتلا رہی۔ تمہارے بھائی کی طرف مبارک بادی کے لیے جانے والی تھی۔ مگر بچوں کے گھر بیماری لے کر جانا مناسب نہ تھا۔ آج رفعت نے بلایا تھا۔ تو رہا نہ گیا۔ اللہ خیر رکھے۔ پھر آؤں گی۔"

انہوں نے ہاتھ سے اس کا کندھا تھپکا۔ ان کی کلائی اس کڑے سے خالی تھی۔ جو وہ ہر وقت پہنے رہتی تھیں۔

"امی میں بہت شرمندہ ہوں۔ اسپتال کا بل ادا کرنے جانے والا تھا تو دیکھا' یہ محترمہ گھر آگئیں۔ امی! میرے بچے میری ذمے داری ہیں۔ مجھے ہی ان کا حق ادا کرنا چاہیے۔ آپ کو زحمت دے کر۔"

"میرا بھی ان سے ایسا ہی رشتہ ہے۔" انہوں نے بات کاٹ کر کہا۔ "کوئی بڑی بات نہیں۔ اب تو ہو گیا جو ہونا تھا۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔ دراصل ڈاکٹر نے بہت خطرہ بتایا تھا۔ انتظار کی صورت میں۔"

وہ رقم کا لفافہ ان کی طرف بڑھا رہا تھا۔ "امی... یہ... رکھ لیجیے۔"

"ارے... نہیں بیٹا۔ بڑے تو چھوٹوں کو دیتے ہیں۔ ان سے لیتے نہیں۔ اگر مجھے ماں سمجھتے ہو تو اسے رکھو۔"

"اور اگر آپ مجھے بیٹا سمجھتی ہیں تو رکھ لیں۔ مائیں تو بیٹوں سے لیتی ہیں اور بدلے میں ان کو دعائیں دیتی ہیں۔ آپ مجھے دعا دیں۔ مجھے خوشی ہوگی۔ سچا سودا کرلیں۔"

امی بھیگی پلکوں سے مسکرائیں۔ لفافہ لے کر اس کے ماتھے کو چوما۔ "جیتے رہو۔"

"دیکھ لیں امی۔ مجھ پر کتنا ظلم ہو رہا ہے۔ اب رات کے کھانے کے لیے بھی کچھ کرنا ہوگا مجھے۔" چائے انڈیلتے ہوئے فکرمند عورت کی طرح بسور کر بے چارگی کا اظہار کیا۔

امی سر تھام کر رہ گئیں۔ "ائے ہے۔ میں ادھر کے ارادے سے آئی تھی تو کچھ پکا کر ہی لے آتی۔"

"امی! یہ مذاق کر رہے ہیں۔ بھابھی کھانا بھیج دیتی ہیں۔" فضہ ہنسی روک کر بولی۔

"آج تو نہیں بھیجا۔ دیکھا امی! آگیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔" ہونٹ لٹکا کر بیٹھ گیا۔

امی کو اور بھی ترس آیا۔ چائے کے بعد ٹیکسی لے آیا۔ اسے کرایہ دے کر پتا سمجھایا۔

اندر آکر ڈانس کرنے لگا۔ بچیاں بھی باپ کی انگلیاں پکڑ کر چکر کاٹنے' ہو ہو کرنے لگیں۔ شہزاد بہت خوش تھا۔

"میرا بیٹا میرے لیے خوشی لایا ہے۔ ترقی... مجھے ترقی مل گئی۔"

"امی کو بتایا ہوتا۔ وہ بھی خوش ہوتیں۔" فضہ نے خوش ہو کر کہا۔ "مبارک ہو۔"

"ہاں... خوش تو ہوتیں کہ اتنا بڑا عہدے دار ان کی بیٹی کا خانساماں ہے۔ ارے بھئی۔ مٹھائی لے کر ان کے گھر جاکر خوش خبری سناؤں گا۔ کل چلیں گے۔"

آج حیران کرنے والا دن تھا۔ شہزاد بہت خوش' بہت مہربان ہو گیا۔ پھر وہ گھر کے کاموں میں فضہ کا ہاتھ بٹانے لگا۔ بچیوں کے کام کرنے لگا۔ تاکہ فضہ کو آرام ملے۔

سکینہ کی شادی میں اماں نے اصرار کیا کہ چونکہ دو بڑے بھائیوں نے حلیمہ اور مائدہ کی شادیاں کی تھیں۔ سکینہ کی شادی شہزاد کی ذمے داری ہے۔ شہزاد کو قرض لینا پڑا۔ گو کہ دونوں بھائیوں نے بھی حصہ ڈالا۔ مگر شہزاد پر بہت بار پڑا۔ قرض کی ادائی میں بھی رکاوٹیں پیش آتی رہیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

سکینہ کی شادی کے کچھ عرصہ کے بعد ہی شہزاد کی شادی ہوگئی۔ شہزاد اتنی عجلت کی وجہ سمجھ نہ سکا۔ اماں کا فلسفہ 'خوب صورت لڑکیوں کو لوگ اچک لیتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اسے قائل کرلیا۔

فضہ یتیم تھی۔ ایک بڑی بہن تھی۔ فراز تو باپ کی وفات کے تین ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ اتفاق سے اس کے والدین اکلوتے تھے۔ نہ کوئی سگا ماموں' خالہ' نہ چچا' پھوپھی' اس کی ماں نے بہت سخت وقت گزارا تھا۔ نہایت تنگ دستی میں بچے پالے' شکر ہے کہ گھر اپنا تھا۔ تعلیم یافتہ تھیں۔ گھر کا ایک کمرہ ایک نرس کو کرائے پر دے دیا۔ اس نے انہیں نرسنگ کی ترغیب دی۔ کچھ دن کورس کیا۔ پھر نرس چلی گئی۔ ایک ٹیچر آگئیں۔ ان ہی کے توسط سے ایک اسکول میں جاب مل گئی۔ نامساعد حالات میں تنگی میں سفید پوشی کا بھرم قائم رکھا۔ عزت سے وقت گزارا۔ بہت صابر' شاکر' محنتی خاتون تھیں۔ کبھی کسی کے سامنے کم مائیگی کے دکھڑے نہ روئے۔

بڑی بیٹی نے تعلیم سے فارغ ہوکر' میدان عمل میں قدم رکھا۔ کالج میں لیکچرر مقرر ہوگئی۔ ماں کی بہ اصرار نوکری چھڑوادی اور بہن' بھائی کی تعلیم ماں کے آرام کی خاطر شادی نہ کی۔ پھر فضہ کی شادی کی اور بھائی پر توجہ کی۔ لیکن لوگوں کے اصرار اور ماں کے محبت بھرے تقاضوں سے شادی پر راضی ہوگئی۔ اتفاق سے بہت اچھا رشتہ آگیا۔

شادی کے بعد وہ امریکا چلی گئی۔ ایک بار پھر ماں' بیٹا تپتی دھوپ میں کھلے آسمان تلے آگئے۔ مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ گھر پر ہی رول' سموسے بنا کر آمدنی قائم کی۔ فراز کو بھی جاب مل گئی۔ محلے میں عزت تھی۔ خاندان والے قدردان تھے۔ فضہ نے بچپن سے جو دیکھا' ماں سے جو سیکھا۔ بہن کے ایثار سے سبق لیا۔ شہزاد نے بھی اسے بھرپور محبت دی۔ لیکن' اس کے پل پل بدلتے مزاج کے موسم اسے خوف زدہ کردیتے۔ امی نے تسلی دی۔

"گھبرانا نہیں۔ وقت ایک سا نہیں رہتا۔ ثابت قدمی سے حالات کا مقابلہ کرو۔"

یہ تو پرانی بات تھی۔ مگر اب بچے بڑے ہوگئے تھے۔ شہزاد کبھی... مہرباں کبھی نامہرباں... حمنہ معاملہ فہم بھی تھی اور تحمل کا مظاہرہ کرتی۔ جبکہ یمنیٰ کو بولنے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ وہ ان کے گھر آکر رہتیں۔ یمنیٰ کا موڈ خراب رہتا۔ وہ ناانصافی کے خلاف تھی۔ دادی انصاف کے۔ شہزاد کا موڈ بھی خراب رہتا۔

یمنیٰ کہتی۔ "دادی سے مل کر آتے ہیں تو ابو کو امی سے لڑنے کا بہانہ مل جاتا ہے۔"

دراصل اسے فضہ کی مصوفیت اور حلیے سے چڑ ہوجاتی۔ فضہ کیا چلتے پھرتے سر میں کنگھا نہیں کرسکتی۔ ایسی بھی کیا مصوفیت۔ حالانکہ وہ دیکھتا تھا۔ فضہ اماں کی ایک آواز پر دوڑی آتی۔ ان کے اشارے پر سارے کام چھوڑ کر ان ہی کی خوشامد میں لگ جاتی۔ بوکھلائی رہتی۔ شاید ان سے ڈری ہوئی۔ نہ جانے کیوں۔ اتنا عرصہ ہوگیا۔ اسے اماں کے رویے کی عادت نہیں پڑی۔

شہزاد چڑ جاتا۔ "ارے بھئی... اماں شیرنی تو نہیں۔ جو اسے پھاڑ کھائیں گی۔ حواس باختہ۔ خبطی سی۔" وجہ معلوم کیے بغیر وہ فضہ پر خفا ہونے لگتا۔

"میری اماں کے آتے ہی تمہارے ہاتھوں کے توتے اڑ جاتے ہیں۔ حواس گم... اس بار وہ زیادہ دن رہ گئیں' تو تمہیں یہ بات ہضم نہیں ہورہی۔ آخر الماری میں کیا چھپایا تھا جو مل کے نہیں دے رہا۔"

وہ واقعی الماری میں ادھر ادھر ہاتھ مار رہی تھی' پریشان' سیدھی ہوکر بولی۔

"پتا نہیں' کچھ یاد نہیں رہتا۔ زیتون کے تیل کا ڈبا کہاں رکھ دیا اور ٹشو پیپر... کا پیکٹ بھی' جانے... افوہ..." شہزاد نے ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے زیتون کا ڈبا برآمد کیا اور ٹشو کا پیکٹ بھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"کچھ عقل کو بھی کام میں لاتے ہیں۔ کیا کرنا ہے اس قدر ایمرجنسی کا ہے کی ہے۔"

"اماں نے کہا کہ پیروں میں مالش۔۔۔ افوہ۔۔۔ پتا نہیں کیوں بھول جاتی ہوں۔" جلدی سے باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد وہ اماں کے کمرے میں گیا۔ وہ پیر لٹکائے بیٹھی تھیں۔ شلوار گھٹنوں کے اوپر چڑھائے۔ فضہ فرش پر بیٹھی ان کے پیروں پر تیل مل رہی تھی۔

"یہ کام تم حمنہ یا یمنیٰ سے بھی کرا سکتی ہو۔ کب سے آیا ہوا ہوں۔ ایک پیالی چائے نہیں ملی۔"

ماں کو تو موقع مل گیا۔ "ارے بھئی تمیز اور عقل کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں احساس ہی نہیں کہ گھر کا کماؤ مرد تھکا ہارا آیا ہے تو اسے چائے ہی دے دیں۔ ارے بھئی ایک پیالی چائے تو لڑکیاں بھی بنا سکتی ہیں۔ مگر ایسی تربیت ہی نہیں کی غضب ہے کہ نہیں۔"

یمنیٰ چائے کی پیالی میں چمچہ بجاتی آگئی۔ "ابو جی چائے حاضر ہے۔ آپ کے آتے ہی آپی نے چائے بنالی تھی۔ آپ دادی سے کانفرنس میں مصروف تھے۔ دروازہ بند۔ کوئی سیکرٹ میٹنگ چل رہی تھی۔ میں نے وہ چائے پی لی۔ اب دوبارہ بنائی ہے۔ ابو راز داری۔۔۔؟ وہ بھولی بنی ہوئی تھی۔

"اوہ۔۔۔ ہاں۔۔۔ بس ایسے ہی میں تو۔۔۔ تم آجاتیں بیٹا۔" شہزاد نے چائے اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ دادی پھر کہتیں کہ لڑکیوں کو تمیز نہیں سکھائی ماں نے۔ حالانکہ پورے خاندان میں ہم سے زیادہ تمیز دار لڑکیاں نہیں ہیں۔ یہ بڑی پھوپھو کے اقوال زریں ہیں۔"

فضہ نے مڑ کر غصے سے کہا۔ "یمنیٰ جاؤ۔"

"اوہو اچھا اچھا۔۔۔ ہاں اصل میں ابو آپی نے تو کہا تھا کہ وہ دادی کے مالش کر دیں گی۔ مگر دادی نے کہا اونہوں فضہ کو بلاؤ۔ امی دال چڑھا کر بھاگتی آئی ہیں۔ میں نہ دیکھتی تو دال جل کر کوئلہ ہو جاتی۔ پھر امی کو ہی باتیں سننی پڑتیں۔ ہیں ابو؟"

"کیا کہا ہے میں نے' جاؤ کچھ پڑھ بھی لیا کرو۔" فضہ نے ڈانٹا تو وہ منہ بناتی چلی گئی۔

"اب تم بھی ختم کرو یہ سلسلہ۔ اماں آج کون سے پہاڑ سر کرنے گئی تھیں کہ تھک گئیں۔ سارا کام چھوڑ کر یہاں آگئیں۔ حمنہ کر لیتی مالش۔" شہزاد یمنیٰ کی ہر بات سے متفق تھا۔ اسے یمنیٰ بہت پیاری لگتی تھی۔

فضہ نے چھوٹے تولیے سے اماں کے پیر پونچھے۔ تیل کا ڈبا لے کر چلی گئی۔

"ارے بیٹا۔ بڑھاپا بڑا ظالم ہے۔ لیٹے لیٹے ہی تھکن ہو جاتی ہے۔" اماں نے بیٹے کو یقین دلایا۔

"ابھی دس منٹ پہلے میں آپ کے پاس سے گیا ہوں۔ جب تو تھکن کا ذکر نہیں کیا۔ میں دبا دیتا۔"

"بس وہ حمنہ آئی تو میں نے کہا فضہ زیتون کا تیل لا کر دے۔ اچھی مالش کرتی ہے وہ۔"

"اماں! کبھی بڑی بہوؤں نے بھی آپ کے مالش کی؟" وہ شرارت سے بولا۔

اماں ان کے بخیے ادھیڑنے لگیں۔ پھر موضوع بدل کر توجہ ہٹائی۔

"اے شہزاد! میں نے کہا' یہ لڑکیاں صبح سے جو غائب ہوتی ہیں۔ تو شام کو نظر آتی ہیں۔ انہیں کچھ سکھایا بھی ہے ماں نے یا بس زبان چلانا ہی سکھایا ہے۔ دیکھ لو۔ کیا پیٹرول کے گئی ہے۔"

"بچی ہے۔ صبح اسکول جاتے ہیں بچے۔ تین بجے آ کر کھا پی کر پھر اسکول کا کام کرنا ہوتا ہے۔"

"ارے تو' تم جو کہتے ہو تمہاری تنخواہ کم ہے۔ تو کاہے کو پڑھا رہے ہو انہیں۔ بھاری فیسیں دے کر۔ آئیں! انہیں کوئی نوکری کرنی ہے۔ گھر کے کام سیکھیں شریف بچیوں کی طرح۔"

"اب اتنا گیا گزرا بھی نہیں کہ بچوں کو جاہل رکھوں۔ کمال کرتی ہیں آپ۔ درزیوں کے بچے پڑھ رہے ہیں۔ موچی بھی بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ یہ جو سڑکوں پر جھاڑو دینے والے ہیں۔ سب کے بچے اسکول جاتے ہیں۔" بچوں کے معاملے میں نکتہ چینی برداشت نہ تھی۔

"میں تو تمہارے فائدے کی بات کر رہی ہوں۔ اتنی فیسیں بھرنی پڑتی ہیں۔ کچھ بچت ہوگی۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"رہنے دیں اماں بچت فضہ کم ہے۔ اور یہاں کون سی فضول خرچی دیکھ لی آپ نے۔" خفا ہو کر باہر آگیا۔

یمنیٰ کا منہ پھولا ہوا تھا۔ فضہ نے خوب خبر لی تھی۔ شہزاد اسے بہلانے لگا۔

✡ ✡ ✡

عرصہ دراز بعد ایک پرانے دوست سے ملاقات ہو گئی۔ وہ بھی سر راہ دونوں لپک کر گلے ملے۔

اے دوست کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے۔

حامد نے برجستہ شعر پڑھا۔ باتیں شروع ہوئیں۔ پرانی یادیں۔ حامد نہ صرف محلے میں پڑوسی تھا۔ بلکہ اسکول میں بھی ساتھ رہا۔ کالج میں بھی۔ پھر سنا کہ حامد امریکہ جا رہا ہے۔ ان دنوں وہ خاصا مصروف اور پریشان تھا۔ ملاقات نہ ہوئی۔ پھر شہزاد نے بھی محلہ چھوڑ دیا۔ حامد کے بھائی سے خیریت معلوم ہو جاتی تھی۔ اب عرصہ بعد دیکھ کر خوشی ہوئی۔

حامد نے اپنے گھر کا پتا بتا کر اسے فیملی سمیت مدعو کیا۔ بہت اصرار سے۔ شہزاد کو بھی تجسس تھا۔ یہ بھی نہیں پوچھا کہ بیگم دیسی ہیں یا امریکن۔ فضہ کو بتایا۔ پرانے قصے دوستی کے سنائے۔

"کل چلیں گے۔ فی الحال میں اور تم۔"

اگلے دن دونوں تیار ہوئے۔ شہزاد نے جانچتی نظر اس پر ڈالی۔ "ارے بھئی۔ کوئی گرم شال سوئٹر بھی لے لو۔ سردی رات کو بڑھ جاتی ہے۔ وہ تمہارا سوئٹر جو بڑی آپا لندن سے لائی تھیں۔ بڑا تم نے سنبھال کر رکھا تھا۔ کتنے انڈے بچے دیے ہوں گے اس نے۔ حمنہ بیٹا! ماں کو سوئٹر لا کر دو۔"

"ٹھیک ہے۔ کوئی خاص سردی نہیں ہے۔ چلیں۔" فضہ کو جلدی تھی۔ شہزاد نے حمنہ کو اشارہ کیا۔

"ابو جی! وہ والا سوئٹر۔ وہ سکینہ پھپھو کو پسند آگیا تو دادی نے کہا کہ تم لے لو تو وہ لے گئیں۔"

بجلی کی سی تیزی سے فضہ نے مڑ کر یمنیٰ کو دیکھا۔ کڑی نظروں سے۔ "تم سے کسی نے پوچھا تھا؟"

حمنہ ایک ہاتھ کا بنا ہوا سوئٹر لے آئی۔ "امی! سردی ہو جائے گی رات کو اب بھی خاصی ہے۔ پہن لیں۔ نزلہ ہو گیا تو۔۔۔" فضہ کو کچھ تامل تھا۔

"او۔۔۔ آپی کا نیا سوئٹر۔ پرانا ادھیڑ کر اپنے لیے بنا کر رکھا تھا۔ دادی نے دیکھ لیا تو وہ مائدہ پھپھو کو دے دیں گی۔ اس لیے چھپایا ہوا تھا۔" کہہ کر یمنیٰ منہ پر ہاتھ رکھ کر کمرے میں گھس گئی۔

فضہ دانت پیس کر۔ "اس کی تو زبان کاٹوں گی ایک دن۔ بہت بولنا آگیا ہے۔" کہہ کر رہ گئی۔

حامد کا بہت بڑا عالی شان بنگلہ۔ حامد کی بیگم بچے۔ والدہ سب نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ بچوں کو ساتھ نہ لانے پر ناراضی کا اظہار۔ پھر باتیں، لطیفے، قہقہے، حامد نے امریکہ میں خوب دولت کمائی تھی۔ بیگم اور والدہ کے اصرار پر واپس آیا اور کاروبار شروع کیا۔ حامد قصے سناتا رہا۔ اس کی بیوی فضہ سے باتیں کرنے لگی۔ بہت اچھا وقت گزرا۔ لیکن شہزاد کی سماعت میں یمنیٰ کی آواز جیسے ریکارڈ ہو گئی تھی۔

واپسی میں رہا نہ گیا تو فضہ سے پوچھ لیا۔

"یمنیٰ کو اماں سے شکایت کیوں ہے؟"

"ارے پاگل ہے۔ میں اسے ٹھیک کروں گی۔ بولنے کی بیماری ہے اسے۔ بہت زبان چلتی ہے۔"

"بچی ہے ابھی۔ تم نے اپنا سوئیٹر سکینہ کو کیوں لینے دیا۔" "اسے اچھا نہیں لگا شاید۔"

"میری چیز ہے میں کسی کو دوں نہ دوں۔ بچوں کا اس میں دخل دینا مجھے پسند نہیں۔"

حامد سے ملاقات خوشگوار رہی۔ کئی دن شہزاد کا موڈ بہت اچھا رہا۔ بچوں سے مذاق۔ فضہ پر بھی اعتراض نہ کیا۔

اماں نے کئی بار فضہ پر نکتہ چینی کی مگر شہزاد۔ اس کی مصروفیت کی مثال دے کر انہیں بہلاتا رہا۔ دیکھ رہا تھا۔ کس طرح وہ اماں کی خوشامد میں لگی رہتی ہے۔ ان کی ایک آواز پر سب کام چھوڑ کر آجاتی ہے۔ وہ شہزاد کو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

تو کم از کم یہ کہنے کا موقع نہیں دیتی کہ اماں کے آنے سے تمہارا منہ لٹک جاتا ہے۔ پھر پتا نہیں اماں کو اس پر کیوں ترس نہیں آتا تھا۔

ادھر کچھ دن سے گھر کے روزمرہ کے طریقے بدل گئے تھے۔ پہلے تو چونکہ شہزاد رات کو ہی کھانے پر ہوتا تھا۔ دن میں آفس میں ہی کچھ کھا لیتا تھا ہلکا پھلکا۔ رات کو سب ساتھ کھاتے تھے۔ لیکن اب کافی دن سے فضہ اماں اور شہزاد کا کھانا کمرے میں ہی دے دیتی تھی۔ بچوں کا بہانہ موجود۔ پڑھ رہے ہیں۔ بعد میں کھالیں گے۔ کھانے کے بعد بھی شہزاد اماں کے پاس دیر تک بیٹھا رہتا۔ اماں پرانے قصے کئی دفعہ کے بتائے ہوئے دہراتیں۔ وہ کان بند کیے ٹی وی کے پروگرام دیکھا کرتا۔ اماں کے آنے کے بعد ٹی وی ان کے کمرے میں منتقل کردیا جاتا تھا۔

اس دن وہ بور ہو کر ذرا جلدی باہر آگیا۔ ایاز کسی بات پر جھگڑ رہا تھا۔ باہر سے ہی شہزاد نے سننے کی کوشش کی۔

"یہ کیا امی! پھر وہی آلو کے کباب اور دال مسور۔ دوپہر کو بھی یہی اب بھی۔"

"بیٹا! بری بات ہے۔ کھانے میں نخرے نہیں کرتے۔ اللہ کو برا لگے گا۔ شکر ادا کرتے ہیں۔" فضہ سمجھا رہی تھی۔

"شکر ادا کریں کہ ہر روز دال اور سبزی۔ صبح شام دال اور آلو۔ ہر دن صرف سبزی دال۔ آخر آپ گوشت کیوں نہیں پکاتیں؟"

شہزاد ابھی اماں کے دروازے پر ہی تھا۔ اندر سے اباں کی آواز آئی۔ وہ بھی اس کے ساتھ باہر آرہی تھیں۔ ایاز کے شکوے سن کر بولیں۔

"اے شہزاد، روز پکتا تو ہے گوشت۔ ابھی ہم نے آلو گوشت کھایا ہے۔ یہ تمہاری بیوی آخر... کرتی کیا ہے۔ ہیں؟ کیا بچاتی ہے کل کے لیے؟ آخر پتا تو چلے۔"

شہزاد نے ایاز سے ہی پوچھنا مناسب سمجھا۔ چھوٹی میز پر واقعی دال اور آلو کے کباب تھے۔

فضہ نے جلدی سے کہا۔ "کہا ہے نا۔ کل بنا دوں گی کباب۔ قورمہ بھی تمہاری پسند کا۔ یہ تو کھاؤ۔"

"کئی دن سے یہی کہہ کر بہلا رہی ہیں۔ گوشت پکاتی ہیں تو وہ دادی ابو اور سکینہ پھپھو کے لیے۔"

شہزاد فضہ پر بگڑنے والا تھا۔ سکینہ پھپھو سن کر رک گیا۔ "ابھی اس دن تو گوشت لایا تھا میں۔ بچوں کو سالن کیوں نہیں دیتیں تم، میں نے اور اماں نے تو گوشت کا سالن کھایا ہے۔"

فضہ کے چہرے پر خجالت اور بوکھلاہٹ نمودار ہوئی۔ "وہ بس کم پڑ گیا تھا۔ کہا تو ہے۔ کل زیادہ بنا دوں گی۔ کیا ہوا اگر ایک دن۔" جملہ بھی پورا نہ ہو سکا۔

"بناتی تو ہیں روز، مگر وہ سکینہ پھپھو اور ان کے بچے ہمارا حصہ ہڑپ کر جاتے ہیں۔"

"ہمیں تو کئی کئی دن سالن نہیں ملتا۔" یمنیٰ بھی بول پڑی۔ باپ کے سامنے شیر بن جاتے تھے۔

"کل بنائیں گی۔ تو کیا کل سکینہ پھپھو نہیں آئیں گی۔ وہ تو بس چھٹی کے دن چھٹی کرتی ہیں۔"

فضہ پر شرمندگی اور غصے کا غلبہ تھا۔ کیسے انہیں چپ کرے، باپ کے سامنے۔ افف یہ اولاد۔

"ابو جی! سکینہ پھپھو اور ان کے بچے آتے ہیں۔ روزانہ کھانا کھا کر، بچا ہوا سالن بھی پھپھو لے جاتی ہیں۔ ہمیں وہی سبزی دال۔"

یمنیٰ کی زبان تو تھی ہی بے لگام۔ فضہ نے تڑ سے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ "چپ نہیں رہ سکتیں تم، کتنی دفعہ کہا ہے، جو بات تم سے پوچھی جائے اس کا جواب دیا کرو۔ اتنی زبان دراز۔"

منہ پر ہاتھ رکھ کر یمنیٰ نے ایاز سے کہا۔ "چلو تم ہی بتا دو۔ میں کیا سچ نہ بولوں۔" کہہ کر روتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

شہزاد الجھ گیا۔ یہ کیا معمہ ہے۔ سلسلہ کیا ہے آخر۔ یہ سکینہ... روزانہ۔

"حمنہ! تم بتاؤ۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔" باپ بن کر دبنگ لہجے میں بیٹی سے پوچھ لیا۔ حمنہ بچاری کی شامت۔ ماں سے بھی ڈرتی تھی۔ باپ کے سوال کا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

جواب دینا بھی لازمی۔ ابھی اس عمر کو نہیں پہنچی تھی کہ مصلحت کے گر کام میں لائے۔

"ابو! سکینہ پھپھو بچوں کو اسکول سے لے کر یہیں آجاتی ہیں۔ کھانے کا وقت ہوتا ہے تو... دادی سے ملنے آتی ہیں... تو ان ہی کے ساتھ کھانا۔"

"اور ہمارے لیے جو سالن امی بچا کر رکھتی ہیں۔ وہ بھی وہ رات کے لیے لے جاتی ہیں۔ اس لیے امی ہمارے لیے سبزی دال پکا لیتی ہیں۔" ایاز بہت بے خوف اور لاڈلا تھا۔

شہزاد کو فضہ پر ہی غصہ آیا۔ "تم ان کے لیے سالن نکال کر الگ چھپا کر رکھ دیا کرو۔ عقل ہے تم میں کہ نہیں۔ اپنے بچوں کو ترساتی ہو۔ احمق عورت۔"

"ابو! امی نکالتی ہیں۔ مگر پھپھو تلاش کر لیتی ہیں۔ فریزر میں بھی ہو تو بھی۔"

حمنہ ماں پر الزام کیسے برداشت کرتی۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ آواز بھی۔ شہزاد دھم دھم آواز پیدا کرتا اماں کے کمرے میں جا گھسا۔ فضہ دانت کچکچا کر ایاز کا کان کھینچنے لگی۔

"اس لیے کہہ رہی تھی کہ چپ کر کے کھا لو مگر صبر ہی نہیں ہے۔ وہ کدھر ہے مرغنی گائے۔ اس کی تو میں زبان جڑ سے کھینچوں گی۔"

اماں کے کمرے میں دوسرا سین چل رہا تھا۔ "اماں! یہ سکینہ روز کیوں آتی ہے۔ اپنے گھر میں دل نہیں لگتا تو پارک میں چلی جایا کرے۔" اماں تو اچھل پڑیں۔ ناک پر انگلی رکھ کر ٹکر ٹکر دیکھنے لگیں۔

"لو دیکھا۔" آخر بولنا پڑا۔ بیٹا سامنے جواب لینے کھڑا تھا۔ "تمہاری تنگ دل بیوی کو نند کا آنا بھی گوارا نہیں۔ ارے اسکول بچوں کا یہاں سے قریب ہے' نگوڑی مجھ سے ملنے آجاتی ہے۔"

"اماں' روز؟ روزانہ' بچوں سمیت۔ روز کھانا بھی یہیں ضروری ہے نگوڑی کا۔"

"اچھا تو یہ بھی جڑ دیا تم سے۔ میں تو جانتی ہوں اس کی فطرت۔ اسے کیا پتا رشتوں کو نباہنا۔ ارے۔ ذرا دیکھو' ایک وقت کا کھانا۔ حد ہو گئی۔" مشتعل ہو گئیں۔

"اس نے نہیں جڑا۔ بچے روز سبزی کھا کر تنگ آئے ہیں۔ یہ کیسا انصاف ہے اماں۔ بچے' اپنے بچے اچھا کھانے کو ترسیں۔ دوسرے گھر کے بچے ان کے حصے پر ڈاکا ڈالیں۔" جذباتی ہو گیا۔

"ارے۔ چار دن اس نے کھا لیا تو کون سی قیامت آگئی۔ یہ کہو سلیقہ ہی نہیں دل تنگ ہے۔ بھئی مہمان تو رحمت ہوتے ہیں۔ کچھ زیادہ پکا لیا کرے۔ مگر بھئی ماں نے کچھ سکھایا ہو تو کچھ عقل آئے۔"

"فضول میں اس کی ماں کا نام نہ لیا کریں۔" وہ چڑ گیا۔ "ان جیسی کوئی فراخ دل... خیر چھوڑیں۔ حمنہ کہتی ہے۔ زیادہ پکاتی ہے تو وہ سکینہ اپنے گھر کے لیے لے جاتی ہے۔ نکمی ہے نا۔ ہاتھ نہ ہلانا پڑے۔ کل وہ آئے تو اسے کہیں۔ روز یہاں آنے کی زحمت نہ کرے۔ ٹیکسی اسکول سے یہاں کے سو روپے لیتی ہے۔ آپ کو ساتھ لے جائے۔ بلکہ کل ہی اس کے ساتھ چلی جائیں۔ ملنے کا بہت شوق ہے۔ تو چار دن ملتی رہے آپ سے۔ پھر میں آپ کو لے آؤں گا۔ آپ بڑی آپا اور مائدہ کے گھر بھی جاتی رہتی ہیں۔ سکینہ کے گھر کبھی نہیں گئیں۔"

اماں حواس باختہ۔ بیٹے کے جلال کو پہلی دفعہ دیکھ رہی تھیں۔

"میں نہیں جاتی۔ اس کا میاں خرانٹ۔ کھڑوس' کنجوس' یوں گھورے گا جیسے میں اس کے گھر سے کچھ اٹھا لوں گی۔ اے بھئی دو دفعہ گئی' دس منٹوں کے لیے۔ وہ بھی مجبوراً" خیریت پوچھنے۔ جب اس کا بیٹا زینے سے گر کر زخمی ہوا تھا۔ پانی تک کا نہ پوچھا مردود نے۔ سکینہ بیٹے کو ہی سنبھالتی رہی۔ یہ ہے میری عزت اس کے گھر میں اور میں جا پڑوں چار دن کے لیے۔ ہارٹ فیل ہو جائے گا خبیث میاں کا۔" (اور بیوی کا؟ کوئی ذکر نہیں)

"اماں سچ۔ میں یہ بات کبھی نہ کہتا۔" شہزاد کو اب شرمندگی ہو رہی تھی۔ "میرے حالات کا تقاضا... آپ کو بتایا نہیں کبھی... مگر میں پہلے سکینہ کی شادی کا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM
FEB 2017

Downloaded from Paksociety.com

قرضہ اتارتا رہا۔ دس سال میں اس سے نجات ملی۔ پھر مہنگائی میری شادی بھی جلدی کر دی آپ نے۔ بچوں کی ذمہ داری آگئی۔ اب بھی میں ایک محدود رقم فضہ کو دیتا ہوں۔ بجٹ میں اتنی گنجائش نہیں کہ پانچ مہمانوں کو روزانہ کھانا کھلایا جائے۔ اور وہ بھی دو وقت اس کے علاوہ فضہ نے کبھی شکایت نہیں کی۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ دوسروں کے لیے پکا پکا کر رکھے۔ اپنے بچے ترسیں۔ اس کا حلیہ دیکھا ہے۔ سارا دن کچن میں چار چار ڈشیں پکا کر رکھے۔ اپنے بچوں کے لیے دال سبزی۔ مفت خوروں کے لیے گوشت' یہ انصاف تو نہیں۔ انسان ہے۔ مشین نہیں ہے۔" بہت ہمدردی ہو رہی تھی۔

اماں ادھر ادھر ہاتھ مارتی جیسے کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ (شاید کوئی سرا ہاتھ لگے)

"ارے بس اسکول یہاں سے قریب ہے تو آجاتی ہے۔"

"صبح اسکول دور چلا جاتا ہے؟ بچوں کو اسکول چھوڑ کر آسکتی ہے آپ کے پاس۔"

"صبح صبح؟ اے لو بھاگم بھاگ بغیر ناشتے کے آتی ہے۔ پھر تمہاری بیوی کہے گی۔ روز ناشتہ کرنے آجاتی ہے۔ اور تم بے غیرت۔ بہن کے لیے ماں سے جواب طلبی کرنے کھڑے ہو گئے۔"

"میری بیوی اگر کچھ کہتی تو آپ یہاں سکون سے نہ بیٹھی ہوتیں۔ نہ سکینہ روز بچوں کو کھانا کھلانے یہاں آتی ہوٹل سمجھ کر۔ فری کا ہوٹل۔ اماں سچ بتائیں۔ بھائی جان' بڑی آپا یا مائدہ کے گھر میں آپ کو اتنا اختیار ہے کہ سکینہ کو روز بلا کر کھلائیں بھی اور رات کا کھانا ٹفن بھر کر لے بھی جائے۔ میں اپنے بچوں کے لیے کماتا ہوں۔ سکینہ کے لیے نہیں۔ جو اس کا حق تھا۔ دیا جا چکا ہے۔ میرے بچے سبزی پر پلیں۔ واہ!"

"سبزی' اے بھئی' سبزی بھی اللہ نے کھانے کے لیے بنائی ہے۔ نعمت ہے۔" اماں معصوم بن گئیں۔

"بے شک۔ اب یہ نعمت سکینہ اور اس کے بچوں کو کھلائی جائے گی۔ کل سبزی اور دال کی دعوت ہو گی بن بلائے مہمانوں کی۔" کہہ کر بچوں کو آکر تسلی دی۔" کل گھر میں سبزی بنے گی۔ اور میں تمہیں بڑا کھلاؤں گا۔ رات کو چکن کڑاہی کیا خیال ہے؟"

"آپ نے ان بدتمیزوں کی وجہ سے اماں سے خوامخواہ بحث کی۔ میں ہمیں تو۔" فضہ گھبرا گئی۔

"تم بکری بنی رہنا۔ لوگ پھر شیر تو بنیں گے۔ بہرحال۔ کل سبزی کھلاؤ سکینہ کو۔"

اور اگلے دن جب بھنڈی اور دال سامنے آئی تو سکینہ کا منہ بن گیا۔ کچن ٹٹولا۔ وہاں پکا ہوا تو کیا کچا گوشت بھی نہ تھا۔ فضہ کو کنجوسی کے طعنے دیتے ہوئے بچوں کو لے کر چل دی۔

"چلو ہم راستے سے نان کباب لے لیں گے۔ میں نے تو میاں سے کہا تھا آج فضہ کے ہاتھ کی چکن کڑاہی کھلاؤں گی۔ لو یہ نیا خرچا یہاں تو' اچھا چلو۔" اماں کو بھنڈی کھانی پڑی۔ مزا نہ آیا۔

رات کو جب شہزاد بڑا لے کر آیا تو اماں کو غصہ آ گیا۔" اچھا' آج تمہاری حیثیت میں فرق آگیا۔"

"جی۔ اب رات کو گوشت پکا کرے گا۔ دن میں سبزی کیا' ٹھیک ہے؟ سب ایک ہی چیز کھائیں گے۔ میں اماں تم لوگ اور تمہاری امی۔ رات کو سب ساتھ کھایا کریں گی۔ دن میں دو سالن بنیں گے۔ ایک سبزی کا۔ ایک گوشت کا رات کے لیے۔ یہ طے ہے۔"

بچے بھی خوش تھے۔ اماں مگر بڑے بیٹے کو فون کر کے پوتے کو بلوا کر چلی گئیں۔ فضہ سے بات تک نہ کی۔ نہ سلام کا جواب دیا۔ فضہ دانت پیس کر رہ گئی۔

"یہ جو اولاد ہے میری۔ افوہ' فتنہ ہے' اتنے دن کی بنی بنائی عزت دو کوڑی کی کر دی۔ زبان کاٹ کر رکھ دوں گی۔ آئندہ اگر کوئی۔" سب کو ڈانٹ پڑی۔

"نانہجار بھی کہہ دیں۔ اور ...... آپی اور کون سا بڑا ثقیل لفظ بولا جاتا ہے نافرمان اولاد کے لیے۔"

"چپ' امی کو غصہ نہ دلاؤ۔ پٹائی ہو جائے گی۔"

"امی ہمیں سچ بولنے سے منع کر رہی ہیں۔ حالانکہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

جھوٹ تو گناہ ہے۔"

"چپ رہنا سب سے اچھا ہے۔ اور بچوں کو ہر معاملے میں بولنے کی ضرورت بھی نہیں۔ سن لیا۔" پھر نصیحت' بچے خوش تھے۔ ابو تو ان کے ہمدرد تھے۔ امی حزب اختلاف کی ممبر تھیں۔

☆ ☆ ☆

دادی اس بار بڑے بیٹے کے پاس زیادہ نہ رہ سکیں۔ نہ جانے کیا ہوا تھا۔ آگئیں اور آتے ہی بڑی بہو کی مکاریاں' چالاکیاں' بدزبانیوں کی پوٹلی کھول کر بیٹھ گئیں۔ فضہ ان کی خدمت میں حاضر۔

"اماں بس جانے دیں۔ آرام کریں تھک گئی ہوں گی۔ حمنہ! انار کا شربت بنا کر لاؤ۔ یمنیٰ کنگھا لا کر دادی کے بال سلجھاؤ۔ ایاز! چلو ٹی وی سیٹ کرو یہاں۔" سب کو کام میں لگا دیا۔

اماں کی بات سنی نہیں۔ اسے یقین نہ تھا کہ بڑی بھابھی نے کوئی بدتمیزی کی ہوگی۔ سگی بھانجی تھیں اماں کی۔ مگر وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی' اماں چپ ہو گئیں گو کہ بڑبڑاتی رہیں۔

"لو میں اپنا کلیجہ ٹھنڈا نہ کروں۔ وہاں تو میرے بولنے پر کرفیو لگا دیا جاتا ہے۔ کیا یہاں بھی میں ہونٹ سی کر بیٹھی رہوں۔"

"میرا مطلب ہے۔ آپ دل برا نہ کریں۔ طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

اماں لیٹ گئیں۔ انہیں یہاں کی خاطر داریاں بھی اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ وہ تو قصے سنانے آئی تھیں۔ فضہ کو دلچسپی ہی نہیں۔ مکار کہیں کی۔ شہزاد کو بتاؤں گی۔ وہاں میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ بڑا بھابھی جان بھابھی جان کرتا رہتا ہے۔

چھٹی کے دن چونکہ سب گھر پر ہوتے تھے۔ دونوں وقت ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ اس دن فضہ نے آلو کے پراٹھوں کا اہتمام کیا تھا۔ دہی کا رائتہ۔ ٹماٹر کا کچومر پیاز ہری مرچ کے ساتھ۔ املی کی چٹنی' اچار۔ سلاد۔ سب میز کے گرد بیٹھے فضہ گرم پراٹھے پکا رہی تھی۔

"کافی ہو گئے ہیں۔ آجاؤ تم بھی۔"

"بس دو رہ گئے ہیں۔ آپ شروع کریں۔" فضہ نے پکار کر کہا۔ شہزاد نے نظر دوڑائی۔

"ارے بھئی۔ وہ جو پچھلے مہینے میں گلاس لایا تھا۔ الماری میں قید کرنے کے لیے نہیں۔ اب میز پر چار رنگوں کے گلاس اچھے نہیں لگ رہے۔ حمنہ بیٹا گلاس لاؤ۔"

"سب کے اپنی نشانی والے ہیں۔ آپ کھانا تو شروع کریں۔" فضہ پراٹھا رکھ کر بیٹھی۔

"جب الگ الگ کھاتے ہو۔ تو نشانی والے رکھا کرو میرے سامنے ایک طرح کے ہونے چاہئیں حمنہ اٹھو۔"

حمنہ کچن میں چلی گئی۔ یمنیٰ نے سر جھکا کر چپکے سے کہا۔

"کہاں سے لائیں گی آپ۔ وہ تو دادی نے جب ہی مائدہ پھپھو کو دینے کے لیے اٹھا کر رکھ لیے تھے۔"

دادی کے ہاتھ سے لقمہ گرا۔ فضہ نے دانت کچکچائے۔ "چپ نہیں رہ سکتی یہ....." شہزاد حیرت سے اماں کو دیکھنے لگا۔

"ارے تو کون سے ہیرے جڑے تھے ان میں۔ سوچا' مائدہ کے گھر میں نئے گلاس نہیں ہیں۔ تو....."

"مائدہ کے گھر میں گلاس نہیں ہیں؟" انتہائی حیرت سے شہزاد نے جملہ دہرایا۔ "اور میرے گھر میں تو فیکٹری لگی نظر آرہی ہے آپ کو۔ کمال ہے!! مائدہ کے اسٹور میں برتنوں کے دس کریٹ رکھے ہیں۔ ڈائننگ ٹیبل کی الماری گلاسوں سے چھچما رہی ہے۔ وہ کیا صرف شو کے لیے ہیں؟"

"ائے' میں نے تو نہیں دیکھے۔ نہ کریٹ نہ الماری۔" اماں معصوم۔

"آپ جو دیکھنا چاہتی ہیں۔ وہی نظر آتا ہے۔ جیسے میرے گھر میں خزانے ہیں۔ بانٹیے۔"

اگلے دن نئے گلاس لا کر شہزاد نے حمنہ کو دیے۔

"دھو کر رکھو۔ اگر سکینہ کے گھر گلاس نہ ہوں تو اماں کو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اختیار ہے۔ دے دیں یہ بھی۔"

اماں بہنوں کے حقوق پر پُرمغز لیکچر کی تیاری کر رہی تھیں۔ بڑبڑا کر رہ گئیں۔ شہزاد حیران تھا۔ اماں ایسا کیوں کر رہی ہیں۔ انہیں میرے گھر کی حالت نظر نہیں آ رہی۔ فضہ دن بھر گھر کے کاموں کے علاوہ اماں کی خدمت میں جتی رہتی ہے۔ اسے آرام کا وقت نہیں ملتا۔ معمولی لباس میں رہتی ہے۔ بچوں کے پاس بھی کوئی قیمتی چیز نہیں۔ نہ مہنگے جوتے نہ اعلا لباس۔ گھر میں بھی چاہنے کے باوجود کوئی قیمتی ڈیکوریشن تک نہیں لا سکا۔ فضہ کی محنت سے گھر صاف ستھرا نظر آتا ہے۔ ساز و سامان سے خالی۔

پہلے تو وہ اماں کے اکسانے پر فضہ کو ہی ہر خرابی کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔ لیکن اب کچھ بادل صاف ہونے شروع ہوئے تو اندازہ ہو گیا۔ فضہ کے صبر برداشت کے علاوہ فیشن' فرمائش' میک اپ.... کچھ شوق نہیں' خواہش نہیں' خاموشی سے سب کی سن کر انجان بن جاتی۔ کبھی رقم کی کمی کا واویلا نہیں کیا۔ زبان بند۔ یہ کس مٹی کی بنی ہے۔ شاید اماں ہی درست کہتی ہیں۔ چھوٹے گھر غربت کی پلی ہوئی۔ یتیمی نے سارے شوق ختم کر دیے۔ مگر اب تو بیس سال سے وہ اس خاندان کی فرد تھی۔ جہاں سب خواتین بڑھ چڑھ کر فیشن اور میک اپ کے دلدادہ۔ بھڑک دار لباس کی شوقین۔ شاپنگ کی عادی۔ اسے کبھی خیال نہیں آتا۔ یا.... وہ اپنا دل مار لیتی ہے۔ شوق دفن کر دیتی ہے۔ وہ خود بھی اس کے لیے فیشن کے' کپڑے جوتے' چپل' شال لے آتا۔ تو بہت خوش ہوتی۔ خاص موقعوں پر پہنتی۔ کسی محفل میں دوسروں کے مقابلے میں کم نظر نہ آئی۔ یہ اس کی سادگی بھی تھی' سلیقہ بھی۔

بڑی آپا اور دونوں بھابیاں فضہ کی قدر دان تھیں۔ بڑی آپا تو تحفے تحائف دینے میں بھی فراخ دل تھیں۔ خصوصاً" لڑکیوں کے شوق کی چیزیں چمک دار نگوں کی چپلیں یا خوب صورت بیگ وغیرہ۔ بڑی آپا کو شہزاد سے بہت محبت تھی۔ اس کے بیوی بچوں کو بھی اتنا ہی چاہتی تھیں۔ دراصل شہزاد اور سکینہ میں ایک سال کا فرق تھا۔ سکینہ شہزاد سے لڑتی تھی۔ مارتی تھی۔ وہ اسے ماں کی گود میں دیکھ نہیں سکتی تھی۔ شہزاد کمزور بھی تھا۔ بیمار رہتا تھا۔ بڑی آپا نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ تاکہ سکینہ کے ظلم و ستم سے بچا رہے۔ کئی سال انہوں نے ہی اس کی دیکھ بھال کی۔ قدرتی لگاؤ تھا۔ وہ فضہ کی بھی قدر دان تھیں۔ اماں کسی طرح انہیں اپنا حامی نہ بنا سکیں۔

شہزاد ہی ان کا فرماں بردار تھا۔ پہلے اکثر اماں کے اکسانے پر ہی فضہ پر گرجتا برستا۔ مگر اب کچھ عقل آ گئی تھی۔ شاید بچوں کا بھی لحاظ تھا۔ مگر فضہ.... اب بھی ڈرتی تھی۔ پتا نہیں کب اماں کا وار کارگر ہو۔

"ماں کہاں ہے تمہاری۔ میاں گھر آیا ہے۔ کچھ ہوش ہے کہ نہیں۔" حمنہ کو دیکھتے ہی ڈپٹنے لگیں۔

"رہنے دیں اماں! تھک گئی ہے' ذرا لیٹ گئی۔ آ ہی گیا ہوں اب۔"

"سب چلتر بازیاں ہیں عورتوں کی۔ مرد کو دکھانے کے لیے۔ جیسے گھر بھر کا بوجھ اٹھایا ہوا ہو۔ ارے بابا! مرد باہر جا کر کماتا ہے۔ محنت کرتا ہے۔ تھک کر گھر آئے۔ تو اس سے ہنس کر بات کرو۔ چائے پانی کا پوچھو۔ یہ تو ہم نے اس گھر کا وتیرہ ہی دیکھا ہے کہ شام کو بنو ٹھن کر پڑ گئیں۔ واہ بھئی۔ ایسا کون سا دنیا سے نرالا کام ہوتا ہے۔"

"دادی' ان کا بی پی لو ہو گیا تھا۔" حمنہ نے دبی زبان سے کہا۔ "میں نے زبردستی کہہ کہہ کر لٹایا ہے۔ وہ کب لیٹتی ہیں۔ ابو کو چائے دے رہی ہوں۔ آپ کو اور دوں؟"

دادی کو پوتیوں کی صفائیاں' وضاحتیں بالکل پسند نہیں تھیں۔ شہزاد بھی ان سے متنفق ہو جاتا تھا۔

"لو.... یہ کیا بات ہوئی۔ میں تو کہہ رہی ہوں کہ بھئی ٹھیک ہے۔ کام ہوتے ہیں۔ مگر مرد کے گھر آنے کے وقت عورت کو چاق چوبند ہونا چاہیے۔ ہم نے تو سب جگہ یہی دیکھا ہے۔ یہاں نرالے دستور ہیں۔"

"دادی' ہمارے گھر کے سوا سب کے گھر کئی کئی نوکر بھی تو ہیں۔ کسی کو کیوں تھکن ہوگی؟"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

شہزاد نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ دادی نے چپ سادھ لی۔ پہلے تو لڑکیوں میں عقل نہ تھی۔ یا بولنے کی جرات نہ تھی۔ اب پیڑ پیڑاں کی حمایت میں بولا کرتی تھیں۔ اور باپ کو تو دیکھو۔ کیا گردن ہلا رہا ہے۔ بیٹی ماں کے آگے مقابلہ کر رہی ہے۔ تو کہتا ہی نہیں کچھ۔ پہلے تو میں ذرا سی بات کرتی تھی۔ آگ بگولہ ہو کر فضہ پر چڑھ دوڑتا تھا۔ اب اسے کچھ نہیں کہتا۔ زمانہ ہی خراب ہے۔ بڑوں کی عزت نہیں رہی۔ ورنہ دادی کے آگے ماں کی حمایت کریں۔ توبہ ۔۔۔ دل میں ہی کڑکڑاتی رہیں۔ کوئی سننے والا نہ تھا۔ ایک نگوڑی نوکرانی تھی۔ اس سے کبھی دل کی بات کرتی تھیں۔ اسے بھی چالاکو فضہ نے نکال باہر کیا۔ بیٹا ہی کب کان دھر کر سنتا ہے۔ پتا نہیں فضہ نے کون سی جادو کی بوٹی سنگھادی ہے۔

☆ ☆ ☆

حامد کا فون آیا۔ شہزاد آفس سے نکل ہی رہا تھا۔ حامد کے چھوٹے بیٹے کی سالگرہ تھی۔ معہ فیملی کے مدعو کیا تھا۔ گھر پہنچا تو یمنیٰ کو ڈانٹ پڑ رہی تھی۔ وہ بگڑ رہی تھی۔

"میرا بولنا برا لگتا ہے۔ مگر میں جھوٹ نہیں بول سکتی۔ اب بولوں گی ہی نہیں گونگی بن جاؤں گی۔"

"ہیلو۔۔۔ ہیلو' میری فرشتی۔ ارے بھئی آج کون سا سچ لوگوں کو برا لگ گیا۔ میری بیٹی کا۔" لاڈ سے اسے گلے لگایا فوراً اترا گئی۔ شوخی سے بولی۔ "دیکھا! میرے ابو کو میرے سچ پر غصہ نہیں آتا۔ امی کو تو۔۔۔ میرا بولنا بھی پسند نہیں۔"

فضہ نے جلدی سے صفائی دی۔ "میں تو سمجھا رہی تھی کہ وقت اور موقع دیکھ کر بات کرنی چاہیے۔ لڑکیوں کا بڑھ بڑھ کر بولنا کسی کو پسند نہیں۔ اچھا چلو۔ چائے بناؤ۔ کمرہ ٹھیک کرو۔ کباڑ خانہ بنا رکھا ہے۔"

"ابھی کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔" شہزاد نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ "حامد کے بیٹے کی سالگرہ ہے۔ سب کو بہ اصرار بلایا ہے۔ فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ سات یا ساڑھے سات تک ان کے گھر پہنچنا ہے۔ دو گھنٹے آپ کے پاس ہیں۔ ہری اپ اور ہاں میری بیٹی کو سچ بولنے پر ڈانٹنا نہ کرو۔ اررے ۔۔۔ میرے بیٹے نے منہ کیوں بنا لیا۔" ایاز سے پوچھا۔

"ابو! میرے پاس پارٹی فنکشن کے قابل پینٹ شرٹ نہیں ہے۔ میں نہیں جاؤں گا۔" اس نے وجہ بتائی۔

"بیٹا جی! لوگ آپ کے کپڑے دیکھنے کے لیے نہیں بلاتے۔ محبت سے بلاتے ہیں۔ شلوار قمیص پہن لو۔"

"آہا۔۔۔ ایاز میرے پاس تمہاری پینٹ شرٹ رکھی ہے۔" یمنیٰ کچھ یاد آنے پر بولی۔ "وہ بڑی پھپھو جو لائی تھیں تمہارے لیے۔ میں نے چھپا کر رکھ دی تھی کہ دادی نے دیکھ لیا تو زین کو دے دیں گی۔ پچھلی بار کی طرح۔ وہ جو تمہارے لیے اووف۔" دانت تلے زبان دبا کر بھاگ گئی۔

فضہ دانت پیس کر۔ "ایک دن سچ مچ اس کی زبان کاٹوں گی۔" کہہ کر رہ گئی۔ بے بسی۔ ایاز بھی فوراً باہر نکلا۔

"آپ کے کپڑے نکال دوں؟" فضہ شہزاد کو بہلا رہی تھی۔

"میں سوٹ پہن لوں گا۔ تم اپنی تیاری کرو۔" ذہن الجھ گیا تھا۔ بچے اماں کے بارے میں ایسا کیوں سوچتے ہیں۔ شاید فضہ کی روک ٹوک نے ضدی بنا دیا ہے۔ یا۔۔۔

اماں کو بتایا جلدی جانا ہے۔ حمنہ سے کہتا ہوں آپ کے کپڑے نکال دے گی۔"

"ائے شہزاد۔۔۔ پھر سالگرہ میں تحفہ بھی تو دینا ہوگا۔ جب اتنے لوگ جائیں گے تو کیا رقم دو گے۔ یا کوئی کھلونا۔" اماں کو فکر ہو گئی۔

"رقم دینا تو اچھا نہیں لگے گا۔ چلیے آپ نماز پڑھ لیں پھر۔" کہہ کر آگیا۔

ایاز بہت جچ رہا تھا۔ کالی پینٹ گلابی شرٹ اس پر کھل رہی تھی۔ شہزاد نے تعریفی انداز میں کہا۔ "واہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

میرا بیٹا تو شہزادہ لگ رہا ہے۔ بڑی آپا کو بھی بہت پہچان ہے۔"

پھر یمنیٰ کو بلایا "میری بیٹی کتنی سمجھ دار ہے۔ موقع پر اتنا اچھا تحفہ نکال کر لائی ہے۔"

دادی نے آنکھیں سکیڑ کر غور سے دیکھا۔ "یہ نئے کپڑے بڑے قیمتی لگ رہے ہیں۔ تم لائے ہو۔"

"نہیں اماں، میری آپا کا تحفہ ہے۔" شہزاد خوش تھا۔

"اوئی۔ یہ حلیمہ نے کب دیا۔ دیکھ لو۔ مجھ سے ہر چیز چھپائی جاتی ہے۔ بھلا بتاؤ۔"

"دادی! ہماری چیزیں آپ سکینہ پھپھو کو نہ دیا کریں۔ تو ہم نہ چھپائیں۔" یمنیٰ کی زبان۔

"یمنیٰ اب آگے کچھ کہا تو جان لے لوں گی سنا۔"

فضہ بیچاری بے بسی کی تصویر بن گئی۔

"ارے، سردی ہے بیگم۔ کوئی گرم کپڑا، شال لے لو نا۔ وہ تمہاری میرون شال جو میں لایا تھا۔"

"میرے کپڑے خاصے موٹے ہیں اور فنکشن ان کے گھر پر ہے نا۔ لوگوں کے مجمع میں گرمی ہو جاتی ہے۔"

"پھر بھی آج کل تو فیشن ہے۔ خواتین بے ضرورت شال ہاتھ پر لٹکا لیتی ہیں۔ لاؤ حمنہ شال۔"

فضہ نے سٹپٹا کر کہا۔ "چلیں دیر ہو جائے گی۔ میں ٹھیک ہوں۔" شہزاد کا ہاتھ کھینچنے لگی۔ یمنیٰ باپ کی موجودگی میں بہادر بن جاتی تھی اور ابھی کچھ دیر پہلے سراہا بھی تھا اسے۔ کیوں چپ رہتی۔

"ابو جی! امی نہیں بتائیں گی۔ وہ شال بھی سکینہ پھپھو کو پسند آگئی تو دادی نے انہیں دے دی۔"

فضہ گھبرا گئی، مگر یمنیٰ نے باپ کو سپر بنا لیا تھا۔ سب گاڑی میں بیٹھ گئے۔ یہ سیکنڈ ہینڈ گاڑی چند ماہ پہلے ہی شہزاد نے لی تھی۔ بہت کام آتی تھی۔ ایک اسٹور کے سامنے گاڑی روک کر شہزاد ایاز کو لے کر اسٹور میں جا گھسا۔ کچھ دیر بعد مسکراتا آیا۔ ایاز کے ہاتھ میں شاپر تھا۔ شہزاد اسٹیئرنگ پر بیٹھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

"ابو تحفہ لائے ہیں دینے کے لیے؟" یمنیٰ کی زبان میں کھجلی ہوتی تھی۔ ابو نے بھی اقرار کیا۔

"ہاں بیٹا جی! تحفہ دینے کے لیے ہی ہوتا ہے۔ ایاز! اپنی امی کو دے دو بلکہ اڑھا دو۔" ایاز نے شاپر سے شال نکال کر ماں کے کندھوں پر پھیلا دی۔ سیاہ شال پر رنگین نگ جگمگا رہے تھے۔

"یہ یہ آ آپ بھی بس۔ بچوں کے کہنے میں آکر۔۔۔ بھلا کیا ضرورت۔" فضہ بوکھلا کر بولتی گئی۔ لڑکیاں اچک اچک کر دیکھ رہی تھیں۔

"تمہیں نہیں، مجھے ضرورت تھی۔" شہزاد سنجیدہ ہو گیا۔

"میری امی کتنی حسین لگ رہی ہیں۔ شہزادی بلکہ ملکہ عالیہ۔"

"اور میرے ابو بادشاہ سلامت۔" یمنیٰ چہچہائی۔

"ابو آپ نے خود کیوں شال امی کو نہیں دی۔ جیسے بادشاہ، لوگ ملکہ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تحفہ محبت

"اب میں فٹ پاتھ پر گھٹنے ٹیک کر تحفہ دیتا اچھا لگتا کیا؟ میری پینٹ کی کریز خراب نہ ہو جاتی؟ میں نے شہزادے کے ہاتھوں دلوا دیا تحفہ۔ اچھا ہے نا؟"

"بہت، بہت۔ بہت" سچی خوشی سے سب کے چہرے جگمگا رہے تھے۔ حامد کے گھر کے سامنے بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ حامد ان کے اترنے سے پہلے آیا۔

"او یار! دراصل پروگرام کچھ بدل گیا ہے۔ اصل میں ہماری بڑی بیٹی کا رشتہ آیا ہوا تھا۔ لڑکا مجھے پسند آیا۔ لڑکا لندن جا رہا ہے پرسوں۔ تو ایمرجنسی میں منگنی طے ہو گئی آج کے دن۔" حامد نے انہیں بتایا کہ اب یہ فنکشن سبزہ زار میں یعنی کسی بڑے لان میں منعقد ہو رہا ہے۔ اس نے پتا سمجھایا۔

شہزاد نے ہنس کر کہا۔ "دیکھا میرا اندازہ۔ لان میں سردی سے ٹھٹھرتیں۔ لوگ کہتے بے چاری کے پاس شال تک نہیں ہے۔ بھئی داد دو مجھے بچو۔"

"میں تو سمجھی تم کوئی تحفہ لینے اترے ہو۔ اسٹور کے سامنے۔" اماں سے رہا نہ گیا۔ دل کی جلن نکالی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"صحیح کہا۔ تحفہ ہی لیا ہے۔ بیگم کے لیے اکلوتی ہے تو ذرا۔۔۔ خیال کرنا پڑتا ہے ناں۔ اماں۔"

"اور پھر کہتے ہو۔ تمہاری آمدنی کم ہے۔ حیثیت صفر ہے۔ اس۔۔۔ اتنی مہنگی شال فضول خرچی ہے کہ نہیں۔" اماں دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

"جی' آمدنی بے شک مہنگائی کے حساب سے کم ہے۔ لیکن اس میں برکت ہے۔ ایک وجہ تو میری بیگم کی نیک نیتی' محنت مشقت' کفایت دوسرے بچوں کا صبر اور نیت سیری۔ شکر ادا کرتا ہوں اس باری تعالیٰ کا جس نے مجھ بے حیثیت کو ایسے قیمتی ہیرے جواہرات سے نوازا ہے۔ میری بیٹیاں۔ میرا بیٹا اور بیگم۔"

"آپی آپی کچھ پڑھ کر پھونک دو امی پر۔ نظر نہ لگ جائے کسی کی۔ کیسی چاند چہرہ' ستارہ آنکھیں ہیں۔" یمنیٰ حمنہ کو ہلائے جارہی تھی۔ دادی کی پُرغیظ نظروں کی پروا کیے بغیر۔

"چپکی بیٹھی رہو۔ میں نے گھر سے نکلتے وقت امی ابو دونوں پر پڑھ کر پھونک دیا تھا۔ بلف نظر نہ لگنے کے لیے۔"

شہزاد کی ہنسی چھوٹ گئی۔ "ویسے آپس کی بات ہے۔ جتنا میرے بچوں کو میرے حسن کا احساس ہے۔ اور جس طرح یہ سراہتے ہیں۔ میری اماں کو کبھی مجھ پر پیار نہیں آیا۔ نہ انہوں نے مجھ پر پڑھ کر پھونکا کبھی۔ میں نے تو ان کی ڈانٹیں اور صلواتیں ہی سنیں۔ نالائقی نافرمانی کی۔ سند کے طور پر۔"

"اے' اے بھئی ہم ظاہر نہیں کرتے۔ بس یہ ہے کہ۔۔۔ ارے کوئی اکلوتے تو تھے نہیں تم۔" ہکلا کر سنبھل گئیں۔

"اچھا نہیں لگتا بغیر تحفہ دیے پارٹی میں۔۔۔" فضہ موضوع بدلنے میں کامیاب ہوگئی۔

"بھئی تم اپنی شال دے دینا۔ جتنی رقم تھی اس سے خرید لی۔ اب جیب خالی ہے۔"

"نائیں' نائیں۔" پچھلی بینچوں والے عوام بے قرار تھے۔ دادی دانت پیسنے لگیں۔ (نقلی تھے۔ مگر کڑ کڑ تو کھاتے تھے) سالگرہ یا منگنی والا لان دور سے نظر آ گیا۔ گاڑیاں ہی گاڑیاں۔

"میں نے کہا شہزاد!" اماں فکر مندی سے بولیں۔ "لوگ تو بہت پیسے والے لگ رہے ہیں۔ دیکھو تو۔ بڑی بڑی گاڑیاں اور کتنے لوگوں کو بلا لیا ہے پتا نہیں۔"

"کوئی بات نہیں دادی۔ ہماری گاڑی بھی خاصی بڑی ہے۔ ہم کسی سے کم نہیں۔" ایاز پُرجوش تھا۔

"اچھا سب اترو۔ ایاز دادی کا ہاتھ پکڑ کر چلو۔ سامنے حامد کی بیگم کھڑی ہیں۔ میں گاڑی پارک کر کے آتا ہوں۔"

حامد کے گھر والے سامنے ہی تھے۔ بیگم حامد فضہ کو پہچان کر آگے بڑھیں۔ سب کو اندر لے گئیں۔ کافی وسیع لان تھا اور لوگ بھی زیادہ تھے۔ دادی کو ایک صوفے پر بٹھا کر سب ادھر ادھر ہوگئے۔ حمنہ کو ایک دوست مل گئی۔ یمنیٰ کو اپنی ٹیچر نظر آگئیں۔ فضہ کو مسز حامد اپنی سمدھن سے ملانے لے گئیں۔ ایاز شہزاد کے پاس چلا گیا۔ جو حامد کے ساتھ تھا۔ حامد شکوہ کر رہے تھے۔

"یار! سالگرہ تو چھوٹی سی رسم تھی بس۔ یہ تو منگنی کے شوشے نے فنکشن بڑا بنا دیا۔ بچے کے لیے تمہارا تحفہ بہت بڑا ہے۔"

"بچہ تو خوش ہے۔" شہزاد نے حامد کے کندھے پر ہاتھ مارا "بس یہی میرا مقصد تھا۔"

حامد کا بیٹا سائیکل چلا رہا تھا۔ گھنٹی بجا کر شہزاد اور حامد کو بھی خوش ہو کر دیکھ رہا تھا۔ ایاز نے فخریہ انداز میں باپ کو دیکھا۔ ابو نے تحفہ یقیناً "پہلے ہی لے کر ڈگی میں چھپایا ہو گا۔ گو کہ لوگ تو بہت تھے۔ مگر حامد صاحب عرصہ دراز امریکہ میں رہ کر بھی پرانے خیالات کے تھے۔ سالگرہ میں کیک نہیں۔ مٹھائیاں تھیں اور حاضرین کی دعائیں۔ منگنی کی رسم کے بعد کھانا ہوا۔ گھر آتے آتے دیر ہوگئی۔ ٹھنڈ خاصی بڑھ گئی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے شہزاد نے دیکھا۔ فضہ جھرجھری لے کر شال کو جسم سے لپیٹ رہی تھی۔ مسکرا دیا۔

اماں نے کہا۔ "منگنی میں کسی نے بھی کچھ نہ دیا۔ رقم نہ تحفہ' یہ کیسی منگنی تھی بھلا؟"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"بہت سادہ لوگ ہیں۔ حامد نے سختی سے منع کیا تھا۔ یہ لوگ شان و شوکت دکھانے کے قائل نہیں ہیں۔ سادگی میں تصنع نہیں ہوتا۔ میں بھی ایسے ہی کروں گا۔ بہانہ بھی ہے کہ بھئی مذہب سادگی کا حکم دیتا ہے۔"

"اوئی لوگ کیا کہیں گے۔"

"اماں! اتنا قیمتی بہانہ ہے۔ میرے پاس تو دکھانے کے لیے شان ہے نہ شوکت۔ نبھ جائے گی۔"

گھر آکر سب نے لباس تبدیل کیے۔ شہزاد نے فضہ کی تہ کی ہوئی شال اٹھائی اور اماں کے کمرے میں چلا گیا۔ یمنیٰ کا چہرہ اتر گیا۔ حمنہ کو دیکھا۔ وہ بھی متاثر تھی۔ اماں لیٹ چکی تھیں۔ شہزاد نے ان کے پاس شال رکھ دی۔

"یہ شال بس آپ کی ہوئی۔ میں دراصل صرف اس لیے آپ کے پاس آیا ہوں کہ واضح کردوں میں آپ کا۔ میرا گھر، میری ہر چیز آپ کی، جو چاہیں یہاں سے لے لیں۔ کسی کو دے دیں۔ پھینک دیں۔ مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن بس اتنی درخواست ہے کہ بچوں کے سامنے ان کی ماں کی کوئی چیز لے کر کسی کو نہ دیا کریں۔ وہ آپ سے کچھ کہتے نہیں۔ لیکن انہیں بہت محسوس ہوتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کی طرف سے ان کا دل برا ہو۔"

"آئے ہائے۔ لو اب کیا میرا اتنا بھی حق نہیں۔" اماں کچھ گڑبڑا گئیں۔

"میں کہہ رہا ہوں۔ میں میرا گھر آپ کا ہے۔ جو چاہے لیں۔ لیکن لماں! جب آپ مائدہ اور سکینہ کی غربت اور ضرورت کا ذکر کرتی ہیں۔ بچے ہنستے ہوں گے۔ جیسے مجھے آپ کی بات پر ہنسی آتی ہے۔"

"لو، تو میں کیا جھوٹ کہتی ہوں اور اے یہ جو تمہاری بیوی ہے تھڑدلی۔ وہی سکھاتی ہے بچوں کو۔"

"یہ غلط فہمی بھی دور کرلیں۔ وہ کسی سے کچھ نہیں کہتی۔ اس نے مجھ سے بھی کبھی نہیں کہا۔ آپ نے اس کا سوئیٹر لے لیا۔ گلاس بھی مائدہ کو دے دیے۔ سکینہ یہاں روز آکر کھانے کھاتی رہی، فرمائش کرکے پکواتی رہی۔ آپ نے فضہ کی اکلوتی شال بھی سکینہ کو دلوا دی۔ یہ کوئی خاص بڑی بات نہیں۔ لیکن ان کے لیے جن کے پاس سب چیزیں وافر ہوں۔ کہنے پر مجبور ہوں کہ سکینہ کو آپ جتنا بھی غریب ظاہر کریں۔ اس کے چاروں بچے جس اسکول میں پڑھتے ہیں۔ وہاں کی فیس یمنیٰ ایاز کے اسکول سے چار گنا زیادہ ہے۔ آپ کو سکینہ کی غربت نظر آتی ہے۔ میرے گھر میں شہنشاہی جہاں وہ بچوں کو لاکر کھاتی کر رات کے لیے بھی اٹھالے جاتی رہی۔ میرے بچے دال سبزی کھاتے رہے اور اس بات کی خبر مجھے مہینہ بھر کے بعد ہوئی۔ کسی نے بتانا درکنار اشارہ بھی نہیں کیا۔ فضہ کی وجہ سے 'اماں میں نے بہت کوشش کی آپ کو خوش کرنے خوش رکھنے کی۔ آپ مجھے فضہ کے خلاف شکایتیں کر کے غصہ دلاتی تھیں میں آپ کی ہدایت پر اس سے لڑتا تھا۔ چیختا چلاتا تھا۔ آپ چاہتی تھیں میں اسے حقیر کمتر سمجھوں۔ اس کی اوقات یاد دلاتا ہوں۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ میں اپنی وفاشعار، نیک سرشت بیوی کو بے جا ذلیل کرکے اس کے حوصلے پست کر رہا ہوں۔ وہ خوف زدہ رہتی ہے۔ وہ کب ہنسنا بھول گئی۔ مجھے اندازہ ہی نہیں۔" سانس درست کرنے لگا۔

"خیر۔ اب تو تم نے اتنی مہنگی شال لے کر اس کے حوالے کردی۔ پھر وہ اب کیا چاہتی ہے؟" اماں کا کلیجہ جل رہا تھا تعریف سن کر۔

"وہ کچھ چاہتی ہوتی۔ تو.... میں صرف یہ کہہ رہا ہوں۔ بچوں کے سامنے ان کی ماں کی یا خود ان کی بھی چیز لے کر کسی سکینہ کسی مائدہ کے لیے نہ لے لیا کریں۔ پھر وہ ہر چیز آپ سے چھپایا کریں گے اور پھر .... ان کی عادت بن جائے گی۔ میں نے کب آپ کے کسی حکم سے سرتابی کی۔ آپ نے کہا سکینہ کی شادی میرے ذمے ہے۔ میری حیثیت نہ تھی مگر میں نے قرض لیا۔ وہ قرض میں دس سال تک ادا کرتا رہا۔ کبھی نوکری ختم ہوگئی۔ کبھی مہنگائی نے جینا حرام کردیا۔ پھر میرے اخراجات بڑھ گئے۔ جب جب آپ نے کہا۔ میں مائدہ، سکینہ اور ان کے بچوں کو تحائف بھی دیتا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

رہا۔ جو ظاہر ہے ان کی حیثیت کے نہیں ہوتے تھے۔ آپ نے جو گلاس مائدہ کو دیے۔ وہ مائدہ نے اپنی ملازمہ کو دے دیے۔ ترس کھا کر کہ نوکر کے بچے بھی شیشے کے گلاس کا لطف اٹھالیں۔ کیونکہ ان کے گھر دیسی برتنوں کا دخل نہیں۔ رکھ کر کباڑ کیوں جمع کریں۔"

"اے لو۔ یہ تو وہی مثل ہوئی۔ لو کمبخت یاد داشت۔ آ... یہ بڑھاپا بھی۔" پنڈلی کھجانے لگیں جیسے یادداشت پیروں میں منتقل ہو گئی ہو۔

"میں بہت روک کر فضہ کو خرچ دیتا ہوں۔ پتا نہیں۔ کیسے وہ پورا کرتی ہے۔ حیران ہوں۔"

"خیر اب اتنی ننھی معصوم بھی نہیں۔ لو بھلا پھر جب تمہیں پتا ہے تو کیوں اتنا کم دیتے ہو۔"

"کیونکہ میں نے قسطوں پر ایک پلاٹ خریدا ہے۔ اس کی قسطیں ادا کر کر کے ادھ موا ہو گیا۔ اپنے بچوں کو اور کچھ تو دے نہ سکا۔ کم از کم ایک گھر ہی دے دوں۔ سوچا تھا آدھا پلاٹ بیچ کر اس رقم سے گھر بنالوں گا۔ وہ بھی... ممکن ہوتا نظر نہیں آرہا۔ یہ حالات ہیں میرے۔"

"اچھا!! مگر بیوی کے لیے شال تو لے لی۔ اتنی مہنگی۔" شال کا صدمہ نکلتا نہ تھا دل سے۔

"وہ بھی اپنی عزت بچانے کے لیے۔ دے تو رہا ہوں آپ کو۔ دے دیں اپنی کسی غریب غربا بیٹی کو۔" شہزاد کا دل بھی دکھ گیا تھا۔

"اے اللہ نہ کرے کوئی بیٹی غریب ہو... اے واہ! بس بھیا دیکھ لیا تمہارا حوصلہ۔ بہت حقوق ہوتے ہیں بہنوں کے۔ ذرا سا دے کر غریب ہو جاتے ہو تم۔"

"حقوق تو سب کے ہوتے ہیں۔ ایک صرف میری بیوی بچوں کے نہیں، یہی چاہتی ہیں آپ اور سنیے۔ مائدہ کے میاں نے اپنی چاروں بیٹیوں کے لیے بنگلے لے لیے ہیں۔ جہیز میں فرنشڈ کر کے دیں گے۔ بیٹوں کے لیے بھی کروڑوں کے بنگلے لیے جا رہے ہیں۔ بچاری سکینہ کے گھر نئے ماڈل کی گاڑی آگئی ہے۔ میرے پاس گھر بنانے کے لیے رقم نہیں۔ میری بیوی کے پاس نئے کپڑے نہیں۔ اس کے پاس کوئی اچھا سوئٹر نہیں۔ اماں مجھے آپ سے صرف دعائیں ہی چاہئیں۔ انصاف چاہیے۔ لیکن وہ بھی آپ دینے کو تیار نہیں۔ بچپن سے اپنے نکمے پن، نالائقی، نافرمانی کے الزام سنتا آیا ہوں۔ میری شادی بھی ایک کمتر خاندان کی لڑکی سے آپ نے کر دی کیونکہ مجھے جیسے ناکارہ آدمی کو خاندان والے اپنانے پر تیار نہ تھے۔ آپ کو خوش کرنے، آپ کی خواہشیں پوری کرنے کے شوق میں اپنی بیوی بچوں سے ناانصافی کرتا رہا۔ پتا نہیں میرا کون سا گناہ تھا کہ آپ کو خوش نہ کر سکا۔ فضہ بدنیت ہوتی۔ تو نہ جانے کیا ہوتا۔ اب اور کچھ نہیں کہنا۔ سوائے اس بات کے۔ کہ بچوں کو خود سے دور نہ کریں۔ انہیں آپ کی ضرورت ہے۔ آپ کے دست شفقت کی۔ مجھے صرف دعائیں۔"

شہزاد نے اماں کے پیر پکڑ لیے تھے۔ اب وہ جذباتی ہو کر رو رہا تھا۔ اماں کا دل بھی گداز ہوا۔ شہزاد کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"ارے ارے اٹھ کیا بچوں کی طرح ٹسوے بہا رہا ہے۔ چل معاف کیا۔ آ میرے پاس بیٹھ۔ ہائیں مرد ہو کر آنسو۔ توبہ توبہ۔"

شکوے تمام ہوئے۔ اماں نے بھی نرمی برت کر گلے لگایا۔

☆ ☆ ☆

کچھ عرصہ پہلی کی بات ہے۔ وہ بہت پریشان تھا۔ یوں ہی بھائی جان کے گھر چلا گیا۔ وہ بہرحال ایک تجربہ کار ماہر تعمیرات تو تھے ہی۔ محبت کرنے والے خیر خواہ بھائی بھی تھے۔ ان کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا۔ وہ کچھ دیر حمزہ اور ماہم سے باتیں کر کے اس شخص کے جانے کے بعد بھائی جان کے پاس گیا۔ ان کے سامنے مسئلہ پیش کیا۔ کچھ دیر تفصیلات بیان کیں۔ بھائی جان نے بتایا۔

"یہ شخص جو اٹھ کر گیا ہے۔ یہ پراپرٹی ڈیلر تھا۔ مجھے ایک اچھا سا پلاٹ جو بہترین علاقے میں ہو۔ درکار ہے۔ حمزہ کے لیے الگ گھر۔ گنجائش والا۔ کیونکہ یہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

والا گھر میں بیٹیوں کے نام کر چکا ہوں۔ خواہش تو یہی تھی کہ تم بھی قریب رہو۔ پہلے تم نے بتایا ہی نہیں کہ کوئی پلاٹ تم لے چکے ہو۔ میں خوامخواہ ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ اسی پلاٹ میں دونوں گھر بن سکتے ہیں۔ درمیان میں لان مشترکہ ہوگا۔ فیصلہ۔"

شہزاد دنگ رہ گیا۔ ایسا صحیح فیصلہ سوچا بھی نہ تھا۔ نہ ہی علم تھا کہ بھائی جان کسی پلاٹ کی تلاش میں ہیں۔

"بھائی جان۔ لیکن میں تو فی الحال گھر بنانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"بھئی۔ تم سے کون بنانے کا کہہ رہا ہے۔ جو زمین میں لوں گا۔ اس کی قیمت میں تمہارا گھر بنے گا۔ شاید رقم بچ بھی جائے۔ چلتے ہیں کل پھر۔" وہ سرشار ہو گیا۔ بھائی جان نے بھابھی کو آواز دے کر خوش خبری سنائی۔ منصوبہ ان کے گوش گزار کیا۔ وہ متفکر ہو گئیں۔

"تم نے فضہ سے پوچھ لیا ہے؟"

"فضہ سے۔۔۔ اسے تو یہ بھی علم نہیں کہ میں پلاٹ لے چکا ہوں۔ اور یہ پروگرام تو ابھی بھائی جان نے بنایا ہے۔ یوں بھی وہ میرے کسی معاملے سے اختلاف نہیں کرتی۔"

"شہزاد! تم نے اسے بہت دباؤ میں رکھا ہے۔ زیادتی ہے اس کے ساتھ۔ کہیں تو اسے بولنے کا حق ہونا چاہیے۔ اس کی مرضی کوئی خواہش۔ کوئی اختیار تو دو۔ وہ تو ایک مشین بنی ہوئی ہے۔"

"اس میں ایسی کوئی صلاحیت ہی نہیں۔ اگر اس کی کوئی مرضی ہے بھی تو ظاہر نہیں کرتی۔"

"جو عورت بیس سال سے تمہارے بھلے برے وقت کی ساتھی ہے۔ خوش اسلوبی سے کم آمدنی میں گھر چلا رہی ہے۔ بچوں کی اعلا تربیت کر رہی ہے۔ تمہیں اس کے خیالات' اس کی مرضی کا علم نہیں؟ افسوس شہزاد! تم پہلے اتنے بے حس تو نہ تھے۔" بھابھی واقعی متاسف تھیں۔ "یا تم نے اسے اس قابل سمجھا ہی نہیں۔ تم ایسے تو نہ تھے شہزاد۔ مجھے یاد ہے۔ تم میری حمایت میں بہنوں سے لڑ پڑتے تھے۔ میرے دل کی بات بھی جان لیتے تھے۔ بیوی کے لیے تم نے کیا کیا؟"

شہزاد حیران تھا۔ "اس نے آپ سے کچھ کہا۔"

"افسوس تو یہی ہے کہ اس نے مجھے جٹھانی سمجھا' بہن نہیں۔ کبھی زبان نہیں کھولی۔ جب آئی تھی تو کیسی کھلے گلاب جیسی شاداب تھی۔ ہنس مکھ' پھرتیلی۔ ہر کام میں پیش پیش۔ حمزہ اور ایمان سے کھیلتی تھی۔ سب کے ساتھ تمیز تہذیب' اپنائیت سے ملتی۔۔۔ تم نے کیا کر دیا ہے۔ بات کا جواب دیتے بھی اس کی زبان اٹکتی ہے۔ ہر وقت سہمی ہوئی۔ جیسے اسے کوئی خوف ہو۔ کیوں آخر؟"

شہزاد ماضی میں کھو گیا۔ شادی ہو کر آئی تو لوگ کہتے تھے۔ ایسی حسین بہو تو خاندان میں کسی کی نہیں۔ شہزاد کو اس سے عشق ہو گیا تھا وہ اس کے عشق میں شاعری کرنے لگا۔ آتے ہی سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ اسے شعر سناتا۔ کھل کر ہنستی۔ یا شرما کر بھاگ جاتی۔ لوگ کہتے۔ شہزاد مجنوں ہو گیا ہے۔ اب' اب کیا ہوا کہاں گئے وہ میٹھے دن سہانی راتیں۔

"مجھے تم سے بات کرنی تھی۔ مگر مناسب نہیں لگا۔ تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارے گھریلو معاملے میں مداخلت کر رہی ہوں۔" بھابھی کچھ دیر ٹھہر کر گویا ہوئیں۔

"نہیں نہیں بھابھی کہیے۔ میری کوئی غلطی۔ خطا آپ کا مجھ پر میرے گھر پر حق ہے۔ بولیے۔"

"شاید اب بھی میں نہ بولتی۔ اگر۔۔۔"

وہ پھر چپ ہو گئیں اس اثنا میں بھائی جان باہر چلے گئے تھے اور کسی کو فون کر رہے تھے۔ وہ منتظر نظروں سے بھابھی کو دیکھنے لگا۔

"ہوا یہ کہ۔۔۔ تین چار دن پہلے بلکہ شاید ہفتہ ہوا۔ بس اسٹاپ پر ماہم کو حمنہ نظر آئی۔ ماہم نے اسے لفٹ کی آفر کی۔ حمنہ کی وین خراب ہو گئی تھی۔ ماہم اسے گھر لے آئی۔ میں نے فضہ کو فون کر دیا۔ حمنہ تو فوراً" گھر جانے کے لیے بے قرار تھی مگر میں نے روک لیا۔ میرے بہت پوچھنے پر اس نے بتایا کہ سارا دن کام کر کر کے تکان کی وجہ سے امی کا بی پی لو ہو جاتا ہے تو میں ان

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کی کچھ مدد کردیتی ہوں۔ خصوصاً" جب دادی ہوتی ہیں تو امی کو ایک لمحے کی فرصت نہیں ملتی۔"

وہ جب یہ کہہ رہی تھی تو مجھے حیرت ہوئی کہ کون سی اہم بات ہے۔ جب میں نے کئی بار پوچھا تو گھبرا گئی۔ کہ شاید اس نے غلط بات کردی ہے۔ میرے اصرار پر

حمنہ کا حوصلہ بڑھا۔ یا اس کا ضبط جواب دے گیا۔ اس شرط پر کہ میں اس کی کہی باتیں فضہ کو ہرگز نہ بتاؤں گی۔ اس نے میرے سامنے دل کھول کر رکھ دیا۔

اس نے بتایا کہ عام دنوں میں تو جو ابو خرچ کی رقم دیتے ہیں۔ اس میں امی کچھ بچا بھی لیتی ہیں۔ لیکن جب دادی آتی ہیں۔ وہ فرمائشیں کر کے نئی نئی چیزیں بنواتی ہیں۔ لیکن اگر دادی کا معاملہ ہی ہوتا تو کچھ حرج نہ تھا۔ وہ تو دراصل سکینہ پھپھو کی فرمائش ہوتی ہے وہ اسکول سے بچوں کو لے کر دادی سے ملنے آتی ہیں۔ کھانا کھا کر بچا ہوا گھر لے جاتی ہیں۔ ان دنوں امی بہت مشکل سے خرچ چلاتی ہیں۔ کچھ بچتا ہی نہیں یہاں تک کہ ہمیں لنچ کے لیے بھی کچھ بنا کر نہیں دے سکتیں۔ ہمیں بھنے ہوئے چنے یا مکئی کے دانوں سے گزارا کرنا پڑتا ہے۔ اور بھی کیا کیا بتاتی رہی۔ تمہاری فضہ سے خفگی۔ دادی کی شکایت پر فضہ سے لڑنا جھگڑنا۔ امی خوف زدہ رہتی ہیں۔ کیونکہ دادی نے کئی بار ان کو دھمکی دی ہے کہ وہ جب چاہیں امی کو طلاق.... کچھ بولتی اس لیے نہیں کہ کچھ پتا نہیں کس بات کا برا مان کر ابو کوئی انتہائی قدم نہ اٹھالیں۔"

حمنہ بہت رنجیدہ تھی۔ احساسات زخمی ہیں۔ شہزاد! مجھے افسوس ہے۔ تم بغیر کسی تحقیق کے فضہ سے الجھتے ہو۔ اسے صفائی کا موقع بھی تو دو۔ یہ کون سی مردانگی ہے۔ تمہیں علم ہے فضہ کی ماں نے یتیم بچوں کی کفالت میں کتنے دکھ اٹھائے ہیں۔ وہ ڈرتی ہے کہ اب اس عمر میں طلاق کا ٹیکہ لگا کر وہاں گئی۔ تو ماں تو برداشت ہی نہیں کریں گی۔ اچھا ہاں ایک بات اور اس نے بتائی۔ میں پھر کہتی ہوں کہ میرا مقصد تمہیں اماں کے خلاف بھڑکانا ہرگز نہیں۔ پہلے انہوں نے مجھے پھر رعنا کو بھی بلکہ تمہارے بھائی جان شہزاد کو بھی اپنے طریقوں پر چلانے کی کوشش کی۔ مگر ان کی ایک نہ چلی۔ پھر وہ کمزور کو قابو کرنے کے لیے ایک کم عمر یتیم لڑکی تمہارے لیے لے آئیں۔ جو ان کی منشا کے مطابق دب کر رہے۔ خیر میں تو وہ قصہ بتانا چاہتی ہوں۔

ہوا یہ تھا کہ اماں نے ملازمہ سے فضہ کے بارے میں نامناسب الفاظ میں کہا کہ فضہ ایک معمولی گھر کی غریب لڑکی ہے جس کی ماں نے نوکری کر کے بچے پالے۔ ہمارا جوڑ نہ تھا مگر مجھے شکل پسند آگئی۔ فضہ کو بہت شرم آئی وہ اماں سے پوچھ بیٹھی کہ جب کوئی جوڑ نہ تھا۔ تو مجھے کیوں پسند کیا جبکہ آپ کے خاندان میں تو بہت اچھی خوب صورت لڑکیاں بھی ہیں۔ جوڑ بھی ہے۔ یہ جسارت اسے مہنگی پڑی۔ اماں نے تم سے شکایت کی اور تم فضہ پر چڑھ دوڑے۔

فضہ نے ملازمہ کو جواب دے دیا۔ حمنہ بتا رہی تھی۔ امی نے کہا۔ اماں خود جو چاہیں کہتی رہیں۔ مگر میں ملازمہ کی باتیں نہیں سنوں گی۔ بہت کمتر ہوں۔ مگر اتنی نہیں کہ اپنی عزت نوکروں کے سامنے داؤ پر لگا دوں۔" یہ کہاں کا انصاف ہے۔ خدا کے لیے فضہ کے ساتھ توازن قائم رکھو۔ ماں سے ناانصافی نہیں کرو مگر بیوی کو اس کا جائز مقام دو۔ بچے سہمے رہتے ہیں۔ تمہارے تعاون اور تھوڑی سی حمایت فضہ کو خوف سے نجات دے سکتی ہے۔ دیکھو حمنہ کو نہ بتانا۔ وہ بہت متاثر ہے۔"

شہزاد خاموشی سے سنتا رہا۔ کہیں بھی کوئی بات غلط نہ تھی۔ ایک ایک لفظ درست۔ بھابھی نے کچھ بھی بڑھا چڑھا کر نہیں کہا۔

"کیا کروں بھابھی! واقعی میں پتا نہیں کیوں اماں سے بحث نہیں کر سکتا۔ فضہ کی قربانی 'ایثار' 'خدمت' محنت سب جانتا ہوں۔ مگر اماں کچھ ایسے پیرائے میں بات کرتی ہیں کہ میں۔"

"عقل بھی ہے۔ آنکھیں بھی اللہ کے فضل سے۔ پھر زبان کہاں چلی جاتی ہے۔ کبھی اس کے منہ پر تعریف ہی کر دیا کرو۔ عورت تو شوہر کے ایک لفظ پر ہی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اپنی زندگی وار دیتی ہے۔"

شہزاد دیر تک بھابھی کے جلال کا شکار بیٹھا رہا۔ پھر ان سے وعدہ کر کے اٹھا اور اس دن کے بعد سے سب کچھ درست بھی ہونے لگا۔ شہزاد اماں کو شال دے کر گیا۔ یمنیٰ کچھ بولی بھی تو فضہ نے اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیا۔ شہزاد سکون سے لیٹا رہا۔ تسلی دیتا ہوا کہ ماں کی عزت و حرمت پر حرف نہیں آیا۔

اب بہت سی نقابیں سرک رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

صبح بڑی دل فریب تھی۔ ناشتے کے وقت جب اماں آئیں۔ ان کے ہاتھ میں شال تھی۔ فضہ کے کندھے پر ڈال کر کہا۔

"ہاں بہت اچھی ہے۔ اللہ اوڑھنا نصیب کرے۔"

سب کے چہرے جگمگا گئے۔

پھر بھائی جان نے گھر کی تعمیر شروع کروا دی۔ اماں بڑے بیٹے کے گھر جا چکی تھیں۔ وہیں انہیں یہ روح فرسا خبر ملی کہ شہزاد نے اپنا گھر فضہ کے نام رجسٹرڈ کروا دیا ہے۔ تیر تھا جو ترازو ہو گیا عین کلیجے میں۔

"ہوں' ہوں' جنم نہ دیکھا بوریا۔ سپنے آئی کھاٹ۔ ارے کوٹھی اس کے نام کر دی۔ گلی کی رہنے والی اُسے کیا تمیز مگر کیا کہوں شہزاد کی عقل تو ایڑی میں پڑی ہے۔ ہائے ہائے۔"

بڑی بہو پلو سے منہ چھپا کر ہنس پڑیں۔ "اماں نصیبوں کے کھیل ہیں۔"

"شہریار تو حمزہ کے نام سے بنا رہا ہے۔ شہزاد بھی ایاز کے نام کر دیتا۔ دیکھنا کیسا چونا لگائے گی۔"

"ہیں؟ آپ کو کیا خطرہ ہے۔" وہ دنگ رہ گئیں۔

"ارے۔ بڑی چنٹ ہوتی ہیں یہ چھوٹے گھر کی عورتیں۔ کوٹھی ہتھیا کر۔۔۔ ٹھینگا نہ دکھا دے شہزاد کو۔"

"اماں! آپ نہیں بدل سکتیں۔ دنیا بدل جائے۔" مایوس ہو گئیں' بڑی بہو۔

☆ ☆ ☆

پھر گھر بن گیا۔ شہزاد تو خوش تھا ہی۔ فضہ تو نہ تھی۔ اپنا ذاتی گھر۔ اسے شہزاد سے بالکل یہ توقع نہ تھی کہ وہ گھر فضہ کے نام کرے گا۔ اسے اپنی غلط فہمیوں پر بہت افسوس ہو رہا تھا۔ اماں نے تو بڑے بیٹے کو بھی ڈانٹا۔ کہ وہ شہزاد کے برابر اپنا گھر کیوں بنا رہے ہیں۔

"اماں! زمین شہزاد کی ہے اور آپ کو پتا ہے آج کل لڑکے ترقی کے لیے امریکہ چلے جاتے ہیں۔ میں بڑھاپے میں شہزاد کے ساتھ رہ کر مطمئن تو رہوں گا۔"

شہزاد نے گھر سنبھالا تو سب کی دعوت کی۔ سب بے حد خوش تھے۔ سب لوگ تحفے لائے تھے عموماً اشیاء ضرورت۔

بڑی آپا سب کے جوڑے بھی لائیں پھلوں کا ٹوکرا اور سبزی۔ مٹھائی کے ڈبے۔ زبردست دعوت ہو گئی۔ بچوں نے خوب رونق لگائی۔ حمزہ اور ایاز نے گانے گائے۔ بڑی آپا کا بیٹا نقلیں کر کے ہنستا رہا۔ پھر بڑی آپا نے کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ مجھے کچھ کہنا ہے۔ سب چپ ہو گئے۔

"صاحبو! بات کچھ یوں ہے۔ کہ میں اپنے بیٹے عاصم کے لیے شہزاد اور فضہ سے ان کی بیٹی حمنہ کا رشتہ مانگنے آئی ہوں۔"

سناٹا۔ ہر سمت سناٹا۔ اماں کے ہاتھ سے چمچہ فرش پر گرا۔ اماں نے بیٹی کا بازو جھٹکا۔

"پاگل ہو گئی حلیمہ۔ یہاں سے کچھ ملنے والا نہیں۔" سرگوشی تھی۔

انہوں نے غور نہ کیا۔ عین فضہ کے سامنے بیٹھ گئیں' دوپٹے کی جھولی پھیلا کر۔

"فضہ! عرصہ سے خواہش لیے بیٹھی ہوں کہ وہ وقت آئے اور تم سے سوال کروں۔ آج پورے خاندان کی موجودگی میں جھولی پھیلائے بیٹھی ہوں۔ تمہیں پورا اختیار ہے۔ جو بھی فیصلہ کرو گی۔ مجھے جان و دل سے قبول ہو گا۔" فضہ دم بخود۔

"فضہ کو کیوں' باپ کا اختیار ہوتا ہے۔ شہزاد سے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کہو۔" اماں نے ٹوکا۔

"نہیں۔ ماں کا حق افضل ہے۔ مجھے فضہ سے ہی جواب لینا ہے۔ ابھی فیصلہ کرو۔"

"ارے یہ کیا فیصلہ کرے گی۔" اماں سکینہ کے ٹھوکا دینے پر بولیں۔ ہم ابھی زندہ ہیں۔"

"نہیں مجھے فضہ سے ہی جواب لینا ہے۔" بڑی آپا ضدی لہجے میں بولیں۔ "انکار بھی قبول ہے۔"

فضہ کی امی نے اس کو ہلایا۔ فضہ جو دم بخود تھی۔ گویا ہوش میں آگئی۔ نظر اٹھا کر شہزاد کو ڈھونڈا۔ وہ بڑے مطمئن پُرسکون انداز میں کشمیری چائے کے مزے لے رہا تھا۔

"آپا!" فضہ نے گلا صاف کیا۔ خشک جو ہو رہا تھا۔ "میری کیا مجال کہ میں آپ کے سوال کے جواب میں انکار کروں۔ آپ میری بڑی ہیں۔ قابل عزت ہیں۔ میری قدردان ہیں۔ میرے بچے آپ کے ہی ہیں۔ ان کے لیے جو بھی فیصلہ آپ کریں گی، مجھے قبول ہوگا۔ آپ نے مجھے اختیار دے کر جو میری عزت افزائی کی ہے۔ اس کے لیے تازندگی ممنون رہوں گی۔ حمنہ.... آپ کی ہی ہے۔ امانت کے طور پر میرے پاس ہے۔ جب چاہیں اپنی امانت طلب کرلیں۔"

محفل میں جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی۔ مبارک سلامت ہاؤ ہو۔ پھر عاصم نے فضہ کے گلے میں بازو ڈال کر تصویر بنوائی۔ آپا نے فضہ کو لپٹا لیا۔ ایک اور تصویر۔ حمنہ کو بلا کر فضہ کے ساتھ بٹھایا گیا۔ شہزاد کو حمنہ کے دوسری طرف۔ آپا نے انگوٹھی نکالی۔

عاصم نے پیچھے سے اچکی۔ "میں پہناؤں گا۔"

ہائیں ہائیں کرتی بڑی آپا مڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔

وہ شہزاد کے سامنے جھکا اور ان کے ہاتھ میں انگوٹھی ٹھونسنے لگا۔ موٹی انگلی۔ انگوٹھی پھنس گئی۔ شہزاد نے اس کو دھپ رسید کی۔

"ماما انگوٹھی تو بہت چھوٹی ہے۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"بے وقوف! حمنہ کو پہناؤ۔" بڑی آپا خفا ہوئیں۔

"ہیں؟ بیوقوف حمنہ....؟" وہ برجستہ چلایا۔ قہقہے بلند ہوئے۔ بڑی آپا نے شہزاد سے انگوٹھی لے کر حمنہ کو پہنادی۔ اس کا منہ چوما، دعائیں دیں۔

"بڑی آپا! مجھے تو خبر نہ تھی۔ اور میرے پاس انگوٹھی ہے نہیں، عاصم کے لیے۔" شہزاد کو شرمندگی ہو رہی تھی۔

"ماموں! میں کوئی لڑکی ہوں۔ جو انگوٹھی پہنوں۔" عاصم نے شور مچایا۔ "آپ تو ایسا کریں۔ مجھے اس ملک کی صدارت کا تاج پہنادیں۔"

پھر قہقہے اور بھرے۔ عاصم کے والد اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے للکارے۔

"ادھر آؤ میرے بیٹے! میں تمہیں پہناتا ہوں جوتیوں کا تاج۔ جو تم بچپن سے پہنتے آرہے ہو۔"

عاصم نے بھاگ کر جان بچائی۔

بھابھی جان کو بھی موقع ملا، انہوں نے میاں سے کھسر پھسر کی اور کھڑے ہو کر کہا۔ "بہنو اور بھائیو! میری بھی ایک درخواست ہے۔ مجھے موقعہ دیا جائے کہ میں اپنا مدعا پیش کروں۔"

ضرور، ضرور کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اماں نے سکینہ کا کندھا دبوچا "لو یک نہ شد دو شد۔ اب یہ کونسا مدعا پیش کریں گی۔"

"میں آج اس مبارک ساعت اور خوشی کے موقع پر شہزاد اور فضہ سے اپنے بیٹے حمزہ کے لیے یمنیٰ کا رشتہ طلب کرنا چاہتی ہوں۔ بڑی آپا! آپ کی تقلید کر رہی ہوں۔ بزرگ کہتے ہیں۔ اچھی بات کی تقلید میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ میں نے دیر نہیں کی۔"

کچھ بھنبھناہٹ، حیرت بھری آوازیں۔ لڑکوں کا ہاہا ہو ہو۔ ہاتھ کے اشارے سے بھابھی نے روکا۔

"ہاں بھئی فضہ! کچھ بولوگی۔ یا جوتیاں گھسواؤ گی۔"

"اے لو۔ بڑے بزرگ زندہ موجود۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ مجھ کمبخت کو خبر تک نہ دی۔ خود ہی.... ارے شہریار کدھر ہو۔ یہ تمہاری بیوی کیا فیصلے کر رہی ہے۔ لو بتاؤ۔" اماں دہائی دے رہی تھیں۔ انہیں تو یہ بات ہضم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

بڑی بھابھی نے اماں کے پاس آکر کہا۔ "اماں بے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

شک آپ بڑی ہیں۔ اپنی اولاد کے لیے آپ نے خود فیصلے کیے تھے۔ اب ہم اپنی اولاد کے لیے کچھ بھی کریں۔ ہاں اگر ہم کوئی غلطی کریں۔ تو آپ بے شک ٹوک سکتی ہیں۔ بڑی آپا نے خاندان کا ہیرا مانگ لیا تو میں بھی اس گھر سے موتی مانگنے کا حق رکھتی ہوں اور یہ میں شہریار کی خواہش پر ہی مانگ رہی ہوں۔"

فضہ کو تو خوشیوں کی بہار نے اچانک ہر سمت سے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ فخر نے اس کو سر اٹھانے کا حوصلہ دیا۔ اس نے کھڑے ہو کر بھابھی کو لپٹا لیا۔

"بھابھی! آپ کا اشارہ بھی میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ بھائی جان کی خواہش کو رد کرنے کا حوصلہ کہاں سے لاؤں۔ اماں میری بھی بزرگ ہیں۔ مجھے ان کی اجازت درکار ہوگی۔"

"ضرور' فضہ مجھے کب انکار ہے۔ شہزاد سے بھی جواب لینا چاہتی ہوں۔"

شہزاد پیچھے اپنے دوست حامد کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہیں سے ہاتھ ہلایا۔ "بھابھی میں راضی ہوں۔"

پھر مبارک سلامت کا غلغلہ اٹھا اور اماں کو رائے دینے کا موقع ہی نہ ملا۔ سب گلے مل رہے تھے شہزاد' بھائی جان سے حمزہ شہزاد سے۔ اماں کے چہرے پر تناؤ۔ سکینہ غصے میں لالوں لال۔ مائدہ مایوسی کی تفسیر۔ بہن بھائی کسی نے بھی اس کی امیر کبیر کوٹھی کار والی بیٹی کو لینے کے لیے اشارہ تک نہ کیا۔ ہائے یہ فقتی فضہ کے نصیب تو دیکھو۔ چالاکی سے سب کو مٹھی میں لیا ہوا ہے۔

"مگر میں انگوٹھی تو لائی نہیں۔ چوڑی پہنا دیتی ہوں۔" وہ اپنی سچے نگوں والی چوڑی اتارنے لگیں۔ یمنیٰ کو وہ چوڑیاں بہت پسند تھیں۔ ہر سوٹ کے ساتھ میچ کرنے والی۔

یمنیٰ خوشی میں سرشار چوڑی کلائی میں گھما رہی تھی۔ "بڑی امی! یہ آپ واپس تو نہیں لیں گی؟ کیا یہ ہمیشہ کے لیے میری ہو گئیں؟"

بھابھی نے اس کا منہ چوم لیا۔ "نہیں لوں گی یہ تمہاری ہو گئی۔"

"ہائے کتنی اچھی ہیں آپ۔ بڑی امی۔ شادی پر کیا آپ اس کے ساتھ کے بندے اور نیکلس مجھے دیں گی؟"

"ہاں' ضرور میری گڑیا۔" بھابھی ہنس رہی تھیں۔ فضہ بھنّا رہی تھی۔ "اُفوہ اس کی زبان تو میں کاٹوں گی۔"

خوشیوں کے ریلے میں سارے شکوے تمام دکھ بہہ گئے۔ اب ہر سمت سکھ اور چین تھا۔ آہ کتنی فکر تھی فضہ کو۔ لڑکیوں کی شادی کیسے' کہاں ہوگی۔ نہ گھر کے حالات ایسے ہیں کہ کچھ جہیز بنا لیں۔ نہ آثار ہی اچھے تھے۔ لیکن قدرت کے کھیل۔ کس آسانی سے خاندان کے دو بہترین ہیرے خود بخود جھولی میں آ گرے۔ تعلیم یافتہ' باشعور۔

وہ کمرے میں شکرانے کے نفل ادا کر رہی تھی۔ مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ حلیمہ اماں کے پاس ان کی شکایتیں سن رہی تھیں۔

"حلیمہ! میں کہتی ہوں۔ تمہارا دماغ کہاں سویا ہوا ہے۔ تمہیں مائدہ کی بیٹیاں نظر نہیں آئیں؟ سگی بہن کے بجائے اس ..... اس جادوگرنی کی بیٹی پر ریجھ گئیں۔ ارے عقل گم ہے کیا؟ اس فتنی نے کون سی بوٹی کھلا دی۔ پہلے تم پھر وہ حسنہ۔ ارے وہ تو ہمیشہ تمہاری نقل کرتی ہے۔ سکینہ کی بیٹی بھی یمنیٰ سے بڑی ہے۔ کچھ نظر نہ آیا تم دونوں کو' بتاؤ ذرا۔ شہزاد کے پاس کیا دھرا ہے۔ کوٹھی کار اور جواہرات۔"

حلیمہ نے منہ بنایا۔ "اماں مجھے گھر کی ضرورت نہیں۔ اللہ کے فضل سے میرا گھر ہے۔ مری میں کاٹیج ہے۔ بیٹا امریکہ جا رہا ہے۔ وہ خود گھر بنا لے گا۔ مجھے جہیز نہیں چاہیے۔ گھر نہ کار۔ مجھے جو چاہیے وہ مل چکا ہے۔ دعا کریں ہمارے بچے خوش رہیں۔"

"ارے عاصم سے پوچھا تھا؟ وہ جو دوڑ دوڑ کر مائدہ کے گھر جاتا تھا۔ میں تو سمجھی پسند ہوگی کوئی۔"

"ارے نہیں۔ وہ تو انہیں بہن کہتا ہے۔ کوئی چھوٹی بہن نہیں ہے' اس لیے چھیڑ چھاڑ کے لیے چلا جاتا تھا۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"اچھا تو سکینہ کی صائمہ۔ کیا اٹھان ہے ماشاء اللہ۔"

"رہنے دیں' اٹھان کو لے کر کیا کرنا ہے۔ عقل نہ شعور۔ فیشن کی ماری۔ سکینہ کے گھر کا ماحول ہی مجھے پسند نہیں۔ بدمزاج میاں بیوی۔ حسد کی ماری سکینہ۔ نہ نندوں سے بنا کر رہی نہ دیورانی سے اور تو اور بھاوجوں سے بھی جلتی ہے۔ اور مائدہ سے ہی کب بنتی ہے اس کی۔ میں پاگل ہوں جو عاصم کو مصیبت میں ڈالوں۔ بس ہو گیا نا۔ اب کیا میں بات کہہ کر پھر جاؤں۔" بگڑ گئیں۔

"اور اس کو تو دیکھو۔ بھانجی' میری ارے بھاپ نہ لگنے دی مجھے۔ وہی لے لیتی مائدہ کی بیٹی۔"

"اماں! مائدہ کی فکر نہ کریں۔ امیر لوگوں کی لڑکیوں کو شادی کا مسئلہ نہیں ہوتا۔ ہو جائیں گی ان کی شادیاں۔ جیسی وہ ہیں۔ غرور کی ماری۔ کسی کو اپنے برابر کب سمجھتی ہیں۔ بھائی جان کو ان کے طور طریقے پسند نہیں۔ شہزاد تو سب کا لاڈلا ہے۔ فضہ نے اور گھر کو چار چاند لگا دیے۔"

"چار چاند' اے خاک۔ دھول مٹی' چار چیزیں تو لڑکیوں کے لیے جمع نہ کر سکی پھوہڑ عورت۔"

"چار چیزیں چار دن چلتی ہیں۔ بچوں کی جو تربیت فضہ نے کی ہے۔ وہ آئندہ نسلوں تک چلے گی۔ اور اماں تربیت ہی اچھے خاندان کی نشانی ہوتی ہے۔ مان لیں آپ کہ فضہ نہ صرف تمیزدار' صابر شاکر بلکہ اعلا ظرف' اعلا دماغ ہے۔ جس طرح گھر کو چکایا بغیر کسی کی مدد کے۔ جیسی تربیت کی۔ اور شہزاد کی عزت کا بھرم رکھا۔ یہ آپ کے امیر خاندان کی لڑکی کبھی نہ کرتی۔ کم آمدنی' محدود وسائل' شکوہ نہ شکایت' لڑکیاں بھی ہیرے موتی میں تولے جانے والی۔ کسی سے بھی رائے لے لیں۔"

"بس بس۔ بہت کر لی مدح سرائی۔ پہلے بھی تم شہزاد کی حمایتی تھیں' اب فضہ کی' ایک معمولی خاندان کی لڑکی کو ہم نے اپنے برابر لا بٹھایا۔ اب اسے آسمان تک نہ چڑھاؤ۔" کچھ بھی ہو۔ اماں کا دل فضہ کی طرف سے اب بھی صاف نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

شہزاد نے رات کو فضہ کی تھکی تھکی صورت دیکھی۔ "کیا ہو گیا ہے۔ اب تو خوش ہو جاؤ۔ شکر ادا کرو رب کی ذات کا۔ کس آسانی سے دونوں کے رشتے ہو گئے۔"

"برابر شکر ادا کر رہی ہوں۔ مگر۔۔۔ ہم برابری تو نہیں کر سکتے ان دونوں کی۔ جہیز کے نام پر تنکا نہیں اور ہو گا کیسے؟"

"فضہ۔۔۔ کیا تم نے سوچا تھا کبھی کہ اپنے ذاتی گھر کی مالک بنو گی؟ یہ اللہ کا کرم ہے۔ میں بھی مایوس تھا۔ بھائی جان نے مدد کی۔ تعاون کیا۔ اللہ نے کیسا نوازا ہے۔ یہ سب تمہاری قربانیوں اور وفاؤں کا اجر ہے۔ تو بس اسی طرح آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بچیوں کے نصیب بھی ان شاء اللہ اسی طرح جگمگائیں گے۔ عاصم بہت ہی نیک اور محبت والا بندہ ہے۔ حمزہ کیسا شوخ ہے۔ دونوں لڑکیوں کے ہم مزاج ہم مذاق۔" وہ بولے جا رہا تھا۔ فضہ سکھ کی نیند سو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

رمضان شریف کی تیاری کرتے ہوئے مسلمان گھر کی طرح فضہ بھی رمضان شروع ہونے سے پہلے اشیاء ضرورت منگا کر اسٹاک کر لیتی تھی۔ اس بار تو جذبات بھی پرجوش تھے۔ نیا گھر' اپنا گھر' کچن بھی خوب صورت امریکن اسٹائل کا۔ الماریاں' درازیں' خوب صورت ٹائلوں سے مزین۔ لڑکیوں نے بھی پروگرام بنائے ہوئے تھے۔ یہ بنائیں گے۔ وہ کریں گے۔ افطار پارٹی تو ضرور دیں گے۔ یمنیٰ زیادہ پرجوش تھی۔

"بھئی آخر اللہ کے فضل سے ہم سسرال والے ہیں۔ سسرالیوں کو دعوت تو دینا چاہیے۔ ہیں نا آپی۔"

حمنہ نے اس کے سر پر چپت رسید کیا۔ "بازنہ آنا۔ امی زبان کاٹ لیں گی دیکھنا ایک دن۔"

"ہائے اللہ تو اس میں جھوٹ کیا ہے۔ امی بھی تو اپنی سسرال والوں کی افطار پارٹی کرتی ہیں ہر سال۔ اب

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ہماری سسرال بھی شامل ہوگی۔"

"تم بھول گئیں۔ وہ سب ایک ہی خاندان ہے۔ امی کی 'میری' تمہاری۔"

"سسرال بھی کتنے۔ اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ ویسے ایک سسرال ہونے سے کچھ نقصان تو نہیں ہو گیا آپی! ہیں۔ تین الگ الگ سسرالیں ہوتیں۔ بہت سارے لوگ ہوتے۔"

"چپ امی آرہی ہیں۔" حمنہ نے خبردار کیا۔

دسویں روزے کو بھائی جان کے گھر افطار ڈنر تھا۔ فضہ نے کہا۔ "آپ لوگ میرے گھر بھی افطار کے لیے آیئے۔ جس دن کا کہیں۔"

بڑی آپا نے کہا۔ "پہلے میرے گھر افطار پارٹی ہو گی۔ پھر تم رکھ لینا۔ ایسا ہے کہ میں حمنہ کی عیدی لے کر آؤں گی۔ تو یوں بھی افطار ہی ہو گیا۔ سب کو بلالیں گے۔ تمہاری طرف سے دعوت بھی اور میری طرف سے عیدی۔ بلکہ حسنہ بھی یمنیٰ کی عیدی اسی دن لے آئیں۔"

سب نے اسے منظور کیا۔ پہلے بڑی آپا کے ہاں بہن بھائی جمع ہوئے۔ فضہ کے گھر آنے کا طے نہیں ہوا۔ عیدی کی چیزیں اکٹھی ہو جائیں۔ اس کے بعد بتا دیا جائے گا۔

بیسویں روزے کو شہزاد نے آکر کہا۔ "دو دن بعد بڑی آپا عیدی لا رہی ہیں۔"

"تم افطاری بنا لینا۔ باورچی آکر کھانا پکالے گا۔ افطار کا ہلکا پھلکا ہی رکھنا۔ بس تم میٹھا بنا لینا۔" فضہ کھیر بنا کر دو کونڈے فریج میں رکھ چکی تھی۔ تب اس کی امی آگئیں۔

فضہ جانتی تھی۔ بڑی آپا اور بھابھی اس کی ماں اور بھائی کو ہر موقع پر یاد کر کے بلاتے ہیں۔ اور اب تو فراز کی شادی بھی ہو گئی تھی۔

"امی! دو کونڈے کھیر کافی ہو جائیں گے۔"

"فراز کی دلہن نے بھی کھیر بنائی ہے۔ لے کر آئے گی۔ شام کو فراز آئے گا اس کے ساتھ۔" امی نے بتایا۔

"امی! کتنی اچھی بہو ہے آپ کی۔ اتنی کم عمر ہے۔ اسے موقع مناسب کا کتنا خیال ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے۔ بہت سمجھ دار۔ نیک اور سعادت مند ہے۔ مجھے تو اس نے پلنگ پہ بٹھا دیا ہے۔"

واقعی قابل تعریف تھی۔ فضہ کی امی کی خالہ زاد بہن کی بیٹی تھی۔ اس کے والد پنجاب کے زمین دار تھے۔ لیکن پاک آرمی میں کرنل تھے۔ انہیں فراز بہت پسند تھا۔ انہوں نے از خود بیٹی کا رشتہ دیا تھا۔ بہت اصرار اور احترام کے ساتھ۔

فضہ کی امی خود بہت حیران ہو گئیں۔ انہوں نے صاف بتا دیا۔

"ان کی پوزیشن ایسی نہیں کہ آپ کی بیٹی خوش رہ سکے۔ نہ میرا گھر اس قابل ہے۔"

انہوں نے کہا۔ "میری بیٹی آپ کی بھانجی ہے۔ آپ کی بہن آپ کے خاندان کی ہے پھر کیا تامل۔"

غرضیکہ سب کے اصرار پر وہ رضامند ہو گئیں۔ شادی سادگی سے کرنل صاحب کے گاؤں میں ہوئی۔ رخصت کرا کے آئیں۔ تو لڑکی کے جہیز کی کوٹھی میں پہنچا دیا گیا۔ سلامی میں فراز کو کار ملی۔ شہزاد اور فضہ شادی سے واپس آئے۔ تو شہزاد نے اماں کو بتایا۔

"اماں! وقت کیسے بدلتا ہے۔ دیکھیے آج فراز کروڑوں کی کوٹھی' لاکھوں کی کار کا مالک ہے۔ اب آپ فضہ کو غریب غربا کہنا چھوڑ دیں۔"

اماں کو یقین ہی نہیں آتا تھا۔

فضہ کی امی نے ولیمہ کی دعوت گھر کے لان میں ہی رکھی تھی۔ اماں پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ فراز کی دلہن سادہ مزاج تھی۔ گو کہ گھر میں نوکر تو تھا مگر بیشتر کام خود کرنا پسند تھا اسے۔ چونکہ گاؤں میں رہائش تھی۔ خصوصاً" عید بقر عید یا خاندان میں شادیوں کے لیے گاؤں آکر رہنا پڑتا تھا۔ اس لیے مزاج میں رعونت نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

فضہ ملازمہ سے مچھلی میں مسالہ لگوا رہی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

مہمان آنا شروع ہو گئے۔ بھابھی جان اس کی مدد کے لیے کچن میں ہی آ گئیں۔ حمنہ' یمنیٰ دن کے شروع میں ہی کچن کے کچھ کام کر چکی تھیں۔ چونکہ وہ اس تقریب کی اہم رکن تھیں۔ تیار ہو رہی تھی۔ یمنیٰ سٹپٹائی ہوئی آ کر بولی۔

"امی! ابو تو پھولوں کے ہار اور گجرے بھی لے آئے ہیں۔ کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟" فضہ کچھ حیران ہوئی۔ بھابھی ہنسنے لگیں۔

"بھئی شہزاد تو کچھ زیادہ ہی پُرجوش ہو گئے ہیں۔ فضہ کو گجرے پہنانا چاہتے ہوں گے۔ سوچا کہیں بہنیں برا نہ مان جائیں۔ ان کے لیے بھی لے آئے۔" فضہ مگر الجھ گئی تھی۔

"بڑی امی۔ ہار پھول بھی....."

"بھئی تم بہنوں کے ہوں گے۔" ٹال گئیں۔

فضہ کی امی تو جا چکی تھیں مہمانوں کے پاس۔ شاید کچھ اور لوگ بھی آ گئے تھے۔ آوازوں سے پتا چل رہا تھا۔ بھابھی برتن میز پر رکھ چکی تھیں۔ افطاری کی خشک چیزیں بھی جالی سے ڈھانک دیں۔ کافی مدد کر رہی تھیں۔ ورنہ وہ مجبوراً لڑکیوں سے کرواتی۔

"السلام علیکم آپی۔" فراز کو دیکھ کر وہ کھل کر مسکرائی۔ "آپی' بڑی آپا آ گئی ہیں۔"

"ارے اچھا' اچھا میں بس....." وہ پھرتی سے چمچے کانٹے ٹرے میں رکھ رہی تھی۔

"آپی! وہ بڑی آپا کا پروگرام ہے کہ آج ہی نکاح ہو جائے۔ اور رخصتی بھی۔" فراز جھجکا۔

"کیا؟ کیا کہا تم نے۔" فضہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"آپی' بھائی جان کو تو بتا دیا تھا۔ وہ تو خوشی خوشی سب کو ہار پہنا رہے ہیں۔"

فضہ لمحہ بھر کو برف بنی۔ پھر آگ کا شعلہ اس کے دماغ سے اچھل کر باہر آیا۔ بھابھی مسکرائی تھیں۔ سامنے سے بڑی آپا آ رہی تھیں۔ ان کے پیچھے اماں بھی آ رہی تھیں۔ شاید فضہ کو بلانے.....

"بڑی آپا..... یہ فراز کیا کہہ رہا ہے۔"

بڑی آپا سمجھ گئیں۔ شاید وہ بھی یہی بتانے آ رہی ہوں گی کہ شہزاد نے منظور کر لیا ہے۔ وہ سب کو ہار پہنا رہا ہے۔ مسکرا دیں۔ گلے لگانے آگے بڑھیں۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔ خشک چہرہ۔

"بھئی میں نے سوچا جو کام کل ہونا ہے۔ وہ کیوں نہ آج ہی ہو جائے۔ عید کی خوشیاں دوبالا ہو جائیں گی۔ تمام خاندان تو جمع ہے ہی۔"

فضہ ہونٹ چبانے لگی۔ ہمت کر کے بولی تو آواز بھی خشک تھی لہجہ بھی۔ "بڑی آپا! آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں اس تجویز کو منظور کر لوں گی؟"

"اگر کوئی رکاوٹ....." بڑی آپا نے کچھ کہنے کو منہ کھولا۔ ادھوری بات فضہ نے پوری ہونے نہ دی۔

"میں تو آپ کی بہت مشکور تھی۔ آپ نے ہمیشہ میرے ساتھ تعاون کیا۔ میری مدد کی' لیکن آج..... آپا بیس سال سے میں اپنے بارے میں یہی سنتی آئی ہوں گھٹیا خاندان۔ چھوٹے گھر میں یتیمی میں پلنے والی جس کی ماں نے نوکری کر کے بچے پالے۔ ہاں یہ سچ ہے۔ مگر آپ کے منہ سے کبھی میں نے یہ الفاظ نہیں سنے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ آپ میری عزت کرتی ہیں لیکن آج محسوس ہو رہا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ آپ بھی مجھے اسی درجے میں رکھتی ہیں۔ غریب غربا۔ حقیر گلی میں چھوٹے گھر میں رہنے والی۔ بھی تو میری بیٹی کو یوں..... لینے آ گئی ہیں۔ ماں کو بتائے بغیر' اس سے پوچھے بغیر' بغیر کسی تیاری کے۔ اس لیے نا۔ کہ وہ ایک کمتر ماں کی بیٹی ہے۔ جو آپ کے شایان شان بارات کا استقبال نہیں کر سکتی۔ بے مایہ' حقیر' وہ کیا جانے عزت کس چڑیا کا نام ہے۔ مفت میں بیٹی کی شادی پر بہت خوش ہو جائے گی۔ مگر آپ بھول رہی ہیں۔ یاد دلا دوں وہ آپ کے بھائی کی بیٹی ہے۔ صرف مجھ بے زر' بے مایہ کی ہی نہیں۔ آپ کا اعلا و ارفع خاندان میری بیٹی کا بھی تو ہے۔"

جوش اور اشتعال میں بولتے بولتے سانس پھول گیا۔ صبح سے افطار کی تیاری میں مصروف تھی۔ روزے کی حالت میں اس کا بی پی بھی اوپر نیچے ہوتا رہتا تھا۔ اس وقت شاید وہ ہائی ہو گیا تھا۔ بڑی آپا کچھ کہنے کو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

آگے بڑھیں۔ انہوں نے اسے کچھ سمجھانے کے لیے منہ کھولا۔ ہاتھ بڑھائے۔ وہ دو قدم پیچھے ہو گئی۔

"نہیں بڑی آپا! اب بہت کچھ سمجھ میں آگیا ہے۔ اس دن آپ نے مجھے جو عزت بخشی۔ مجھے فیصلے کا اختیار دے کر حوصلہ بڑھایا۔ میں احمق بے وقوف' اونچی ہواؤں میں اڑنے لگی۔ لیکن نہیں میں ایک مزدور ماں کی کمتر بیٹی' میری بیٹی کی بھی یہی اوقات ہے آپ کی نظر میں۔ لیکن غریب کی بھی عزت ہوتی ہے۔ مجھے اپنی بیٹی کا تماشا بنوانا منظور نہیں۔ میری جسارت معاف کر دیں۔ مجھے.... آج کے اس پروگرام سے انکار ہے۔"

وہ ضبط کر رہی تھی۔ سرخ چہرہ۔ رگیں پھولی ہوئی۔ بھابھی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"فضہ.... ایسی بات نہیں ہے۔ تم سن تو لو آپا کی بات۔"

"مجھے کچھ سننا ہے نہ سمجھنا' بھابھی۔" وہ بھرے گلے سے بول اٹھی۔ "آج تو ثابت ہو گیا۔ اس خاندان کے سب لوگ مجھے وہی سمجھتے ہیں۔ وہی وقعت ہے آپ سب کی نظر میں میری۔ جس کا بار بار مجھے احساس دلایا جاتا ہے۔ میں چپ رہی۔ کیونکہ اس میں کچھ غلط نہ تھا۔ سب سچ تھا۔ میں یتیم تھی۔ ایک گلی کے چھوٹے سے گھر کی معمولی حیثیت والی۔ جس کی ماں نے محنت مشقت سے اپنے بچے پالے۔ ایک بیوہ عورت' نوکری کرتی رہی۔ عزت نہیں بیچی۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے۔ کوئی مجھے بتائے۔ اگر یتیمی ایسی ہی بری چیز ہے۔ تو میرے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں یتیم تھے۔ غریبی اگر کوئی گناہ ہے تو اللہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں دولتمند نہیں بنایا۔ انہیں تو دو وقت پیٹ بھر کھانا بھی نہیں ملتا تھا۔ اگر.... چھوٹے گھر کے رہنے والے حقیر ہیں۔ تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محلوں میں کیوں نہیں رہتے تھے۔ محنت کر کے نوکری کرنے والی مائیں ذلیل ہیں۔ تو پھر محنت میں عظمت کا سبق کیوں دیا جاتا ہے۔"

اس نے اماں کی طرف اشارہ کیا۔ "اماں! آپ ہمیشہ مجھے میری اوقات یاد دلا کر شرمندہ کرتی رہیں۔ میں چپ رہی۔ لیکن آج ایک کم زور ماں اپنی بے وقعتی پر منہ کھول کر سوال کرے تو کون جواب دے گا۔ مجھے بے خبر رکھ کر میری اوقات یاد دلا دی۔ ٹھیک ہے۔ میں واقعی آپ لوگوں کی برابری نہیں کر سکتی۔ اتنا بڑا فیصلہ ایک ماں کی مرضی کے بغیر۔ بڑی آپا؟ آپ عیدی لائی ہیں۔ میری بیٹی کی عزت افزائی کا شکریہ۔ چاہے تو.... دے دیں اور...."

جوش خطابت میں اس نے دیکھا ہی نہیں۔ تمام مہمان خواتین جمع ہو گئی تھیں۔ جذبات بے قابو ہوئے تو وہ راستہ بناتی ہوئی سب کے درمیان سے نکل کر کمرے میں گھس گئی۔ بڑی آپا ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئیں۔ بھابھی نے فضہ کی امی سے کہا۔

"آپ سمجھائیں۔"

وہ تو دم بخود کھڑی تھیں۔ اماں البتہ آپے سے باہر ہو کر شہزاد کی تلاش میں باہر نکلیں۔ فضہ بے قابو ہو کر رو رہی تھی۔ اس کی امی نے جا کر اسے پیار کیا۔ پانی پلا نہیں سکتی تھیں روزہ تھا۔ گیلے تولیے سے اس کا چہرہ صاف کیا۔ کچھ ٹھہر کر گویا ہوئیں۔

"بیٹا! تم نے یہ جانے بغیر کہ یہ اچانک کیوں پروگرام بن گیا۔ تقریر شروع کر دی۔ ویسے دلائل تو خوب دیے تم نے۔"

وہ مسکرا رہی تھیں۔ فضہ بے چین ہو گئی۔

"امی' آپ ہنس رہی ہیں۔ کہیں ایسا کبھی ہوا ہے کہ ماں کو خبر نہ ہو۔ بارات آجائے۔ نکاح' رخصتی.... واہ لڑکی پر اس کا کیا اثر ہو گا۔ یہ بھی نہیں سوچا۔ کیا ان کے اعلا خاندان کی کسی لڑکی کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے۔ مجھے ہی سب نے دبا کر میرے جذبات کچل کر ہمیشہ من مان کی۔ میں چپ تھی۔ مگر میں ماں ہوں۔ کوئی غیر نہیں انہوں نے کیسے سوچ لیا کہ.... اور کیا اس میں میری بیٹی کی ہتک نہیں ہے۔ ماں باپ کو اطلاع ہی نہیں اور نکاح رخصتی کا پروگرام بنا لیا۔"

"اچھا' اچھا مان لیا۔ میری بھی سنو۔" امی اس کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بال سمیٹ رہی تھیں۔

"میں بتاتی ہوں۔ حلیمہ میرے گھر آئی تھیں۔ انہوں نے باقاعدہ مجھ سے اجازت لی۔ اس پروگرام کے بارے میں۔ مجھے کیا اعتراض ہوتا' سنو' سنو بات نہ کاٹو۔ ہوا یہ کہ عاصم کو امریکہ میں جاب مل گئی ہے۔ جس کی وہ کوشش کر رہا تھا۔ چار ماہ بعد اسے جوائن کرنا ہے۔ حلیمہ نے چاہا۔ ان چار ماہ کے دوران حمنہ کے پاسپورٹ ویزا کا مرحلہ بھی ہو جائے۔ ظاہر ہے دو یا تین ماہ بعد شہزاد شادی کے لیے کیا تیاری کر سکے گا۔ کیوں نہ ابھی عیدی کے بہانے یہ فرض ادا ہو جائے۔ نکاح کے بعد ہی تو حمنہ کا پاسپورٹ بن سکے گا بطور عاصم کی بیوی کے۔ یہ چار ماہ یہ بچے ایک ساتھ وقت گزار لیں گے۔ جب ویزا آئے گا۔ حمنہ چلی جائے گی۔ مجھے تو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آئی۔ بیٹا حلیمہ بہت ہمدرد خاتون ہیں۔ تم سے بہت محبت کرتی ہیں۔ تمہارے لیے آسانی چاہتی ہیں۔ تاکہ تم پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔ عاصم کی جاب کے بہانے سے یہ بڑا کام ممکن ہو جائے۔ البتہ تمہیں سرپرائز دینے کا خیال عاصم کا تھا۔ ویسے شہزاد کو بتا دیا تھا۔ اسے کیا اعتراض ہوتا۔ سرپرائز کا سن کر بہت ہنسا۔"

فضہ چونک گئی۔ حیرت۔ "ہاں تو انہیں بھی مجھے ذلیل کرنے میں مزا آتا ہے۔ اچھا تب ہی ہار پھول لا کر ... تیاریاں ... افوہ۔"

"ایسا نہ کہو۔ یہ سب کے لیے سرپرائز تھا۔ اس بات سے حلیمہ کے گھر والے میں اور شہزاد ہی واقف تھے۔ حلیمہ نے یہاں آ کر سب کو بتایا۔ اچھا ایک اور بات بتا دوں۔ انہوں نے خود حمنہ سے بھی رائے لی تھی۔ اسے بھی اعتراض نہ ہوا۔ وہ اس رائے سے متفق تھی کہ چار ماہ کے اندر تم یا شہزاد شادی کی تقریب کے لیے خاطر خواہ تیاری نہیں کر سکو گے۔ یہ موقعہ مناسب ہے۔"

فضہ ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ ملی بھگت۔ شہزاد دھڑ سے دروازہ کھول کر اندر آیا۔

"یہ کیا ڈرامہ شروع کر دیا تم نے۔ مجھے بھی شرمندہ کر دیا۔" ناراض۔

"آ' آپ ... بتا نہیں سکتے تھے مجھے۔ اصل بات" وہ ہکلا گئی۔

"میں نے سوچا تم ضدی بلی کی طرح نخرے مارو گی۔ چیخو گی۔ تم تو مگرمچھ کا بکری ہو۔ سب کو سینگیں مار کر زخمی کر دیا اوو ف۔ بڑی آپا سے جو ندامت ہوئی۔ میں تو سرپرائز کے قصے میں لطف لے رہا تھا۔ تم نے سب کی خوشی ملیا میٹ کر دی۔ اب عاصم اکیلا امریکہ جائے گا اور پانچ سال بعد آ کر چاہے گا تو شادی کرے گا۔ ورنہ لیے بیٹھی رہنا بیٹی کو۔ ٹھیک؟ سوچ لو۔"

فضہ کا دل بیٹھنے لگا۔ "ہاں یہ تو سوچا ہی نہیں۔ لیکن کسی نے بتایا تو ہوتا۔ بتانا چاہتی تھیں بڑی آپا ... میں نے تو سننے ہی سے انکار کر دیا۔ پہلے ہی اگر شہزاد یا امی ہی بتا دیتیں۔ حمنہ کی بچی۔ منہ بند کیے بیٹھی رہی۔ اف اللہ اب کیا کروں۔"

"بڑی آپا اپنی خوشی ہم سب کی خوشی بنانا چاہتی تھیں۔ ہمدرد ہیں۔ آسانی چاہتی تھیں۔ تم نے تو برسوں کا غبار ان پر نکال دیا۔ وہ تمہاری مداح تھیں اور تم نے سب کے سامنے ان پر الزام لگا دیا۔ شرم آ رہی ہے مجھے۔"

شہزاد ہی نہیں فضہ بھی پریشان ہو گئی۔ بھابھی حمنہ کو پکڑ لائیں۔

"لو بھئی فضہ' یہ اصل مجرم آ گئی ہے۔ اسے جو چاہو سزا دو۔" حمنہ بچاری' نانی اور باپ کے سامنے اور بھی شرمسار ماں کے کندھے سے لگ کر منمنانے لگی۔

"امی! پھپھو نے مجھ سے پوچھا تھا۔ میں' میں کیا کہتی۔ وہ سب صحیح بات کر رہی تھیں۔ امی اگر آپ نہیں چاہیں گی۔ تو ... آج یہ سب کچھ نہیں ہو گا۔ میں آپ کی خوشی کے بغیر ... کچھ نہیں کرنے دوں گی۔ پلیز امی۔ مجھے معاف کر دیں۔" فضہ پر حیرتوں کے پہاڑ آ گرے۔

بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ پھیکا پھیکا۔ بے رونق آنکھیں۔ کیا ... اگر آج نکاح نہ ہوا۔ حمنہ کی ہتک نہ ہو گی؟ پھر۔ عاصم چلا گیا' تو کب ... انتظار ... بے قرار ہو کر ماں سے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی پر مُوجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

Downloaded from Paksociety.com

فریاد کی۔

"امی! اب کیا کروں۔ مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی۔ اف یہ کیا کر دیا میں نے۔ کبھی تو منہ نہ کھولا اور اب۔"

"کرو یہ۔" امی نے رسان سے کہا۔ "حلیمہ سے معافی مانگو اور روزے کا وقت قریب ہے۔ افطار کے بعد نکاح کی اجازت دے دو۔ اب حلیمہ میرے یا شہزاد کے کہنے سے بھی نہیں مانیں گی۔ تم اپنی زبان سے کہو گی پھر یہ کام ہو گا۔ نکاح کے بعد کھانا اور پھر رخصتی ہو جائے گی۔ شکر کرو۔ عزت آبرو سے بیٹی رخصت ہو گی۔ سب کی خوشی اسی میں ہے۔"

فضہ نے بیڈ سے چھلانگ لگائی اور جیسے ہوا میں اڑتی ہوئی کمرے سے نکلی سب کو ہکا بکا چھوڑ کر۔ شہزاد نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ امی بھی مسکرائیں۔ اور حمنہ کو لپٹا لیا۔

فضہ ڈرائنگ روم میں آئی۔ بڑی آپا سر پکڑے بیٹھی تھیں۔ دوڑ کر ان کے گھٹنے پکڑ لیے۔ سر جھکا کر رونے لگی۔

"پلیز بڑی آپا! معاف کر دیں مجھے۔ بہت بری ہوں میں۔ آپ سے بدتمیزی کر کے شرمندہ ہوں۔ آپ کو بھی پریشان کر دیا۔ بڑی آپا! مجھے غصہ آ گیا تھا۔ میں بھول گئی کہ آپ مجھ سے کتنی محبت کرتی ہیں۔ مجھے پہلے کوئی بتا دیتا تو میں۔۔۔ اتنی گستاخی نہ کرتی۔" بے قرار سی رو رہی تھی۔ بڑی آپا نے اسے اٹھا کر پاس بٹھایا۔

"ارے میں کب پریشان تھی۔ میں تو بس حیران تھی۔ اور مجھے تمہاری خودداری کے مظاہرے پر بھی خوشی ہوئی۔ جو تمہارا حق تھا۔ بس تم راضی تو میں بھی خوش۔ دیکھو ہمارا سارا خاندان تو جمع ہے۔ شادی کا سماں ہو گیا۔"

"میں بھلا آپ سے انکار کر سکتی ہوں؟ میں راضی، میرا خدا راضی، چلیں روزہ کھلنے والا ہے۔ افطار کے بعد نکاح کے لیے بلوا لیجئے سب کو۔" کمرے میں مہمانوں میں بھنبھناہٹ سی ہوئی۔

بڑی آپا اور بھابھی نے آسودگی کے سانس لیے۔ اماں کے ارمانوں پر اوس گری۔ جو اس وقت سے سوچ رہی تھیں کہ مائدہ کی کون سی بیٹی مناسب رہے گی۔ موقع اچھا ہے۔ حلیمہ بھی تیاری کے ساتھ آئی ہے۔ یہیں اسی جگہ نکاح کروا کر فضہ کے منہ پر کالک تھوپوں گی۔ مگر ہائے فضہ پھر بازی لے گئی۔ مکار کہیں کی۔ مجھے سب کے سامنے ذلیل کیا ہے۔ بخشوں گی نہیں۔

لان میں مردوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ ڈرائنگ روم ڈائننگ روم میں خواتین کے لیے میزیں لگا دی گئی تھیں۔ مردانے میں تو اندر کے واقعے کی خبر ہی نہ پہنچی۔ اس دوران حامد کی بیوی حمنہ کا میک اپ کرنے لگی۔ وہ بڑی ماہر بیوٹیشن تھی۔ عیدی کا جوڑا نکاح کا لباس بن گیا۔ وہ تو کئی جوڑے لے آئی تھیں۔ سب کے ساتھ میچنگ جوتے۔ پرس چوڑیاں' پراندے' سینڈل وغیرہ۔ یمنیٰ بے حد جذباتی ہو رہی تھی۔ خوشی سے گلنار۔ حمنہ کے کپڑے اور زیور' بیگ وغیرہ جو پھپھو لائی تھیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ اور خوشی سے سرشار بلبل کی طرح چہک رہی تھی۔

"ہائے اللہ! کتنے پیارے ہیں پرس اور سینڈل اور آپی ساری تیاری سے آئی تھیں بڑی پھپھو۔ دیکھو' کنگن اور ٹیکہ بھی لائی ہیں۔ نتھ بھی۔ سچی آپی' تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ سچ مچ کی شادی' فٹافٹ' ہے کتنا مزا آ رہا ہے۔ آپی تمہیں بھی مزا آ رہا ہے؟ عاصم بھائی کو دیکھو۔ پورے دولہا میاں بن کر آئے ہیں۔ جیسے انہیں یقین ہو کہ شادی ہو ہی جائے گی۔ اور اوپر سے ابو نے انہیں پھولوں کی بگھی بھی پہنا دی ہے۔"

بھابھی جان جو کمرے کے لوگوں کی افطاری لے کر آئی تھیں۔ قہقہہ لگانے لگیں۔ حمنہ کو بھی ہنسی آ گئی۔ فضہ کی طرح اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ بیگم حامد ہاتھ روک کر ہنسنے لگیں۔

"میری چہکتی مینا! ایسے ہی ہنساتی رہنا سدا۔ پگلی بگھی کیسے پہنے گا بچارا۔ دھان پان سا تو ہے۔ بدھی ہے' بدھی کہتے ہیں۔" ہنسی روک کر انہوں نے کہا۔

"بدھی؟ ہیں' بدھی' دھجی' بگھی بڑی امی اردو میں کیسے عجیب لفظ ہوتے ہیں۔ پتا نہیں چلتا کون سا لفظ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کس کے لیے ہے۔ یہ بدھی ہوتی کیا ہے؟" یمنیٰ نے دیکھا نہیں۔ فضہ اندر آکر چپ چاپ حمنہ کا بناؤ سنگھار دیکھ رہی تھی۔

"بدھی اسے کہتے ہیں جو تمہارے ابو نے پھولوں کے ہار کو عاصم کے گلے میں کراس کی شکل میں پہنائی ہے تم نے خود ہی تو کہا تھا ابھی..... ابو نے بگھی پہنادی۔ وہ بگھی نہیں بدھی ہے۔ بگھی تو اس گھوڑا گاڑی کو کہتے ہیں جس میں ایک سے زیادہ گھوڑے جوتے جاتے ہیں۔ کبھی دو کبھی چار۔"

"اچھا؟ آپی۔ ویسے مزا تو آرہا ہے نا۔ فٹافٹ شادی۔ ہائے۔ کاش میری بھی شادی ایسے فٹافٹ ہو جائے تو کیسا مزا آئے۔"

تالیاں بجانے لگی۔ حمنہ آنکھوں سے اشارہ کر رہی تھی بے سود۔ بڑی امی بھی فوراً اس کو چٹاچٹ بوسوں کے ہار پہنانے لگیں۔

"ہاں' ہاں کیوں نہیں تمہاری بھی ایسے ہی کر سکتی ہوں۔ کرتی ہوں انتظام۔ اے فضہ! لو یہیں کھڑی ہو۔ سن لو بھئی۔ میں تو اپنی گڑیا کا شوق پورا کروں گی۔ چل مری لاڈو۔ اپنی عیدی والا جوڑا پہن آفٹافٹ۔ بس میں اب کسی کی نہیں سنوں گی۔ شہزاد کو بلاؤ۔ ارے حمنہ کے بعد یمنی کا میک اپ بھی کردیں گی آپ؟ پلیز۔"

انہوں نے پورا پروگرام طے کر لیا۔ فضہ کے تاثرات پر غور ہی نہیں کیا۔ مسز حامد ہنس رہی تھیں۔

"ہائے اللہ۔ عید کا جوڑا اور پھر عید پر کیا پہنوں گی بڑی امی! امی نے تو میرے کپڑے بنائے ہی نہیں۔"

یمنیٰ کی پریشانی پر سب نے قہقہہ لگایا۔ سوائے فضہ کے جو سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی تھی۔

"فکر نہ کرو میری جان۔ عید پر دوسرا جوڑا لاؤں گی۔" یمنیٰ نے بڑی امی کی یقین دہانی پر دانت نکالے اور بھاگ گئی۔ اب اسے تیار ہونا تھا۔

"اس لڑکی کی زبان میں تو نہ کاٹ سکی۔ بھابھی' پلیز آپ ہی اسے کنٹرول کریں۔" بھابھی کی ہنسی کی جھنکار باہر تک سنی گئی۔ انہیں تو اس کا بے دھڑک بولنا معصومانہ انداز بہت پسند تھا۔

"بچی ہے۔ جب وقت آئے گا خود ہی تمہاری جیسی ہو جائے گی۔"

خوشیوں کی برسات ٹوٹ کر برسی۔ جل تھل ہو گیا۔ شہزاد کو بھلا کیا اعتراض ہوتا۔ ایک پنتھ دو کاج۔ بلکہ تین کاج۔ افطار کے بعد نماز سے فارغ ہو کر اب نکاحوں کی تیاری۔ دھڑا دھڑ نکاح نامے لکھے جا رہے تھے۔ اصل مشکل تو حمزہ کو ہوئی۔ نہ دولہا بنانہ تیاری ہوئی۔ عاصم کے نکاح کے بعد اس کا پروگرام گانے اور ڈانس کا تھا۔ وہ پہلے بھی اعتراض کے سبب کہ رمضان میں خرافات مگر طے کر لیا تھا کہ کمرہ بند کر کے اپنے فن کا مظاہرہ کرے گا۔ وہ بھی ممکن نہ ہوا۔

یمنیٰ روزہ کھول کر میک اپ کے دوران اپنی دوستوں کو فون کیے جا رہی تھی دھڑا دھڑ۔ فورا" آجاؤ۔ فٹافٹ آجاؤ۔ ہاں بھئی اچانک سے۔ فٹافٹ نکاح ہو رہا ہے۔ فٹافٹ آجاؤ۔" اور اس کی ساری سہیلیاں پندرہ منٹ میں آگئیں۔ انہیں نہ کوئی گانے سے منع کر سکا۔ یہ کیا بات ہوئی۔

"رمضان شریف میں خوشی منانے پر پابندی تو نہیں۔ ہم تو ناچیں گے بھی۔"

نئی نسل بھلا کس کے قابو میں تھی۔ حمزہ دل مسوس کر رہ گیا۔ اس پر تو دولہا کا ٹھپہ لگ گیا تھا۔ شرافت سے بیٹھے رہنے کا حکم ابو جان نے صادر کیا۔ مگر بعد نکاح جب سب کھانا کھا رہے تھے۔ وہ یمنی کی گانے گاتی سہیلیوں میں شامل ہو ہی گیا۔ ماں کے آنکھیں دکھانے پر معصوم بن کر کہا۔

"میں تو حمنہ اور عاصم بھائی کی شادی کے گانے گا رہا ہوں۔" کھانے کے بعد تصویروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ دولھا دلہن بٹھائے گئے۔ چھوٹے دولھا نے اپنے ساتھ بیٹھی دلہن کو کہنی ماری۔

"تم بھی رخصتی کروالو ناں۔ چچی سے کہو۔"

"تمہاری جو چچی ہیں' جلاد ہیں۔ میری گردن کاٹ دیں گی۔ تم کہو نا۔" شرما کر کہا اور انگلی دانتوں میں دبالی۔

دولہا نے آنکھیں نکالیں۔ "اچھا میری گردن فالتو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ہے کٹوانے کے لیے۔"

"یہ تم کیا کھا رہے ہو۔ کٹر کٹر....."

"چھوہارا ہے۔ کھانا تو ملا نہیں۔ میں وہاں گانے جو لگا تو امی نے کہا سزا ہے تمہاری۔"

"چھوہارا....." دلہن کے حلق سے چیخ نکلی۔ "ہیں؟ مجھے کسی نے چھوہارا کیوں نہیں دیا۔"

"بہت سخت ہیں۔ تمہاری طرح۔" دولہا نے دانت نکالے۔

"آپی تم نے انی.... اے اپنے نکاح کے چھوہارے، کھائے تھے؟ مجھے کیوں نہیں دیے؟"

"چپ رہو۔ سب ادھر دیکھ رہے ہیں۔" حمنہ نے چپکے سے ڈپٹا۔

مگر یمنیٰ ہی کیا جو بال کی کھال نہ نکالے۔ "بڑی امی مجھے چھوہارا کیوں نہیں دیا کسی نے۔"

بڑی امی سے زیادہ قدر دان کون ہوگا۔ جھٹ بیٹے کے ہاتھ پر جھپٹا مار کر چھوہارا برآمد کیا۔

"لے میری بچی۔ کھالے۔"

"امی سے کہو نا، رخصتی بھی کرلیں آج۔" دولہا کی بے قراری عروج پر تھی۔

"بڑی امی نے کہا ہے۔ وہ دو سال بعد بارات لائیں گی دھوم دھام سے پھر ہوگی رخصتی۔"

"اٹینشن پلیز۔ خاموش ہو جائیں۔ تصویریں لینے دیں ورنہ خراب ہو جائیں گی۔" فوٹو گرافر نے ان پر پابندی لگا دی۔ یوں بھی یمنیٰ کو امی کی شعلہ اگلتی آنکھیں نظر آگئی تھیں۔

قسمت کے انوکھے کھیل۔ کون غیب کا علم جانتا ہے۔ وقت بدلتا ہے۔ انسان بدل جاتا ہے۔ ترجیحات بدل جاتی ہیں۔ کس کے نصیب میں کیا ہے۔ سب پردہ غیب میں مستور ہے۔ فضہ جیسی صابر شاکر مگر جسے سسرال سے شکوے بہت تھے۔ وہی سسرال اس کی ڈھال بن گئی۔

حمنہ امریکہ گئی۔ اس نے ایاز کو بلا لیا۔ اس کا وہاں یونیورسٹی میں داخلہ ہوگیا۔

یمنیٰ کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی۔ شہزاد کے گھر کے ساتھ بہت شاندار کوٹھی حمزہ کی تیار ہوئی اسی میں رخصتی ہوئی۔ بھائی جان کا خیال تھا کہ حمزہ بھی امریکہ چلا جائے گا۔ تو یہ نہیں ہوا۔ اس نے ماں باپ کو چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا۔ اس کا اجر بھی ایک بہت اعلا پوسٹ پر تقرری کی صورت میں ملا۔ یمنیٰ نے اپنے گھر کو جنت بنانے میں ماں کی تقلید کی۔ اس کی خوش مزاجی۔ سچائی، اور نیکی نے سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ ایک جانب ماں باپ دوسری جانب ساس سسر، سب کی خدمت میں کوشاں۔

ماہم، چچا بہزاد کے بیٹے سے بیاہ کر کراچی گئی۔ چند سالوں میں بہت سی تبدیلیاں آگئیں۔ حمزہ کی بڑی بہنیں بھی وطن واپس آگئی تھیں۔ انہوں نے باپ کے نزدیک گھر لے لیا۔ وہ بھی یمنیٰ کی عاشق زار۔

سکینہ کی بیٹی.... دوبار شادیوں اور طلاق کے بعد مستقل میکے میں ہے۔ بد زبانی اور بد اخلاقی اس کی سرشت میں تھی۔ کہیں نباہ نہ ہو سکا۔ سکینہ کے شوہر اچانک فوت ہوگئے۔ کاروبار شراکت میں تھا۔ وصیت بھی نہ کر سکے۔ سکینہ کو کچھ نہ ملا۔ پارٹنر سب لے اڑے۔ اب گھر بیچ کر چھوٹا سا گھر لے کر رہ رہی ہے۔

باپ کے بعد زین کو آزادی ملی۔ بری صحبت میں پڑ گیا۔ چھوٹا بھائی کچھ کم عقل، بدھو سا ہے۔ غرضیکہ۔ سکینہ اب بھائیوں کے رحم و کرم پر ہے۔

اماں سب دیکھ رہی ہیں، اور بے بس، مگر اب ان کا مزاج بھی بدل چکا ہے۔ فضہ کے ساتھ رہتی ہیں اور اس کے گن گاتی ہیں۔ فضہ کو بھی اب ان سے کوئی شکایت نہیں۔ شہزاد اور فضہ کی خوشگوار زندگی، حمزہ، یمنیٰ کی محبت۔ جو وہ ساس سسر ماں باپ اور دادی پر لٹاتی رہتی ہے۔ حمزہ بھی چچا، چچی کا خیال رکھتا ہے۔ سب اتحاد اتفاق کی برکت۔ لیکن انسان کم فہم ہے۔ جانتا نہیں جو بویا جاتا ہے۔ وہی کاٹنا پڑتا ہے۔ اور یہی حقیقت ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ایک چٹکی ملکہ

شازیہ الطاف ہاشمی

جمیلہ آپا کیسی تھیں، یہ امر سے زیادہ کون جان سکتا تھا۔ شادی کے پہلے دن جھاڑو پکڑا کر انہوں نے امر کی عزت افزائی کا آغاز کر دیا تھا۔ نئی دلہن کے ہاتھ میں جھاڑو دیکھ کر جہاں محلے کی خواتین نے لبوں میں انگلیاں داب لی تھیں، وہیں امر کو خوش دیکھ کر حیران بھی تھیں۔ روٹی برتن جھاڑو سے لے کر گھر بھر کے کپڑے دھونے تک سے فراغت حاصل کر کے بیٹھنے والی جمیلہ آپا انتہائی زیرک چھوٹے سے قد کی عورت تھیں تو وہیں امر لمبے قد سے لمبے لوگوں کے بے وقوف ہونے کا مقولہ سچ ثابت کرتی نظر آتی تھی دیور کی تنخواہ بھی وہ امر سے چھپ کر گنتیں اسے ہوا تک نہ لگنے دیتیں، بے چاری امر اس میں بھی خوش تھی۔ تھوڑا سا حساب کا سالن اور گن کے دی گئیں دو روٹیاں اسے خود اپنے ہاتھ سے جمیلہ آپا دیتیں۔ رہی ساس تو ساس اور بڑی بہو کی مثالی دوستی ایسی کہ نہ سنی نہ دیکھی، دونوں ٹاہلی کے درخت تلے ٹھٹھا مار کے ہنستیں تو امر بھی ہنسی میں خود بہ خود شریک ہو جاتی۔ دیور دفتر سے آکر لکڑیاں کاٹتا اور امر پھلکے بنانے میں تیز۔ کیا غضب کا جوڑ تھا جو جمیلہ آپا کی منظوری کے بعد وجود میں آیا تھا۔ گھر بھر میں جھاڑو پونچھا کرنا اور شام میں بچے پڑھانا بھی امر کے ذمے تھا، گھر کے بچے تھے اور اپنی چاچی تھی، کیا فرق پڑتا تھا۔ بچوں سے فراغت کے بعد چائے بنانی ہوتی پھر ساس اور جیٹھانی بچے کو گود میں دبائے امر کے کمرے میں محفل جما لیتیں۔ گاؤں کے قصے گڑ، تمباکو، گنے کے کھیت، گاجر، مولیاں، تازہ دودھ، گوشت، پنجیریاں، مربے اور آج کے دور کی خرافات، امر ساتھ دیتی جاتی، رات بیتتی جاتی، محفل ہنوز گرم بلکہ گرم تر، ساس کا جوش خروش بڑھتا ہی چلا جاتا اور جمیلہ آپا تابعداری سے سنے جاتیں، وہ سنائے جاتیں اور اور خود امر زور زور سے سر ہلاتی، برادری کے گلے شکوے میں برابر کا ساتھ دیتی۔ کولڈ ڈرنک تک بات آتے آتے گھڑی رات کے ڈھائی بجاتی اور احمد پہلے سو جاتا۔ امر نیند میں جھولا جھولنے لگتی بلکہ بے دم ہو کر گر جاتی تو ساس معذرت کرتی جمیلہ آپا کو لیے رخصت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ہوتیں کہ "بھئی اب سو جاؤ رات بہت ہو گئی۔ صبح ناشتے کے لیے جلدی اٹھ جانا تیرا بابا جلدی مچا دیتا ہے۔" جاتے جاتے بھی وہ نصیحت کرنا نہیں بھولتیں۔ امی روز فون کر کے پوچھتیں' نصیحتیں کرتیں اور اسے مطمئن پا کر فون رکھ دیتیں۔ احمد اور امر دن کے وقت بات کرنے کا کوئی لمحہ ہرگز نہیں پا سکتے تھے اگر جو کبھی وہ اکٹھے پائے جاتے ماں جی فوراً" اسے مصروف کر دیتیں' چاول لے آؤ' گوشت لے آؤ' ٹانگیں دبا دو۔

اس گھر میں کام سو بندے کا تھا اور امر اکیلی بچاری کیا کیا کرتی۔ احمد کو کسی کام سے لاہور بہن کے گھر جانا پڑا نئی نویلی دلہن چھوڑ کر گیا تھا بے تاب ہو کر فون کیا تو جمیلہ آپا نے فون اسے پکڑانے کے بجائے ساس کو تھما دیا کہ احمد اپنی ماں سے بات کرنا چاہتا ہے حالانکہ وہ سن چکی تھی کہ اسے امر سے بات کرنا تھی۔ جمیلہ آپا فون اماں کو تھما کر اسے چاولوں کی صفائی پر لگا گئیں اور امر ہونقوں کی طرح تکتی رہ گئی احمد اب اماں جی سے بات کر رہا تھا اور وہ سن رہی تھی۔

دل کو کچھ کھٹکا سا ضرور تھا احمد نے اسی سے بات کرنی تھی مگر جمیلہ آپا نے فون اماں کو دیا تھا وہ جتنی بھی بیوقوف ہوتی یا بنائی جاتی محبت کو سمجھتی تھی اس محبت کو جو شوہر اور بیوی کے درمیان روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ دونوں بہت کم باتیں کر سکتے تھے مگر دل کی لگن سچی تھی' تڑپ حقیقی تھی جو احمد کو راتوں رات بڑی بہن کے سنہری جال سے نکال لے آئی تھی۔

آپا ماہم کی باتیں جتنی بھی چکنی چپڑی ہوتیں اس میں امر کہیں نہیں تھی۔ وہ اکتا کر بھاگ نکلا تھا دولہا بھائی کی کام چوری احمد کے سوا کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ بھائی اور تابعدار بھائی اگر بیوی کی محبت میں گرفتار ہو جائے اور اسے فقط بیوی نظر آنے لگے تو ان ہی حالات سے بچنے کے لیے انہوں نے بہتیرے جال بچھائے تھے۔ بڑے بھائی اور جمیلہ آپا کی زندگی کا دارومدار اسی پر تھا۔

"نحوست چھا گئی ہے اس گھر پر۔" جیٹھ بیٹھے بیٹھے چلانے لگا تھا امر چولہے پر روٹیاں پکانے بیٹھی تھی۔

تنخواہ میں سے پورے دو ہزار کم تھے اور وہ دو ہزار احمد نے امر پر خرچ کیے تھے۔ اس کے دو جوڑے گرمی کے اور ہوائی چپل۔ ورنہ وہ تو وہ بھی لینے کی روادار نہیں تھی' جیسی سب روکھی سوکھی کھا کر پہن کر جی رہے تھے' بے چاری امر دل و جان سے ان کے ساتھ جینا چاہتی تھی مگر احمد کو احساس تھا اور نجانے کیسے ہوا تھا کہ وہ اسے کسی طرح برتنوں اور باتوں کے جال سے نکال لے گیا تھا اور اپنی پسند کے دو سوٹ سلوائے تھے اور وہیں جیٹھ کو نحوست کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ کھٹک گیا تھا' ماں کے دیئے تسلی دلاسے بہلاوے شادی کے بعد نہ بدلنے کی قسمیں غرض سارے ناکام ہوتے نظر آتے تھے۔ آج دو ہزار نکلے تھے وہ بھی پوچھے۔ بغیر کل دس ہزار خرچ کر ڈالے تو کون کہنے والا تھا خود کماتا تھا' بیوی تھی خرچ کر لیے' ہر طرف نحوست نے ڈیرے ڈالے تھے ساس' جمیلہ اور جیٹھ کے چہرے تلخی سے اٹ گئے تھے' سب اگلے قدم پر غور کر رہے تھے مگر جیٹھ ذرا بے صبرا واقع ہوا تھا' وہ چپ رہنے والا نہیں تھا۔

امر نے جلدی سے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا تھا تاکہ نحوست کے سائے جلد از جلد چھٹ نکلیں۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اصل نحوست تو وہ خود تھی اور خود ہی نحوست دور کرنے کی تدبیر کر رہی تھی۔ منحوس نہ ہو تو۔ زندگی دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔ ساس اور جٹھانی جمیلہ کے گٹھ جوڑ نے احمد اور امر کو حتی المقدور دور رکھا تھا مگر دور رہ کر بھی الجھ کر بھی وہ کتنے قریب تھے کون جانے۔ آہستہ آہستہ کام کرتے وہ تھکنے لگی۔ اس کی زندگی میں کسی کی آمد کی نوید تھی۔ وہ کمزور ہونے لگی تھی' کام کے دباؤ اور ساس اور جٹھانی کے تلخ رویے کی وجہ سے بھی وہ پریشان تھی۔ آہستہ آہستہ گھر کے کام بٹ گئے' برتن چونکہ ایک بڑا ڈھیر ہوتا اس لیے وہ امر کے ذمے جھاڑو جمیلہ آپا کے ذمے۔ امر کی ایمان داری اور جی لگا کے کام کرنے کی وجہ سے برتن صاف ستھرے چمکدار اور آدھے وقت میں دھل دھلا کر اپنی جگہ پر پہنچ جاتے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

لگے۔ جمیلہ آپا نے آسان کام سمجھ کر اسے برتنوں سے ہٹادیا اور جھاڑو پکڑادی۔ ان کے بچے بے حد بدتمیز اور گندے تھے جو بڑے بڑے قد نکالے نندیدے پن کی آخری حدوں کو چھوتے بچوں جیسی حرکتیں کرتے تھے۔ امر کے لیے انہیں روکنا اور گھر صاف رکھنا مشکل تھا کیونکہ جمیلہ اپنے بچوں کے معاملے میں کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کرتی تھیں۔ جو جہاں ہے جو کر رہا ہے کرنے دو۔ ان کے بچے تک امر سے خائف تھے وہ کیوں یہاں آگئی تھی کب جائے گی۔ اور تو اور انہیں چاچو اور امر ساتھ اچھے بھی نہیں لگتے تھے وہ بے حد بدتمیز اور بدزبان بچے تھے۔

وہ بے خبر تھی مگر اتنی بے خبر نہیں تھی کہ نہا کر نکلے تو کپڑے غائب، کنگھی کرنے لگے تو کنگھی نہ ملے نہانے جائے تو پانی بند۔ وہ میلی کچیلی رہنے لگی اور غور کرنے لگی، نہ چاہتے ہوئے بھی کہ یہ کام جمیلہ آپا اور ساس کا ہی تھا وہ دونوں اسے صاف بھی نہیں رہنے دینا چاہتی تھیں اسے یقین نہیں آتا تھا کہ بوڑھا جھریوں بھرا چہرہ سفید بالوں سمیت یہ گھٹیا حرکت بھی کر سکتا تھا۔ احمد اسے سو پچاس دینے لگا تھا جمیلہ آپا وہ پیسے غائب کرنے لگی تھیں جمیلہ آپا اور ان کے بچے یہ کام اس قدر صفائی سے کرتے کہ اسے خبر بھی نہ ہوتی جو ایک دن وہ خود نہ دیکھ لیتی۔ اس بات پر وہ واویلا کرتی مگر جمیلہ آپا زور زور سے بولنا شروع ہو گئی تھیں۔

امر ماں بننے والی تھی ظاہر ہے کہ خرچا بڑھ گیا تھا۔ ساس اور جمیلہ اس مسئلے کے توڑ کا سوچنے میں مصروف تھیں۔

اسے پتا تھا وہ جان چکی تھی کہ جمیلہ آپا کی قناعت پسندی کے پیچھے چھپی اصل صورت کتنی بھیانک ہے۔ اس گھٹیا عورت کی سوچ جوتی سے شروع ہو کر جوتی پر ہی ختم ہوتی تھی۔ وہ دیور پر قبضہ کر کے اسے گھر میں ہی بے حیثیت کر دینا چاہتی تھیں، ہر مشکل اور الجھا ہوا کام وہ امر کے حوالے کرتیں اور دیکھتیں کہ اسے کون سا کام کرنا برا لگ رہا ہے۔ کس کام کو کرنے میں اسے مشکل درپیش آرہی ہے۔ وہ سارے کام کر رہی تھی۔

وقت گزر رہا تھا مگر اسے جمیلہ آپا کی شکل سے نفرت ہو گئی تھی اور ساس کے ٹسوے اپنی حقیقت آپ بیان کرتے تھے وہ نکمے بیٹے کو چھوٹے بیٹے کی زندگی میں کعبہ بنا کر رکھنا چاہتی تھیں ایسا شخص جو کھائے بھی اور کسی کا احسان بھی نہ رکھے جو صرف کھانے اور رعب ڈالنے یا پھر دوسرے بہن بھائیوں کا خون چوسنے کے لیے پیدا ہوا تھا انہیں سب سے بری امر لگتی تھی کیونکہ اسی نے احمد کی کمائی اور اس کی توجہ بانٹی تھی اور جمیلہ آپا جو شوہر کو ہمیشہ بیساکھیوں پر چلاتی آئی تھیں، یہ بیساکھیاں کسی طرح چھیننے نہیں دینا چاہتی تھیں وہ ہر صورت امر کو راستے سے ہٹانا چاہتی تھی مگر امر اس راستے میں ایک اور کو بھی لے آئی تھی اپنی پیاری بیٹی نیلم کو۔

وہ اور نیلم اب دو تھے اسے نیلم سہارا لگی تھی اور ساس اور جمیلہ نے نیلم کو اپنے قبضے میں کرنے کا سوچا تھا۔ نیلم تائی کے پاس سوئے گی دادی سے کھانا کھائے گی تو امر جو ان کی خباثت کو فطری محبت سمجھتی اور کیا کرے۔ سارا دن۔ اس کی بیٹی اس سے دور کی جانے لگی تھی اتنا تو اسے پتا چل گیا تھا کہ یہ محبت نہیں تھی اسے بے دخل کیا جا رہا تھا۔

زندگی چھوٹے کم ظرف لوگوں کے بغیر کتنی آسان تھی یہ احمد اور امر دونوں کو ہی پتا چل گیا تھا مگر کہا کسی نے نہیں۔ کتنے دن یوں ہی گزر گئے تھے۔ ایک دن جمیلہ آپا اور غفران بھائی چلے آئے تھے اور ان کا اصرار تھا کہ انہیں واپس چلنا چاہیے مگر احمد نے انہیں کسی نہ کسی طرح قائل کر ہی لیا تھا۔ وہ شہد میں ڈوبے نشتر لے کر واپس چلے گئے تھے۔ کچھ رشتے کتنے بڑے بوجھ میں بدل جاتے ہیں ناں جو کسی طرح قابل قبول رہتے ہی نہیں۔ کاش وہ دوسروں کے ساتھ جینا سیکھ جاتے۔ خود جیتے اور دوسروں کو بھی جینے دیتے ان کے پورے حقوق کے ساتھ امر نے سوچا اور دروازہ بند کر دیا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ناولٹ

گھر میں اک ہنگامہ برپا تھا کیا بڑے کیا چھوٹے سب ہی باتیں کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بول بول کر تھک جاتے تو کھانے پر ٹوٹ پڑتے۔ ادھر سے فارغ ہوتے تو پھر ہلا گلا گفتگو۔ کل دس کلو چینی کوکنگ آئل کا ڈبہ اور چائے کی پتی کا میڈیم سائز منگوایا تھا اور آج برکتے کہہ رہی تھی۔

"شباب میاں! سب ختم ہو چکا ہے بیگم صاحبہ سے پیسے لو اور ایک چکر بازار کا لگا آؤ۔"

"باسی جی! آپ کو بھی اس بھرے پرے گھر میں ایک میں ہی فارغ نظر آتا ہوں۔"

کرایا اور تاب نہ لا کر فرزند ارجمند کی حسین گہری براؤن آنکھیں جھکتی چلی گئیں اور دل ہی دل میں خود کو ملامت کا سلسلہ جاری کیا کہ کیوں نہ بکواس کرنے سے پہلے حاضرین پر ایک نگاہ ڈال کر تسلی کر لی۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

"کیوں میاں صاحبزادے! تم کیا کنواں کھودنے پر لگا دیے گئے ہو؟"

"نہیں تو ابو جان!" ہونٹوں پر زبردستی کی مسکراہٹ سجا کر انہوں نے پرزور انداز میں تردید کی۔

"پھر کیا ہل چلانے پر لگائے گئے ہو؟"

"اوہ نہیں نہیں، وہ تو جی میں یونہی مذاق کر رہا تھا امی

نمرہ بخاری

وہ صبح سے احکامات کی تعمیل میں مصروف تھا۔ اب جو ایک گزارش غریب ماسی برکتے نے بھی کر دی تو چڑ گیا۔ برکتے نے سوچا۔ اس سے کہنا بے کار ہے، کبھی نہیں مانے گا، جا کر کہتی ہوں، اس کے والد بڑے صاحب سے۔ بس پھر تو شباب صاحب سر کے بل بازار جائیں گے۔

"اف توبہ! یہ رخشی کی شادی ہے یا قیامت۔ سچ میرا تو دماغ گھوم کر رہ گیا ہے۔" یہ ڈائیلاگ ادا کرتے ہوئے شباب صاحب کو یہ بالکل علم نہیں ہو سکا تھا کہ ابا حضور بھی کچھ ہی فاصلے پر تشریف فرما ہیں اور جناب کا ادا کیا جھنجلاہٹ سے بھرپور فقرہ ان کی حساس سماعت کو چھو چکا ہے۔ بات علم میں تب ہی آئی جب انہوں نے ڈرامائی انداز میں سامنے آ کر رخ روشن کا دیدار

جان سے۔"

"خوب بہت خوب، تو ماں سے مذاق ہو رہا ہے۔ یہی احترام رہ گیا ہے تمہاری نظر میں بزرگوں کا۔ ہم نے تو اپنی اماں سے کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی اور ادھر دیکھیے سے مذاق ہو رہا ہے۔"

"چھوڑیے بھی، اب جانے دیجیے۔ بچہ ہے ابھی اور پھر سارے کام بلا چوں چرا کر رہا ہے۔" آخر امی کی مامتا جاگ اٹھی اور باپ بیٹے کے درمیان آ گئی۔

"اگر یہ کوئی کام کر رہا ہے تو احسان نہیں ہے ہم پر۔ یہ سب کچھ کرنا اس کا فرض بنتا ہے۔ رخشی میرے چھوٹے بھائی کی بیٹی ہے اور یہ نالائق میرا بیٹا ہونے کے ناتے یہ سب کام سنبھالنے کا ذمہ دار ہے۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

"ثیاب او ثیاب بیٹا!" چھوٹی پھوپھو کی آواز اس وقت سارے جہان کی آواز سے بہتر لگ رہی تھی' سنتے ہی بھاگا اور جا کر ان کے سامنے حاضر ہوا۔

"بیٹے! تمہاری بڑی پھوپھو کا فون آیا ہے۔ وہ آج شام سرگودھا ایکسپریس سے آ رہی ہیں۔ تم اسٹیشن چلے جانا۔"

"توبہ! ابھی سے یہ مصیبت رشتہ دار آنے شروع ہو گئے ہیں۔ ابھی تو شادی میں اتنے دن باقی ہیں اور یہ بڑی پھوپھو' ان کی بیٹیاں تو انتہائی کام چور' جھگڑالو اور ندیدی ہیں۔ اللہ رحم کرے۔" کیونکہ پریشانی کا اظہار جی ہی جی میں ہو رہا تھا' اس لیے چھوٹی پھوپھو بے خبر تھیں اور کہہ رہی تھیں۔

"بیٹا! کل صبح چار بجے خالہ سکینہ بھی آ رہی ہیں۔ ٹائم یاد رکھنا' کہیں وہ اسٹیشن پر انتظار کرتی ہی نہ رہ جائیں اور میرے ماموں رزاق کل شام کو پہنچ رہے ہیں۔ تم چھ بجے ایئرپورٹ چلے جانا۔"

"جی لے آؤں گا سب کو' ویسے کیا یہ سب ایسے چنے منے ہیں کہ خود گھر تک نہیں آسکتے۔"

"اے ہے بیٹے! مہمانوں سے بھرا گھر ہے' ایسی باتیں نہ کرو' کسی نے سن لیا تو برا ہو گا۔"

"کیا ہوا ثریا! تم اتنی دیر سے کیا سمجھا رہی ہو' اس نالائق کو۔" والد صاحب چلے آئے۔

"کچھ نہیں اختر بھائی! وہ دراصل بڑی آپا' خالہ سکینہ اور ماموں رزاق آ رہے ہیں تو میں کہہ رہی تھی کہ تم ٹائم پر لینے چلے جانا۔"

"ہوں! جب ہی نواب صاحب کا موڈ بگڑا ہوا ہے۔ صاحبزادے! یہ ہم پر کوئی احسان نہیں ہے۔ نہیں لینے جانا تو مت جاؤ۔ ہم خود ریسیو کر لیں گے۔"

"نہیں نہیں ابو جان! میں تو بالکل تیار ہوں۔" جھٹ سے کہنا پڑا کہ اب اگر ابو چلے جاتے تو پھر ساری عمر بخشش ممکن نہیں تھی۔

"اب چل کہاں پڑے۔ یہ لسٹ پکڑو اور بازار جا کر یہ چیزیں خرید لاؤ۔" انہوں نے لمبا سا کاغذ اسے تھماتے ہوئے کہا۔

"بھائی صاحب! یہ کاغذ آپ قادر بخش کو دیں' وہ لیتا آئے گا۔" ثریا پھوپھو بھتیجے کو کئی روز سے ادھر سے ادھر چکراتے دیکھ رہی تھیں' مارے ہمدردی کے بول اٹھیں۔

"مجھے ملازموں پر بھروسا نہیں ہے۔" وہ اتنا کہہ کر چل پڑے۔ ثیاب جلا بھنا ہاتھ میں لسٹ پکڑے اپنے کمرے میں کپڑے بدلنے کے لیے چلا آیا۔ دیکھا تو اس کے بیڈ پر رخشی صاحبہ براجمان ہیں۔ اور آٹھ آٹھ آنسو بہائے جا رہے ہیں۔

"جہاں تک میرا خیال ہے' ابھی تمہاری رخصتی میں پورا ایک ہفتہ باقی ہے۔"

موڈ خوشگوار رہنا کر وہ سامنے ٹک گیا۔ آنسو تواتر سے بہتے رہے۔ یہ تھمنے کا انتظار کرتا رہا مگر جب دیکھا کہ امکان نہیں تو پوچھ لیا۔ جواب میں ہچکیوں کے درمیان آج کا تازہ اخبار اسے پکڑا دیا۔ ثیاب نے سامنے والی خبر پر نظر دوڑائی۔ خبر تھی۔

"دولہا فراڈ ثابت ہوا۔ لاکھوں کا جہیز لے کر فرار ہو گیا۔ دلہن صبح بے ہوش پائی گئی۔"

"ہاں واقعی! اچھی خاصی افسوس ناک خبر ہے۔" اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہائے ثیاب! اگر میرے ساتھ بھی ایسا ہوا تو پھر؟" خدشے زبان پر آ گئے۔

"تمہارے منہ میں خاک' لڑکی! یہ کیا بک رہی ہو۔"

"ہو بھی تو سکتا ہے۔" آنسو دوپٹے میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"تم کوئی اچھی بات نہیں سوچ سکتیں۔"

"کیسے سوچوں اچھی بات' کتنا کہا تھا آپی جان سے' اچھی طرح چھان بین کر لیں' ابھی شادی نہ کریں۔ کم از کم ایک سال کی مہلت تو دیں۔ فائنل ایئر ہے میرا مگر سنتا کون ہے۔"

"اچھا تمہارا مطلب ہے کہ ایک سال چھان بین میں لگا دیتے۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"میں نے کب کہا ہے ایک سال لگانے کو' مگر رشتہ کرنے کے بعد شادی ایک سال تک روکی جاسکتی تھی۔"

"اچھا بس اب چپ کر جاؤ' اگر میرے ابو حضور نے سن لیا تو تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ سارا الزام میرے سر آجائے گا کہ ان کی بھتیجی کو ورغلا رہا تھا۔"

"نہیں' ویسے شاب! تم بتاؤ۔ دیکھنے میں وہ لوگ کیسے لگتے ہیں۔"

"اوئے ہوئے کوئی ایسے ویسے۔ حسن تو جیسے ڈل ڈل پڑتا ہے جدھر دیکھتے ہیں' جادو سا کر دیتے ہیں۔"

"مذاق مت کرو۔ پلیز مجھے تسلی دو۔"

"میں ضرور تمہیں تسلی بلکہ تسلیاں دیتا مگر افسوس میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ بڑے کام ہیں میرے سر پر۔"

"شاب بھیا!" کمرے سے باہر نکلا تو رخشی کی چھوٹی بہن حرا نے پکارا' وہ سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

ناصر بھائی کا فون آیا ہے۔ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"اف! ایک تو یہ ناصر آج کل میرے لیے مصیبت بن گیا ہے۔ کتنی بار کہہ چکا ہوں۔ سارے کام اپنے ہاتھوں سے کر رہا ہوں۔ کوئی کسر نہیں چھوڑی جارہی۔ خود تو جناب لندن جا بیٹھے ہیں اور میری جان کھائی ہوئی ہے۔"

وہ تیزی سے فون کی طرف جھپٹا اور پھاڑ کھانے والے انداز میں مخاطب ہوا۔

"اتنے غصے میں کیوں ہو؟" جناب ناصر نے حیرت سے فرمایا۔

"تم بتاؤ فون کیوں کیا ہے؟"

"بس یار! بہن کی جدائی کے خیال سے پریشان ہو رہا ہوں۔"

"جی جی بالکل' آپ پریشان نہیں ہوں گے تو اور کون ہو گا۔ آخر پچھلے دو برس سے آپ سائے کی طرح بہن کے ساتھ ساتھ رہے ہیں۔" ناصر پچھلے دو برس سے لندن میں تھا۔

"یہ طنز کا وقت نہیں ہے۔ میرے اچھے بھیا! بس تم سے یہ کہنا ہے کہ۔"

"کہ میں رخشی کی شادی پر انتظامات کی طرف خاص توجہ دوں اور کسی کو شکایت کا موقع ہرگز نہ دوں اور رخصتی کے وقت بہن کو سینے سے لگا کر دعاؤں کے سائے میں رخصت کروں۔"

"ارے! تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہ سب کہنے والا ہوں۔" ناصر نے بے حد حیران ہو کر دریافت کیا۔

"ان چند دنوں کی بھاگ دوڑ نے میری چھٹی' ساتویں بلکہ آٹھویں حس بھی بیدار کر دی ہے' کمینہ پوچھ رہا ہے کیسے پتا چلا' ارے گھامڑ! اتنے دنوں سے تو بار بار فون کر رہا ہے اور یہی ڈائیلاگ ادا کر رہا ہے۔ اب تو مجھے زبانی یاد ہو گئے ہیں۔"

"صرف یاد ہی نہیں رکھنے بلکہ عمل بھی کرنا ہے ان باتوں پر۔"

"پتا ہے مجھے' اور خبردار جو اب فون کیا۔"

حسن چچا یعنی رخشی کے والد سے گاڑی کی چابی لی اور بازار چلا آیا' سوچا کہ خوب دیر لگا کر واپس آؤں گا۔ تاکہ کچھ دیر تو ان بھانت بھانت کی بولیوں اور کاموں سے جان چھوٹے۔

☆ ☆ ☆

اختر علی اور حسن علی اوپر تلے کے بھائی تھے مگر اختر علی رعب یوں ڈالتے چھوٹے بھائی پر جیسے ابا لگتے ہوں۔ دونوں بہنیں طاہرہ اور ثریا بھی اپنے بڑے بھائی کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں رکھتی تھیں۔ وہ شروع ہی سے تیز مزاج واقع ہوئے تھے۔ شاب کی امی بے چاری ہر بات کئی مرتبہ سوچ کر بولتیں مگر پھر بھی وہ کسی نہ کسی بات کو بنیاد بنا کر ہنگامہ کھڑا کیے ہی رکھتے۔ دو بچے تھے۔ بڑی نازیہ جس کی شادی سے فارغ ہو چکے تھے اور اس سے چھوٹا شاب جو ہمیشہ باپ کے عتاب کا شکار ہوتا تھا۔ حسن علی کے تین بچے تھے' ناصر' رخشی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اور حرا' بیوی کی وفات کے بعد وہ بچوں کو بڑے بھائی کے اصرار پر ان کے ہاں لے آئے تھے کہ رخشی اس وقت چھوٹی تھی گھر داری سے ناواقف اور یوں سخت مشکل پیش آرہی تھی۔ ثیاب کی امی کی یہ دلی خواہش تھی کہ رخشی ثیاب کی دلہن بنے۔ خود رخشی کے والد بھی یہی چاہتے تھے مگر ابھی چند ماہ پہلے کچھ خواتین نے ایک تقریب میں رخشی کو دیکھا اور رشتہ لے کر آ گئیں۔ لڑکا اچھی پوسٹ پر تھا اور وہ لوگ اصرار بھی بہت کر رہے تھے۔ حسن علی نے ساری بات بڑے بھائی کے سامنے رکھ دی۔

"اگر اچھے لوگ ہیں تو پھر ہاں کرنے میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔" انہوں نے فیصلہ سنا دیا۔

ثیاب کی امی نے شوہر کے سامنے دبی زبان میں ثیاب کی بات کی' اور حسن علی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی مگر وہ تو سنتے ہی بھڑک اٹھے۔ صاف کہہ دیا۔

"بے شک ثیاب میرا بیٹا ہے مگر رخشی مجھے اس سے زیادہ پیاری ہے۔ میں بچی پر یہ ظلم ہرگز نہیں کر سکتا۔ وہ آوارہ' کاہل' باتونی لڑکا۔ نہ کام کا نہ کاج کا۔ رخشی کو جان بوجھ کر کنویں میں دھکا نہیں دے سکتا۔ کتنا کہا تھا اس لڑکے سے۔ بہت پڑھائی ہو گئی۔ اب گاؤں جا کر دادا کی زمینیں سنبھالو' میں اور حسن تو شہر میں مصروف رہتے ہیں۔ تم ہی دادا کی روح کو خوش کر دو مگر اس ناہنجار کو بزرگوں سے محبت ہی کب رہی ہے۔ اپنی مرضی چلائی اور لے لیا ٹیکسٹائل انجینئرنگ میں داخلہ' چلا لے اپنی مرضی' بے شک ساری عمر پڑھتا رہے مگر دیکھ لینا باپ کی بات ٹھکرانے والا زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔ حسن علی! تم میرے اس شیخ چلی بیٹے کی بات چھوڑو اور اس رشتے کے لیے ہاں کر دو۔"

اور یوں اچانک یہ رشتہ طے ہوا اور پھر بہت جلد ہی شادی کی تاریخ بھی رکھ دی گئی۔ چچا کی صحت کچھ بہتر نہیں رہتی تھی۔ زیادہ کام کر نہیں سکتے تھے۔ ناصر لندن میں بیٹھا صرف ہدایات جاری کر سکتا تھا اور خوب کر رہا تھا جبکہ ابا حضور خوب صحت مند' توانا ہونے کے باوجود احکامات جاری کرنے کو بہتر سمجھتے تھے۔ باقی ایک ثیاب ہی بچتا تھا اور اس کی شامت ہی آگئی تھی۔ ابھی ایک کام پورا نہیں ہوتا تھا کہ ابا جان دوسرے کا حکم دے ڈالتے تھے ذرا جو دیر ہو جاتی تو اتنے لوگوں کے سامنے ڈانٹ پڑتی اور کیے کرائے پر منٹوں میں پانی پھیر کر رکھ دیتے۔

☆ ☆ ☆

ابو کے غصے سے نہ صرف یہ کہ گھر کے لوگ گھبراتے تھے بلکہ خاندان کے دوسرے لوگ بھی پناہ مانگتے تھے۔ کئی ایک رشتہ داروں سے صرف ان ہی کی وجہ سے بول چال بند تھی اب چونکہ بیٹی کی شادی کا موقع تھا تو امی اور پھوپھو کا خیال تھا کہ روٹھے ہوئے عزیز و اقارب کو منانا ضروری ہے۔ دونوں ہمت کر کے ابا حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ڈرتے ڈرتے اپنے اس خیال کا اظہار کیا۔ خلاف توقع چپ سے ہو گئے۔ کچھ دیر بعد بولے۔

"کہہ تو آپ دونوں ٹھیک ہی رہی ہیں مگر میں کسی کو منانے ہرگز نہیں جاؤں گا اگر میں چلا گیا تو یہ نکمے نکمے کے لوگ مزید اکڑ جائیں گے۔"

"پھر کون جائے گا بھائی صاحب؟" چھوٹی پھوپھو بولیں۔

"میرا خیال ہے' حسن علی کے ساتھ ثیاب کو بھیج دو۔ اس طرح میری نمائندگی بھی ہو جائے گی اور یہ ثیاب ہے کہاں؟ کافی دیر سے مجھے نظر نہیں آیا۔ ضرور کمرے میں پڑا سو رہا ہو گا۔"

"نہیں نہیں۔ وہ تو بازار گیا ہے۔"

"کیا کہا بازار' یعنی ابھی تک وہ بازار سے ہی نہیں لوٹا۔ میں کہتا ہوں فہمیدہ بیگم! تمہارا یہ لاڈلا اگر یونہی سست اور کاہل رہا تو ناک کٹا کر رکھ دے گا سارے خاندان میں ہماری۔"

"اتنا سعادت مند اور اچھا بیٹا ہے ہمارا' آپ دیکھ لیجئے گا بھائی صاحب! ایک روز نام روشن کرے گا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

خاندان کا۔"

"ہاں یہ تو صاحب زادے کے لچھن ابھی سے بتا رہے ہیں۔" انہوں نے منہ بنا کر نہایت طنزیہ انداز میں فرمایا۔

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ ثیاب ڈھیروں پیکٹ اور تھیلے اٹھائے لاؤنج میں داخل ہوا۔

"کہاں رہ گئے تھے نالائق؟" اختر علی نے ان الفاظ کے ساتھ استقبال کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتا۔ پھوپھو کہنے لگیں۔

"بیٹے! تم نے ناشتا کرلیا ہے یا ابھی تک یونہی پھر رہے ہو؟"

"کرلیا تھا پھوپھو!" وہ آہستگی سے بولا اور والد صاحب فرمانے لگے۔

"ہاں بھلا' یہ ناشتے کے بغیر رہ سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے' اس نے سب سے پہلے کیا ہوگا اور حسن علی! تم کہاں غائب ہو صبح سے' ایسی لاپروائی اچھی نہیں۔ بیٹی کی شادی ہے' ذرا ہوش میں رہو۔"

"جی جی بھائی صاحب! میں تو ہوش میں ہوں۔" وہ بے چارے اس اچانک یلغار پر گھبرا گئے۔

"اچھے ہوش میں ہو بھئی' میلے کپڑے' بکھرے بال' ارے بھئی لوگ آتے جاتے ہیں۔ کچھ تو حلیہ ٹھیک رکھو اور سنو۔ آج تمہیں اپنے اس بھتیجے کے ساتھ ان تمام رشتہ داروں کو منانے جانا ہے' جو ہم سے ناراض ہیں۔"

"کس وقت بھائی صاحب؟" حسن علی نے تو بڑے بھائی کی کوئی بات ٹالنا سیکھا ہی نہیں تھا۔

"جب فرصت ملے چلے جانا۔ جی تو نہیں چاہ رہا ان بدخواہوں کو منانے کا مگر مجبوری ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر راضی کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"ٹھیک ہے بھائی صاحب! ہم دونوں آج شام کو چلے چلیں گے۔"

"مگر آج شام تو بڑی آپا آرہی ہیں اور ثیاب کو انہیں لینے اسٹیشن جانا ہے۔"

"اوہو! ایک تو طاہرہ نے ہر کام غلط وقت پر کیا ہے۔ اب آج ہی آنا کیا ضروری تھا۔" ابو جھلا گئے۔

"پھر بھائی صاحب! ہم کل صبح چلے جائیں گے۔"

"کل خالہ سکینہ آرہی ہیں۔" چھوٹی پھوپھو نے اب کے دبے دبے انداز میں یاد دلایا۔

"اوہ تو پھر یہی ہو سکتا ہے کہ طاہرہ کو لینے میں اسٹیشن چلا جاؤں اور صاحبزادے اپنے چچا کے ساتھ چلے جائیں۔"

"جی' آپ کی تجویز بہت اچھی ہے۔" امی نے خوشامد کی۔

"یہ لڑکیاں کہاں سو گئی ہیں' ان سے کہو' کچھ صفائی ہی کرلیں۔ کیسا گندا پڑا ہے گھر اور صاحبزادے! تم نے بھی سارا سامان لا کر یہاں ڈھیر کردیا۔ بھلا' یہ جگہ ہے تھیلے رکھنے کی۔ کچن میں لے جاؤ یہ سب۔"

ابھی ابا حضور کچھ اور بھی کہنے لگے تھے کہ مہمانوں کی ایک فوج رنگ برنگی بولیاں بولتی ادھر چلی آئی اور ان کی بات دل ہی میں رہ گئی۔

وہ گہرا سانس لے کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ کمرے سے نازیہ آپی وغیرہ کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس نے جھانک کر دیکھا اور کمرے میں نازیہ آپی کے ساتھ ساتھ حرا' چھوٹی پھوپھو کی سعدیہ اور رخشی کو موجود پایا۔

"کیا سازش ہو رہی ہے؟" اتنی تھکن کے باوجود اس کا لہجہ خوش گوار تھا۔

"رخشی باجی رو رہی ہیں۔" حرا نے اپنے آنسو روکتے ہوئے اطلاع دی۔

"اسے رونے کے علاوہ کوئی کام جو نہیں ہے' ہمیں

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---------- رابیل

میک اپ ---- سلیک بائی عینی

فوٹو گرافی ---------- ایم۔کاشف

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

دیکھو' سارا دن ادھر سے ادھر کاموں میں گزر جاتا ہے۔ مرنے کی فرصت بھی نہیں ہے۔" یہ کہتے ہوئے صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

"اپنا گھر چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔ اپنے پیاروں کو چھوڑ کر غیروں سے ناتا جوڑنا ہوتا ہے اور یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کیسا برتاؤ ہو گا۔ ہم لڑکیوں کی بڑی مجبوریاں' بڑی پریشانیاں ہوتی ہیں۔ تم مرد تو ہمیشہ فائدے میں رہتے ہو' اسی لیے تو تمہیں عورت کے دکھوں کا اندازہ نہیں ہوتا۔ بات بات پر شاک لگاتے ہو۔ ہم کچھ بھی کر لیں' تمہیں قدر نہیں ہوتی۔" آپی نے اچھا خاصا لتاڑا

آپا! میں نے کس پر ظلم کیا ہے' کس کے جذبوں کی قدر نہیں کی' یہ سب آپ مجھے کیوں سنا رہی ہیں۔"

"نہیں کیا تو کر لو گے۔ آخر ایک نہ ایک دن شادی تو تمہاری ہونی ہے۔" نازیہ آپی پر بھی کچھ کچھ ابو کا اثر تھا۔ وہ ہنس پڑا کہا کچھ نہیں۔

"اب شاب بھائی کی بھی شادی ہو جانی چاہیے۔" سعدیہ کو اچانک جانے کیا سوجھی۔

"ہاں' بالکل ہو جانی چاہیے اور یاد رکھنا رخشی! اپنی شادی پر سارا کام تم سے کرواؤں گا۔"

"تو اگر کام کر رہے ہو تو احسان تھوڑی ہے۔"

"اوہو آپی! میں نے کب احسان جتایا' میں تو بس یہ بتا رہا تھا کہ جوڑ جوڑ دکھنے لگا ہے' آہ ذرا سر ہی دبا دیں۔"

"سیدھے ہو کر بیٹھو' میری کمر میں پہلے ہی بڑا درد ہے۔"

"شاب بھیا! یہاں شادی میں اتنی ساری لڑکیاں آئیں گی.... آپ کوئی اپنے لیے پسند کر لیجیے گا۔" حرا نے مفت مشورہ دیا۔

"جی اور وہ جو میرے والد محترم ہیں۔ وہ تو ضرور ہی راضی ہو جائیں گے۔ ادھر میں اپنی پسند بیان کروں گا' ادھر وہ رشتہ مانگنے چل پڑیں گے کہ خیال ہی بہت ہے انہیں میرا۔"

رخشی کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے وہ بولے گیا۔

"ہاں' یہ مشورہ تو تم نہ ہی دو۔ اسے' ابا جان کو پتا چل گیا تو میرے اکلوتے بھائی کا حشر کر کے رکھ دیں گے۔" نازیہ یہ کہتے ہوئے ہنستی بھی جا رہی تھی۔ شاب منہ بنا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆ ☆ ☆

شام کو اسے چچا کے ساتھ روٹھے رشتہ داروں کو منانے کے لیے جانا تھا مگر چچا جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ شکر ہوا کہ ابا بڑی پھوپھو کو لینے جا چکے تھے ورنہ چچا کے نہ آنے کا غصہ بھی اہل خانہ کو برداشت کرنا پڑتا۔ شاب نے موقع غنیمت جانا اور اپنے کمرے میں آ کر کچھ دیر آرام کے لیے لیٹ گیا مگر لگتا تھا کہ سب نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ اسے بالکل آرام نہیں کرنے دینا۔ پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ چچا میاں آن پہنچے اور حرا اسے بلانے چلی آئی۔ تیار تو وہ تھا ہی۔ اب اٹھ کر بالوں میں ایک بار پھر برش کیا اور چلا آیا۔

"چلیے چچا جان! میں تو کب سے آپ کا منتظر تھا۔"

"ہاں بیٹا! وہ ایک دوست کی طرف دیر ہو گئی تھی اور تم ایسا کرو کہ اپنی بائیک نکال لو' گاڑی تو بھائی جان لے گئے ہیں۔"

"جو حکم میرے آقا۔"

"اور کچھ دیر بعد چچا بھتیجا' خالہ امینہ کی طرف جا رہے تھے۔ یہ خالہ امینہ پچھلے آٹھ ماہ سے' ناراض رشتہ داروں کی فہرست میں شامل ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے وہ اس شہر میں رہتی ہی نہیں تھیں ورنہ شاید یہ اعزاز پہلے ہی حاصل ہو جاتا۔ شاب نے کبھی اپنے بچپن میں ہی انہیں دیکھا ہو تو دیکھا ہو' وہ انہیں بالکل نہیں جانتا تھا۔ سنا تھا شاینہ کی شادی پر ان کے اور ابا حضور کے درمیان لڑائی ہو گئی تھی۔ اور بس اس شہر میں آ کر ہونے والی یہ پہلی ملاقات ہی آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ خالہ امینہ نے گھر بھی خاصی پیچ دار جگہ پر لے رکھا تھا۔ گلیاں در گلیاں۔

مجھے تو لگتا ہے چچا! ہم جہاں سے داخل ہوئے تھے'

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

گھوم پھر کر دوبارہ سے وہیں پہنچ جائیں گے۔"

"ارے نہیں بیٹے! بس وہ ذرا آگے چل کر پتلی سی گلی ہے ناں، اسی میں خالہ امینہ کا گھر ہے، اب دعا کرو وہ مان جائیں۔"

حسن علی کو ان کی فطرت کا اچھی طرح اندازہ تھا سو سہمے جاتے تھے۔ آخر ایک دروازے کے قریب انہوں نے رکنے کو کہا۔

"آپ جائیں اندر ہمیں یہیں انتظار کروں گا۔"

"میاں صاحبزادے! آپ کو ہم اس لیے ساتھ لائے ہیں کہ روٹھے ہوؤں کو منانے میں ہماری مدد کریں، اب آجائیں جلدی سے، شاباش۔" اور منہ بناتے ہوئے اسے بھی ساتھ ہونا پڑا۔ دروازہ ایک بچے نے کھولا۔ اجنبی صورتوں کو حیرت سے دیکھا۔ چچا نے امینہ خالہ کے بارے میں پوچھا تو اندر بھاگ گیا۔

"میرا خیال ہے گھر پر ہی ہیں اور یہ بچہ انہیں ہمارا بتانے کے لیے دوڑا ہے۔"

ثیاب خاموش کھڑا رہا۔ اصل میں سوچ رہا تھا کہ دیکھیں اب کیسی خاطر تواضع ہوتی ہے۔ اللہ میاں عزت تیرے ہاتھ میں ہے۔

بچہ دوبارہ نمودار ہوا، انہیں اپنے پیچھے آنے کو کہا اور خود معتبر بن کر آگے آگے چل پڑا۔ آنگن نہ تو بہت بڑا تھا نہ چھوٹا مگر قدم اٹھانا خاصا مشکل ہو رہا تھا کہ مرغی کے کئی درجن ننھے منے چوزے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے ہر قدم پر لگتا کہ اب کوئی نیچے آجائے گا۔ گھر کا آنگن پولٹری فارم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ سامنے ہی برآمدے میں ایک ادھیڑ عمر خاتون اور ایک بزرگ خاتون لکڑی کے تخت پر جلوہ افروز تھیں۔ چچا میاں نے ادب سے سلام کیا۔ ثیاب نے بھی تقلید کی اور دیکھا دونوں کی توجہ ان سے زیادہ مرغی کے بچوں پر تھی۔ سوالیہ انداز میں چچا حضور کو دیکھا تو پتا چلا کہ وہ تو سراپا نیاز بنے کھڑے ہیں۔ کارڈ خدمت میں پیش کیا اور یوں گویا ہوئے۔

"خالہ! میری بچی رخشی کی شادی ہے۔ آپ اہل خانہ کے ہمراہ تشریف لائیے گا۔"

"اے ہے! اپنے بھائی صاحب سے بھی پوچھ لیا ہوتا۔ کہیں ایسا نہ ہو، وہ بھری محفل میں تمہیں بھی ذلیل کر کے رکھ دیں۔" خاتون کی آواز بڑی کراری اور لہجہ تیز دھار تھا۔

"جی خالہ! میں ان کو بتا کر ان کے مشورے سے ہی آیا ہوں۔"

"اے ہاں بھائی! ساری عمر تو اس کے اشاروں پر ناچتے رہے۔ اب اس عمر میں اپنی مرضی سے بھلا کیا کرو گے۔"

"تو پھر خالہ آپ آرہی ہیں؟" انہوں نے گڑبڑا کر کہا۔

"میں پوچھتی ہوں، اختر علی نے مجھے بلانے کی اجازت بھلا کس طرح دے دی۔ اس کے نزدیک تو میں پھاپھا کٹنی اور چلتر ہوں۔ میری نمازیں دکھاوے کی ہیں۔ اے بی پروین! یاد ہے ناں، کتنے لوگوں کے سامنے اختر علی نے مجھے فساد کی جڑ قرار دیا تھا۔" انہوں نے قریب بیٹھی خاتون جو شاید بیٹی یا بہو تھی، سے پوچھا۔

"ہاں ہاں اماں! یہ بھی کوئی بھولنے کی بات ہے۔" پروین بیگم نے گود کا بچہ نیچے مرغیوں کے بچوں کے پاس اتارا اور وہ بھی شروع ہو گئیں۔

ثیاب نے اکتا کر ادھر ادھر نظر دوڑائی، کمرے کا پردہ بڑی احتیاط سے اٹھا اور ایک لڑکی نے شاید تجسس سے مجبور ہو کر آنے والوں کو دیکھنے کے لیے باہر جھانکنے کی کوشش کی مگر ثیاب کو متوجہ پا کر ایک دم سے پردہ چھوڑ دیا۔ جس تیزی سے اس نے ایسا کیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور اس گھر میں پہلی بار تھوڑی دلچسپی محسوس ہوئی۔ ادھر شکایات مسلسل جاری تھیں۔ چچا کا اصرار تھا۔

"گزری باتوں کو بھول جائیں اور اس شادی خانہ آبادی کے پر مسرت موقع پر تشریف لا کر رونق دوبالا کریں۔"

وہ کہتی تھیں۔

"کیسے بھول جاؤں، جس تن لاگے، وہ تن جانے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

تمہارا بھائی تو بنا کسی لحاظ کے کہہ جاتا ہے۔ اے یہ لڑکا کون ہے؟" اب جا کے انہیں اتنا قد آور لڑکا نظر آیا تو پوچھنے لگیں۔

"یہ اختر بھائی کا بیٹا ہے۔" اور ثیاب نے سوچا اب شامت آئی' ابو کی زیادتیوں کا بدلہ شاید مجھ سے لیا جائے گا۔

"اچھا یہ اختر کا بیٹا ہے' کتنا بڑا ہو گیا ہے۔" لہجے میں خاصا دکھ تھا۔ وہ چچا کو دیکھ کر رہ گیا۔

"جب تک تمہارا بھائی خود نہیں آئے گا۔ میں آنے کی نہیں۔" خالہ نے جج ادائی دکھائی۔

ادھر ثیاب کا جی چاہا' چچا کا ہاتھ پکڑے اور زبردستی یہاں سے لے جائے۔ نہیں آتیں تو نہ سہی۔ پہلے کم طوفان برپا ہے گھر میں جو اب اس قیامت کو آواز دی جا رہی ہے۔

"وہ شرمندہ ہیں' آنا چاہ رہے تھے مگر طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔"

انہیں جھوٹ بولنا پڑا ورنہ ابو جی ہشاش بشاش تھے اور ہمیشہ کی طرح آج کا دن بھی سب کو ڈانٹتے پھٹکارتے بسر ہوا تھا۔ اتنے میں پردہ پھر اٹھا۔ محترمہ نے جھانک کر آنے والے مہمانوں کا جائزہ لینے کی ایک مرتبہ پھر کوشش کی مگر جوڑیوں کی کھنک پہلے ہی اس چوری کا راز افشا کر چکی تھی۔ ثیاب کی آنکھیں اب پھر نگراں تھیں سو ناکامی ہوئی۔ آخر بڑی مشکلوں سے خالہ راضی ہوئیں اور سکھ کا سانس لے کر یہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اب کدھر جانا ہے؟" گلی میں آ کر اس نے پوچھا۔

"اب پھوپھا کی طرف چلتے ہیں۔ دعا کرو۔ مان جائیں' ویسے خاصے ٹیڑھے دماغ کے آدمی ہیں۔"

"تو پھر رہنے ہی دیں۔ ایسے ٹیڑھے میڑھے رشتہ دار شادی میں نہ ہی شامل ہوں تو اچھا ہے۔"

"ایسی بات مت کرو بیٹا! تم ابھی بچے ہو۔ نہیں جانتے۔ ایسے موقعوں پر عزیز' رشتہ داروں کو بلانا فرض

ہیں۔ دل سے کدورتیں دور ہوتی ہیں اور خاندان ٹوٹنے سے بچ جاتے ہیں۔"

☆ ☆ ☆

شام کے گھر سے نکلے جب روٹھے ہوؤں کو منا کر گھر پہنچے تو رات کے بارہ بجنے ہی والے تھے۔ حسب توقع گھر میں اس وقت بھی ہنگامہ زوروں پر تھا' بچے سو چکے تھے مگر بڑوں کی باتیں ختم ہونے میں نہیں آتی تھیں اور آج تو سونے پر سہاگے والی بات تھی کہ بڑی پھوپھو اور ان کی تینوں صاحبزادیاں تشریف لا چکی تھیں۔ اسے سخت بھوک لگی تھی اور ملنے ملانے کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا' پھوپھو نے ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب ہی بٹھا لیا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد لگاوٹ کا ایک فقرہ ادا ہونے لگا۔ آج سے پہلے بڑی پھوپھو کو اس سے اس قدر محبت کبھی نہیں رہی تھی اور نہ ہی اسے ان سے کوئی انسیت تھی۔ سو یہ مظاہرے طبیعت پر گراں گزر رہے تھے۔

"ثیاب بچے! کیا بات ہے' بڑے کمزور دکھائی دے رہے ہو۔" بڑے پھوپھا نے اس کے بالوں کا اسٹائل خراب کرتے ہوئے پوچھا۔

"بھوک بہت لگی ہے پھوپھو! اگر اجازت ہو تو کھانا کھا لوں۔"

"ہاں ہاں ہمیں نے کب روکا ہے' جاؤ یہیں لے آؤ۔ بلکہ تم بیٹھو۔ یہ شبانہ لے آتی ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ تھوڑا سا کھا لوں گی۔"

"کیا مطلب؟ آپ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا؟"

"نہیں بھئی' کھایا تو تھا مگر اب اپنے بھتیجے کے ساتھ دوبارہ کھاؤں گی۔"

"ثیاب بھیا! امی تو بس اٹھتے بیٹھتے آپ ہی کو یاد کرتی ہیں اور انہوں نے ملتان سے آپ کے لیے کرتا خریدا ہے کڑھائی والا۔"

"اتنے سرد موسم میں کڑھائی والے کرتے کہاں پہنے جاتے ہیں۔" قریب بیٹھی ایک عزیزہ بول اٹھیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"اے بھابھی! تم بھی عجیب بات کرتی ہو۔ کیا گرمیاں نہیں آنی۔" پھوپھو پلٹ کر خاتون کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے بولیں' وہ رخ موڑ کر کسی خالہ ممانی سے باتیں کرنے لگیں۔ اتنے میں شبانہ کھانا لے آئی اور دونوں شروع ہو گئے۔ ویسے اسے احساس ہو رہا تھا اگر پھوپھو اسی رفتار سے کھاتی رہیں تو وہ ضرور بھوکا رہ جائے گا۔

"یہ رخشی کا رشتہ اتنا اچانک کیسے طے ہو گیا؟" انہوں نے آگے ہو کر رازداری کے انداز میں پوچھا۔

"ابو نے کیا ہے۔"

"اچھا تو اختر بھائی نے کیا ہے۔ لو میں تو کچھ اور ہی سمجھے بیٹھی تھی۔" بڑی میٹھی سی ہنسی ہنس کر کہا۔

"کیا؟" وہ ان کی صورت دیکھتے ہوئے بولا۔

"اے کچھ نہیں۔ چھوڑو بیٹا! بس وہ تو میرا اپنا خیال ہی تھا۔ شکر ہے غلط ثابت ہوا۔"

"کچھ بتائیں بھی کیا خیال تھا آپ کا؟"

"امی کا خیال تھا کہ آپ کی شادی رخشی باجی سے ہو گی۔" شبانہ سے چھوٹی رضوانہ نے جھک کر بتایا۔ وہ کیا کہتا۔ سر جھکا کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اے شبانہ! کھڑی کیا دیکھ رہی ہے۔ میرا لال تھکا ہوا لگ رہا ہے۔ اس کے لیے بستر ہی بچھا دے۔"

پھوپھو کا یہ کہنا اسے شاد کر گیا کہ واقعی اس وقت ایک نرم بستر کی خواہش ہی ہو رہی تھی۔

"ہر کمرے میں تو عورتیں اور بچے سو رہے ہیں۔ ان کا بستر کہاں لگاؤں امی!"

"باہر برآمدے میں ہی لگا دو مگر پلیز' ایک بستر کہیں سے مہیا کر دو۔ میں سونا چاہتا ہوں۔"

"ثیاب! آ گئے تم۔ کھانا تو کھا لیا ہے ناں؟" امی ہاتھوں سے اپنے بالوں کو سنوارنے کی کوشش کرتی تھکی تھکی سی چلی آئیں۔

"ہاں بھابھی! کھانا تو شبانہ نے دے دیا اور بستر بھی میں نے کہا ہے' وہ بچھا دے گی۔ تم جا کر آرام کرو۔" مگر امی نے جیسے بڑی نند کی بات سنی ہی نہیں۔ کہنے لگیں۔ "کھا چکے ہو تو آ جاؤ۔ میں اپنے کمرے میں ہوں۔"

اور وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"امی! کیا بات ہے۔ مجھے آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔" ان کا لہجہ اور چہرا دونوں ہی اسے پریشان کر رہے تھے۔

"میری طبیعت واقعی ٹھیک نہیں ہے۔ شاید پھر بلڈ پریشر لو ہو گیا ہے مگر تم فکر نہ کرو۔ یہیں سو رہو' صبح سے کاموں میں مصروف ہو۔"

وہ لیٹ تو گیا مگر ٹھیک سے سو نہیں سکا کہ امی کی طبیعت واقعی بہت خراب تھی۔ یوں رات سوتے جاگتے کٹی اور دن پھر ہنگامہ خیز تھا۔ ناشتے کے بعد ابو سے ہدایات لینے ان کے کمرے میں گیا واپس آیا تو شبانہ انتظار میں کھڑی تھی۔

"آپ کے کپڑے میں نے پریس کر دیے ہیں' نہا کر تبدیل کر لیں۔"

"آپ نے؟" اس نے حیرت سے کل آنے والی اس مہمان کو دیکھا۔

"جی میں نے۔ کوئی اعتراض ـــــ ہے آپ کو؟" وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"اعتراض نہیں حیرت ہے' ویسے بہت بہت شکریہ۔" ثیاب اس وقت واقعی دل سے اس کا شکر گزار تھا۔

"سنیے' فریش ہونے کے بعد امی کے پاس آ جائیے گا۔ انتظار کر رہی ہیں آپ کا۔"

کہنے کو تو ـــ "دس منٹ میں آ رہا ہوں" کہہ دیا مگر پھر بھول گیا اور چھوٹے پھوپھا کے ساتھ بازار چلا گیا کہ کام بہت تھا۔

☆ ☆ ☆

واپس آیا تو ابا جان' چچا پر برس رہے تھے۔ امی بھی سر جھکائے قریب بیٹھی تھیں' جو الفاظ اس نے سنے' اس کے مطابق پروگرام یہ تھا کہ بارات کا استقبال گھر پر ہی ہو گا۔ دیگیں یہیں پکیں گی اور یہیں سے بیٹی کی رخصتی ہو گی۔ شاید چچا نے ابو کے اس فیصلے سے انحراف کی کوشش کی تھی اور سزا بھگتی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"ٹھیک کہہ رہے ہیں' بڑے بھیا! اے بھلا ہوٹلوں میں بھی شادی بیاہ کا کوئی مزہ آتا ہے۔" بڑی پھوپھو پوری طرح ابو سے متفق تھیں اور کیوں نہ ہوتیں۔ انہیں کون سا کوئی کام کرنا تھا.... مصیبت تو ساری ثیاب اور بے چارے بیمار چچا کے سر آنی تھی۔ وہ خون کے گھونٹ پیتا وہاں سے چلا آیا۔

"کیا ہوا' یہ منہ کیوں بنا رکھا ہے؟" نازیہ آپی بچے کے کپڑے بدل رہی تھیں' اسے دیکھا تو پوچھا۔ جواب میں اس نے سب بتا دیا۔

"واقعی کام بہت بڑھ جائے گا۔"

"پہلے تو ابو مان گئے تھے اب دوبارہ گھر پر سب کرنے کو کیوں کہہ رہے ہیں۔"

"میرا تو خیال ہے ثیاب! بڑی پھوپھو نے ہی کہا ہوگا۔ صبح سے ابو کے ساتھ الٹی الٹی باتیں ہو رہی ہیں۔ ان کی ہاں میں ہاں ملاتی ہیں۔ چچی ان کی وجہ سے امی کو کل سے کئی مرتبہ ڈانٹ پڑ چکی ہے۔"

"اچھا' میرے ساتھ تو بڑا پیار جتا رہی تھیں۔"

"تم نہیں سمجھتے ان ماں بیٹیوں کو۔ اصل میں پہلے ان کا خیال تھا کہ تمہاری شادی رخشی سے ہوگی اب جب وہ بات نہیں رہی تو بڑا پیار جتا رہی ہیں اور دوسری طرف ابو کو بھی رام کر رہی ہیں۔"

"ہوں! اب سمجھا تو یہ بات ہے' نازیہ باجی! کچھ کریں۔ اگر ابو راضی ہو گئے ان کی کسی بیٹی کے لیے تو میں جیتے جی مارا جاؤں گا۔"

"تم میرے اکلوتے پیارے بھائی ہو بھلا میں ایسا ہونے دوں گی۔ فکر نہ کرو۔ پھوپھو کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔ مجھے یاد ہے' یہی وہ پھوپھو ہیں جنہوں نے میری امی کی مشکلات میں گھری زندگی کو مزید اذیت ناک بنانے کی سازشیں کی تھیں۔ خود تو اپنے گھر میں آباد تھیں مگر میری ماں کو آباد نہیں دیکھ سکتی تھیں' چچا تو عقل مند تھے۔ ان کی باتوں میں آ کر چچی کو کچھ نہیں کہتے تھے مگر ہمارے ابو نے گھر جہنم بنا دیا تھا۔"

"بس پھر نازیہ باجی! پوری کوشش کریں کہ یہ رشتہ کبھی نہ ہونے پائے۔"

"میں نے کہا ناں۔ تم فکر ہی مت کرو۔" نازیہ آپی نے حرا کو بھی بلا لیا اور دونوں چپکے چپکے منصوبہ تیار کرتی رہیں۔ ثیاب کی پوری کوشش تھی کہ اب پھوپھو کے سامنے نہ ہی آئے۔ انہوں نے دیکھتے ہی دلار کے مظاہرے شروع کر دیئے تھے اور اب تو اسے سوچ کر ہی الجھن ہو رہی تھی۔

دوپہر کا کھانا بھی اسے شبانہ نے لا کر دیا تھا۔ سخت بھوک لگی تھی مگر کہہ دیا۔ "ابھی نہیں کھانا' کام سے جا رہا ہوں۔"

اور اسی شام جب ابو نے چائے کی فرمائش کی تو شبانہ جھٹ اٹھ کھڑی ہوئی۔ نازیہ بھی اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئی' ادھر پھوپھو کہہ رہی تھیں۔

"بھائی صاحب! میری بیٹی چائے بہت ہی اچھی بناتی ہے۔ پئیں گے تو پتا چلے گا۔"

ابھی ابو کے دل میں بھانجی کے لیے محبت کا جذبہ نہیں بیدار ہوا تھا سو لاپروائی سے فرما دیا گیا۔

"ٹھیک ہے۔" پھر بھی ہمت نہیں ہاری۔

شبانہ چائے بنا رہی تھی اور نازیہ مرچ مسالے الٹ پلٹ کرنے میں لگی ہوئی تھی' جوں ہی وہ کپ اٹھانے کے لیے مڑی۔ نازیہ نے بڑی پھرتی سے ایک چمچ نمک قہوے میں ڈال دیا۔ اثر وہی ہوا جیسا اس نے چاہا تھا۔ ابو نے بنا کسی لحاظ کے ڈانٹ پلائی اور نازیہ کو چائے بنانے کا حکم دیا۔ وہ تو تیار تھی۔ جھٹ چائے بنائی اور والد محترم کی خدمت میں پیش کی۔ ادھر چھوٹی پھوپھو کا ارسلان' شبانہ سے کہہ رہا تھا۔

"کمال ہے' آپ کو ابھی تک چائے بنانی بھی نہیں آتی۔"

"طاہرہ! بیٹی کو کچھ سکھاؤ۔ زندگی میں فیشن ہی کام نہیں آتے۔" ابو فرما کر چلے گئے۔ ان کا چہرا مارے غصے کے سرخ ہو گیا مگر خاموش بیٹھی رہیں۔

☆ ☆ ☆

آج گھر پر لائٹنگ ہونا تھی۔ ثیاب نے فون پر بھی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ان لوگوں کو یاد دہانی کروائی تھی۔ اب خیال آیا' کچھ ہی دیر بعد سامان آجائے گا۔ بہتر ہے چھت پر جا کر دیوار کے ساتھ ساتھ رکھا فالتو سامان ہٹا دوں۔

ابھی چھت پر آیا ہی تھا کہ پیچھے ہی ایک بچہ بھی چلا آیا اس پیام کے ساتھ کہ آپ کے ابو بلا رہے ہیں۔ جلدی جلدی سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا اور خدمت میں حاضر ہوا۔

"ہاں آگئے تم۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اوپر چھت پر آج کل جو سامان رکھا ہوا ہے۔ اسے ذرا پیچھے کر دو۔"

"جی وہی کر رہا تھا۔"

"اچھا جاؤ پھر کرو۔" اور وہ اوپر چلا آیا۔ ابھی پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ پھر آوازیں پڑنے لگیں۔ بھاگا ہوا واپس آیا۔

"جی ابو!؟" لہجے کو حتی الامکان سعادت مند بنا کر پوچھا۔

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ نیچے کچھ اور بھی فالتو سامان پڑا ہے۔ یہ بھی اوپر لے جاؤ۔"

"ارسلان! تم یہ کام بعد میں کر لینا۔ پہلے بھائی کے ساتھ سامان اوپر رکھوا دو۔" چھوٹی پھوپھو نے میز پر چڑھ کر دیوار پر خوش آمدید کا بورڈ لگاتے بیٹے سے کہا۔

"نہیں' نہیں تم لگے رہو۔ اگر ادھر چل پڑے تو یہ کام کون کرے گا۔" ابا نے ٹوکا۔

"ویسے بھائی صاحب' کمرے میں خوش آمدید کا بورڈ!؟" ثریا پھوپھو نے آہستہ سے کہا۔

"یہ کمرا نہیں لاؤنج ہے۔" اطلاع دی گئی اور وہ سر ہلا کر رہ گئیں۔

"یہ قادر بخش کہاں مر گیا ہے۔ اسے کہو' لان کی صفائی کرے۔ شیطان صفت بچوں نے ہر طرف گند مچا رکھا ہے۔"

"اے ہے اتنا ہی صفائی کا خبط ہے تو نہ بلاتے ہم لوگوں کو۔" بچوں کی ایک بٹالین کی ماں برداشت نہ کر سکیں اور بول اٹھیں مگر آواز اتنی تھی کہ اختر علی تک نہ پہنچ سکی۔

☆ ☆ ☆

"ثیاب جی! مجھے چوڑیاں پہنانے لے چلیں۔" شام کو شبانہ اک ادا سے کہہ رہی تھی۔

"کیوں مجھے اور کوئی کام نہیں ہے کیا؟" سنتے ہی غصہ چڑھ گیا۔

"سب کے کام کر رہے ہیں' ایک میرا کر دیں گے تو کیا ہو جائے گا۔" وہ ٹھنکی۔

"پاگل ہو جاؤں گا۔" وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

"امی! دیکھیں' یہ نہیں مان رہے۔" وہ شکایت لگانے پہنچ گئی۔

"کون نہیں مان رہا بھئی؟" بڑے ماموں صاحب بھی قریب ہی بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ صبح ان سے اچھی خاصی ڈانٹ پڑی تھی' اس لیے کچھ بتاتے ہوئے رک سی گئی مگر پھر ماں کے اشارے پر کہہ دیا۔ وہ بھی اچھے موڈ میں تھے' کہا۔

"بلاؤ ثیاب کو۔ میں دیکھتا ہوں۔ کیسے نہیں لے کر جاتا وہ تمہیں بازار۔"

کچھ دیر بعد وہ خدمت میں حاضر تھا۔

"شبانہ بیٹی کو بازار لے جاؤ۔ اسے کچھ ضروری شاپنگ کرنی ہے۔"

"ابو جان! ابھی وہ لوگ لائٹنگ کے لیے آجائیں گے۔"

"تو تم کیا سمجھتے ہو' یہ کام تمہارے سوا اور کوئی نہیں کرا سکتا۔ ارے میاں! میں موجود ہوں گھر پر' سب کچھ خود کروا لوں گا۔ تم جاؤ۔"

گہرا سانس لے کر وہ باہر چلا آیا۔ شبانہ ہنستی مسکراتی ساتھ ساتھ تھی۔ اکیلی شبانہ کو لے جانا کچھ مناسب نہیں لگا۔ کہہ دیا۔ "ساتھ کسی اور بہن کو بھی لے لو۔"

"ضرورت تو مجھے ہے' انہیں خوامخواہ لوں۔" اس نے شانے اچکائے۔

"اکیلے جانا کچھ اچھا نہیں لگتا۔" آخر کہہ ہی دیا۔

"ہاں' مجھے احساس ہے مگر وہ ساتھ ہوں گی نا تو خواہ مخواہ شاپنگ کریں گی' یوں دیر ہو جائے گی۔ ٹائم پہلے ہی نہیں ہے آپ کے پاس۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ہاں واقعی یہ تو سچ ہی کہا تھا اس نے۔ وہ سر ہلا کر ساتھ ہو لیا۔ شبانہ نے صرف چوڑیاں ہی نہیں اور بھی بہت الا بلا اکٹھا کیا۔ اس کے بعد سیخ کباب اور تکے کھانے کی فرمائش ہوئی۔

"یہاں پر کوئی خاص نہیں بنتے۔" اس نے بہانہ بنایا کہ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی تھی۔

"چلیں پھر چائنیز کھاتے ہیں۔"

"وہ مجھے پسند نہیں۔" اس وقت یہی کہنا مناسب تھا۔

"پھر چائے ہی پلا دیں' ویسے بھی خاصی ٹھنڈ ہو رہی ہے۔"

"گھر چل کر پئیں گے۔ ویسے بھی میں نے سنا ہے' تم چائے بہت اچھی بناتی ہو۔" اس نے صبح والا واقعہ یاد دلایا اور وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ناں شیاب؟" شبانہ کے ساتھ کچھ ہی دیر پہلے گھر پہنچا تھا کہ نازیہ نے پکڑ لیا۔

"کیوں کیا ہوا ہے آپی؟"

"یہ تم شبانہ کو کس خوشی میں ساتھ لے گئے تھے۔ پتا ہے اب کیا باتیں بن رہی ہیں۔"

"کیا؟" وہ پریشان ہو کر بولا۔

"ہر کسی کی زبان پر یہی ذکر ہے اور پھوپھو ایک ایک کو بتا رہی ہیں' شیاب لے گیا تھا شبانہ کو' یہ چوڑیاں اسی نے دلوائی ہیں۔"

"مر گئے!" شیاب سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"اور کراؤ اسے شاپنگ۔" نازیہ سخت غصے تھی۔

"آپی! میں کب لے جا رہا تھا۔ وہ تو ابو نے زبردستی بھیجا تھا۔"

"یہ ابو بھی پتا نہیں کیا چاہتے ہیں' تم کم از کم مجھے ہی ساتھ لے لیتے۔ خیر اب سر پکڑے کیوں بیٹھے ہو۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ یہ رشتہ کسی طرح نہ ہو پائے۔"

"کیا ہماری حیثیت اور کیا کوششیں؟ ابو کے دل میں اگر یہ بات آ گئی تو کر کے رہیں گے۔" وہ سخت مایوس تھا۔

"فکر نہ کرو اور سنو۔ آج احمد کا فون آیا تھا' کہہ رہے تھے۔ طبیعت ٹھیک نہیں تھی ورنہ پہلے ہی آ جاتا۔ اب کل ہی آ رہا ہوں۔" نازیہ نے اپنے شوہر کے بارے میں بتایا۔

"چلو اچھا ہے۔ کچھ تو ہاتھ بٹائیں گے میرا۔"

شیاب خوش ہو گیا۔

لڑکیوں نے ڈھولک سنبھال لی تھی اور گھر گیتوں اور قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ بڑی بوڑھیاں بڑی دلچسپی سے شادی بیاہ کے گیت سن رہی تھیں۔ شیاب کسی کام سے گزرا تو ایک خاتون اسے دیکھتے ہی بولیں۔

"چلو اچھا ہے۔ فہمیدہ کو بہو تلاش کرنے باہر نہیں جانا پڑا۔ خاندان میں ہی لڑکی مل گئی۔"

"کون سی لڑکی؟" دوسری نے پوچھا۔

"اے طاہرہ کی بیٹی شبانہ اور کون۔"

جی تو چاہا ابھی جا کر ان خاتون کو بلکہ تمام لوگوں کو بتا دے کہ وہ شبانہ سے شادی صرف اسی صورت کر سکتا ہے کہ دماغ پھر جائے' چونکہ اب تک ایسا سانحہ نہیں ہوا۔ اس لیے یہ خیال عبث ہے۔ مگر پھر کچھ سوچ کر چپ ہو رہا اور ماں کے کمرے میں چلا آیا۔

"امی! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ کیوں یہ لوگ شبانہ کو زبردستی میرے سر پر سوار کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں بیٹے! جو تمہارے ابو کی مرضی ہو گی' وہی ہو گا۔"

"آپ دیکھ لیجئے گا اگر ایسا کرنے کی کوشش کی گئی تو میں یہ گھر ہی چھوڑ دوں گا۔"

"شیاب بھیا! آنٹی کی طبیعت تو پہلے ہی خراب ہے۔ آپ کیوں ان سے الٹی باتیں کر رہے ہیں' جو کچھ کہنا ہے' جا کر ابا جان سے کہیں۔" فہمیدہ کے قریب بیٹھی حرا نے کہا۔

"کہہ دوں گا ان سے بھی۔"

"ارے ایسا غضب مت کرنا۔ غصے میں وہ کچھ نہیں دیکھتے۔" فہمیدہ گھبرا گئیں۔

وہ ہونٹ بھینچے باہر چلا آیا اور ملاقات بجی سنوری شبانہ سے ہوئی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"کیسی لگ رہی ہوں؟" وہ اک ادا سے مسکرائی۔

"زہر لگ رہی ہو۔" وہ تیزی سے کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ وہ اس تعریف پر حیران رہ گئی۔

کچن میں کچھ شور سا ہوا تھا۔ وہ چچا جان کے کمرے میں جانے کے بجائے ادھر چلا آیا اور جو کچھ سامنے تھا' وہ پیروں تلے سے زمین نکالنے کو کافی تھا۔ کرائے پر منگوائے گئے برتنوں کے ٹکڑے ادھر ادھر فرش پر بکھرے تھے۔ اور بچے کھیلنے کودنے بلکہ کھانے پینے میں مصروف تھے۔

"یہ کیا کیا ہے؟" لال پیلے ہو کر پوچھا۔

"میں نے نہیں گڈو نے کیا ہے۔"

"کون ہے گڈو؟" سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں نے نہیں انکل! یہ بلو نے کیا ہے۔ اب جھوٹ بول رہا ہے۔"

"جھوٹ جھوٹ۔" بلو نے بنٹی نے پونے.... گڈو نے ہر کوئی شور مچا رہا تھا۔

"چلو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس نے سامنے والے کو ہاتھ رسید کیا۔ وہ پوری آواز سے روتا اور اپنی امی کو پکارتا باہر کو دوڑا۔ باقی بھی پیچھے ہی تھے۔

"اب کیا ہو گا ابو نے حشر نشر کر دینا ہے' اتنے سارے برتن۔" وہ حسرت سے ان ٹکڑوں کو دیکھ رہا تھا۔

"ثیاب بھائی! میں ابھی کچھ دیر پہلے بڑے ماموں کے کہنے پر بازار سے رنگ برنگی جھنڈیاں لایا تھا۔ ادھر کرسی پر رکھ کر کسی کام سے گیا اور بعد میں پتا نہیں کس نے ان پر پانی پھینک دیا ہے اب کیا کروں؟" ارسلان گھبرایا ہوا تھا۔

"نچوڑ کر لگا لو۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"کیا نچوڑ کر لگا لوں؟" ارسلان کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ہاں' لگتی ہیں تو لگا لو۔ میرا سر نہ کھاؤ۔ پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔"

"ہائے ہائے یہ برتن سارے ٹٹ (ٹوٹ) گئے' ثیاب میاں! کچھ چاہیے تھا تو مجھ سے کہہ دیتے۔ یہ کیا کر دیا۔"

ماسی برکتے چلی آئی اور آتے ہی الزام اس پر دھر دیا۔

"تمہیں اللہ کا واسطہ ماسی! آہستہ بولو اور یہ میں نے نہیں بلکہ بچوں نے توڑے ہیں۔"

"لو اب بچوں پر الزام لگا دیا۔" وہ بڑبڑائی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے الزام لگانے کی اور ذرا سوچو' ان برتنوں کو توڑ کر مجھے کیا کرنا تھا۔"

"اچھا پھر نہیں توڑے ہوں گے۔" انداز کچھ ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو۔ نہیں مانتے تو نہ سہی۔ ویسے اصل بات کا تو مجھے پتا ہی ہے۔

"اے اب میں مہمانوں کو چائے کس میں دوں گی۔ اتنے سارے کپ تو ٹوٹ گئے ہیں۔" وہ باہر نکلنے لگا۔ تو ماسی بول اٹھی۔

"ان سے کہنا۔ ہاتھوں کی اوک بنائیں پھر اس میں چائے ڈال دینا۔" تیوری چڑھا کر مشورہ دیا اور ارسلان کے پاس چلا آیا کہ وہ بھی تو مشکل میں گرفتار تھا۔

لڑکے والوں کو آج مہندی لے کر آنا تھا۔ لڑکیاں اور مہمان آنے والے سب لڑکے ہار سنگھار میں مصروف تھے۔ ثیاب کے ساتھ صرف چھوٹی پھوپھو کا ارسلان ہی کاموں میں لگا ہوا تھا۔ نازیہ آپی کے شوہر احمد صاحب آج شام پہنچ گئے تھے اور ثیاب جوان کی آمد کا سن کر خوش ہوا تھا' اب مایوس تھا کہ موصوف کا چند روز پہلے ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس کے نتیجے میں بازو پر چوٹ آئی تھی' فون پر اس لیے نہیں بتایا تھا کہ نازیہ پریشان ہو گی۔

"ثیاب بھائی! آپ کا فون ہے۔ ناصر بھائی لندن سے بات کر رہے ہیں۔" کسی رشتہ دار لڑکی نے اطلاع دی۔

"جا کر کہہ دو۔ مصروف ہوں اور اگر اب اس نے مجھے فون کرنے کی کوشش کی تو میں خود کو شوٹ کر لوں گا۔"

"جا کر سن لیں' شاید ضروری بات کرنا چاہتے ہوں۔" شبانہ ابھی ابھی کسی کزن سے بال بنوا کر باہر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

نکلی تھی' اس کی بات سن کر بول اٹھی۔
"تمہیں شوق ہو رہا ہے تو تم سن لو۔" وہ بدستور کرسیاں سیٹ کرتے ہوئے بولا۔
اور اس رات اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ اپنی شادی مکمل سادگی سے کرے گا' یہ فضول قسم کی رسمیں بالکل نہیں ہوں گی۔ ابو چاہے جتنا مرضی کہیں مگر بالکل نہیں سنوں گا توبہ کوئی تک ہے۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر بکواس کی ہے اور اسے شادی بیاہ کے گیتوں کا نام دیا ہے۔ نہ کوئی سر نہ سنگیت بس جس کے جو جی میں آتا ہے' گاتا چلا جاتا ہے۔ ہر لڑکی کی زرق برق لباس پہنے میک اپ تھوپے خود کو حسینۂ عالم سمجھ رہی ہے۔ مٹھائی کے ٹوکرے آرہے ہیں اور کھائی کم جا رہی ہے' ضائع زیادہ ہو رہی ہے اور یہ لائٹنگ اور جھنڈیاں' سبحان اللہ کیا سجاوٹ ہے' بچے تو بچے بڑے بھی رنگ برنگے کاغذ لگے دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ کچھ برتن اس روز بچوں نے توڑے تھے۔ کچھ آج ٹوٹے ہیں۔ ویڈیو کیمرے کے سامنے لوگ خوامخواہ آتے ہیں اور تب تک دلہن پر سے روپے نہیں وارتے جب تک ایسے دو تصویریں نہ بن جائیں۔

☆ ☆ ☆

"ثیاب بھائی! آپ ادھر کیوں چلے آئے ہیں۔ اتنا مزا آرہا ہے۔"
"کیا مزا آرہا ہے؟" حرا کی بات پر منہ بنا کر پوچھا۔
"کمال ہے' آپ تو خود اتنے زندہ دل ہیں۔ ایسے موقعوں پر اتنی رونق لگاتے ہیں۔ اب جب اپنے گھر میں شادی ہے تو یوں الگ تھلگ آبیٹھے ہیں۔"
"ہاں۔ بس دل ہی نہیں چاہ رہا۔" اور اس نے جھوٹ نہیں بولا تھا تھکن تو جو تھی سو تھی مگر اس کا دل بھی بجھا بجھا سا تھا۔
"ہاں۔ واقعی رخشی باجی کی جدائی کا خیال مجھے بھی اداس کر دیتا ہے۔" حرا بھی وہیں اس کے پاس بیٹھ گئی۔
"کل تم لوگ مہندی لے کر جاؤ گے؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں کل ہم جائیں گے' آپ بھی چلیں گے ناں ہمارے ساتھ؟"
"کل آئے گی تو دیکھیں گے۔"
"کیا بات ہے' اتنے بدلے بدلے سے کیوں لگ رہے ہیں۔ کسی سے لڑائی ہوئی ہے کیا؟"
"تمہیں حرا بہنا! لڑنا کس سے ہے۔ بس سر میں درد ہے۔ تم جاؤ۔ سب میں بیٹھو۔ آخر دلہن کی اکلوتی بہن ہو' سب ڈھونڈ رہے ہوں گے۔"
"نہیں' میں پہلے آپ کے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔"
"تم رہنے دو حرا! میں ماسی برکتے سے بنوا لیتا ہوں۔"
"اوہ ماسی برکتے' ارے وہ تو اچھل اچھل کر ناچ رہی ہیں اور گیت گا رہی ہیں۔"
"واقعی۔" ثیاب کو یقین نہیں آیا۔
"ہاں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ ذرا آکر دیکھیں تو اتنی رونق لگی ہوئی ہے۔"
تب پھر اسے اٹھنا ہی پڑا۔ دونوں پارٹیوں میں زوروں کا مقابلہ تھا۔ لڑکے لڑکیاں سب اپنی طرف سے پورا زور لگا رہے تھے۔
"ثیاب بھیا! یہ ٹیوب نہیں جل رہی ذرا چیک کریں۔" ماموں کے بیٹے نے ادھر توجہ دلائی اس نے جھٹ قریب رکھی میز اٹھائی اور اس پر چڑھ گیا مگر دادا ابا کے زمانے کی کمزور گھن کھائی میز وزن برداشت نہیں کر سکی۔ اور نتیجتاً" یہ دھڑام سے نیچے آپڑے۔ قریب کھڑے تمام کزنز نے قہقہے لگائے' اپنی چوٹ بھلا کر جلدی سے اٹھنا پڑا اور جب میز پر نظر پڑی تو مزید تارے ناچ گئے' یہ تو دادا مرحوم کی میز تھی جو ابا نے بطور نشانی سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ اف اگر ان تک یہ اطلاع پہنچ گئی کہ یہ حرکت مجھ ناچیز سے سرزد ہوئی ہے تو خیر نہیں۔ اس نے جلدی جلدی حصے بخرے اکٹھے کیے اور چھت پر رکھ آیا۔ سیڑھیاں چڑھتے اترتے احساس ہوا کہ ٹانگ پر اچھی خاصی چوٹ لگی ہے۔ مگر اب اس وقت کوئی علاج بھی تو ممکن نہیں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

تھا۔

ماسی برکتے کا گیت سننے اور ناچ دیکھنے کی خواہش ادھوری ہی رہ گئی۔ سوچا امی مل جائیں تو ان سے کوئی علاج دریافت کرے شاید ان کے پاس کوئی دوا بھی رکھی ہو' مگر اصل مسئلہ تو امی کو تلاش کرنے کا تھا اور اتنے رش میں نہ تو امی کہیں دکھائی دیتی تھیں نہ ہی حرا اور نازیہ آپی۔ اگلا روز شاید پچھلے تمام دنوں سے زیادہ ہنگامہ خیز تھا۔

لڑکیوں کو آج مہندی لے کر لڑکے والوں کی طرف جانا تھا۔ ساتھ میں کچھ مہمان لڑکے بھی جا رہے تھے مگر ثیاب' ارسلان اور نازیہ کے شوہر احمد کو گھر پر ہی رہنا تھا کہ کل بارات آنی تھی اور اس سلسلے میں بہت سے انتظامات آج ہی کرنے تھے۔ اس کی ٹانگ میں کچھ تکلیف تھی۔ احمد بھائی ویسے ہی زخمی تھے اور ارسلان' ماموں کی ڈانٹ سن سن کر ہراساں ہو رہا تھا۔ سو کاموں کی رفتار خاصی سست تھی' آج تو ابا جان بھی گھبرائے ہوئے تھے اور سوچ رہے تھے۔ یہ انتظامات گھر پر کرنے کا شوشا نہ ہی چھوڑتے تو اچھا تھا۔ کبھی انہیں دیگوں کی تعداد کم لگنے لگتی۔ کبھی ٹینٹ کے اندر جا کر جھانکتے اور اعلان کرتے کہ یہاں پر سب مہمان نہیں سما سکتے' جگہ کم ہو جائے گی۔

چچا جان کی طبیعت خاصی خراب تھی۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی مگر ابو جان نے انہیں بھی ساتھ ساتھ لگا رکھا تھا۔

"ثیاب!" ابو جان نے پکارا' وہ کام ادھورا چھوڑ کر ادھر لپکا۔

"آرائشی گیٹ کب بنے گا' صاحبزادے؟" انداز بڑا جتانے والا تھا۔

"وہ تو کل بنائیں گے ابو جان!" ڈرتے ڈرتے اطلاع دی۔

"کل اتنا ٹائم کہاں ہو گا؟" انہیں بات پسند نہیں آئی۔

"جی صبح صبح بنا لیں گے۔ آج بنایا تو بچے خراب کر دیں گے۔"

"بچے تو کل بھی خراب کر دیں گے۔ چلو خیر' تمہاری مرضی۔"

اور ثیاب شکر کے کلمے پڑھ کر پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہوا۔

☆ ☆ ☆

برات صرف دو گھنٹے لیٹ آئی۔ خیال تو یہی تھا کہ پانچ چھ گھنٹے لیٹ ہو گی تو سمجھو صحیح وقت پر پہنچ گئی۔ مگر اتنی جلدی آنے پر لڑکیوں میں بھگدڑ مچ گئی اکثریت ابھی تیار ہی کہاں ہوئی تھی۔ حرا' سعدیہ کپڑے تو بدل چکی تھیں مگر دیگر لوازمات ابھی باقی تھے۔ نازیہ آپی کے صرف بال بنانے رہ گئے تھے۔

"جلدی کرو' جا کر خواتین کو ہار پہناؤ۔ بس وہ اندر داخل ہونے ہی والی ہیں۔" ارسلان نے جلدی جلدی تیار ہونے کی کوشش میں ہانپتی لڑکیوں کو اطلاع دی۔

"ہائے اللہ! اس حلیے میں میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے' تمہیں ماموں ہی آ کر نکالیں گے۔" وہ غصے سے کہہ کر واپس مڑ گیا۔

"امی اور پھوپھو کہاں ہیں؟" ثیاب انہیں ڈھونڈ رہا تھا کہ بارات کا استقبال کرنے کو گھر کا کوئی فرد مل ہی نہیں رہا تھا۔ آخر بڑی پھوپھو مشکل سے دستیاب ہوئیں۔ بکھرے بال' میچنگ کا دوپٹہ ڈھونڈتی ہوئی۔ وہ اس کی کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھیں۔

"پھوپھو! کیا سوچیں گی براتی خواتین۔"

"اے اتنا ہی خیال ہے ان کی سوچوں کا تو تم خود ہی مل لو ان سے' اور ہار بھی پہنا دینا۔ یہ شبانہ کمبخت جانے کہاں مر گئی۔ کہا بھی تھا دوپٹہ سوٹ کے ساتھ رکھنا۔ لو بھلا' اب میں اس فقیروں والے حلیے میں ان عورتوں سے کیسے مل سکتی ہوں' اے ثیاب بیٹے! مجھے اپنی امی کا کنگھا ہی لا دو۔ ذرا بال ہی سنوار لوں۔" مڑ کر دیکھا تو ثیاب غائب تھا۔

"یہ شبانہ اب نظر تو آئے مجھے' نجانے لپ اسٹک کہاں رکھ دی ہے۔ مجھے سجتے سنورتے نہیں دیکھ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

سکتیں یہ لڑکیاں۔"

شاب امی کو بلانے ان کے کمرے تک پہنچا۔ دیکھا تو کمرا خالی تھا۔ آہ نرم و گداز خالی بستر' کھڑکی پر گرا نیلا پردہ' ماحول بھی نیلگوں ہو رہا تھا۔ صاف ستھرا تکیہ' ایک دم سے تھکن عود کر آئی۔ صبح کی نماز کے بعد ہی ابو نے اپنی نگرانی میں کام لینا شروع کیا تھا۔ کپڑے تک نہیں بدلے تھے اس نے اور شیو بنانے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ آنکھیں مارے نیند کے بوجھل ہونے لگیں۔ سوچا سارا کام تو تقریباً" ہو ہی چکا ہے جو رہ گیا ہے۔ ارسلان اور احمد بھائی دیکھ لیں گے۔ مجھے اب سو جانا چاہیے۔ دبے قدموں چوروں کی طرح بستر کی طرف بڑھا کہ خطرہ تھا ابھی کوئی اسے آوازیں دیتا ادھر آنکلے گا۔ بڑے آرام سے بستر پر لیٹا۔ اف کس قدر تھکن ہے' آج کتنے دنوں بعد تو ایک مکمل بستر ملا ہے ورنہ اس سے پہلے جو ہاتھ لگا' وہ بچھا کر سونا پڑا تھا اور نیند بھی بہت تھوڑے وقت کی مگر آج جی بھر کے سونا چاہتا تھا اور بستر پر لیٹتے ہی اسے نیند نے آن گھیرا۔

☆ ☆ ☆

دولہا میاں یا تو واقعی شرمیلے تھے یا پھر پوز کر رہے تھے۔ بہرحال جو بھی تھا ان کے لیے اچھا نہیں تھا۔ لڑکے لڑکیاں ان پر ہر طرف سے حملے کر رہے تھے۔ بارات کے ساتھ آنے والوں نے اپنے دولہا کو بچانے کی کوشش تو کی مگر کامیاب نہیں ہو سکے۔ حرا نے گلاب جامن دولہا کی طرف بڑھائی۔

ہاتھ سے پکڑنے لگے تو کہا۔

"اونہوں! یوں نہیں منہ کھولیں۔" اور جب منہ کھلا تو ہاتھ پیچھے کر لیا پھر دوبارہ آگے کیا اور اب کے انہوں نے جلدی سے آگے ہو کر کھانا چاہا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ منہ میں جانے کے بجائے چہرے پر لگ گئی۔ پیچھے سے کسی نے گتے کی ٹوپی پہنا دی جس پر دوکان بنائے گئے تھے۔ نیچے لکھا تھا۔ دولہا کے گدھے جیسے کان یہ سب دیکھ کر دولہا کی امی کا موڈ آف ہو گیا۔ کہہ دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ایسے فضول مذاق کرنے کی۔"

"اور کیا۔ ہمیں کیا پتا تھا ہم ایسے گھر سے لڑکی لے رہے ہیں جہاں مہمانوں کا احترام تک نہیں کیا جاتا۔" دولہا کی بہن بھی بول اٹھی۔

"اور جہیز بھی بس نام کا دیا ہے۔" امی صاحبہ نے پھر زبان کھولی۔

اختر علی کسی کام سے ادھر آئے تھے یہ سب سنا تو رک گئے۔

"امی' میرے لیے سونے کے ٹاپس بھی نہیں دیے انہوں نے۔" بہن بولی۔

"چپ ہی رہو۔ انہوں نے دیا ہی کیا ہے۔"

"چلیں اٹھیں آپ سب اور تشریف لے جائیں۔" اختر صاحب غصے سے سرخ چہرے دولہا کی اماں کے سر پر پہنچ گئے۔ امی اور چھوٹی پھوپھو جو ان لوگوں کی باتیں سن کر پریشان ہو گئی تھیں۔ اب ان کے اس حکم پر بالکل ہی ڈھے گئیں۔

"یہ' یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ' کچھ تو خیال کریں۔ باراتی ہیں یہ لوگ۔" امی کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

"نہیں چاہئیں ہمیں ایسے باراتی۔ چلیں نکلیں آپ لوگ۔ اپنا رستہ ناپیں۔"

کسی نے چچا کو بھی اطلاع کر دی۔ وہ دوڑے دوڑے آئے۔

"بھیا! یہ کیا کر رہے ہیں آپ! خدا کے لیے ذرا سوچیے۔ میری بچی کی زندگی خراب ہو جائے گی۔"

"چپ کرو تم۔" انہوں نے چھوٹے بھائی کو ڈانٹ دیا۔ بارات میں آنے والے لوگ ایسی کسی صورت حال کے لیے تیار ہی کہاں تھے۔ دولہا اٹھ کر اپنے والد کے پاس جا کھڑا ہوا جو اس لڑائی کی اطلاع سن کر ادھر آئے تھے۔

"دیکھیں بھائی صاحب! آپ ہماری بے عزتی کر رہے ہیں۔" دولہا کے باپ نے کہا۔

"اچھا تو تمہاری کوئی عزت بھی ہے۔ میں کہتا ہوں' لڑکی والوں سے مانگ تانگ کر بیوی اور بیٹی کو زیور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

پہنانے والے کی کوئی عزت ہوتی ہے بھلا۔"

"بھک منگے فقیر۔" کسی پرجوش لڑکے نے نعرہ لگایا۔

"انہیں روپیہ' روپیہ دے دو سب' شاید ان کے زیور بن جائیں۔" کوئی اور بولا۔

پھر ہر کوئی لعن طعن کرنے لگا۔ خاموش تھے تو رخشی کے ابا جو جانتے تھے کہ یہ سب نعرے لگانے والے' لڑکے والوں کو برا بھلا کہنے والے ابھی ابھی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوں گے اور پھر خود بھی ایسی ہی کاروباری شادیاں رچائیں گے۔ ان کی بیٹی کی ڈولی اٹھانے اب کوئی نہیں آئے گا۔ بے قصور ہونے کے باوجود سارے قصور اس کے نام لکھے جائیں گے۔ ہمارے معاشرے کا یہ المیہ ہے کہ ہم برائی کو برائی قرار دینے میں پیش پیش ہوتے ہیں مگر جب اپنا وقت آتا ہے تو یہ کہہ کر دامن بچالیتے ہیں کہ سب کررہے ہیں ہم کیوں نہ کریں۔ یہ جواب باراتیوں کے لیتے لے رہے ہیں۔ ان میں ایک بھی ایسا ہے جو یہ کہے کہ میں اپنی شادی پر کچھ بھی طلب نہیں کروں گا۔

"خدارا! اس ہنگامے کو ختم کرائیے اور منالیں ان لوگوں کو۔" امی روتے ہوئے اباجان سے مخاطب تھیں۔

"ہرگز نہیں۔ میں ایسے کم ذات لوگوں میں پھول سی بچی نہیں دے سکتا۔"

"بھائی صاحب! کچھ تو سوچیں' لڑکی کا معاملہ ہے۔"

چھوٹی پھوپھو بھی بولیں' لیکن انہوں نے کسی کی ایک نہیں سنی۔ بارات واپس چلی گئی۔ چچا بے دم ہو کر کرسی پر بیٹھ گئے۔

"تم فکر کیوں کرتے ہو۔ حسن! ہماری بچی کے لیے لڑکوں کی کوئی کمی نہیں' ایک تو میرا بیٹا ہے۔ ثیاب گھر کا بچہ ہے' محنتی' شریف' لائق فائق۔ ادب آداب سے آشنا' ذمہ دار۔ اگر تم یہ رشتہ قبول کرلو تو مجھے خوشی ہو گی۔"

سب نے حیرت سے ابو کی طرف دیکھا۔ چچا جان مارے مسرت کے ابو کے گلے لگ گئے اور ابھی جہاں بارات جانے کے بعد خاموشی اور اداسی چھا گئی تھی۔ ایک دم سے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ارسلان بڑے ماموں کا خیال کیے بغیر بھنگڑا ڈالنے لگا' حرا یہ نئی اور خوش کن خبر اندیشوں میں گھری رخشی کو سنانے کے لیے دوڑی۔ امی نازیہ سے کہہ رہی تھیں۔

"فوراً" بازار جاؤ اور میری رخشی کے لیے زیور اور جوڑے خرید لاؤ۔ خدا میری اور میرے بیٹے کی خواہش یوں پوری کرے گا۔ میں عاجز بندی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"ثیاب بھائی نے اپنی شادی پر پر خوب کام کیا ہے۔"

اس کی بھاگ دوڑ یاد کرکے سعدیہ ہنس رہی تھی۔ حرا نے یہ خبر ملول بیٹھی رخشی کو سنائی۔ پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا۔ اسے کتنی ہی قسمیں کھانی پڑیں اور

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

شائع ہوگئے ہیں

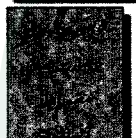

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 250 روپے

☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 600 روپے

☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

جب یقین آیا تو بہن سے لپٹ گئی۔ اور بے تحاشا آنسو نکل پڑے۔

"لگتا ہے بہت دعائیں مانگی گئی ہیں۔ جب ہی تو آخری وقت پر وہ بارات واپس چلی گئی۔" ارسلان بھی چلا آیا' وہ جھینپ کر بہن سے الگ ہو گئی۔

ارسلان' ثیاب کو تلاش کرتا ہوا ادھر آیا تھا' ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا۔ آخر ممانی کے کمرے میں اسے سویا ہوا ثیاب مل ہی گیا۔

"اٹھو بھائی! دروازہ کھولو۔ خوش نصیبی دستک دے رہی ہے۔" اس نے اس کے سر پر پہنچ کر پورے زور سے کہا۔

"کیا بکواس ہے یار! سونے دو۔" وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

"بکواس نہیں' تمہاری شادی ہے' جلدی سے اٹھ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ ماموں غصے آکر کینسل کر دیں۔"

"ارسلان! کیوں میرے ساتھ دشمنی کر رہے ہو۔ سونے دو۔"

نیند میں اس نے کچھ نہیں سنا' وہ بھی سمجھ گیا' ایسے نہیں اٹھے گا۔ کسی بزرگ کو بھیجنا پڑے گا۔ کچھ دیر بعد جب ارسلان کے والد اسے باہر لے کر آئے تو بھی اس پر نیند بری طرح سوار تھی۔

"صاحبزادے! حلیہ درست کر لو' تمہاری شادی ہے رخشی کے ساتھ۔"

مارے حیرت کے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ الفاظ پر غور کیا تو یہی سوچ ابھری یا تو میں عالم خواب میں ہوں یا پھر ابا نے پی رکھی ہے۔ سو دوبارہ وضاحت چاہی۔ سعدیہ نے جلدی جلدی تفصیل گوش گزار کر دی۔

"کیا یہ سچ ہے؟" اس نے ایک بار پھر ابو سے تصدیق چاہی۔

"میرا تمہارا مذاق تو کبھی بھی نہیں رہا صاحبزادے!"

اس کی بے یقینی ان کے موڈ کا ناس مار گئی اور ادھر اسے بھی یقین آگیا کہ واقعی وہ اور ابو دونوں ہی ہوش و حواس میں ہیں' پھر کیا تھا چند منٹوں میں نہا دھو شیو بنا وہ بالکل فریش مہمانوں کے روبرو تھا۔ رخشی سے تو ابھی سامنا نہیں ہوا تھا۔ محبت کے جو طوفان اس کے لیے امڈ رہے تھے۔ انہیں دل میں چھپا رکھا تھا' البتہ جو پیار ابو جان پر آرہا تھا۔ اس پر قابو پانا بھی آسان نہیں تھا آج ابو بہت پیارے' بڑے اچھے لگ رہے تھے۔ جی چاہتا تھا اٹھ کر ان کے گلے لگ جائے بلکہ انہیں اٹھا کر دو تین چکر بھی دے ڈالے مگر خطرہ ان کے موڈ سے تھا جس کا اندازہ ان کا چہرہ دیکھ کر بالکل نہیں ہو رہا تھا۔

سعدیہ کی زبانی اس نے رخشی کو مبارک باد بھجوائی تھی' اب وہ اس کے کان کے قریب جھکی کہہ رہی تھی۔

"رخشی باجی اس مبارک باد کو سن کر طمانیت سے مسکرائی تھیں اور اب بھی مسکراتی جا رہی ہیں اور ہاں وہ ناصر بھائی کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے ثیاب سے کہنا' رخشی کو بہنوں کی طرح رخصت کرے۔ میں نے کہہ دیا' یہ ناممکن ہے۔ پوچھا کیوں؟ جواب دیا۔ اپنی نیت خراب تھی سو بارات واپس چلی گئی اب دولہا بنے بیٹھے ہیں اور دل میں ہزاروں لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ چہرے پر مسکان ہے اور زمانہ پریشان ہے۔"

"آیئے مولوی صاحب! نکاح پڑھایئے۔" ابو ادھر چلے آرہے تھے۔

سعدیہ جلدی سے کھسک گئی' وہ بھی سنبھل کر بیٹھ گیا اور دل نے ابھی سے کہہ دیا۔

"مجھے یہ ساتھ قبول تھا۔ قبول ہے۔ قبول رہے گا۔"

خاموش محبت یوں معتبر ہو گی کب سوچا تھا۔ دونوں کے دل ایک ہی انداز میں دھڑک رہے تھے ایک ہی بات کہہ رہے تھے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"اف! کیا بتاؤں تمہیں گھر کی شفٹنگ کتنا مشکل کام ہے اور وہ بھی جب سب کچھ آپ کو خود ہی کرنا ہو۔ دو عدد بچوں کے ساتھ۔"

ضحیٰ نے کارڈلیس کو دوسرے کان پر منتقل کرتے ہوئے کندھے اور سر کے درمیان دبایا اور ہاتھوں میں موٹی موٹی کتابوں کا ڈھیر اٹھا کر الماری کی طرف بڑھی۔

"ہاں اب تو شکر ہے۔ تقریباً" کام مکمل ہے۔ بس کتابوں کی الماری کا کام کر رہی ہوں' تمہیں تو پتا ہے میری کتابوں کی تعداد کا اور اب تو بچوں کی بھی کتابیں آنے لگی ہیں گھر میں' تو سمجھو یک نہ شد تین شد۔"

سارے بال اکٹھے کر کے اونچی سی پونی بنائے ضحیٰ کبھی کتابیں اٹھاتی رکھتی اور کبھی فون کو ایک سے دوسرے کان پر منتقل کرتی ہوئی بار بار لمبے سے لاؤنج کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کا چکر لگا رہی

نیّر سلطانہ کاشف

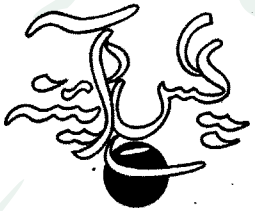

تھی۔

"ارے تم سے باتیں کرتے کرتے اچھا خاصا کام تو' ہو ہی گیا۔"

اس نے جائزہ لیتی ہوئی نظروں سے الماری کو دیکھا اور وہیں رکھی آرام کرسی پر ٹیک لگا کر تسلی سے بیٹھ گئی۔

"کہاں جناب اب تو لکھنا لکھانا ایک خواب ہی بن گیا۔" اس کے خوب صورت چہرے پر ایک دم سے تھکن عیاں ہوئی تھی۔

"نہیں نہیں' پابندی کیوں ہونی ہے' عامر تو کہتے رہتے ہیں مجھ سے لکھنے کو بار بار' لیکن گھر اور بچوں کی مصروفیات میں ہی اتنا وقت گزر جاتا ہے۔ اب زندگی میں وہ سکون کہاں۔ اچھا چلو۔ اب مجھے اجازت دو۔ بہت سارا کام باقی ہے ابھی۔"

وہ جو اس انداز سے بیٹھی تھی جیسے کہ اب فرصت سے بات کرنے کے موڈ میں ہو' ایک دم سے بیزار سی ہوئی تھی۔ کارڈلیس بند کر کے اس نے میز پر رکھا اور ایک ٹرانس کی کیفیت میں اٹھ کر الماری کی طرف بڑھی' اور اس کے بعد کتنی ہی دیر تک وہیں قالین پر بیٹھی اپنی پرانی تحریروں کی فائل دیکھتی رہی۔

اطلاعی گھنٹی کی تیز آواز پر اس نے ہڑبڑا کر فائل سے سر اٹھایا۔ "اف اتنا وقت گزر گیا۔" اس نے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

حیرت سے گھڑی کی طرف دیکھا اور دروازے کی جانب بڑھی۔

"کیا حال ہیں بھئی ہماری بیگم صاحبہ کے۔" سلام کا جواب دیتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں حال دریافت کرنا عامر کی عادت تھی۔ آفس کی ساری تھکن وہ گھر کی دہلیز سے باہر ہی چھوڑ کے آنے کی کوشش کیا کرتا تھا جس میں اکثر کامیاب بھی رہتا تھا۔

"حال تو بہت اچھے ہیں لیکن گھر کے میرا حلیہ اور حالت دونوں ہی توجہ طلب ہیں، ہے نا؟"

وہ جانتی تھی کہ عامر گھر واپسی پر اس کا ہنستا مسکراتا اور تھوڑا سا سجا بنا چہرہ دیکھنا پسند کرتا تھا۔

"ارے کوئی بات نہیں جناب! حلیہ درست کرنے کے لیے مابدولت آپ کو دس منٹ دیتے ہیں اور حالت درست کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ بس اب آپ باورچی خانے کا رخ نہ کریں ہم چلیں گے آپ کی امی کی طرف، آپ کی تھکن بھی اتر جائے گی اور ہم بچوں کو بھی لیتے آئیں گے۔"

عامر مسکراتے ہوئے لاؤنج کی طرف بڑھا تو اس نے بھی کمرے کا رخ کیا۔

☆ ☆ ☆

"اور ضحیٰ گھر کی ترتیب ہو گئی مکمل ان دنوں میری بھی طبیعت کچھ ٹھیک نہ رہی ورنہ کچھ تو مدد کروا دیتی تمہاری۔"

کھانے سے فراغت کے بعد چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں پکڑاتی ہوئی بھابھی پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"جی بھابھی! شکر ہے ہو گیا سب کام اور یہ آپ نے خوب کہی۔ ایک ہفتے سے پورا پورا دن جو بچوں کو آپ نے سنبھالا ہوا ہے اس سے بڑھ کر کوئی مدد ہو سکتی ہے بھلا؟۔ ویسے چائے بے حد مزیدار بنائی ہے آپ نے۔"

اس نے تشکر کا اظہار کرتے ہوئے بات بدل دی تھی۔

"پھپھو! آپ کیا رسالوں میں کہانیاں لکھتی تھیں؟" اریشہ جو کافی دیر سے کسی رسالے میں سر دیے ہوئے تھی ایک دم سے سوال کر بیٹھی۔

"ہوں؟ ہاں لکھا کرتی تھی، آج تمہیں کس طرح یہ خیال آ گیا؟" اس نے اریشہ کی طرف رخ موڑا۔

"ارے بھئی۔ آج کسی کتاب سے تمہاری لکھی ہوئی کسی کہانی کا مسودہ برآمد ہو گیا تھا۔" اریشہ کی جگہ بھابھی نے جواب دیا تو وہ بس مسکرا کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

فجر کی نماز سے فارغ ہو کر اس نے چائے کا پانی چولہے پر رکھا، عامر کے مسجد سے واپس آنے تک چائے تیار رکھنا اس کا روز کا معمول تھا۔ چائے دم پر رکھ کر اس نے پیالیوں میں چینی ڈالی اور باورچی خانے سے ملحقہ گیلری میں چلی آئی۔

ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا نے موڈ پر خاطر خواہ اثر ڈالا اور وہ عامر کے آنے تک وہیں کھڑی اوپر نیچے، دائیں بائیں فلیٹس کا جائزہ لیتی رہی۔

"بیگم! یہ فائل کل سے یہیں پڑی ہے بے چاری۔"

چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے عامر نے اس کی توجہ قالین پر پڑی فائل کی طرف مبذول کروائی۔

"اوہ ہاں! کل تو ایک دم سے نکل گئے تھے اور رات آ کر اس طرف آنا ہی نہیں ہوا۔" اس نے پیشانی کو ایک دم سے چھوتے ہوئے کہا اور فائل اٹھا کر الماری میں رکھ دی۔

"ضحیٰ! ایک بات تو بتاؤ!" عامر نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے اس کی طرف گہری نظروں سے دیکھا۔ "میں نے تمہیں کبھی لکھنے سے منع نہیں کیا۔ تم خود لکھنا چاہتی ہی نہیں ہو، لیکن پھر بھی جب ایسا کوئی ذکر ہوتا ہے ایک اداسی تمہارے چہرے کا احاطہ کیوں کر لیتی ہے؟"

"پتا نہیں عامر! کیا ہوا ہے مجھے، پہلے تو مجھے لگتا تھا کہ اتنی ذمہ داریوں کے باعث میں تمہیں لکھ پاؤں گی، لیکن اب مجھے لگتا ہے جیسے میں لکھ ہی نہیں سکتی، اندر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

سے کوئی تحریک ہی نہیں پیدا ہوتی۔" سحی نے بے چارگی سے عامر کی طرف دیکھا تھا۔

عامر کے ساتھ ہی بچے اسکول کے لیے روانہ ہو چکے تھے' دروازہ بند کر کے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے اس نے باورچی خانے کا رخ کیا۔

"شمینہ! تمہیں پتا ہے کیا ہوا علیزے کے ساتھ؟" برتن سمیٹ کر دھونے کے لیے رکھتی ہوئی ضحیٰ کے ہاتھ اس آواز پر لمحہ بھر کو رکے۔

"ہاں سچ میں اسماء بھابھی! بہت افسوس ہوا۔ اتنا دل دکھ رہا ہے میرا تو؟"

ضحیٰ کو اندازہ ہوا کہ یہ آوازیں اس کے برابر اور سامنے والی گیلری میں کھڑی خواتین کی ہیں۔

"اللہ کتنی سی عمر میں طلاق ہو گئی' چھوٹے چھوٹے بچے تو رل جائیں گے نا اس کے۔" ضحیٰ کا دل ہول گیا اور اس نے آوازوں پر توجہ دینے کے لیے نل ہلکا کر دیا۔

"اصل میں تو سب کیا دھرا اس کی ماں کا ہے' اس نے ہی بہت الٹی سیدھی پٹیاں پڑھائی تھیں علیزے کو' لیکن وہ بھی کوئی اتنی سمجھی تو نہیں تھی اسے خود بھی عقل سے کام لینا تھا ناں!"

ایک گیلری سے آئے ہمدردی کے بیان کو دوسری گیلری سے فوری طور پر مسترد کر دیا گیا تھا' ضحیٰ کے تجسس میں اچھا خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔ برتنوں کو ایک طرف کر کے اس نے ہاتھ دھوئے اور گیلری کے قریب آ گئی' ذرا سی دعا سلام ہو چکی ہوتی تو کھل کے ہی پوچھ لیتی اس نے اپنے آپ سے کہا اور پھر سے سماعتوں کو باہر کی طرف مرتکز کر دیا۔

"ہاں ویسے بات تو آپ کی بھی ٹھیک ہے اسماء بھابھی! آج کل لڑکیوں کو اپنے گھر بچانے کی فکر ہی کم ہو گئی ہے شاید' اوپر سے ماؤں کے رویے اور شہہ دیتے ہیں۔ بس اللہ ہی بچائے' سب کو محفوظ رکھے۔" برابر والی گیلری سے صدق دل سے دعا کی آواز آئی' آمین! سامنے والی اسماء بھابھی نے زور و شور سے آمین کہا تو اس نے بھی ہلکی آواز میں آمین کہہ کر ساتھ دیا۔

"اب دیکھو اگلی قسط میں کیا ہوتا ہے۔"

برتنوں کی طرف پلٹتی ضحیٰ چونک کر رک گئی' اگلی قسط؟

"ہاں مجھے تو بڑی شدت سے انتظار ہے' میں تو رسالہ آتے ہی سب سے پہلے یہی ناول پڑھوں گی۔" برابر والی گیلری سے پرعزم لہجے میں ارادہ ظاہر کیا گیا۔

"اچھا پتا ہے کیا' اس بار میں نے الماری ٹھیک کی ناں! تو وہی قانتہ رابعہ والا فارمولا اپنایا جو تم نے بتایا تھا!" سامنے والی اسما بھابھی کے پاس شاید فرصت ہی فرصت تھی اس وقت۔

"اچھا؟ زبردست' کتنا اچھا رہتا ہے نا! مجھے تو بہت فائدہ ہوا اس ایک سال والے فارمولے سے فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوا' بس سوچ لیا تھا کہ وہ سارے کپڑے جن کو ایک سال سے ہاتھ بھی نہیں لگایا بنا پس و پیش نکال دیتے ہیں۔" برابر والی گیلری سے آواز آئی۔

یقین مانو بڑا کامیاب طریقہ ہے۔ میں نے اپنی بہن کو بھی بتایا۔ اس بار وہ بھی یہی کرے گی۔ ان شاء اللہ!" اسما بھابھی نے جوش و خروش سے اعلان کیا۔

"ان شاء اللہ بھئی اس کا ثواب تو مجھے بھی ملے گا' آخر میں نے بتایا تھا آپ کو اور آپ نے اپنی بہن کو" برابر والی گیلری سے اٹھلاتی ہوئی آواز آئی۔

ضحیٰ نے جلدی جلدی برتن دھو کر ہاتھ خشک کیے اور لاؤنج میں آ کر کاغذ اور قلم کی تلاش میں سرگرداں ہو گئی' اس کے اندر "تحریک" پیدا ہو چکی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

سلویٰ سیف اللہ بٹ

سنہری دھوپ

دعا کی والدہ کا اچانک انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں اور سوتیلے بھائی حماد کے ساتھ رہتی ہے۔ دعا کے دو ماموں ‘ریاض احمد جن کی بیوی رابعہ احمد ہیں اور الیاس احمد جن کی بیوی مریم ہے۔ رابعہ احمد کے کہنے پر ریاض احمد‘ دعا کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کہ سوتیلے بھائی کے ساتھ رہنے کا اب جواز نہیں ہے۔

ریاض احمد کے دو بیٹے عمیر اور عمر ہیں اور ایک بیٹی نوال ہے۔ عمیر بہت سلجھا ہوا نوجوان ہے۔ جس نے باپ کے ساتھ مل کر ان کا کاروبار بھی سنبھال رکھا ہے۔ جبکہ عمر ایک بگڑا ہوا ضدی اور خود سر نوجوان ہے۔

الیاس احمد اپنے بڑے بھائی ریاض احمد کے برابر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ آنے جانے کے لیے درمیان میں دروازہ ہے۔ ان کی بیوی مریم ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ بیوی کی جائیداد ہتھیانے کی کوشش میں ہیں۔ مریم کا ایک بھائی ایکسڈنٹ میں معذور ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی مر جاتی ہے وہ ذہنی طور پر بھی ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کا علاج شادی تجویز کرتے ہیں۔

انعم اور احسن ایک خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن اولاد کی کمی ان کی زندگی میں ہے۔ انعم کے شک کرنے پر احسن اپنا ٹیسٹ کرواتا ہے۔ انعم بہت پریشان ہے ‘احسن اسے تسلی دیتا ہے۔ لیکن اس کے بار بار پریشان ہونے پر ناراض ہو کر اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ اس کی رپورٹ پازیٹو آتی ہیں ‘وہ بالکل نارمل ہوتا ہے۔ انعم کا نروس بریک ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ کمی اس میں ہوتی ہے۔

الیاس احمد بنیادی طور پر لالچی آدمی ہے۔ اسے رشتوں کا بھی پاس نہیں۔ وہ اپنی بیوی سے بھی اکھڑا اکھڑا رہتا ہے اور

مکمل ناول

Downloaded from Paksociety.com

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اپنے بھتیجے عمیر کو بھی باپ بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہے۔

عمیر اور دعا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ رابعہ احمد یہ پسند نہیں کرتیں۔ عمیر اور نوال دونوں بہن بھائی دعا کو اپنی ماں کے غم سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریاض احمد کو بہن اور بھانجی سے بہت محبت ہے۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ عمر کو دعا ایک آنکھ نہیں بھاتی' وہ اسے ہر وقت ذلیل کرتا رہتا ہے۔

دعا کو دیکھ کر الیاس احمد کا لالچی ذہن مختلف منصوبے بنانے لگتا ہے۔

الیاس احمد' عمر کے کہنے پر اس کے والد سے اس کے علیحدہ بزنس کی سفارش کرتا ہے' جسے ریاض احمد سختی سے رد کردیتے ہیں۔ عمران سے مزید برگشتہ ہوجاتا ہے۔

تبریز ملک اپنے معذور بھائی کی شادی اور مریم کو ان کا حصہ دے کر ہمیشہ کے لیے امریکہ میں رہائش پذیر ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر الیاس احمد ایک شاطرانہ منصوبہ بناتا ہے۔ اور عمر کو اپنے ساتھ ملالیتا ہے۔ عمر کا رویہ دعا کے ساتھ انتہائی دوستانہ ہوجاتا ہے۔ رابعہ احمد بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں' کیونکہ انہیں مریم نے مشورہ دیا ہوتا ہے کہ عمر اور دعا کی شادی ہوگئی تو باپ' بیٹے کے درمیان فاصلے کم ہوجائیں گے۔

ریاض احمد' عمر اور دعا کی باہم پسندیدگی کو جانتے ہیں۔ اور ان کی شادی کا عندیہ دیتے ہیں' مگر رابعہ' دعا کا عمر سے شادی سے گریز اور بار بار عمر اور دعا کے اچھے تعلقات کو جتاتی رہتی ہیں۔ دعا کے رویے سے عمر کھٹک جاتا ہے۔

تیسری قسط

"آؤ اندر چلیں' میرے دشمنوں نے حملہ کردیا ہے۔" عمر کا مقصد پورا ہوگیا تھا۔ اس نے قدم موڑ دیے۔ دعا کے قدم منوں بھاری اپنی جگہ جم کر رہ گئے۔

"چلو ناں' رک کیوں گئیں؟" اس نے مڑ کر زور سے منجمد دعا کو پکارا۔

وہ یہاں رک کر کیا کرتی۔ عمیر اور ریاض احمد کی گاڑی پورچ کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اسے ان کا سامنا کرنا تھا۔ وہ ان سے چھپ کے خود کو مزید گناہ گار ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ایک پروڈیوسر مجھے بہت اچھا پروپوزل دے رہا ہے۔" اس نے چلتے ہوئے ایک اور وار کیا۔

ریاض احمد کا نظام تنفس تیز ہوچکا تھا' اندر جاتے ان کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ اس لڑکی سے انہیں سگی بیٹی سے بڑھ کر محبت تھی۔ اس کی تربیت میں انہوں نے بہت سی اچھائیاں شامل کی تھیں۔ اسے اتنا فہم دیا تھا کہ وہ اچھے اور برے میں تمیز کرسکے۔

عمیر باپ کی طرح نظریں چرا کے اندر نہیں جاپایا تھا۔

"دعا! میں' تم سے پوچھ رہا ہوں۔" عمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلایا۔ یہ حرکت اسے تاؤ دلانے کے لیے کی گئی تھی۔ عمیر نے زخمی نگاہوں سے اسے ہاتھ پکڑتے دیکھا اور اس کا لہجہ' وہ اتنی اپنائیت سے بات کررہا تھا۔ جیسے وہ ازل سے ایک دوسرے کے شناسا ہوں' اس آواز میں شیرینی صرف دعا کے لیے گھلی تھی۔ تو کیا دعا اس کے لیے بہت خاص ہوگئی تھی۔

"ہم بعد میں بات کریں گے۔" صدمے سے اس کا دل چور تھا۔ اس کے جسم میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ تھوڑا سا زور لگا کے اپنا ہاتھ چھڑا پاتی۔

عمر نے کندھے اچکائے اور اندر چلا گیا۔

"ایسی کون سی باتیں ہیں جو تم دونوں اکیلے میں ڈسکس کروگے' کسی تیسرے کے سامنے تم نے اسے ٹال دیا۔" اس کا فشار خون بلند ہوگیا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ سب کچھ دعا سمیت تہس نہس کردے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"تم غلط سمجھ رہے ہو' ایسا کچھ....." وہ عمیر کی اس غلط فہمی پہ دھاڑیں مار مار کے رونا چاہتی تھی۔ اس لمحے کی پکڑائی سے وہ کتنا چھپی تھی۔

"اسٹاپ اٹ دعا! میں مزید ایک حرف بھی جھوٹ نہیں سنوں گا' یہ سب تم چھپا رہی تھیں ناں۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کے بولا۔ اسے کبھی غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ ہمیشہ بہت شائستہ اور مہذب رہتا۔

"ایسا کچھ نہیں' جو تم سمجھ رہے ہو۔" اسے صفائی کن معتبر اور صادق الفاظ میں دی جائے کہ جو اسے مطمئن اور دعا کی طرف سے اس کا دل صاف کردے۔

"میں کچھ نہیں سمجھ رہا' بلکہ تمہارے پاس سمجھنے آیا تھا۔" عمیر کو اس کی کئی دنوں کی بے رخی یاد آئی۔

"نہیں عمیر! میری عمر کے ساتھ دوستی....."

وہ لمحہ بھر کو اٹک کے رکی' کیا اسے یہ لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا۔ کیا وہ واقعی ذہنی طور پر اس کی دوست بن گئی تھی۔

"بس....." عمیر کے دل پر زور کا گھونسا پڑا۔ کتنا اذیت ناک "دوستی" کا لفظ تھا۔

"میں تمہارے پرسنلز میں ہرگز انٹرفیئر نہیں کروں گا' میں نے اپنی آنکھوں سے جو دیکھا ہے' اس کے بعد سب جھوٹ اور بے معنی ہے۔"

اس نے انگلی اٹھا کے اپنا فیصلہ سنا دیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکل گیا۔ دعا خالی ہاتھ جھٹکتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"چاچو..... چاچو' اگر آپ وہاں پر ہوتے تو خوشی سے دھمال ڈالنے لگتے پاپا..... اور عمیر کی شکلیں دیکھنے والی تھیں۔" عمر بہت ایکسائیٹڈ تھا۔

اس نے فوراً الیاس احمد کو مطلع کر کے' اپنی خوشی میں شامل کیا' اسے عمیر کی شکل پر ترس سے زیادہ ہنسی آرہی تھی۔

"گڈ' ویری گڈ۔" الیاس احمد نے قہقہہ لگایا۔ ان کے دل میں ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔ کاش یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے۔

"آپ کی امید سے بڑھ کر اسکور لیا ہے میں نے۔" عمر بڑھ چڑھ کر اپنی کارکردگی بیان کر رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی قلعہ فتح کر لیا ہو۔

"بہت احتیاط سے قدم اٹھاؤ عمر! یہ باپ بیٹا تمہاری سوچ سے زیادہ ہوشیار ہیں' اتنی آسانی سے دعا کو ہمارے ہتھے نہیں چڑھنے دیں گے۔" الیاس احمد نے اسے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی باور کروایا۔

"ڈونٹ وری چاچو جان! جب تک کھیل ان کی سمجھ میں آئے گا' ہم لوگ انہیں چکمہ دے چکے ہوں گے۔"

عمر کو خود پر بہت اعتماد تھا۔ ماسٹر مائنڈ الیاس احمد تھا۔ لیکن کردار تو وہ ادا کر رہا تھا۔ اسے یہ سب کرنے میں مزہ آرہا تھا۔ کیونکہ عمیر اسے اپنا پیدائشی دشمن اور باپ سوتیلا لگتا تھا۔ اسے لگتا کہ اس کی زندگی میں جتنی خواری اور تکلیفیں ہیں' وہ سب ان باپ بیٹے کی مرہون منت ہیں۔ اب وہ انہیں سلگا کے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر رہا تھا۔

"اچھا اب تم ایسا کرنا کہ....." وہ انہیں آگے کی پلاننگ تفصیل سے بتانے لگا۔

☆ ☆ ☆

ریاض احمد چینج کیے بغیر اسٹڈی روم میں چلے گئے۔ عمیر اپنے کمرے میں جا بیٹھا۔ رابعہ احمد وجہ سے آگاہ تھیں۔ وہ عمر اور دعا کو لان میں واک کرتے دیکھ چکی تھیں۔ انہوں نے ملازمہ کو ٹرے دے کر بھیجا' وہ ان باپ بیٹے کی تفتیشی کارروائی کا حصہ نہیں بننا چاہتی تھیں۔ ڈنر کی اطلاع ملنے پر' ریاض احمد اسٹڈی روم سے نکلے' ان کا رخ دعا کے کمرے کی طرف تھا۔

وہ بستر میں دبکی پڑی تھی۔ دو دفعہ کی دستک ان سنی کردی' وہ کسی سے بات کرنے کی روادار نہیں تھی اور نہ ہی خود میں اتنی ہمت پاتی تھی کہ شرمندہ چہرہ لیے میز تک آجاتی۔

"دعا..... دروازہ کھولو....."

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

انہوں نے تیسری دستک کے ساتھ زور دار آواز بھی دی۔ دعا اچھل کے بستر سے نکلی۔ اسے ان کے آنے کی ہرگز توقع نہیں تھی۔

"ماموں..... جان آپ....." دروازے پر انہیں پاکر وہ حیرت میں گھر گئی۔

"تم ڈنر نہیں کروگی؟" خاصی سنجیدگی سے استفسار کیا گیا۔ انہوں نے اس کی سرخ ڈورے والی آنکھوں میں جھانک کے بہت سے راز پڑھ لیے۔

"نہیں' دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے نظریں چرالیں۔ ان کی آنکھوں اور لہجے میں چند گھنٹے قبل والی تلخی کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ مزید تاسف میں گھر گئی۔ انہیں اب بھی اس کی پرواہ تھی۔

"کیا کرتی رہتی ہو دن بھر؟"

وہ اس کی سائیڈ سے ہو کر کمرے میں داخل ہو گئے۔

"کچھ نہیں' بس کچن میں ممانی جان کی ہیلپ کرواتی رہتی ہوں۔" مختصراً بتاتے اس کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ گئے۔

وہ خود سے کچھ نہیں بتاسکتی تھی۔ کاش وہ خود سے پوچھنا شروع کرتے تو وہ ہرگز جھوٹ نہ بولتی۔ اس طرح الزام بھی اس پر نہ آتا' شاید وہ اس کے لہجے پر یقین کرلیتے۔

رابعہ احمد افتاں و خیزاں داخل ہوئیں۔

دعا کے دل میں ہمکتے سارے شاید اور کاش پر اوس پڑ گئی۔

"آپ بھی یہاں ہیں' میں بھی دعا کو لینے آئی ہوں۔ اس نے شام کو چائے بھی نہیں پی' کیا ہوا بیٹا' طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری.....؟"

ان کے لہجے میں ازحد پریشانی سمٹ آئی۔ وہ ریاض احمد کو اس طرف آتا دیکھ کے چند لمحے کا وقفہ پا کے پیچھے آئی تھیں۔ اب یکسر انجان بن رہی تھیں۔ ان کا تنہا دعا کے پاس ٹھہرنا' وہ بھی اس صورت میں جب کھیل بہت آسانی سے کھیلا جارہا تھا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

"آئی تھنک۔ تمہیں کوئی کورس وغیرہ کرلینا چاہیے۔" انہوں نے رابعہ احمد کی بات اور موجودگی کا نوٹس لیے بغیر اپنا سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

"کیسا کورس؟" اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ ممانی جان کے ماتھے پر اچھے خاصے بل پڑ چکے تھے۔

"کوئی بھی' جس میں تمہیں انٹرسٹ ہو۔ پینٹنگ کا' پارلر کا' ڈیزائننگ یا ہینڈی کرافٹ کا' چوائس تمہاری ہوگی۔" انہوں نے انتخاب اس پر چھوڑ دیا۔

انہوں نے ساری شام خوب سوچنے سمجھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا۔ سگی بیٹی بھی ہوتی تو یہی کرتے' چیخ و چلا کے عزت نفس کو دو کوڑی کا کرنے کے بجائے وجہ کو جڑ سے اکھاڑتے۔

ابھی وہ اتنے بوڑھے اور کمزور نہیں ہوئے تھے کہ اس سازش کے اصل مجرموں کی پہچان نہ کرپاتے لیکن انہیں یہی بہتر لگا تھا۔

"کیا ضرورت ہے بھلا کورس وغیرہ کرنے کی؟ ابھی تو....." رابعہ احمد بیچ میں کود پڑیں۔

"تمہیں کیوں اعتراض ہے؟" انہوں نے رابعہ کو ٹوک دیا۔ ان کے لہجے میں سختی نہ تھی نہ ہی درشتی' ماتھا بے شکن تھا۔ لیکن پھر بھی کچھ تو ایسا تھا جس نے رابعہ احمد کی زبان لڑکھڑا دی۔

"مم..... مجھے' کوئی اعتراض نہیں۔ آپ ایک بار دعا سے پوچھ لیں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔" پھر بھی وہ ہوشیاری سے ترپ کا پتہ پھینک گئیں۔

"مجھے کسی سے نہیں پوچھنا اور اگر آپ بھی میرے معاملات میں خاموشی اختیار رکھیں گی تو مجھے اچھا لگے گا' ٹیبل پر آجاؤ دعا....."

وہ کہہ کر باہر نکل گئے۔ رابعہ احمد نفی میں سر جھٹکتی ان کے پیچھے ہولیں۔ دعا نے کمرہ خالی ہونے پر شکر کا سانس لیا۔ اسے ماموں جان کے فیصلے پر خوشی تھی۔

☆ ☆ ☆

نوال اور دعا لاؤنج میں قالین پر بیٹھی کارٹون دیکھ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

رہی تھیں۔ آج چھٹی تھی' سب گھر پر تھے۔ عمیر سیڑھیاں اتر کر باہر جانے لگا تو نوال نے پکار لیا۔

"عمیر بھائی... عمیر بھائی۔" اس نے ایک ہی سانس میں دو بار آواز دی۔ دعا ایک نگاہ ڈال کے پھر سے اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"کہاں جا رہے ہیں بھائی! مجھے تو جیسے آپ بھول ہی گئے ہیں۔" نوال نے منہ بسورا۔

"نہیں بھلا اپنی گڑیا کو بھول سکتا ہوں' بس تھوڑا بزی ہوں' اس لیے ٹائم نہیں نکال پاتا۔" عمیر نے اس کے سر پر چپت لگا کے گلہ دور کرنا چاہا۔

"اب کہاں جا رہے ہیں آپ؟" نوال نے بازو زور سے کھینچا۔

"اپنے دوست کی طرف۔" عمیر مسکرا دیا۔

"مجھے بھی شام کو باہر لے جائیں' مجھے شاپنگ کرنی ہے' ڈنر اور اس کے بعد لانگ ڈرائیو۔" نوال نے فرمائش کی۔ عمیر سوچنے لگا۔ وہ دعا کو ساتھ لیے بغیر کہیں نہیں جاتی تھی اور عمیر کا دل اس طرف سے اتنا برا تھا کہ وہ اسے دیکھنا تک گوارا نہیں کر رہا تھا۔ رابعہ احمد بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئیں۔

"سارا دن میرا بچہ فائلوں میں سر دیے رکھتا ہے' ایک دن چھٹی کا ملتا ہے۔ وہ بھی تمہارے سیر سپاٹے کے لیے وقف کر دے۔ جاؤ عمیر! تم اپنے فرینڈز سے ملو' وہ آئے بیٹھے ہیں۔" کل سے عمیر کا اترا چہرہ اور کئی روز سے دعا کو نہ مخاطب کرنا' سب ان کے علم میں تھا۔ وہ ان دونوں کو قریب آنے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

دعا کی آنکھیں نم اور چہرہ ستا رہتا' انہیں ڈر تھا کہ وہ کوئی ہمدردیا کے' اپنے اندر کا غبار نہ نکال دے۔ دعا نے چونک کے رابعہ احمد کی اس پھرتی کو پرکھا۔ وہ ایم اے اکنامکس گولڈ میڈلسٹ تھی۔ رشتوں کی اتنی جانچ پڑتال تو رکھتی تھی۔

"کیا میرا انجوائے کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے ہمیں مل کے گھر سے باہر گئے ہوئے۔" نوال بضد تھی' اس نے منہ بسورنا شروع کر دیا۔

"عمیر بیٹا تم جاؤ' میں شام کو شاپنگ پہ لے جاؤں گی۔" رابعہ احمد کو جی بھر کے بیٹی پہ غصہ آ رہا تھا۔

عمیر نے بھی ماں کا درشت رویہ' انکار محسوس کیا' وہ خود بچوں کی تفریح کی حامی تھیں۔ تاکہ ذہن تر و تازہ رہے۔

"ڈونٹ وری ماما جان! میں انہیں شام میں لے جاؤں گا' لیکن نو شاپنگ صرف ڈنر' تم شاپنگ اور کسی دن کے لیے رکھ لو۔" عمیر دعا کی موجودگی میں زیادہ وقت نہیں گزار سکتا تھا۔

"ہرے..." نوال نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ رابعہ احمد کے چہرے پر جھنجلاہٹ اور غصے کے ملے جلے تاثرات چھا گئے۔ وہ منہ میں بڑبڑاتی ہوئی مڑ گئیں۔ عمیر کو ماں پر افسوس تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے کمرے میں آ کے لیٹ گئی۔ اس کا باہر جانے کا بالکل موڈ نہیں تھا۔ وہ عمیر سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی' نوال کو ٹالنا جان جوکھوں کا کام تھا' اس کا انکار عمیر کے دل میں مزید بدگمانی پیدا کرنے کا موجب بنتا۔

"دعا! تم تیار نہیں ہو رہیں۔ نوال نے شاور بھی لے لیا ہے۔" رابعہ احمد اس کا جائزہ لینے آئیں۔

"جی... وہ... میں' ابھی عمیر تو واپس نہیں آئے۔" پہلے کی طرح وہ ان سے اپنے احساسات شیئر نہیں کر سکتی تھی' اسے ان پر اعتبار نہیں رہا تھا۔

"آر یو فائن دعا؟" انہوں نے ٹوہ لی۔ اس کے چہرے پر چھائی بیزاری واضح تھی' یہی وہ دیکھنے کی متمنی تھیں۔

"جج... جی..." وہ روہانسی ہو گئی۔ اس کی چوری پکڑی گئی تھی۔ دعا نے چہرہ چھپانے کے لیے وارڈروب کھول لی۔

"اگر نہیں دل چاہ رہا تو نہ جاؤ۔ میں خود عمیر کو منع کر دوں گی۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

رابعہ احمد نے بڑی ہوشیاری سے وار کرنا چاہا۔ عمیر کی بجھی ہوئی صورت اور دعا کی پژمردگی ان کے درمیان فاصلوں کی گواہ تھی۔ وہ اپنی اولاد کو تو نہیں مگر اسے تو روک سکتی تھیں۔

دعا نے وارڈ روب سے منہ نکال کے بڑے دکھ سے ممانی کو دیکھا' وہ ہمیشہ سے ان کی عزت کرتی آئی تھی۔ وہ اتنی سمجھ دار تھیں۔ کہ وہ انہیں سمجھا بھی نہیں سکتی تھی۔ عمر کے ساتھ وہ خود اسے تیار کر کے بھیجتیں۔ ان کے رویے کا دوغلا پن قابل مذمت تھا۔

"نہیں ممانی جان! اتنے عرصے بعد نوال اور عمیر نے پروگرام بنایا ہے' میں انہیں ریفیوز (انکار) نہیں کر سکتی۔" اس نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ اس کا لہجہ اتنا ٹھوس اور مضبوط تھا کہ مزید جرح کی گنجائش نہیں تھی۔

"ویسے ممانی جان' یہ والا فراک کیسا لگے گا۔"

وہ عمیر کا دلوایا ہوا نیوی بلیو کلر کا فراک خود سے لگائے پوچھ رہی تھی۔

"آر یو ریڈی دعا....." نوال چلاتی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔ رابعہ احمد ماتھے پر بل ڈالے باہر نکل گئیں۔ انہیں دعا کا انکار بہت برا لگا تھا۔ دعا کے جلتے دل پر پھوار پڑی۔

☆ ☆ ☆

وہ لان میں شام کی چائے پی رہے تھے جب تبریز ملک کی مرسیڈیز نے ہارن دیا۔ وہ شاذو نادر ہی ان کی طرف آتے تھے۔ مریم اور الیاس احمد' چائے کے کپ رکھ کے استقبال کے لیے اٹھ گئے۔

"السلام علیکم بھائی صاحب۔" مریم ان کے سینے سے جا لگی۔

"وعلیکم السلام' کیسی ہے میری گڑیا؟" انہوں نے اس کے سر پہ بوسہ دیا۔

"آپ کے لیے بہت اداس تھی۔" مریم نے ان سے الگ ہو کر پیار بھرا شکوہ کیا۔ الیاس احمد نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"بچوں میں اتنی مصروف رہتی ہے ورنہ میں تو کہتا ہوں کہ مہینے میں ایک آدھ بار چکر لگا لیا کرے۔" چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق' الیاس نے فٹ سے جھوٹ گھڑا۔ مریم نے دانت کچکچا کے انہیں گھورا۔

"آئیں بیٹھیں بھائی صاحب۔" مریم پیچھے ہٹی۔ وہ ان کے ساتھ لان چیئرز پر ہی بیٹھ گئے۔

"الیاس احمد میں تمہاری طرف آیا تھا' کافی روز پہلے تم نے کسی لڑکی کا ذکر کیا تھا۔ کب اس کے پیرنٹس سے ملواؤ گے۔" وہ اسی لیے آئے تھے کہ ایک بار خود اس سے پوچھ کے تسلی کر لیں۔ الیاس احمد نے گلا کھنکارا۔

"جی بھائی صاحب! صرف دو چار روز میں....." جواب ابھی بھی واضح نہیں تھا۔

"اتنی تاخیر کی وجہ جان سکتا ہوں۔" انہیں اپنے بہنوئی پر بھروسا نہیں تھا لیکن بہن کی وجہ سے لحاظ کرنا پڑتا۔

"جی وہ..... ایکچوئلی اس کی والدہ کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔" انہوں نے دوسری بار بڑا موزوں جھوٹ بولا۔

"ڈاکٹرز نے آپریشن کا کہہ دیا ہے' میرا ایک سرونٹ بھی اپنی بیٹی دینے پر راضی ہے' پاسپورٹ ویزہ میں بھی ٹائم لگے گا' اگر دو چار دن میں بات بن جائے تو ٹھیک ورنہ میں سرونٹ کی بیٹی سے نکاح پڑھوا دوں گا۔" انہیں اپنی فیملی کے پاس شفٹ ہونا تھا اسی لیے ارادہ بتا دیا۔

"نہیں..... نہیں بھائی صاحب' صرف چند دن' میں ان لوگوں کو زبان دے چکا ہوں' پلیز ایسا مت کریں۔" الیاس احمد کو اپنی پڑ گئی' وہ اتنے پاپڑ کس لیے بیل رہے تھے۔

"اوکے' لیکن میں زیادہ ویٹ نہیں کروں گا۔" انہوں نے صاف کہہ دیا' وہ مزید اس معاملے کو لٹکانا نہیں چاہتے تھے۔

"جی میں جلد ان شاء اللہ آپ کو خوش خبری سناؤں گا۔" انہوں نے بڑے وثوق سے کہا۔

"بیگم صاحبہ! چائے لگا دی ہے۔" ملازمہ نے آکر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اطلاع دی۔
"آئیں بھائی صاحب! اندر چلتے ہیں۔" مریم کھڑی ہوگئی۔
"بڑی کوئیک سروس ہے بھئی تمہاری لیکن میں نے لنچ لیٹ کیا تھا۔" انہوں نے مریم کو چھیڑا۔
"ہرگز نہیں بھائی صاحب' چائے تو آپ کو ہمارے ساتھ پینا پڑے گی۔" الیاس احمد نے بڑے اصرار کے ساتھ روکا۔
"آئیں ناں بچوں نے بھی ٹیوشن پڑھ لی ہوگی' آپ کو دیکھیں گے تو خوش ہوجائیں گے۔" مریم ان کی آمد پر بہت خوش تھی۔ وہ بھی اس کا دل رکھنے کو اندر چل دیئے۔

✡ ✡ ✡

پورے بیس منٹ کے انتظار کے بعد وہ دونوں پورچ میں آئی تھیں۔ عمیر نے پہلی بار دعا کو گہرے رنگ کے سوٹ میں ملبوس پایا تو کئی لمحے ساکت گزر گئے۔ دعا کی آنکھیں جھک گئیں' خوشی یا حیا سے نہیں بلکہ شرمندگی سے اگر اور کوئی پل ہوتا تو وہ تعریفوں کے پل باندھ دیتا۔ دعا کی پلکیں کپکپا رہی تھیں۔
"بھائی! ہم کیسے لگ رہے ہیں؟" نوال کسی ماڈل کی طرح کمر پر ہاتھ رکھ کے گھوم گئی۔ نوال نے زبردستی کاجل کی لکیر اس کی گھور سیاہ جیسی آنکھوں میں بھی ڈال دی تھی۔ عمیر کا کل شام سے کثافتوں بھرا دل' ان آنکھوں میں کہیں کھو گیا۔ اس کے دل میں ٹھنڈک سی جگہ بناتی گئی۔
"بہت اچھی' بالکل الگ سی۔"
اس کا دل کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ڈول رہا تھا۔
نوال' عمیر کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی مسلسل کان کھا رہی تھی۔ اس نے غیر محسوس طریقے سے بیک ویو مرر دعا پر سیٹ کیا۔ وہ سر جھکائے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ اس نے نوال کو ٹھوکا دے کے' دعا کی طرف متوجہ کروایا۔ عمیر جیسے پریکٹیکل بندے کا ایمان ڈگمگا گیا۔ اس کا دھیان سیاہ آنکھوں میں جل بجھ رہا تھا۔ نوال نے مڑ کر دیکھا اور پھر ہانکنے لگی۔
"عمیر بھائی' دعا تھوڑا سا گروم ہو کے' اپ سیٹ زیادہ ہوگئی ہے۔ بٹ آئی تھنک وہ کینفیوز کسی اور وجہ سے ہے' یہ کافی روز سے خاموش اور سہمی ہوئی سی لگ رہی ہے۔" نوال نے اتنی مصروفیت کے باوجود بھی کتنا گہرا نوٹس لیا تھا۔ عمیر سے مزید رہا نہ گیا۔
"تمہیں ایسا کیوں لگا؟"
"میں جب بھی گھر آتی ہوں' یہ محترمہ بے حس' اسٹیچو بنی بیٹھی ہوتی ہیں' ایسے جیسے سارے جہاں سے روٹھی ہوں۔" دعا کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اسے ان کے اندازوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔
"نوال' تمہاری فرینڈ اریقہ کے پیرنٹس کا پیچ اپ ہوگیا۔" عمیر نے نوال کا دھیان دوسری طرف کیا۔
اس نے جو اس کے منہ سے اگلوانا تھا۔ وہ اس تک پہنچ گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

وہ واش روم سے منہ ہاتھ دھو کے نکلی تو عمر کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ اسے جب سے ماں سے خبر ملی تھی کہ وہ عمیر کے ساتھ ڈنر کرنے گئی ہے اس کا پارہ سوا نیزے پر پہنچا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ جانے پر تو چہرے کی سلوٹیں ہی نہ نکلتی تھیں۔
"کہاں گئی تھیں تم؟" اکھڑ اور بارعب لہجے میں تفتیش کا آغاز ہوا۔ دعا نے پوری آنکھیں کھول کے سوال اور سوال کرنے والے کو دیکھا۔
بہت سارے دن اور وقت' وہ ان ماں بیٹے کو سمجھنے میں ضائع کرچکی تھی۔ اپنے حق کے لیے زبان بندی کر کے' نظریں جھکا کے' ہر حکم کی تعمیل کر کے' اسے کوئی نیک نامی کا تمغہ نہیں مل جاتا تھا۔ حق بات کے لیے وہ ذرا بھی رعایت برتنے کو تیار نہیں تھی۔
"کیوں..... تم کیوں اور کس حیثیت سے بازپرس کرنے آئے ہو.....؟" اس نے بھی لہجہ تیکھا کرلیا۔
ابھی اس کے دل پر عمیر کی ناراضی کا زخم تازہ تھا۔
عمر کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔ اس بالشت بھر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کی لڑکی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی جرأت کرلی تھی۔

"تمہارے ٹکڑوں پر پلنے والی' گھٹیا' تھرڈ کلاس' کمینی' ذلیل لڑکی۔" یہ تمام گالیاں وہ دل میں ہی دے سکتا تھا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار اپنی زبان اور غصے پر جبر کیا۔

"نہیں..... وہ میں..... آئم سوری میں تو یوں ہی۔"

بے اختیار زبان سے معافی پھسل گئی۔ اس کے گھٹیا ذہن کو پچھتاوؤں نے گھیرا لیکن خیر' معافی ایک کروڑ روپے کی تھی' مانگنے میں کوئی خاص حرج نہیں تھا۔ یہی سوچ کے خود کو تسلی دی گئی۔

"اٹس اوکے' تمہیں کوئی کام تھا۔" اس کے ذہن میں ہر طرف عمیر کی ناراضی کا غلبہ ــ تھا۔ اسے عمر زہر لگ رہا تھا۔ وہ ان سے نپٹنے کا ارادہ باندھ چکی تھی' وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی ذلت کی دلدل میں کیوں گرتی۔

"ہاں' نہیں میں یوں ہی' کیا میں تمہارے روم میں نہیں آسکتا۔" عمر کا جی چاہ رہا تھا کہ تھپڑ مار مار کے اس کے گال سرخ کردے یا پھر زمین پر تو ضرور اٹھا کر پٹخ دے۔

"آسکتے ہو لیکن فی الحال مجھے چینج کرنا ہے۔ پھر کسی وقت تشریف لانا۔"

غیر واضح طور پر اسے جانے کا کہہ دیا گیا۔

اس نے ان ماں بیٹے کی نیت کا فتور پکڑ لیا تھا۔ اب وہ ان پر اندھا اعتماد کرکے' اپنا نقصان نہیں کرسکتی تھی۔

عمیر کے جبڑے اور مٹھیاں بھنچ گئیں۔ وہ کھولتے دماغ کے ساتھ اس کے کمرے سے نکلا۔ دعا اسٹینڈ سے تولیہ اتار کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کے چہرہ صاف کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

ریاض احمد چیئر کی پشت تھامے میز کو گھور رہے تھے۔ عمیر نے ریسٹ واچ پر وقت دیکھا۔ پورے چھ منٹ ہوگئے تھے اسے اس کرسی پر بیٹھے' خاموش پر سوچ باپ کو تکتے۔ ان کا مراقبہ ٹوٹ ہی نہیں رہا تھا۔

"کیا بہت بڑا نقصان ہوگیا ہے۔" عمیر یہ ہی سمجھا۔

"ہاں' بہت بڑا۔" انہوں نے سر نفی میں ہلایا۔

"کک..... کیا ہوا پاپا جان؟ اووری تھنک از او کے۔" عمیر کا دل ڈوب گیا' وہ بیٹھے سے کھڑا ہوگیا۔

"میں نے حمید چودھری کو ٹرمینیشن لیٹر بھیج دیا ہے۔" انہوں نے بتاتے ہوئے لمبا سانس خارج کیا۔ حمید چوہدری ان کی اسلام آباد والی برانچ کے منیجر تھے۔ چوبیس سال پرانے' انتہائی تجربہ کار اور ایماندار کارکن تھے۔

"مگر کیوں پاپا جان؟" عمیر کو واقعی زور کا جھٹکا لگا' وہ پھر سے کرسی پر گر گیا۔

"میں نے عمر کو اسلام آباد بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔" یہ بتانا بھی ان کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔

"اس طرح اچانک سے' اینی سولڈ ریزن۔" یہ پہلا اتنا بڑا فیصلہ' جو انہوں نے اسے اعتماد میں لیے بغیر خود ہی کرلیا تھا۔

"اگر یہ سب نہ کروں تو کیا کروں' جو ہو رہا ہے' وہ ہونے دوں' ان سب کو فری ہینڈ دے دوں۔" انہوں نے اپنی نشست سنبھال لی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" عمیر کا ذہن شاک میں تھا۔ عقل اتنی حاضر نہیں تھی کہ وہ ذو معنی الفاظ کو پکڑ لیتا۔

"تم گھر میں نہیں ہوتے؟ کیا تمہاری آنکھوں پر بھی پردے پڑ گئے ہیں' تم کوئی تبدیلی نوٹ نہیں کرپا رہے۔" وہ ایک ہی سانس میں پے در پے سوال کرتے اس پر برس پڑے۔ عمیر نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"پیسے کا نقصان ہوجانا چاہیے' عزت کا نہیں۔" وہ بڑبڑائے۔ اتنا بڑا اور مثبت قدم اٹھالینا ان کی دوراندیشی تھی' انہیں اپنے گھر' عزت' رشتوں اور عاقبت کو بچانا تھا۔ وہ اپنے خاندان کے منصف اعلا تھے انہیں یہی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

زیب دیتا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ بریف کیس اور لیپ ٹاپ صوفے پر رکھ کے' فارم لیے سیدھا دعا کے کمرے میں گیا۔ رابعہ احمد کباب فرائی کر رہی تھیں۔ انہوں نے مڑ کر عمیر کو اس کمرے کی طرف بڑھتے دیکھا تو کڑاہی کے نیچے دھیمی آنچ تیز کردی۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ جائے نماز لپیٹ رہی تھی۔

"یہ پاپا جان نے فارم بھجوائے ہیں انہیں فل کرلینا۔" اس نے فارم ڈریسنگ ٹیبل پر دھر دیا۔

"کس چیز کا فارم؟" اس کے ذہن میں نہ آسکا۔

"کسی کورس میں ایڈمیشن کے فارم ہیں' فل کر کے بھجوا دینا۔" یعنی وہ خود اس کے کمرے میں نہیں آیا تھا بلکہ بھجوایا گیا تھا۔ اس نے صرف کام کی بات کی تھی۔ حال احوال اور نہ ہی.....؟

"جی....." اس نے فارم اٹھا کے پڑھا۔

"عمیر! کیا ہوا؟ کوئی خاص بات ہے۔" رابعہ احمد بھاگی آئی تھیں۔

"جی' کورس کے ایڈمیشن فارم دینے آیا تھا۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ دعا کے ہاتھ بے جان پڑ گئے' اس نے فارم واپس ٹیبل پر دھر دیے۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے فوراً" اس کی سستی کو نوٹ کیا۔

"کچھ نہیں۔" اسے عمیر کی اجنبیت نے دکھی کر دیا تھا۔

"اگر نہیں موڈ بن رہا تو نہ لو ایڈمیشن' میں خود ہی تمہاری ماموں کو سمجھا لوں گی۔" دعا کا دماغ بھک سے اڑ گیا' وہ اسے کسی تین چار سال کی بچی کی مانند ٹریٹ کر رہی تھیں جو انگلی پکڑ کے ان کے پیچھے چلتی جائے۔

"میں نے آپ سے کوئی فیور نہیں مانگی' ماموں نے جو کیا ہے' بہتر کیا ہے۔" دعا کا انداز دو ٹوک ہو گیا۔ وہ اتنی آسانی سے انہیں خود سے کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی اسے خود ہی اپنے لیے لڑنا تھا۔

"میں عمیر کے لیے چائے بنالوں۔" اب ان کا مڑنا ہی بنتا تھا۔ دعا نے زور سے سر کو جھٹکا اور دراز کھول کے بال پین ڈھونڈنے لگی۔

☆ ☆ ☆

چودھویں کا چاند پورے آسمان کو روشن کیے ہوئے تھا۔ اس نے تمام بیرونی فینسی لائٹس بجھا دی تھیں۔ پورے چاند کی روشنی میں وسیع لان کی بھیگی گھاس پر پڑے شبنم کے قطروں کو ننگے پیروں کے نیچے دبانا یوں لگتا تھا جیسے آسمان پر ستاروں کے اوپر چل رہے ہوں' ایک انوکھی سی خوشی دل میں جنم لیتی۔

"کیا ہم ساری زندگی یوں ہی تنہا ایک دوسرے کے سہارے گزار دیں گے۔" یہ سوال پرانا اور اسے ازبر ہو گیا تھا۔ وہ ہر دفعہ کافی تسلی بخش جواب دیتا' لیکن وہ مطمئن نہ ہوتا۔

"میں اور تم' پھر تھوڑے عرصہ تک' ماں اور پاپا بھی آجائیں گے اور پہلے کی طرح مل جل کر رہیں گے۔" احسن کا دل بھی جگڑا گیا۔ یہ سوال اس کے اندر چبھے گاڑ دیتا۔

"پہلے کی طرح....."

"میں بہت ہنسا کرتی تھی' زور' زور سے' تم مجھے ڈانٹا کرتے تھے۔ بدھو' بے وقوف کہہ کر غصہ نکالتے۔" وہ ماضی میں کھو سی گئی۔ احسن کے ہونٹوں پر ہنسی ٹھہر گئی۔

"سارے گھر میں میرے چیخنے چلانے سے رونق رہتی' اب تو مجھے اپنی ہی آواز اجنبی لگتی ہے۔ ذرا اونچا بول دوں تو دل سہم جاتا ہے اور زور سے ہنسے تو بہت عرصہ بیت گیا ہے۔" وہ خود ترسی کا شکار رو دینے کو تھی۔ احسن کتنے ماہ کی سر توڑ کوشش کے باوجود بھی' اس کے اندر کا روگ ختم نہیں کر سکا تھا۔

"پلیز انو جان! تم نے کیوں اس صدمے کو خود سے چمٹا رکھا ہے۔ جو ہمارے مقدر میں لکھا تھا وہ ہو چکا' تم اس پر صبر کیوں نہیں کر لیتیں۔ جو کچھ ہے اس پر خوش

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

رہنا سیکھ لو۔" اس نے ہمیشہ کی طرح اس کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"کیا ہے ہمارے پاس' جس پر خوش ہوا جاسکے۔" یہ ناشکری نہیں' زندگی سے بے زاری تھی۔

"میں' میرے پیرنٹس' ہماری محبتیں' کمپلیٹ ہیپی فیملی ویٹس اٹ۔" اس نے سب گنوادیا۔

"تو' نیور' نو کمپلیٹ اینڈ نو ہیپی فیملی۔۔۔ کمی ہے احسن' تم اس کمی کو کیوں ایکسپٹ نہیں کرلیتے' نہیں ہوں میں مکمل' ادھوری عورت ہوں' تم مجھے جھوٹی تسلیاں مت دیا کرو۔" وہ ایک دم سے ہائپر ہوگئی۔ احسن خاموش اسے دیکھتا رہا۔ وہ ایسی ہی ہوگئی تھی' پل بھر میں بپھر جاتی۔ اس کے اندر کا گھاؤ بھرا نہیں جاسکتا تھا' نہ دعا سے اور نہ ہی دوا سے۔۔۔

☆ ☆ ☆

ریاض احمد گھر آکے اسٹڈی روم میں مقید ہوگئے' یہ ان کی عادت تھی۔ جب انہیں پریشانی یا کسی پر غصہ ہوتا تو وہ اسٹڈی میں جا بیٹھتے۔ رابعہ احمد چائے کی ٹرے لے آئی تھیں' کیونکہ آج ان کے دل میں کوئی چور نہیں تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے ریاض احمد۔" وہ ٹرے میز پر رکھ کے چائے بنانے لگیں۔

"تمہیں بہت بہت مبارک ہو رابعہ بیگم۔" یہ ان کا خاص طرز تخاطب تھا جو غصے کے وقت استعمال کیا جاتا تھا۔

"کیسی مبارک باد؟" وہ حیران تھیں۔

"میں نے تمہارے لائق' ہونہار' لاڈلے بیٹے کو اسلام آباد والی برانچ کا چارج دے دیا ہے۔" یہ خبر وہ کس دل سے دے رہے تھے' وہی جانتے تھے۔

"اوہ۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ ان بلیو ایبل۔" ان کے ذہن سے شوہر کا چند لمحے قبل والا غصہ نکل گیا۔ وہ خوش تھیں' بے حد خوش۔ یہی ان کی بھی خواہش تھی' لیکن وہ یہ سفارش کر نہیں سکتی تھیں۔ اب یہ معجزہ خود ہی ۔۔۔ ہوگیا تھا۔

"آپ سے مذاق کیا کروں گا' میں نے یہ کڑوا گھونٹ بھر لیا ہے۔" ریاض احمد ان کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کررہے تھے۔ یہ ان کی سخت ناراضی کا انداز تھا۔

"کیا آپ دل سے خوش نہیں ہیں؟" رابعہ احمد کے مسکراتے ہونٹ سکڑ گئے۔ بھلا یہ سوال پوچھنے والا تھا' ان کے تاثرات سب واضح کررہے تھے۔

"پتا نہیں دل سے کیسے خوش ہوا جاتا ہے' میرے دل کو مارو گولی' رہ گیا خوشی کا سوال' تو ہاں میں خوش نہیں ہوں۔" انہوں نے جذبات کو چھپانے میں ہیرا پھیری نہیں کی تھی۔

"کیوں؟" رابعہ احمد بالکل انجان تھیں۔

"تم نے اپنی ذمہ داریوں سے آنکھیں چرالیں تو مجبوراً مجھے یہ سب کرنا پڑا۔" انہوں نے جتلایا۔

"پلیز ریاض' صاف صاف بات کریں' آئی کانٹ انڈر اسٹینڈ۔" وہ واقعی ناسمجھ بن گئیں۔

"تم اتنی لاپروا تو نہیں کہ گھر میں کون' کیا کررہا ہے' اس سے بے خبر رہو۔" لہجے کی تلخی سیدھی ان کے دل میں جا اتری۔ دنوں کا غبار تھا جو اندر پل رہا تھا۔

رابعہ احمد نے تھوک نگلا' وہ ان کا اشارہ سمجھ گئی تھیں لیکن اس میں اتنا غصہ اور ناراض ہونے والی بات تو نہیں تھی۔ رابعہ احمد کی یہی کوشش تھی کہ ان دونوں کا تعلق شوہر کی نظروں میں آجائے۔ جو آگیا تھا اور پھر دعا کا رشتے سے انکار والا جھوٹ' شاید ان کی سوچ کا ٹریک بھی بیوی والا ہوگیا تھا۔ اسی لیے عمر کا مستقبل سنوارنے کا فیصلہ ہوگیا۔

"ڈونٹ وری اباوٹ اینی تھنگ' چائے پئیں۔" وہ اس سے زیادہ تسلی نہیں دے سکتی تھیں۔

انہیں زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی تھی۔ دو' تین وار ہی خاصے کاری نکلے تھے۔ ان کا دل خوش تھا۔ انہیں کسی کی پروا نہیں تھی۔ انہیں اپنی فتح پر غرور تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کے کمرے کے باہر کھڑے عمیر کا دل اتھاہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

گہرائیوں میں ڈوب کے ابھر رہا تھا۔ اس نے کبھی اتنا برا خواب بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ اپنی محنت سے اسٹینڈ کی ہوئی کمپنی یوں اس کے سپرد کردے گا۔ وہ اپنے باپ کا رائٹ ہینڈ تھا۔ ان کی طبیعت اچانک سے بگڑ جاتی، ورنہ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنے بزنس کو فارن کنٹریز تک وسعت دے۔ اسلام آباد والی برانچ کا چارج سنبھالے۔ اب بدلتے حالات کا تقاضا یہی تھا۔ اس نے بے جان اور ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں سے دستک دی۔

"یس کم ان۔" اندر سے فوراً بلاوا آگیا۔ اس نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھلتا گیا۔ عمر تین تکیوں پر سر رکھے، بوٹوں سمیت بیڈ پر لیٹا، موبائل پر نیٹ سرچنگ کررہا تھا۔ عمیر کو اپنے کمرے کی چوکھٹ پر دیکھ کے حیرت میں گھر گیا۔

"زہے نصیب، آج ہماری آرام گاہ کو بہت بڑی ہستی نے تشریف آوری کا شرف بخشا ہے۔" اس کے ذہن میں آیا کہ وہ دعا کے لیے کوئی دھمکی یا تنبیہہ کرنے آیا ہوگا۔ اس لیے استقبال بڑی ثقیل اردو سے کیا گیا۔

"تم یہیں ٹھہرے رہو، ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا، میں بیس پچیس منٹ میں تمہارے لیے پھولوں کے ہار اور فرش راہ کرنے کے لیے گلاب کی پتیاں لے کر آتا ہوں۔" وہ بڑی سنجیدگی سے کہتا قریب سے گزرنے لگا۔

"اتنے تردد میں مت پڑو، یہ موقع تم اپنے لیے سنبھال کے رکھو۔ فی الحال میں اپنی مرضی سے نہیں آیا، بھیجا گیا ہوں۔" عمیر نے زمین پر نظریں گاڑ دیں۔

"پریذیڈنٹ آف ہاؤس نے بھیجا ہوگا۔" طنز کیا گیا۔

"ان پیپرز پہ سائن کردینا۔" اس نے پیپر اس کی طرف بڑھائے۔ عمر نے چند لمحے سوچ کے کاغذات پکڑ لیے اور پڑھنے لگا۔

"تمہیں پرسوں اسلام آباد جانا ہے۔ حمید چوہدری دس دن تمہیں ٹریننگ دیں گے اس کے بعد انہیں فائر کردیا جائے گا۔" اس نے باقی کی تفصیل بھی پہنچادی۔

"اس مہربانی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" اس نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا، یہ سب ایک خیرات کی مانند لگا تھا، لیکن اسے خاموشی میں بہتری لگی تھی۔ اسلام آباد جانا ہے یا نہیں الیاس احمد سے مشورے کے بعد فائنل کیا جانا تھا۔

"نقب۔۔۔" اس نے یک لفظی جواب دیا اور پھر مڑ گیا۔

"نقب۔۔۔ یہ کیا، اس کا مطلب کیا ہوتا ہے۔" اس کی اردو کمزور پڑ گئی، اس کے اندر کا تجسس بڑھا۔

"پچیس منٹ لگیں گے، جاؤ اور کسی اردو کے پروفیسر سے اس کا مطلب پوچھو۔" وہ کہہ کر جانے کے لیے مڑ گیا۔

"تمہیں بتاتے ہوئے شرم آرہی ہے۔" اس نے عمر کی اٹھی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"شرم نہیں، ڈر ہے۔ مطلب سن کے، تم میرا گریبان نہ پکڑ لو اور مجھے اپنی سیلف ریسپکٹ بہت عزیز ہے۔" عمیر نے بھی اس کی آنکھوں میں جھانک کے، چبا چبا کے جواب دیا۔

"گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔" عمر کے نتھنے پھول گئے۔

وہ طنزیہ نفی میں سر جھٹکتا واپس مڑ گیا۔

☆ ☆ ☆

الیاس احمد نے لان میں آکر ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ مریم بچوں کو دودھ پلا رہی تھی، ملازم تک وہاں نہیں تھے۔ یوں بھی مریم ان کی جاسوسی نہیں کرتی تھی۔ وہ موبائل نکال کے نمبر ڈائل کرنے لگے۔

"میں بھی آپ کو ہی کال کرنے والا تھا چاچو جان۔" عمر نے چھوٹتے ہی کہا۔

"اوری تھنگ از اوکے۔" انہوں نے پوچھا۔

"نو چاچو! پاپا نے مجھے پرسوں اسلام آباد بھیجنے کا کہہ دیا ہے۔" اس نے فٹافٹ بتایا۔

"تم نے کیا کہا؟" الیاس احمد کو بھی حیرت نے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

گھیرا۔

"کچھ نہیں' میں نے سوچا انکار یا اقرار کرنے سے پہلے آپ سے پوچھ لوں۔" اس نے اپنی تابعداری جتائی۔

"گڈ' تو ایسا ہے کہ تم اسلام آباد جانے کی پیکنگ کرلو۔" الیاس احمد نے لمحے بھر میں حساب لگالیا۔

"ہمارے مشن کا کیا ہوگا' اگر میں اسلام آباد چلا گیا۔"

"کل رات تم اس مشن کو وائنڈ اپ کردو گے' کب اور کیا کرنا ہے' یہ میں تمہیں ارلی مارننگ بتادوں گا' ابھی فی الحال تم اپنے باپ کے پاس جاؤ اور اس کا شکریہ ادا کرو' ایک اور احتیاط' وہ یہ کہ۔۔۔" وہ اسے آگے کا پلان بتانے لگے۔ عمر سنتا اور ذہن نشین کرتا جارہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ گھٹنے کھڑے کیے' بازو ان کے گرد لپیٹے' ان پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کئی روز ہوئے اڑ چکی تھی۔

رابعہ ممانی اس سے بہت محبت اور شفقت سے پیش آتیں۔ وہ جب بھی ان کے گھر آتی' وہ اس کا بے حد خیال رکھتیں۔ عمر نے کبھی اسے اچھا نہ جانا تھا۔ وہ اپنے باپ کا غصہ دعا پر نکالتا' بلکہ ہر وقت رہتا ہی انا اور غرور میں تھا۔ اسے اپنے علاوہ باقی سب حقیر لگتے۔ وہ جب بھی دعا کی انسلٹ کرتا رابعہ احمد اس کی ڈھال بن جاتیں۔ اس کا ٹوٹا دل جوڑے رکھنے کو اپنے لاڈلے کو کھری کھری سناتیں' اسے خود سے لگا کے پچکارتی رہتیں اور عمر کو برا بھلا کہتیں۔ وہ ہمیشہ اس کا ٹوٹا حوصلہ بڑھاتی آئی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ وہ عمر سے کئی بار بے عزت ہونے کے باوجود باقی سب کے خلوص سے متاثر چھٹیوں اور ویک اینڈ پر چلی آتی۔

انہوں نے کبھی اس کی عمیر اور نوال سے دوستی پر پابندی نہیں لگائی تھی۔ وہ ماموں جان کی لاڈلی تھی۔ وہ اسے ہر سیزن شاپنگ پہ لے جاتے' انہیں اس پر بھی اعتراض نہیں تھا۔

وہ اس کی ماں صفیہ بیگم کی بھی بہت عزت کرتی تھیں' انہیں نند کے ساتھ ساس کا بھی درجہ دیتیں' کبھی ان سے اونچی آواز میں بات تک نہ کی' ان کی ہر رائے ان کے لیے مقدم ہوتی۔

پھر اب ایسا کیا ہوگیا تھا۔ وہ ایک دم سے مکمل طور پر بدل گئی تھیں۔ وہ جو عمر کے سائے سے بھی اسے دور رکھتی تھیں۔ اب خود اس کے سپرد کرنے لگیں' بلکہ وہ اسے عمر کے ساتھ بہتر رویہ اور تعلقات رکھنے پر لیکچر دیتیں۔

اور عمر کو کیا ہوگیا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کے لیے گھٹیا اور بدترین الفاظ استعمال کرتا' منحوس' چڑیل' غرضیکہ جو اس کے منہ میں آتا وہ بولتا چلا جاتا۔

اب وہی عمر اتنی نرمی اور تحمل سے بات کرتا کہ دعا کو کئی بار دھوکا ہوا۔ اس کے ذہن میں مختلف وسوسے آتے۔ اس کا دل بالکل نہیں چاہتا تھا کہ وہ عمر کی کوئی بات مانے' اس سے میل جول بڑھائے یا باہر گھومے پھرے' لیکن وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ رابعہ احمد کے سامنے ڈٹ جاتی یا عمر کے منہ پر صاف انکار مارتی۔ (اور اپنے گھر چلی جاتی۔)

اگر وہ اتنی جرأت کرلیتی' تو ان سے کیا بعید تھا۔ سارا دن گھر میں وہ' رابعہ' ممانی اور عمر ہی ہوتے تھے۔ وہ ممانی کو جواب دے کے' خود پر بدتمیزی کا ٹیگ نہیں لگوا سکتی تھی اور عمر اس کا جینا حرام کردیتا' اسے مجبوراً ان ماں' بیٹے کی ہر بات کو بلا چوں وچراں ماننا اور عمل کرنا تھا۔

عمر سے وہ کچھ بھی شیئر نہیں کرسکتی تھی۔ وہ اس کے لیے بہت پوزیسو تھا۔ وہ ماں سے بحث کرتا اور عمر کا گریبان پکڑنے تک نوبت آجاتی' دعا سے اس کی لاتعلقی ہی تھی۔ وہ اس سے ناراض تھا' اس کی ناراضی دعا کے اعصاب پر بہت بھاری تھی۔ وہ کبھی اس سے ناراض نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے منانے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھی' اسے عمر کو ساری سچائی بتانی پڑتی' جو وہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا کوئی سائبان نہیں تھا۔ اس کے پاس اس گھر کے علاوہ اور کوئی محفوظ چھت نہیں تھی۔ حماد اس کا سوتیلا بھائی، جس نے یہاں آجانے کے بعد ایک فون کال بھی نہیں کی تھی۔ وہ اس پر کیسے مان لیتی۔ وہ خود کی حفاظت کرتی، اس گھر کے مکینوں کو اپنے خلاف نہیں کر سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

جس روز سے اس نے دعا اور عمر کو گاڑی میں دیکھا تھا، تب ہی سے اس کا ذہنی سکون غارت ہو گیا تھا۔ وہ عمر سے اس حد تک ڈرتی تھی کہ اس کی موجودگی میں کبھی لاؤنج اور کچن تک نہیں آئی تھی۔ اب وہ دونوں سیر سپاٹے کرتے پھرتے تھے۔ ان کے بیچ انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔ تو وہ اس سے شیئر کر لیتی، وہ اپنا ہر دکھ سکھ ایک دوسرے سے شیئر کرتے آئے تھے۔ وہ عمر سے سب چھپاتی اور اسے اگنور کر رہی تھی۔ رابعہ احمد کے جھوٹ نے اسے مزید الجھا دیا تھا، پھر ریاض احمد کا اسے اسلام آباد بھیجنے کا اسٹیپ لینا، یعنی وہ بھی کچھ نہ کچھ جانتے تھے، کچھ ایسا جو وہ عمر سے بھی شیئر نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بھی انہیں کرید کے مزید ذہنی اذیت میں مبتلا نہیں کر سکتا تھا۔ اسے دعا کے بدلتے رویے پر سخت دکھ تھا۔ اسے گھریلو سیاست نہیں آتی تھی کہ وہ دعا کو اعتماد میں لیتا۔ ماں سے کیسے سچ اگلواتا۔ ماں نے بھی جھوٹ بول کے اس کا مان توڑ دیا تھا۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ سے عمر کی فیور کرتی آئی تھیں۔

دعا کا رونا، مغموم سی صورت، خاموشی یہ سب ظاہر کرتے تھے کہ وہ کسی ٹینشن میں ہے۔ وہ جتنا سوچتا، اتنا ہی الجھتا جاتا۔

"یا خدا سب ٹھیک کر دے۔" اس نے منہ پر ہاتھ پھیرتے دعا مانگی۔

☆ ☆ ☆

وہ ماں کی گود میں سر رکھے لیٹا لاڈ کر رہا تھا۔ رابعہ احمد نرمی سے اسے اونچ نیچ سمجھا رہی تھیں۔

"تمہارے پاپا نے، تم پہ بہت بڑا ٹرسٹ کیا ہے۔ پلیز عمر! اب تم پورا اترنا، ان کا اعتماد بالکل نہ توڑنا، اتنی محنت اور لگن سے کام کرنا کہ انہیں تم پر فخر ہونے لگے، ان کی تمام شکایات دور ہو جائیں۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

"اس سب کے بدلے میں، مجھے کیا ملے گا؟" اس نے کسوٹی کھیلی۔

"بہت سارا ثواب، تمہارے والد تم سے راضی ہوں گے تو رب العزت تمہیں ضرور اجر دے گا۔" رابعہ احمد کی عقل نے یہیں تک کام کیا تھا۔

"لیکن مجھے اجر آپ سے چاہیے۔" اسے آج کی تاریخ میں اس کھیل کو ختم کرنا تھا۔

"کیسا اجر؟" رابعہ احمد کا چلتا ہاتھ رک گیا۔

"دعا... مجھے بدلے میں دعا چاہیے۔" اس نے ماں کا ہاتھ تھام کے آنکھوں سے لگا لیا۔ رابعہ احمد مسکرا دیں۔

"اتنا کم ریٹرن، بائی دا وے میں نے پہلے سے دعا تمہارے ہی لیے سوچ رکھی ہے۔" انہوں نے بیٹے کے سامنے دل کا بھید کھول دیا تاکہ وہ دل لگا کے محنت کرے۔ عمر کو بھی یہی شک پڑا تھا جو سچ نکلا۔

"اوہ! رئیلی مام، آئی لو یو مام سو مچ، پھر آپ اس کی بہت سی حفاظت کیجیے گا۔" وہ اٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنی بھولی ماں کے ہاتھ چوم لیے، لہجے میں ازحد فکر سمو لی۔

"بہت بدتمیز ہو گئے ہو تم۔"

رابعہ احمد نے اس کے سر پر چپت لگائی اور ماتھا چوم لیا۔ وہ بہت عرصہ بعد دل سے خوش ہوئی تھیں، ان کا روم روم جھوم اٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر، خود کو بیڈ روم تک محدود کر لیا تھا۔ رابعہ احمد اسے باہر بلواتیں تو وہ ان کی ہیلپ کروا دیتی، ورنہ کسی نہ کسی کونے میں گھسی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

رہتی۔

وہ لیٹی کتاب پڑھ رہی تھی۔ جب دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ فٹ سے اٹھ بیٹھی' آنے والی شخصیت دو ہی ہو سکتی تھیں۔ رابعہ احمد یا عمیر۔ اس نے دوپٹا ٹھیک سے کندھوں پر پھیلا لیا۔

"یس۔۔۔" اس کی آواز میں نقاہت تھی۔ عمر باچھیں چیرتا حاضر تھا۔ اس کے موڈ پر اوس پڑ گئی۔

"فری ہو۔" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"میں ہر وقت فری ہی ہوتی ہوں۔" اس نے اپنی کم مائیگی پر طنز کیا۔

"تو چلو اٹھو' میرا مووی دیکھنے کا موڈ بن رہا ہے۔" بڑے ہی لاڈ سے فرمائش کی گئی۔

"لیکن میرا دل نہیں چاہ رہا۔ آئی مین مجھے موویز میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔" اس نے انکار کرنے کی ہمت پکڑی۔

"تمہارے دل کی ایسی کی تیسی۔" اس نے ذہن میں للکارا۔

"یو ڈونٹ نو' میں کل اسلام آباد جا رہا ہوں' اب وہیں رہوں گا۔" اس نے شکل پر اداسی طاری کرلی۔

"یہ تو اچھی خبر ہے۔" دعا کا دل بلیوں اچھلا۔ اتنے دنوں بعد ملنے والی پہلی خوشی تھی۔

"تم مجھے مِس کرو گی۔" وہ بڑی آس سے پوچھ رہا تھا۔

"یادیں اچھی ہوں یا بری' ان پر پہرہ نہیں بٹھایا جا سکتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے باور کروایا۔ وہ ابھی اتنا بے وقوف نہیں ہوا تھا' اس کا جی چاہا کہ ٹیبل اس کے اوپر الٹ دے۔

"تو پھر تم میرے ساتھ مووی پر چل رہی ہو نا' میں چاہتا ہوں جب میں وہاں پر تنہا بیٹھا ہوں تو میرے پاس بہت سی خوب صورت یادیں ہوں' جو میری تنہائی دور کرنے اور مسکرانے کا سبب بنیں۔" وہ ڈھٹائی سے کہہ رہا تھا۔

"ہم گھر پر مووی دیکھ لیتے ہیں۔"

"نہیں دعا! بس آخری بار لنچ کریں گے' مووی دیکھیں گے اور۔۔۔ اور جو تم کہو وہ۔۔۔ بٹ تم ایسے نہیں مانو گی' میں ماما کو بلاتا ہوں۔" وہ اسے نظروں کے حصار میں جکڑے ہوئے تھے۔

"آخری بار۔۔۔ خدا کرے' یہ واقعی آخری بار ہو۔" اس نے صدق دل سے دعا کی تھی' جو فوراً" سن لی گئی۔ وہ ناچار بیڈ سے اٹھنے لگی۔ عمر اپنی جیت پر مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ ریوالونگ چیئر گھماتا گہری سوچ میں غرق تھا۔ جہاں عمر کو اسلام آباد والی برانچ ملنے پر افسوس تھا' وہاں یہ خوشی تھی کہ اس کا سایہ بھی دعا سے دور ہو گیا تھا۔

"میں آج دعا کو مناؤں گا' اس سے ڈھیر ساری باتیں' ہنسی مذاق ہو گا' وہ پھر سے گھل مل جائے تو یقیناً" سب کچھ مجھ سے شیئر کرلے گی۔ عمر ہم دونوں کو دور نہیں کر سکتا۔ میں اسے اپنی دعا چھیننے نہیں دوں گا' میں بے وقوف ہوں' جو اس سے ناراض ہوں' جب میں حقیقت سے آگاہ نہیں تو کیوں اپنے دل میں وہم کو جگہ دوں۔ مجھے اپنی محبت اور دعا پر اعتماد ہے' اس نے کچھ بھی غلط نہیں کیا ہو گا۔"

وہ خود کو سرزنش کرتا' موبائل نکال کے گیلری میں سے اس کی تصاویر نکال کے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر روشنی سی چمکنے لگی۔

"کتنے روز ہو گئے ہیں' مجھے اسے جی بھر کے دیکھے' اس کی آواز سنے۔" موبائل آف کر کے گاڑی کی چابی دراز سے نکال کے وہ اٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"دعا۔۔۔ دعا۔۔۔" رابعہ احمد نے خالی کمرہ پا کر اسے آوازیں دیں۔ وہ واش روم سے ٹاول سے بال خشک کرتی نکلی۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں' عمر تمہارا انتظار ویٹ کر رہا ہے۔" وہ اسے واش روم سے نکلتا دیکھ کے ناراض ہو گئیں۔ عمر کب سے انتظار میں کھڑا تھا'

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اسے غصہ بھی آسکتا تھا۔

"میں فریش ہورہی تھی' عمر تھوڑا ویٹ اور کرلے گا۔" وہ جان بوجھ کر شاور لینے گئی تھی' تاکہ وقت ضائع کرکے اسے چڑا سکے اور شاید وہ غصے میں اول فول بکتا جانے کا پروگرام کینسل کردے۔

"اچھا جلدی سے بال ڈرائی کرو' ہری اپ' میں تمہارا ڈریس چوز کرتی ہوں۔" انہیں کچھ زیادہ ہی جلدی تھی۔

"میں کرلوں گی ممانی جان۔" اسے ان کی پھرتی سے کوفت ہوئی۔ وہ ان سنی کرکے وارڈروب کھول چکی تھیں۔

"یہ والا ڈریس پہنو۔" انہوں نے عمر کا دلوایا ہوا سرخ رنگ کا فراک نکالا۔ دعا کو ممانی جان کی یہ حرکت اور مداخلت بہت بری لگی تھی۔

"میں اس کے ساتھ ڈیٹ پر نہیں جارہی۔" اس نے سنجیدگی سے کہتے برش اٹھالیا۔ رابعہ احمد کو اس کا لہجہ چبھا تھا' لیکن صرف نظر کرگئیں۔

"ڈیٹ پر نہیں' لیکن انجوائے کرنے تو جارہی ہو نا' کھلے دل سے سیلیبریٹ کرو' اس ڈریس میں کیا برائی ہے۔ میرے بیٹے نے تمہیں اتنے چاؤ سے دلوایا ہے' پھر اسے پہننا ہے تو آج کیوں نہیں' دس منٹ میں ریڈی ہوکے آجاؤ' آئی ہوپ کہ مجھے دوبارہ آنے کی زحمت نہیں دوگی۔" وہ بھی دوبدو اسی کے لہجے میں کہتی باہر نکل گئیں۔ انہیں دعا پر تپ چڑھ گئی تھی' دعا نے بھی نخوت سے سر جھٹکا۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت خوش و مگن مرکزی دروازہ کھول کے داخل ہوا۔ رابعہ احمد کچن میں لنچ تیار کررہی تھیں۔

"السلام علیکم ماما جان!" وہ سیدھا ان کے پاس آیا۔

"وعلیکم السلام۔" رابعہ احمد اس کی آواز پر مڑیں۔

"تم اس وقت۔" وہ تھوڑا حیران ہوئیں' کیونکہ وہ کبھی اس ٹائم نہیں آیا تھا۔

"جی یہاں قریب سے گزر رہا تھا تو سوچا پاپا جان کا لنچ لیتا جاؤں۔" اس نے سوچا ہوا بہانا گھڑا۔

"بس تھوڑی دیر ہے۔ میں روٹیاں ڈال دوں' آہی گئے ہو' تو میرے ساتھ لنچ کرلو' میں اکیلی ہوں۔" رابعہ احمد نے آخری جملہ بڑا سوچ کے ادا کیا۔ وہ اس کی دعا سے ناراضی سے آگاہ تھیں۔ اسے مزید آگاہی دینا ضروری تھا۔

"اکیلی کیوں' دعا اور عمر ہیں۔ نوال بھی تھوڑی دیر تک کالج سے آجائے گی۔" اسے اچنبھا ہوا۔

"دعا اور عمر تو مووی دیکھنے گئے ہیں اور نوال کالج سے آکے کبھی کھاتی ہے' کبھی نہیں۔" انہوں نے بڑی مصروفیت دکھائی۔ عمر کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ وہ کتنے ارمانوں اور خوشی سے اسے ایک نظر دیکھنے دوڑا چلا آیا تھا۔ اس کا سارا جوش ملیامیٹ ہوگیا۔

"دعا' عمر کے ساتھ مووی دیکھنے گئی ہے۔" اس نے دکھ سے دہرایا۔

"ہاں عمر کل اسلام آباد جارہا ہے' پھر نہ جانے کتنے روز بعد لوٹے' وہ دونوں اس آخری دن کو سیلیبریٹ کرنا چاہ رہے تھے۔" انہوں نے بڑے جامع اور تکلیف دہ الفاظ میں جھوٹ بولا۔ انہیں اس بات کی بالکل پروا نہیں تھی کہ جب وہ ایسے من گھڑت شوشے چھوڑتی ہیں تو ریاض احمد یا عمر کے دل پر کیا بیتتی ہے۔

"آپ دعا کو عمر کے ساتھ کیوں جانے دیتی ہیں؟" وہ ماں کے سامنے سوال لیے کھڑا ہوگیا۔

"کیوں کا کیا مطلب؟ وہ عمر کے ساتھ کہیں آجا نہیں سکتی۔" وہ ترکی بہ ترکی بولیں۔

"یہ عمر اس پر اتنا مہربان کیوں ہوگیا ہے۔" یہی اس کے دل کی چبھن تھی' جو نوک زبان پر آگئی۔

"تمہیں اس کے اچھا ہوجانے پر کوئی اعتراض ہے۔" رابعہ احمد کو یہ تفتیش بہت بری لگی تھی۔ عمر دعا کے لیے سیریس ہوگیا تھا۔ وہ اسے اپنے طور پر اسے عمر کی امانت تسلیم کرچکی تھیں۔ ان ماں' بیٹے کا عہد ہوگیا تھا۔ اب عمر کباب میں ہڈی بن رہا تھا۔

"مجھے اس دوستی پہ اعتراض ہے۔" اس نے کپٹی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کی پھڑکتی رگ کو انگلی سے دبایا۔

"میں نے تو کبھی تمہاری اور دعا کی دوستی پہ اعتراض نہیں کیا۔" وہ جرح پر اتر آئیں۔

"مجھ میں اور عمر میں بہت فرق ہے۔" اسے یہ اپنی ماں نہیں لگ رہی تھیں۔ جو صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط قرار دیتی تھیں۔

"کیا فرق ہے؟" وہ چولہا بند کر کے اس کے سامنے تن گئیں۔

"کردار کا۔۔۔" وہ ماں کی دیدہ دلیری پر حیران تھا۔

"اپنی اصلاح کرلو کردار کا نہیں اخلاق کا۔" انہیں عمر کے حق کے لیے لڑنا تھا۔ اس کے رستے کی تمام دیواریں گرانی تھیں۔

"آپ اس معاملے میں اس کی حمایت کریں گی' پیٹھ ٹھونکیں گی' اس اعلا کردار والے کی۔" اس نے ماں کی چوری پکڑلی۔ رابعہ احمد اتنے درست تجزیے پر گھبرا گئیں۔ لیکن عمر پر ظاہر نہ ہونے دیا۔

"میں نے انہیں دوستی کا مشورہ نہیں دیا' وہ دونوں خود ہی ایک دوسرے کے قریب آگئے' جیسے دعا تمہارے قریب ہے' مجھے اس پر بھی اعتراض نہیں' وہ خاصی میچیور اور سینس ایبل لڑکی ہے۔ میں اس پہ کوئی پابندی نہیں لگا سکتی' انڈی پینڈنٹ ہے' جو چاہے کر سکتی ہے۔" انہوں نے فوراً گرگٹ کی طرح رنگ بدلا۔ آسانی سے پکڑائی میں آنے والی نہیں تھیں۔

"ماما جان! آپ۔۔۔"

"انیف از انیف عمر! میں دن بھر فارغ نہیں ہوتی کہ عمر اور دعا کی ایکٹیویٹیز دیکھتی پھروں اور تم بھی اس دوستی پر کڑھنا چھوڑ دو' میں لٹن پیک کر رہی ہوں' لیتے جانا۔" انہوں نے بات ہی سمیٹ دی۔ اب ان سے مزید کچھ کہنے یا سننے کی گنجائش نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

اسے ماں کے رویے نے بہت دکھ دیا تھا۔ وہ ہمیشہ سے اس کی ہر چیز اٹھا کے عمر کو دے دیتیں۔ اس کے حصے میں محبت بھری تسلی آتی۔ وہ بے جان چیزوں کو انا اور ضد کا مسئلہ بنا کے ماں کو دکھ میں مبتلا نہیں کرتا تھا۔ وہ ان کی خوشی کی خاطر عمر کو اپنے کپڑے' کھلونے' بیگ' شوز غرضیکہ ہر وہ چیز بخوشی دینے پر راضی ہو جاتا جو اس کی بھی ضرورت کی ہوتی' لیکن دعا۔۔۔ دعا کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ اس کی محبت تھی۔

اس بار ماں کے آنسو' دلیلیں اسے دعا سے دست بردار نہیں کر سکتے تھے۔ اسے اپنے حق کے لیے لڑنا اور ڈٹ جانا تھا۔ اس سب کے لیے دعا کا اس کے ساتھ برابر کھڑا ہونا' اعتماد کرنا ضروری تھا' عمر کے کل اسلام آباد جانے کے بعد اس نے دعا سے بات کرنے کا ارادہ باندھا۔

☆ ☆ ☆

دعا گھر سے لے کر ریسٹورنٹ میں بیٹھنے تک خاموش رہی تھی۔ اگر عمر بلا لیتا تو ہوں' ہاں میں جواب دے کے پھر سے چپ کا روزہ رکھ لیتی۔ عمر نے کھانا آرڈر کر دیا۔

"کتنا اچھا ہوتا اگر تم اس ریڈ فراک کے ساتھ کلپ اسٹک اور کاجل بھی لگا لیتیں۔" اس نے دعا کو نظروں کے حصار میں جکڑے بڑی حسرت سے فرمائش کی۔

دعا کے دماغ کے سارے فیوز بھک سے اڑ گئے۔ اتنی جرأت تو عمیر نے نہیں کی تھی۔ بلکہ وہ خواتین کا پبلک پلیس پر میچ سنور کے آنا سخت ناپسند کرتا تھا۔ وہ جبڑے بھینچے خاموش رہی۔

"ویسے سرخ رنگ میں سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی ہو۔ اس رنگ نے تمہاری خوب صورتی میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے۔" عمر نے تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ وہ پھیکے تاثرات لیے میز کی سطح کو گھورتی رہی۔

"اے فولش گرل' اتنے کمپلیمنٹس دیے ہیں' کم از کم تھینکس ہی بول دو۔" عمر نے پھر سے دانتوں کی نمائش کی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"آئی تھنک کہ میں کوئی اتنی ٹوپ چیز نہیں ہوں' جس طرح سے تم کمپلیمنٹ پاس کررہے ہو۔ شاید تمہیں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے اور غلط فہمی کے لیے سوری کیا جاتا ہے۔" دعا کے رسپانس نے اس کے دماغ کی طنابیں زور سے کھینچیں۔

"اگر میری جگہ عمیر ہوتا تو..." اس نے پہلی بار خود اس کا ذکر چھیڑا۔

"تم خود کو اس سے کمپیر مت کرو۔ وہ کبھی بھی تمہاری جگہ نہیں ہوتا۔"

وہ اس کی تعریف میں بلا تکان بول سکتی تھی اور اس کے خلاف ایک حرف بھی سننا اس کی شان کے خلاف تھا۔

"یو مین... ہی از مچ بیٹر۔" اس نے بھنویں اچکائیں۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ دعا نے اس کی حالت سے حظ اٹھایا۔

"میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔ ہر ایک کی اپنی پرسنالٹی ہوتی ہے۔" دعا معصومیت سے بولی۔

"کیا تم عمیر میں انٹرسٹڈ ہو۔" وہ یک دم سیدھا ہوگیا۔ اس نے ارادتاً" نہیں پوچھا تھا' زبان پھسل گئی۔ دعا کئی لمحے کے لیے غور کرتی رہ گئی۔ وہ اسے اچھا لگتا تھا۔ اس کی عادتیں' کردار' اخلاق سب اچھا تھا۔

"شاید نہیں' ایکچوئلی' میں نے ہمیشہ اسے ایک دوست کی طرح لیا ہے۔ ان ریلیشن سے کبھی ہٹ کر نہیں چلے ہم۔" وہ عمر کی بات کی تہ تک پہنچ گئی تھی۔ اسے مطمئن کرنا ضروری تھا۔

"تو پھر تم نے جواب دینے میں ٹائم کیوں لیا؟" عمر نے اس سے وضاحت چاہی۔

"اس لیے کہ میں ٹھیک سے جانچ پرکھ کے' تمہیں سچ بتاؤں۔" اسے عمر کا اس طرح سے کریدنا اور ذاتیات میں دخل اندازی کرنا برا لگا تھا۔

ویٹر کھانا لگا رہا تھا۔ جب اس کے موبائل کی بیل بجنے لگی۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ اسکرین دیکھ کے معذرت کرتا اٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

عمیر آفس سے آکے سیدھا سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اس نے ماں کو پکارا نہ ہی سلام کرکے چائے کی فرمائش کی۔ رابعہ احمد نے مڑ کر دیکھا' ریاض احمد بھی کمرے میں چلے گئے تھے۔ ان کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ عمیر ان کا بڑا بیٹا تھا۔ نہایت فرماں بردار' سمجھ دار' ان کی ذرا سی تکلیف پر سو بار پوچھنے والا' وہ ان سے ناراض ہوگیا تھا۔ اس بار بغیر کسی وجہ کے' عمر کی فیور کرکے' وہ اسے خود سے دور کرچکی تھیں۔ عمر اور دعا دو گھنٹے بعد ہی لنچ کرکے لوٹ آئے تھے۔ عمر کو ضروری کام سے جانا پڑ گیا۔ دعا نے دوبارہ باہر جھانک کے نہیں دیکھا۔ وہ رات کے کھانے کی تیاری کرتی رہیں۔ جب ٹیبل لگی۔ دعا باہر آئی نہ ہی عمیر کمرے سے نکلا۔ نوال جلد ہی کھانا کھا کے سو گئی تھی۔ اس کا کل ضروری ٹیسٹ تھا۔ اسے صبح جلدی اٹھ کے دہرانا تھا۔ رابعہ احمد نے چند لقمے بمشکل کھائے۔ ریاض احمد کو دودھ دے کے وہ سیڑھیاں چڑھ گئیں۔ ان کے دل کو کسی طور چین نہیں تھا۔

"عمیر... عمیر..." کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی۔ وہ اوندھے منہ لیٹا تھا' ماں کی پکار پہ اٹھ بیٹھا' انہوں نے لائٹ آن کی۔

"جی ماما جان۔" وہ مؤدب تھا۔

"کیا ہوا میری جان؟" اس کی حالت پر ان کے ضمیر نے انہیں سرزنش کی۔

"ٹھیک ہوں میں' آپ کو کوئی کام تھا۔" اس نے ادب ملحوظ رکھا تھا۔

"تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟" وہ دھیمی پڑ گئیں۔

"جب بھوک ہوگی' کچن سے لے لوں گا۔" اس نے انہیں اپنی ذمہ داری سے فارغ کردیا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو عمیر۔" وہ نزدیک جا بیٹھیں۔

"کیوں بھلا؟" اس نے نظریں جھکائے رکھیں۔

"میں عمر کی فیور نہیں کررہی تھی۔" انہوں نے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اعتراف جرم کرلیا۔

"میں نے آپ کو کوئی الزام نہیں دیا۔" اس نے انہیں بری الذمہ کردیا۔ بلکہ اسے ماں کے ساتھ بحث پر بھی افسوس تھا۔ انہیں بیٹے کی فرماں برداری کچوکے لگانے لگی۔

"عمیر! میرا مطلب یہ تھا کہ... کہ شاید وہ دونوں... ایک دوسرے میں..."

رابعہ احمد نے آپس میں ہاتھ مسلے' ان کے حلق سے آواز نکل رہی تھی۔ انہوں نے اپنے چلاتے ضمیر کو ڈپٹ دیا۔ وہ پھر سے اس کا ذہن الجھانے جارہی تھیں کہ اگر وہ دعا کے لیے نیک جذبات رکھتا ہے تو ان پر نظرثانی کرلے۔

"ایک دوسرے میں۔۔؟" عمیر نے سر اٹھایا۔

"ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہوں۔" انہوں نے تھوک نگل کے باقی کا جھوٹ بھی بول دیا۔ عمیر کا دماغ جھنجھنا کے رہ گیا۔ آنکھوں کے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا۔ اسے ماں کے الفاظ پر یقین کرنا دشوار لگا۔

"آپ کہہ رہی ہیں تو سچ ہی ہوگا۔" وہ کہہ کر پھرتی سے اٹھا اور ننگے پاؤں کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"عمیر... عمیر رکو تو' کہاں جارہے ہو؟" وہ آوازیں دیتی اس تک پہنچنے کی کوشش میں تقریباً بھاگ رہی تھیں۔ اس کے قدم بہت تیز تھے۔ وہ دروازے کے پاس جارکا' رابعہ احمد ہانپتی ہوئی اس تک آئیں۔

"عمیر! کہاں جارہے ہو؟" ان کا سانس اکھڑا تھا۔

"پلیز ماما جان' آپ اندر مت آیئے گا' مجھے پاپا سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔" اس نے اندر جاکے زور سے دروازہ بند کرلیا۔

☆ ☆ ☆

وہ سڑک کنارے بائیک روکے فون سن رہا تھا۔

"جی چاچو جان' ساری تیاری اور پلاننگ مکمل ہے۔" اس نے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"تم نے ڈائیلاگز یاد کرلیے ہیں۔" الیاس احمد کے پاس کلائنٹس کے لیے بہت سی فکریں تھیں۔

"رٹ لیے ہیں۔ ڈونٹ وری۔" وہ مسکرادیا۔

"عمر! اس غضب کی ایکٹنگ کرنا کہ سب کی نظریں دھوکا کھا جائیں' تم پر حقیقت کا گمان ہو۔" انہوں نے کوئی دسویں بار یہ تنبیہہ کی۔

"آئی ول ٹرائی مائی بیسٹ چاچو۔" وہ پراعتماد تھا۔

"تم اپنے ذہن میں بار بار ایک کروڑ کی گردان کرو' آج کی رات کا ڈراما تمہیں ایک کروڑ دے جائے گا' ایک کروڑ بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔ عمر' بہت بڑی۔" الیاس احمد نے اسے اپنے تئیں آسان طریقہ بتایا۔

"اوکے' رکھتا ہوں۔" عمر نے مسکرا کے موبائل آف کردیا۔

☆ ☆ ☆

ریاض احمد دودھ پی رہے تھے۔ انہیں عمیر کا اندر آکے دروازہ لاک کرنا بہت عجیب لگا۔ اس کا چہرہ تنا ہوا اور آنکھیں شدت ضبط سے سرخ پڑ گئی تھیں۔ باپ نے فوراً بھانپ لیا۔

"کیا ہوا عمیر؟" انہوں نے گلاس واپس رکھ دیا۔

"میں آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں پاپا جان۔" وہ ان کے قدموں میں سر جھکائے بیٹھ گیا۔

"تمہارے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے' مانگ کر دیکھو۔" ان کا دل جوان بیٹے کی حالت پر پگھل رہا تھا۔

"آپ کی جان ہی مانگنے آیا ہوں۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"کھل کے بتاؤ عمیر۔" وہ انہیں بہت الجھا ہوا لگ رہا تھا۔

"آپ دعا کو میرے نام کردیں۔" اس نے اپنے دل پہ لگا تیر کھینچ نکالا جو سیدھا ریاض احمد کے دل پر جا لگا۔

"تم نے زندگی میں پہلی بار مجھ سے کچھ مانگا ہے'

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ورنہ ہمیشہ تم میرے ہر کیے اور دیے پر صابر و شاکر رہے ہو۔" انہیں اسے سبب بتاتے بہت صدمہ ہو رہا تھا۔

کاش وہ اس سے ہٹ کے کوئی دنیاوی چیز مانگ لیتا' وہ کوئی بھی قیمت چکا کے اس کے قدموں میں لا دھرتے' یہ خواہش پوری کرنا ان کے اختیار میں نہیں تھا۔

"آئی ایم رئیلی سوری بیٹا! میں دعا کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا' یتیم بچی ہے' مجھے اس کی آہوں سے ڈر لگتا ہے۔" ریاض احمد نے سچ بتا دیا۔ ان میں جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں تھی اور اسے کوئی آس دلا کے' آئندہ زندگی کا سکون غارت نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"بٹ وائی پاپا جان! آپ ایک دفعہ اس سے پوچھ تو لیں۔ وہ کبھی بھی۔۔۔"

"میں اس سے پوچھ چکا ہوں۔" وہ بیٹے سے نظریں نہیں ملا پا رہے تھے۔

"کیا کہا اس نے؟" عمیر کا دل بہت شدت سے دھڑکا۔ اس سوال نے اس کے اندر خوف کے پنجے گاڑ دیے۔

"اس نے۔۔۔ اس نے ریفوز کر دیا۔" انہیں بہت تکلیف دہ مراحل سے گزرتے اسے بتانا پڑا۔ عمیر کو باپ کے الفاظ اور اپنے کان بے یقین لگے۔

"اس نے میرے پروپوزل کو ریفوز کر دیا۔" اس نے باپ کے الفاظ کو پھر سے دہرا کے تصدیق چاہی۔ ریاض احمد کی آواز نے ساتھ نہ دیا۔ انہوں نے اثبات میں کئی بار سر ہلایا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔" اس کے لب بے آواز ہلے' وہ ان کے پاس سے اٹھ گیا۔ مزید کچھ نہیں کہا تھا۔

اس کا جسم بالکل بے جان اور آنکھیں پانی سے بھر گئیں' دل گہری دلدل میں جا گرا۔ اس کا مان' اعتماد' بھرم سب ایک جھٹکے میں چکنا چور ہو گیا۔ وہ باپ کے سامنے اپنی مردانگی کا بھرم قائم رکھتا مڑ گیا۔

"سنو عمیر۔" وہ آنکھوں میں ٹھہرے نمکین پانی کو چھپانے کے لیے سینے تک سر گرائے مڑا۔

"جی پاپا جان۔" آواز کی نمی باپ سے چھپی نہ رہ سکی۔ وہ جوان بیٹے کی اس حالت پہ اندر سے کٹ گئے۔

"تم دعا سے کوئی بازپرس نہ کرنا میں نے اسی لیے تم سے چھپا رکھا تھا۔"

"تو چھپائے رکھتے نا' بتایا کیوں؟" وہ روہانسا ہو گیا۔

"بتا اس لیے دیا کہ تم خود کو مزید آگے بڑھنے سے روکو۔" وہ قدم گھسیٹتا چل دیا۔ وہ کتنا آگے بڑھ چکا تھا۔ اس کا اسے صحیح سے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کچن سمیٹ کے فریج میں سالن رکھ رہی تھیں۔ جب عمر چلا آیا۔ وہ دوپہر سے گیا اب لوٹا تھا۔

"کیا کر رہی ہیں ماما؟" وہ سیدھا ان کے پاس آیا۔

"کچھ نہیں ہم کہاں تھے۔" وہ پلٹیں۔

"ایک ضروری کام سے چلا گیا تھا' آپ ادھر آئیں' میرے ساتھ چلیں۔" اس نے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

"کدھر جانا ہے؟" وہ اس کے ساتھ چلنے لگیں۔

"پاپا جان کے پاس۔۔۔" یہ معمول کی خبر نہیں تھی۔ رابعہ احمد رک گئیں۔

"ان کے پاس کیوں؟" انہیں پوچھنا پڑا۔

"انہوں نے میرے لیے اتنا بڑا دل کیا ہے' اب تھینکس تو بنتا ہے نا۔" اس نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

"میں صدقے جاؤں' میرا بیٹا کتنا سمجھ دار ہو گیا ہے۔" وہ نہال ہو گئیں۔ انہیں اس کے اندر یہ ساری تبدیلی دعا کے زندگی میں آنے کی وجہ سے لگتی تھی۔

ریاض احمد گود میں ہاتھ رکھے بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ عمر گھبرایا نہیں تھا۔ اسے ایک کروڑ کی گردان یاد آئی۔

"السلام علیکم پاپا جان!" نہایت ادب سے سلام پیش کیا گیا۔ ریاض احمد نے چونک کے اسے دیکھا' انہیں اپنی بینائی پر یقین نہ آیا' دراز سے نظر کا چشمہ نکال کے لگایا۔

"وعلیکم السلام۔" بالآخر انہیں یقین کرنا پڑا کہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

عمر یہ نفس نفیس موجود تھا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا کرنے حاضر ہوا تھا۔ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا اور مجھ پر ٹرسٹ کیا۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤں' میں آپ سے صلاح مشورہ لیتا رہوں گا' آپ کی مدد کے بغیر' میں اتنا بڑا بزنس رن نہیں کر سکتا' آپ میرے....."

"میں نے حمید چوہدری کو فائر کر دیا ہے۔" عمر کے دھیمے مزاج نے انہیں چونکایا ضرور تھا' لیکن وہ اتنی جلدی چکمے میں آنے والے نہیں تھے۔

"نہیں..... نہیں پاپا جان! آپ انہیں فائر مت کریں' میں تو بزنس کی الف' ب سے بھی ناواقف ہوں' ان ایکسپیریئنس ہوں' میں بھلا آپ کی محنت کیوں ضائع کروں' آپ جو بھی سیٹ دیں گے' میں وہی لوں گا۔" عمر کو یہ سب کہنے میں ذرا مشکل پیش نہیں آئی تھی' کیونکہ اس نے عمر کو کاپی کیا تھا۔ وہ باپ سے ایسے ہی نرم لہجے میں پیش آتا۔

"اسے اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کریں' ریاض احمد! میں کہتی تھی نا کہ تھوڑی جوانی کی ضد اور لاابالا پن ہے' میرا بیٹا سدھر جائے گا۔" رابعہ احمد کے لہجے میں بیٹے کے لیے فخر بول رہا تھا۔

"اللہ تمہیں ہدایت دے اور اپنی حفظ و امان میں رکھے۔" باپ نے صدق دل سے دعا دی۔

"چلیں' آپ پھر آرام کریں' مجھے ابھی تھوڑی سی پیکنگ کرنی ہے۔" عمر فارغ ہو گیا۔ وہ نہ باپ کے قریب ہوا' نہ ان سے پیار لیا اور نہ ہی انہیں چھوا۔ رابعہ احمد نے محسوس کیا ہو یا نہیں' لیکن ریاض احمد کا دل کھٹک سا گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ کب سے کھڑکی میں کھڑی لان میں قطار در قطار لگے درختوں کو گھور رہی تھی۔ اس کے کمرے کی لائٹ آف تھی اور وہ چاہتی تھی کہ کوئی لان کی ساری لائٹس بھی آف کر دے' تاکہ تاحد نگاہ اندھیرا چھا جائے' وہ اس گھپ اندھیرے میں آنکھیں جھپک جھپک کے نادیدہ نقطے تلاش کرے۔ حالانکہ اسے کس چیز کی تلاش تھی۔ یہ وہ خود بھی ٹھیک سے نہیں جانتی تھی۔

"تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو عمر؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ کیوں سب کی نظروں میں مجھے رسوا کر رہے ہو' میں کتنی تنہا ہوں' کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔ میرا ہے ہی کون' جس سے میں اپنی سچائی شیئر کروں' میری امی بھی نہیں ہیں ورنہ میں ان کی گود میں چھپ جاتی۔" ماں کی یاد پہ اس کے منہ سے سسکی نکلی۔ وہ ہونٹوں پہ ہاتھ رکھے بے آواز رونے لگی۔

"ایک شخص نے' صرف ایک شخص نے' مجھ سے میرے سارے رشتے' محبتیں چھین لیں۔ میں کیا کروں' کس سے کہوں' میرے خدا میری رہنمائی فرما۔" وہ زور زور سے روتے فریاد کر رہی تھی۔ اس کا کوئی سہارا' مددگار نہیں تھا۔ وہ سوائے آنسو بہانے کے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

بیڈ پر پڑے اس کے موبائل کی بیل بجنے لگی۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کیے اور کھڑکی سے ہٹ کے بیڈ کی طرف آگئی۔ اسکرین پر عمر کالنگ چمک رہا تھا۔ اس کا جی چاہا' موبائل زور سے زمین پر دے مارے۔ اس نے بے بسی سے گیلی آنکھیں زور سے میچ کے کھولیں اور نیچے گر گئی۔ عمر دروازے کے باہر ہی کھڑا تھا۔ اس نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

دروازے کی چرچراہٹ پر دعا نے مڑ کر دیکھا' اسے باہر کی ہلکی سی روشنی میں عمر کا بھیانک چہرہ نظر آیا۔ وہ کسی چیل کی طرح اس پر جھپٹی۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس کا لہجہ زہر خند' آنکھیں متورم اور نفرت سے بھری تھیں۔

"باہر آؤ' میری بات سنو۔" عمر کو اس کے خطرناک تاثرات نے سمجھا دیا تھا۔

"چلے جاؤ یہاں سے' صبح بات کرنا۔" وہ کہہ کر دروازہ بند کرنے لگی' وہ پھرتی سے بیچ میں آگیا۔

"کم آن یار' میں تمہیں فرینڈ سمجھ کر' ایک مشورہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز میری بات سن لو۔ اگر تم نہ مانیں تو میں شور مچا کے سب کو جگا دوں گا۔" اس نے انگلی اٹھا کے دھمکی دی۔

"میرے صبر کا امتحان مت لو۔" دعا دروازہ دھکیلتی روہانسی ہوگئی۔ عمر نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔

"جن' بھوت نہیں ہوں جو تمہیں کھا جاؤں گا۔ میں نے تمہیں کچھ دکھانا ہے۔ چلو میرے ساتھ۔" اس نے اسے ابرو سے چلنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے نہیں جانا کہیں بھی' پلیز عمر! زبردستی مت کرو۔" وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔

"اتنی بے چاری سی شکل مت بناؤ یار' بلاوجہ سین کری ایٹ کر رہی ہو' چند منٹوں کی تو بات ہے۔ میری بات سن لو ورنہ تم جانتی ہو' میں کتنا ضدی ہوں' اگر خود سے نہیں چلو گی تو اٹھا کے لے جاؤں گا۔"

عمر نے ہٹ دھرمی سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ روتی ہوئی اس کے پیچھے گھسٹنے لگی۔ کسی بے جان لاش کی مانند۔ سارا گھر سو رہا تھا۔ لیکن ایک آنکھ ایسی تھی جو اس سب کی گواہ بن گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

الیاس احمد کروٹ کے بل لیٹے تھے۔ سائلنٹ پر لگا موبائل آنکھوں کے سامنے رکھا تھا۔ میسج ٹون کی وائبریشن ہوئی' انہوں نے موبائل اٹھا کے ان بکس کھولا' او کے کا میسج تھا۔ موبائل آف کر کے تکیے کے نیچے دبایا اور کروٹ بدلی۔

مریم بائیں طرف پڑی بے خبر سو رہی تھی۔ الیاس احمد نے چہرے کو خاصا کرب ناک بنایا' ہاتھ زور سے مریم کے بازو پہ مار کے' نقاہت زدہ آواز میں دہائی دینی شروع کر دی۔

"مریم..... مریم..... اٹھو مریم..... مجھے..... مجھے....." ان کے منہ سے الفاظ نہیں نکل پا رہے تھے۔ مریم آنکھیں ملتی ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔

"جی..... جی کیا ہوا' کیوں شور کر رہے ہیں؟" وہ بے ربط بولنے لگی۔

"مجھے پانی دو' میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔" الیاس احمد نے بلاوجہ زور لگا کے ہانپ ہانپ کے چہرہ سرخ کر لیا۔ وہ ہاتھ زور' زور سے جھٹک رہے تھے۔

مریم کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے سائڈ ٹیبل پر پڑے جگ میں سے پانی کا گلاس بھرا اور شوہر کی طرف رخ کیا۔

"مجھے بیٹھنے کے لیے سہارا دو۔" انہوں نے مزید کمزوری دکھائی۔ مریم نے ان پر جھک کے' بازو ان کی کمر کے گرد ڈالا۔ زور لگا کے انہیں تھوڑا اوپر کیا' پانی کا گلاس ایک ہاتھ سے منہ کو لگایا۔ دو گھونٹ بھر کے انہوں نے گلاس پرے کر دیا اور دھڑام سے تکیے پر گر گئے۔

"کیا ہو رہا ہے الیاس! آپ کو' اچھے بھلے تو سوئے تھے آپ۔" مریم نے ان کی کمر کے پیچھے دو تکیے جوڑے۔

"شاید میرا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا ہے' جسم سے جان نکلی جا رہی ہے' عمر کو بلاؤ' مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جائے۔" الیاس احمد نے لمبے لمبے سانس لیتے' بات مکمل کی۔

"آ..... اچھا..... کدھر ہے آپ کا موبائل۔" مریم نے اثبات میں سر ہلا کے' موبائل کی تلاش میں تکیے اور چادر ادھر ادھر ہٹا کے تلاش شروع کر دی۔

"یہ لو موبائل۔" الیاس احمد نے اپنے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کے موبائل نکال کے بیوی کو پکڑایا۔

مریم نے عمر کو کال کی' بیل جا رہی تھی' لیکن وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ وہ چور نظروں سے مریم کی پریشان صورت دیکھتے ہوئے ہر تین' چار سیکنڈ بعد ہائے کی دہائی بھی لگا دیتے۔ جو مریم کی جان نکالنے کے لیے کافی تھی۔

"عمر کال ریسیو نہیں کر رہا۔" اس کی رنگت اڑی تھی۔ "آئی تھنک ڈرائیور کے ساتھ اسپتال چلتے ہیں' رستے میں عمیریا عمر کو انفارم کروں گی۔" اس نے عجلت میں مشورہ دیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"بالکل نہیں' چاہے میں تکلیف سے مرجاؤں' لیکن اپنے بھائی اور بھتیجوں کے بغیر اسپتال نہیں جاؤں گا۔ تم... تم میرے بھائی جان کو کال کرو' عمر کو میرے ڈاکٹر کی رہائش گاہ کا بھی پتا ہے' بھائی جان سے کہو کہ اسے فوراً جگا کر میرے پاس بھیجیں۔" بولتے ہوئے ان کا سانس پھول گیا۔ مریم نے ان کی کمر سہلاتے تیزی سے بھائی جان کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو بھائی جان' الیاس کی طبیعت خراب ہے۔ پلیز عمر کو لے کر جلدی آجائیں۔" مریم نے تیسری بیل پر کال ریسیو کرتے ہی پیغام دیا۔

"میں عمر کو لے کر آرہا ہوں۔" ریاض احمد نے مزید کچھ سنے بغیر کال ڈسکنکٹ کردی۔

"وہ عمر کو لے کر آرہے ہیں۔" مریم کے ان الفاظ نے الیاس احمد کے دل میں ٹھنڈ ڈال دی۔ انہوں نے مزید ایکٹنگ کرتے سر دائیں بائیں ہلایا۔

☆ ☆ ☆

"کیا دکھانا تھا تم نے مجھے' کیوں زبردستی لے آئے ہو۔" دعا نے اپنے اندر کی گھبراہٹ پر قابو پاکے' اپنے اعصاب کو کنٹرول میں رکھا۔

"یار' مجھے تم سے ایک مشورہ کرنا ہے۔" اس نے کہتے ہوئے دروازے کو ہاتھ مارا جو بند ہوگیا۔

"یہ... یہ تم نے دروازہ کیوں بند کردیا۔" وہ کپکپاتی دروازے کی طرف بڑھی۔

"میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا' ریاض احمد کی لاڈلی' چہیتی بھانجی پہ میری نیت خراب نہیں ہے کیونکہ تم دنیا کی آخری لڑکی نہیں ہو۔ دروازہ اس لیے بند کیا ہے کہ کوئی ہمارے بولنے کی آواز سن کے اس طرف نہ آجائے۔" اس نے بڑی مضبوط وجہ بتائی۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ ایکٹنگ میرا خواب ہے اور ایک پروڈیوسر مجھے اپنے سیریل میں کاسٹ کرنے کا سوچ رہا ہے۔ آج اس پروڈیوسر نے مجھے آفس بلوا کے' لیڈنگ رول کی آفر کردی ہے۔ میری بالکل سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں' خوش ہوں' اچھلوں' کودوں یا پھر روؤں۔" عمر نے خود پر بے بسی طاری کرلی۔

"روؤں کیوں؟" دعا کو کچھ تو پوچھنا تھا۔

"اس لیے کہ میں پاپا کو بھی ہاں کرچکا ہوں' صبح اسلام آباد جانا ہے۔ اب میں اپنا دیرینہ خواب اور خواہش دیکھوں یا ان کی خوشی...؟" اس نے لاچاری سے بالوں میں انگلیاں پھنسائیں۔

"جو تمہیں اپنے لیے بیسٹ لگے' وہ کرلو۔" دعا نے جان چھڑائی۔ "باقی بات ہم کل صبح یا فون پر بھی ڈسکس کرسکتے ہیں۔ ابھی میں چلتی ہوں۔" دعا کی پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"واٹ... آر یو میڈ' میں تم سے اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی شیئر کررہا ہوں' اور تم جان چھڑا کے جارہی ہو۔" عمر صدمے کی زد میں آگیا۔

"صرف پانچ منٹ مزید یار! آج میں نے ڈانیلاگز کی ریہرسل کی ہے۔ وہ سن کے چلی جانا۔ یار میں بہت ایکسائٹیڈ ہوں۔" وہ شرٹ کی آستینیں چڑھانے لگا' جیسے کوئی جانور ذبح کرنے جارہا ہو۔

"بیٹھ جاؤ وہاں۔" اس نے بڑے دبنگ لہجے میں بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ شش و پنج میں مبتلا بیڈ کے کنارے ذرا سا ٹک گئی۔ اس کا دل خوف سے بھر گیا تھا۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو' میں تم سے اور تم مجھ سے بے حد پیار کرتی ہو۔" عمر اس کی آنکھوں میں دیکھ کے شروع ہوگیا۔

"ہم جو کررہے ہیں' اگر وہ کسی کی نگاہ میں آگیا تو ہمارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ میں تم سے محبت ضرور کرتا ہوں' لیکن جو کچھ چوری چھپے ہورہا ہے وہ بالکل نہیں چاہتا۔" عمر کے الفاظ دعا کو گھبراہٹ میں مبتلا کررہے تھے۔ اس کی عقل میں ڈانیلاگز کا سر پیر نہیں آرہا تھا۔ لیکن وہ اس کے بگڑنے کے خیال سے چپکی بیٹھی رہی۔ یوں بھی وہ خود ہی سوال کرنے اور جواب دینے کا عادی تھا۔ اس نے دل میں چند آیات کا ورد شروع کردیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

☆ ☆ ☆

ریاض احمد افتاں و خیزاں پیروں میں چپل اڑسنے لگے۔ رابعہ احمد ان کے موبائل کی بیل اور باتوں کی آواز سن کے جاگ گئی تھیں' جلدی سے اٹھ بیٹھیں۔

"کیا ہوا ریاض صاحب' سب خیریت تو ہے۔"

"نہیں' مریم کی کال تھی' الیاس کی طبیعت بگڑ گئی ہے' وہ عمر کو بلا رہا ہے۔"

ریاض احمد بولتے ہوئے باہر نکل گئے۔ رابعہ احمد نے بھی پھرتی سے جوتے پہن کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

"خدا خیر کرے۔" وہ ان سے کئی قدم آگے عمر کے کمرے تک پہنچ گئے۔ اندر سے عمر کی آتی آواز نے ان کا دستک کے لیے اٹھایا ہاتھ روک دیا۔ وہ بھلا اس وقت کس سے اتنی اونچی آواز میں باتیں کر رہا تھا۔

"عورت کی عزت نازک آبگینے کی طرح ہوتی ہے اور عورت بھی تم جیسی جو دکھنے میں پاک اور معصوم ہو۔" عمر نے اتنا کہہ کر رخ موڑ لیا۔

وہ بالکل صحیح ڈائیلاگ بول رہا تھا۔ بولنے کے دوران وہ دعا کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا۔ ذرا سی بھول چوک کی گنجائش نہیں تھی۔ وقت کم' کام زیادہ۔ عمر کی کوشش تھی کہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو کے سب بولے۔

"ہم کیسے اپنے بڑوں کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ وہ ہم پہ اندھا اعتبار کرتے ہیں۔ میں لاکھ برا سہی' لیکن اپنے ہی گھر میں نقب نہیں لگا سکتا' اس عورت ذات نے ہی مرد کو جنت سے نکلوایا تھا' اس پر زمین تنگ کی اور آج ایک بار پھر۔" وہ سانس لینے کو رکا۔ دعا بے تاثر چپ بیٹھی تھی۔ یہ سب اس کی عقل سے بالاتر تھا۔

"تم شکل سے اتنی معصوم اور سیدھی ہو کہ کوئی بھی مجھ پر اعتبار نہیں کرے گا' چاہے ہم رنگے ہاتھوں ہی کیوں نہ پکڑے جائیں۔" یہ ڈائیلاگ ادا کرتے اس نے دعا کے بجائے سامنے والی دیوار کو گھورا۔

ریاض احمد سانس روکے کھڑے تھے۔ رابعہ احمد بھی شوہر کی طرح خاموش بار بار انہیں تکتیں۔

☆ ☆ ☆

"مریم! ایسا کرو' مجھے اٹھنے میں سہارا دو اور بھائی جان کے ہاں لے چلو۔" الیاس احمد نے نقاہت سے اٹھنے کی کوشش کرتے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"نہیں' آپ لیٹے رہیں' میں خود ان کی طرف جاتی ہوں۔ دیکھتی ہوں وہ لوگ اتنی دیر کیوں کر رہے ہیں۔" اس نے شوہر کو واپس لٹانا چاہا۔

"نہیں.... نہیں' میرا بلڈ پریشر ضرور ہائی ہوا ہے' لیکن میں اتنا بھی کمزور نہیں پڑا کہ چل نہ سکوں۔" وہ اس کے دوبارہ روکنے یا جرح کرنے سے پہلے چل پڑے۔ مریم ان کے غصے سے آگاہ تھی۔ اس لیے ناچار روک نہ پائی۔

☆ ☆ ☆

"بس عمر.... بس.... میری تو بالکل سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

یہ دعا کی آواز تھی یا موت کے فرشتے کی پکار۔ ریاض احمد نے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے دیوار کا سہارا لیا۔ پیچھے کھڑی رابعہ احمد کے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں جیسی حالت تھی۔ انہوں نے یہ سب تو نہیں چاہا تھا۔ انہوں نے ریاض احمد کو تھاما۔

☆ ☆ ☆

"جو بھی کہہ رہا ہوں' اسے تھوڑی دیر بعد تم اچھی طرح سے غور نہ کرنے کے باوجود بھی انڈر اسٹینڈ کر لو گی' سب سمجھ میں آتا جائے گا۔" وہ طنزیہ ہنسا۔ وہ جانتا تھا کہ دروازے کے اس پار کون کون کھڑا ہے۔

"پلیز.... پلیز آئندہ میرے بیڈ روم میں ہرگز مت آنا۔ اور جو کچھ ہمارے بیچ ہو چکا' اسے بھی ایک غلطی سمجھ کر بھلا دو۔" عمر بہت روانی سے جذباتی ڈائیلاگ بولتا جا رہا تھا۔ دعا یک دم سے کھڑی ہو گئی۔ وہ ششدر سی رہ گئی۔ اسے کسی انہونی کا احساس ہوا۔ اس نے بولنے کے لیے منہ کھولا' عمر نے فوراً ہاتھ رکھ دیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"میں جلد واپس لوٹوں گا' تم میرا انتظار کرنا اور میں پرامس کرتا ہوں کہ اس غلطی کا خمیازہ بھگتنے کو' تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا' میں خود اپنے باپ سے تمہارا ہاتھ مانگوں گا۔"

ریاض احمد سے مزید برداشت نہ ہوا۔ وہ اپنی ساری توانائیاں جمع کرکے' دروازہ کھول کے اندر داخل ہوگئے۔

"عمر۔۔۔" وہ شیر کی مانند دھاڑے۔ رابعہ احمد تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ الیاس احمد سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے بھائی کے چلانے کی آواز سنی' وہ ایک ہی جست میں ساری سیڑھیاں پھلانگ گئے۔ اس ڈرامے کا رائٹر ذرا تاخیر سے پہنچا تھا۔ مریم حواس باختہ سی رہ گئی۔ ریاض احمد میں نہ جانے کون سی طاقت آگئی تھی۔ انہوں نے عمر کا گریبان دبوچ لیا۔ عمر اور نوال بھی شور شرابا سن کر باہر کو دوڑے۔ سارا گھر عمر کے کمرے میں جمع تھا۔

"بھائی جان! پاپا جان! یہ کیا ہو رہا ہے؟" الیاس احمد اور عمر ایک ساتھ ان کی طرف بڑھے' عمر کو باپ سے چھڑانا چاہا۔ دعا کانپتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔

"کیا ہو رہا تھا عمر یہاں آدھی رات کو' مجھے سچ سچ بتاؤ' ورنہ میں گلا دبا دوں گا' تمہیں شوٹ کردوں گا' میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا' کب سے یہ سلسلہ چل رہا ہے۔" کمزور اور بیمار ریاض احمد میں نہ جانے کون سی قوت آگئی تھی کہ وہ قابو میں نہیں آرہے تھے۔

"جو آپ نے سنا' وہ لفظ بہ لفظ سچ تھا' اب میں مزید کھل کے کیا بتاؤں' آپ خود سب سن چکے ہیں۔" عمر نے باپ کی آنکھوں میں دیکھ کے مضبوطی سے جھوٹ بولا۔ اس کی آنکھ میں خوف تھا' نہ ڈر۔ ریاض احمد کے ہاتھ اس کے گریبان پر ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنے بازو بھی آزاد کروائے۔

"آخر یہاں ہو کیا رہا ہے' کوئی مجھے بھی تو بتائے۔" بے خبر مریم' چیخ کر بولی' نوال نے زرد پڑتی ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

"کچھ بھی نہیں آنٹی جان! رات کے اس پہر دعا کی میرے کمرے سے برآمدگی ہوئی ہے' میری دعا کے کمرے سے نہیں۔" اس نے ہاتھ سے دیوار کے ساتھ سہمی ہوئی چھپکلی کی طرح چپکی دعا کی طرف اشارہ کیا۔ نوال' عمر' مریم اور الیاس احمد نے اس طرف دیکھا۔ سب کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ کوئی اس دھینگا مشتی میں اسے دیکھ نہ پایا تھا۔

"کیا مطلب؟ سیدھے سے بتاؤ۔" عمر چلاتے ہوئے' پھولے تنفس لیے عمر کی طرف بڑھا۔

"پلیز عمر' کنٹرول یور سیلف' اتنے ہائپر مت ہو۔" الیاس احمد نے پھرتی سے بیچ میں کود کے عمر کو اس تک پہنچنے سے روکا۔

"عمر! کھل کے سچ بتاؤ۔" اس نے آنکھ سے اسے بولنے کا اشارہ دیا۔

"مجھ پر کون یقین کرے گا' میں سب کی نظروں میں ایک برا انسان ہوں' پاپا جان سب سن چکے ہیں۔ میں دعا کو کل جانے سے پہلے سمجھا رہا تھا۔ میں سارا قصور اکیلی اس کا نہیں نکالوں گا' ہم دونوں سے غلطی ہوئی ہے اور میں اس غلطی کا خمیازہ بھگتنے کے لیے دعا کو اپناؤں گا' شادی کروں گا۔"

"جسٹ شٹ اپ۔۔۔" عمر جھٹکے سے اپنا آپ چھڑا کے' چلاتا ہوا اس پر جھپٹ پڑا۔ اس نے زور کا تھپڑ عمر کے گال پر رسید کیا۔

"بکواس کرتا ہے' الزام لگاتا ہے دعا پر۔" "نہیں ہے وہ ایسی۔" عمر اسے جھنجوڑتا ہوا چیخ رہا تھا۔ الیاس احمد بیچ بچاؤ کرواتے پھنس گئے تھے۔ عمر کو ڈرامے کے مطابق چپ چاپ مار کھانی تھی۔ تاکہ اس کے کہے پر تصدیق کی مہر ثبت ہوسکے۔

"میں تمہیں جان سے مار دوں گا' تمہارا گند اوجود مٹا دوں گا۔ بہت برداشت کرلیا تمہیں۔" اس نے مکے اور لاتوں کی بارش کردی تھی۔

"عمر! چھوڑ دو عمر کو' وہ بالکل سچ کہہ رہا ہے' میں نے اور تمہارے پاپا نے سب خود سنا ہے۔"

رابعہ احمد عمر کو دبوچ کے اس سے الگ کرنے لگیں۔ ان سے لاڈلے اور جوان بیٹے کی درگت بنتا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

برداشت نہیں ہورہی تھی۔ عمیر نے پلک جھپکائے بغیر ماں اور پھر دعا کو دیکھا' جس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا تھا۔ اسے بالکل یقین نہیں تھا۔ اس کا دل خون خون ہورہا تھا۔

"نہیں... دعا... دعا! تم بولو... تم بتاؤ دعا۔"

"بس عمیر! کوئی کچھ نہیں بولے گا۔" اس سے قبل کہ عمیر دعا کے قریب پہنچ کر اسے ہاتھ سے پکڑ کر میدان میں گھسیٹ لیتا' الیاس احمد زور سے دھاڑے۔ عمیر وہیں رک گیا۔

"بھائی جان! آپ اپنے حالات دیکھیں' نکلیں یہاں سے' دو ہی بیٹے ہیں اور وہ بھی ایک لڑکی کی خاطر ایک دوسرے کا گریبان پکڑے ہیں' پلیز آپ سب یہاں سے چلے جائیں' کوئی کچھ نہیں کہے گا' میرے بھائی کی حالت پر رحم کھاؤ۔"

الیاس احمد نے بڑے گلوگیر لہجے میں فریاد کی۔ اب سب کا دھیان ریاض احمد کی طرف مڑ گیا۔ جن کی رنگت زرد' جسم ہچکولے کھا رہا تھا اور آنکھیں بند ہورہی تھیں۔ رابعہ احمد نے روتے ہوئے گرتے ہوئے شوہر کو تھاما۔

"ماموں جان..." دعا کے سرد وجود میں اس ڈھے تے ہوئے شخص کو دیکھ کے حرارت پیدا ہوئی۔

"بس... ایک لفظ مت بولنا۔" الیاس احمد نے اس کے منہ پر زور کا ہاتھ رکھ کے چپاچپا کے کہا۔ وہ واپس گر گئی۔

رابعہ احمد' عمیر اور الیاس حمد نے' ریاض احمد کو سہارا دے کے اٹھایا اور باہر لے گئے۔ وہ تنہا اس سیاہ رات کی تاریکی کو اپنے نصیب میں جذب کرنے کو رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

ریاض احمد کے دل کی دھڑکن تیز اور بلڈ پریشر ہائی ہوگیا تھا۔ انہیں اسپتال لے جایا گیا۔ سب اگلے روز تک ان کے ساتھ وہیں رہے۔ رابعہ احمد کا رو' رو کے برا حال تھا۔ عمیر کی خاموشی بہت جامد اور گہری تھی۔

مریم وقفے وقفے سے حیرت اور نفرت کا اظہار کرتی۔ الیاس احمد بظاہر اتنے رنجیدہ اور پریشان تھے کہ پل بھر کو بڑے بھائی کا ساتھ نہ چھوڑا۔ انہیں ساتھ لے کے ہی گھر آئے۔

"عمیر اور نوال! آپ لوگ ذرا باہر جاؤ' ہمیں ضروری بات کرنی ہے۔" جیسے ہی ریاض احمد کو بستر پر لٹایا گیا۔ الیاس احمد نے ان کو باہر جانے کا آرڈر دے دیا۔

وہ دونوں ذہنی اور جسمانی طور پر بہت تھک چکے تھے' بغیر چوں وچراں کیے وہاں سے نکل گئے۔ الیاس احمد بیڈ کے قریب کرسی کھینچ کے بیٹھ گئے۔

"بھائی جان! مجھے آپ سے ایک ضروری اجازت لینی ہے' پھر سے اس موضوع کو چھیڑنا مناسب تو نہیں لگتا' لیکن موقع کی نزاکت کا تقاضا ہے۔" انہوں نے تمہید باندھی۔

"تم کہو' کیا کہنا چاہتے ہو؟" رابعہ احمد نے شوہر کے ہاتھ سہلاتے ہوئے دیور کا حوصلہ بڑھایا۔

"دیکھیے بھائی جان! آپ کے دونوں جوان بیٹے آپ کا بازو ہیں' ان سے ہماری نسل آگے بڑھے گی' آپ لوگوں کے بڑھاپے کا آسرا ہیں وہ دونوں۔"

"میرا بیٹا صرف عمیر ہے۔ مجھے عمر سے نفرت ہوگئی ہے۔' میں اس کی شکل دیکھنے کا بھی روادار نہیں۔" ان کے لہجے میں بھی نفرت ہی تھی۔

"دھیرج بھائی جان دھیرج' گوشت کو ناخنوں سے جدا نہیں کیا جاسکتا' آپ کی اسی جذباتیت کی وجہ سے' میں نے فیصلہ کیا کہ دعا کو اپنے گھر لے جاؤں' جب تک معاملہ ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا' اس کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ دونوں بھائیوں کے بیچ بدمزگی ہوگئی۔ کسی ایک کو بھی چوٹ لگ گئی تو نقصان کس کا ہوگا؟" انہوں نے بولتے ہوئے بھنویں اچکا کے بھابھی جان سے بھی رائے چاہی۔ وہ تو لڑائی جھگڑے کا سن کر ہی سہم گئیں۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو الیاس! اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاؤ' ان کی طبیعت بہتر ہوجائے تو باقی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کے معاملات دیکھ لیں گے۔" رابعہ احمد نے فوراً" حامی بھرلی۔ مریم کے ماتھے پر بل پڑ گئے' لیکن خاموشی میں ہی عافیت تھی۔ ریاض احمد نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔

"چلیں بھابھی جان! ہم بھی پھر نکلتے ہیں' میں آفس ہو آؤں' آپ بھائی صاحب کو ریسٹ کرنے دیں' میں شام کو دوبارہ چکر لگاؤں گا۔ چلو مریم اسے لے کے آؤ۔" الیاس احمد کا مقصد پورا ہوگیا۔ انہوں نے مریم کو اسے لانے کا کہہ دیا۔

☆ ☆ ☆

مریم ماتھے پر بل ڈالے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی۔ کمرے میں رات کی مانند گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے لائٹ آن کی۔ بیڈ کے قریب زمین پر دہری ہو کے گری ہوئی دعا کو حقارت سے دیکھا اور قریب جا کے پاؤں کی ٹھوکر ماری۔

"اٹھو بے حیا۔" یہ پہلی گالی تھی جو اس نے اپنے لیے سنی۔ اس کا مجسم زور کی ٹھوکر کھا کے بھی بے حس و حرکت رہا۔

"تم ایسے نہیں سنو گی۔" مریم نے جھک کر اسے بازو سے دبوچ کے گھسیٹا' وہ اٹھ گئی۔ اس کے بال بکھرے' آنکھیں رونے سے سوجی اور متورم' رنگت پیلی پڑ چکی تھی۔

لاؤنج کے صوفوں پر عمیر اور نوال کب سے خاموش بیٹھے تھے۔ مریم اسے ہاتھ سے پکڑے تقریباً" گھسیٹتی اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔ نوال اور عمیر نے بڑی تکلیف اور کرب سے اس منظر کو دیکھا۔ دونوں کی زبان تالو سے چپک گئی تھی۔ اس کا دوپٹا زمین پر رل رہا تھا۔ جو ہمیشہ اس کے شانوں پر پڑا رہتا تھا۔ وہ جو سر اٹھا کے چلا کرتی تھی' اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ جو ایک شان سے اس گھر میں دندناتی پھرتی تھی آج ایک گناہ گار' مجرم کی طرح گھسٹتی ہوئی نکلی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ دن چڑھے تک سویا تھا۔ باقی کا دن اس نے خوش گوار موڈ میں فرینڈز کے ساتھ بیڈمنٹن کھیلتے' اسموکنگ اور لانگ ڈرائیور' اپنی فیورٹ کریم کافی پیتے شام بتائی۔ اسے ملازموں سے پتا چلا تھا کہ ریاض احمد کی طبیعت ناساز ہے۔ وہ ہاسپٹلائزڈ ہیں۔ اسے باپ یا ان کی بیماری کی قطعاً" فکر نہیں تھی۔ وہ خوش تھا۔ اپنی جیت پر' اس شام کو خوب صورت بنانا چاہتا تھا۔ آٹھ بجے کے قریب الیاس احمد کی کال آگئی۔

"ہیلو چاچو' ہاؤ آر یو؟" وہ بڑی مستی میں بولا۔

"جاہل گدھے' الو کے پٹھے' صبح سے کہاں دفع ہو تم۔" وہ چھوٹتے ہی اس پر برس پڑے۔

"کیا ہوا چاچو جان' ایوری تھنگ از فائن' میں ذرا فرینڈز کے ساتھ نکلا تھا۔" عمر نے گھبرا کے وضاحت دی۔

"شرم کرو عمر! کیا ہر بات' ہر موقع کی نزاکت' میں ہی تمہیں سمجھاؤں' تم میں خود کیوں اتنی عقل نہیں ہے۔ یہ وقت فرینڈز کے ساتھ انجوائے کرنے کا نہیں' بلکہ ریاض احمد کی خدمت کرنے کا ہے۔ تاکہ انہیں یقین آجائے کہ تم دونوں گناہ گار ہو۔" الیاس احمد کا پارہ چڑھنے لگا۔

"لیکن چاچو جان' پاپا تو شاید میری شکل دیکھنا بھی پسند نہ کریں' بہت بڑا دھچکا لگا ہے انہیں۔"

"لسن ٹو می عمر' ابھی جیت کا جشن منانے کا وقت نہیں آیا' دعا ایک ڈرپوک اور بزدل لڑکی ہے۔ جو اپنے کردار کی صفائی میں ایک لفظ بھی نہ بول سکی' لیکن اب ہمارا اگلا اور آخری مہرہ ریاض احمد ہے۔ جو کہ نہایت ہی ذہین اور زیرک بندہ ہے۔ اس اسٹیج تک آکر تمہاری ذرا سی بھی غلطی' ساری محنت پر پانی پھیر سکتی ہے۔ سو برائے مہربانی اپنی ساری فضول ایکٹویٹیز چھوڑ کے' ان کے پاس جاؤ' معافی مانگو اور اپنے گناہ کے اعتراف میں ایک جذباتی اور جامع تقریر کرو۔ جان لو عمر' جب تک بھائی جان کو دعا پر تنکا بھر یقین رہے گا' وہ ہمیں اس پر ہاتھ نہیں ڈالنے دیں گے۔" الیاس احمد نے عمر کی عقل پر ماتم کیا۔ جو اپنی عقل کا استعمال بہت کم کرتا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"یعنی میں پاپا کا یقین مکمل کردوں' انہیں دعا سے اس قدر بدظن کردوں کہ انہیں اس کے کردار پر نظرثانی کرنے کا موقع دیے بغیر ہم لوگ اپنی چال چل جائیں۔" عمر کی سمجھ میں ساری بات آگئی تھی۔

"آف کورس' اب آئی نا تمہاری عقل پٹڑی پر' اب وقت ضائع کیے بغیر جلدی سے گھر جاؤ' بھابھی جان بھی تمہارا انتظار کررہی ہوں گی' اللہ حافظ۔" الیاس احمد نے ہدایات دے کے فون بند کردیا۔

✲ ✲ ✲

رابعہ احمد نے شوہر کا بی پی چیک کیا جو نارمل تھا۔ انہیں میڈیسن کھلا کے' وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر گود میں رکھ کے بیٹھ گئیں۔

"آج ماشاء اللہ آپ بہت بہتر ہیں' بس آپ میڈیسنز کی غفلت مت کیجیے گا۔" رابعہ احمد ان سے مسکرا کے ہلکے پھلکے لہجے میں ان کا دھیان بٹانے لگیں۔

"رابعہ بیگم! اب شاید میری طبیعت کبھی بھی نہ سنبھل سکے' جتنا بڑا دکھ مجھے میری اولاد نے دیا ہے۔ اس کا مداوا کوئی چیز' کوئی خوشی نہیں کرسکتی۔" وہ پھر سے دل برداشتہ ہونے لگے۔

"آپ اس حادثے کو اس قدر دل پر مت لیں ریاض' ابھی اور بھی بہت سے مخلص رشتے آپ کے منتظر ہیں۔" رابعہ احمد نے کھوکھلا سا دلاسا دیا۔

"میرا رشتوں پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے' مجھے دعا پر کتنا مان اور اعتبار تھا' لیکن اس نے کیا کیا' سچ پوچھو تو میرا دل ہی بجھ گیا ہے۔" رابعہ احمد کے پاس الفاظ نہیں تھے' ان کا دکھ بہت بڑا تھا۔ دلاسا بہت چھوٹا اور کم تر احساس تھا' وہ کسے بے قصور کہتیں' کسے بری الذمہ قرار دیتیں۔

"جو بھی ہوا ریاض احمد! مجھے بھی بہت صدمہ ہے' دعا کو میں نے نوال کی طرح ہی سمجھا اور یہ خدا مجھے بھی....." وہ دعا کے کردار اور پاکیزگی کی گواہی دینے لگی تھیں.... جو عمر کے حق میں بہتر نہیں تھی۔

"رابعہ! کیا تمہیں لگتا ہے کہ جو بھی ہوا' اس میں سراسر قصور دعا کا ہے۔ اس نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ وہ نفس کی خواہش پر برائی کی طرف مائل ہوئی؟" وہ عورت تھیں۔ پھر وہ سارا دن گھر میں اس کے نزدیک رہتی تھیں۔ اس لیے پوچھ رہے تھے۔

"آپ اس معاملے کو کسی فیصلہ کن وقت کے لیے اٹھا رکھیں۔" انہوں نے کافی ذو معنی جواب دیا۔ جس سے ان کی تشفی بھی ہوجائے اور کسی کی طرف داری کی بو بھی نہ آئے۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" رابعہ ان کا ہاتھ تھپک کر بیڈ پر آہستہ سے رکھتی اٹھ گئیں۔ دروازے پر چہرے پر بے حد پشیمانی سجائے عمر کھڑا تھا۔

"پاپا جان کیسے ہیں؟ میں ان سے ملنے آیا ہوں' ان کی فکر میں مجھے کسی پل چین نہیں۔" وہ ماں کو دیکھتے ہی شروع ہوگیا۔ وہ اپنے پیچھے احتیاط سے دروازہ بند کرتی باہر آگئیں۔

"یہاں سے اپنی فکر سمیت دفعان ہوجاؤ۔" وہ سختی سے کہتی' چہرہ موڑ گئیں۔

"پلیز ماما' جو گناہ ہم سے سرزد ہوگیا ہے۔ اب اس کے لیے ہمیں کتنا ذلیل و خوار کیا جائے گا۔ پلیز مجھے معاف کردیں' اگر میں نے اس کے ورغلانے میں آکر کوئی بھول چوک کرلی ہے تو میں اس سے شادی کرلوں گا۔" عمر نے شرمندگی سے ہاتھ جوڑ دیے۔

"شٹ اپ' جسٹ شٹ اپ' تمہیں غیرت نہیں آتی' اتنا بڑا گناہ کرکے ڈھٹائی سے اس کا اعتراف کرتے ہوئے' یہاں کوئی فلمی سین نہیں چل رہا عمر احمد' ہوسکتا ہے' باقی سب کو تمہارے اس ڈرامے پر یقین آگیا ہو' لیکن..... میں..... میں تمہاری ماں ہوں' تمہاری رگ رگ سے واقف' تمہیں بچانے کے لیے' دنیا والوں کے سامنے تمہارے کرتوتوں یا پھر اپنی تربیت کی لاج رکھنے کے لیے پردہ ڈال سکتی ہوں' لیکن مجھے تم پر اعتبار قطعی نہیں' دعا کو میں اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ اس کے ہاتھ سے اچانک انڈہ بھی گر کر ٹوٹ جائے تو وہ بوکھلا جاتی ہے۔ اس کے منہ سے اپنی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

صفائی کے لیے لفظ نہیں نکلتے۔ اس کی خاموشی اس کی بے گناہی کا ثبوت ہے۔ تم اس کی بزدلی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ' آئینڈ گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔"

رابعہ احمد کی آنکھیں غصہ کرنے اور چبا کر بولنے سے لہو رنگ ہو گئیں۔ عمر نے پہلی بار ماں کا یہ روپ دیکھا تھا۔ ایسے جیسے انہوں نے کڑوے سچ کے بجائے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا ہو۔ اسے ماں کے رتبے کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہل نہ پایا۔ وہ اسے ہاتھ سے پرے دھکیل کے آگے ایک طرف سے ہو کر نکل گئیں۔

☆ ☆ ☆

"کیا ضرورت تھی الیاس! اس گناہ کی پوٹلی کو گھر تک لانے کی۔ عمر کا گند آپ اپنے گھر اٹھا کے لے آئے۔ اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے مجھ سے صلاح تو کر لی ہوتی۔" مریم نے بمشکل شوہر کے کھانا کھانے تک ضبط کیا لاؤنج میں آتے ہی وہ پھٹ پڑی۔ دعا کو کمرے میں بند کر کے بعد میں خبر خبر نہیں لی تھی۔

"اچھا... تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ میں الیاس احمد کوئی بھی کام کرنے سے پہلے مریم ملک سے صلاح و مشورہ کرنا اپنا فرض سمجھوں' کیونکہ وہ مجھ پہ حکمران ہے اور مجھ سے بہتر سوچ رکھنے والی ہے۔" انہوں نے پوری آنکھیں کھول کے مریم پر گاڑ دیں۔ مریم سے تحمل مزاجی سے بات کی جاتی تو وہ مزید سر چڑھتی' وہ اسے ذرا سی بھی ڈھیل دینے کو تیار نہیں تھے۔

"آپ مجھے غلط مت لیں۔ یہ سب بھائی جان اور بھابھی کے بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ ہے۔ یہ لڑکی دیکھنے میں جتنی معصوم اور سیدھی لگتی ہے اتنی ہی مسنی اور گھنی نکلی۔ توبہ ہے' ایسی عورت کے سائے سے بھی بچنا چاہیے۔ میں تو..."

"اچھا بس... زیادہ بڑھ بڑھ کے بولنے کی ضرورت نہیں۔ کہاں ہے وہ' اس کی خبر بھی لی ہے کہ نہیں۔"

"پڑی ہے کمرے میں' لے لیں جا کے اس کی خیر خبر' ایک ماموں کا منہ کالا کر دیا' اب دوسرا خیر خواہ بن رہا ہے' غیرت مر گئی ہے سب کی۔" آخری جملہ منہ میں بڑبڑاتی وہ اٹھ گئی۔ الیاس احمد نے ٹی وی کا ریموٹ رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے ساتھ ہونے والے اندوہناک واقعے پہ ابھی تک بے یقین تھی' صرف چند منٹوں نے اس کی زندگی کو گھپ اندھیروں میں دھکیل دیا۔ اس کی پاک دامنی کو داغدار کر دیا۔ وہ بے یقین تھی۔ کیا واقعی حقیقت میں سب ہو چکا ہے؟ اس سے ماں جیسی شفقت سے پیش آنے والی رابعہ ممانی اور ماموں جن میں اسے شروع سے اپنا باپ دکھتا تھا۔ اسے یاد تھا جب وہ چھ برس کی عمر میں ماں کی انگلی تھام کے ریاض ماموں کے گھر آئی تھی۔

انہوں نے کیسے بہن اور اس کے دکھ کو سمیٹ لیا تھا۔ نوال اور عمر شام کو لوٹتے۔ ریاض احمد سے "پاپا جان" پکارتے لپٹ جاتے' رات کو ان سے چاکلیٹ اور آئس کریم کی فرمائش ہوتی' ایک روز اس نے ماں کا ہاتھ تھام کے آنکھوں میں آنسو لیے معصومیت سے پوچھا۔

"امی جان! کیا میرے ابو جان' کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ وہ مجھے چیزیں نہیں لا کر دیں گے' میں کس کی گود میں چڑھوں۔" وہ رونے لگی۔ ریاض احمد اور صفیہ بیگم اس معصوم بچی کی سوچ پر ششدر رہ گئے۔

"گندی بات دعا! میں ہوں ناں تمہارا ابو جان اور میں آفس سے آ کے نوال کے بجائے تمہیں گود میں اٹھایا کروں گا۔ کیونکہ تم میری بڑی بیٹی ہو۔" ریاض احمد نے اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔ گال پر بوسہ دیا اور گدگدی کی' انہوں نے ایک بچی سے کیا وعدہ ہمیشہ نبھایا۔

رابعہ احمد نے بڑی خوشی اور خندہ پیشانی سے' اپنی اولاد کے بیچ اس شراکت داری کو عمر بھر برداشت کیا' نوال اپنی شاپنگ رابعہ احمد کے ساتھ جا کر کرتی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ریاض احمد سردیوں' گرمیوں' عید' شب برأت کے کپڑے اسے ساتھ لے جا کر دلواتے۔ اس کے پاس نوال سے زیادہ تو نہیں لیکن کم بھی کپڑے' جوتے' پرس' بیگ وغیرہ نہیں تھے' اس کے پاس اپنی ذاتی وارڈ روب تھی۔

اس نے میٹرک میں پہلی پوزیشن لی تو ماموں ایک گھنٹے بعد لیپ ٹاپ لے کر حاضر تھے۔ ایف ایس سی میں A+ گریڈ لیا تو بلیک بیری کا تحفہ ملا۔ بی اے میں دوسری پوزیشن لی تو گاڑی بمعہ ڈرائیور اسے یونیورسٹی لے جانے کے لیے موجود تھی۔ ریاض احمد کی محبتوں کے یہ سارے انداز صرف اسی کے لیے مخصوص تھے۔ عمیر یونیورسٹی لیول تک بائیک استعمال کرتا رہا۔

نوال اور عمیر نے کبھی دعا سے حسد نہ کیا۔ سوائے عمر کے' اسے دعا سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ وہ اسے ایک آنکھ نہ بھاتی' اس کا جی چاہتا کہ وہ اپنی اس رقیب کا مار مار کے بھرکس نکال دے۔ اس کی ہر چیز کو آگ لگا دے۔ اس کے یہ خطرناک عزائم صرف سوچ تک محدود تھے۔ وہ اکثر ماں کے سامنے بھڑاس نکال لیتا۔ وہ اسے پیار سے سمجھاتیں لیکن جب کبھی دعا گھر میں اکیلی اس کے قابو آجاتی' وہ جی بھر کے اس کی بے عزتی کرتا۔

دعا باقی سب رشتوں کی محبت کی ڈور سے بندھی کھنچی چلی آتی ورنہ کالج لیول میں آنے کے بعد اس کا قطعاً" اس گھر میں آنے اور عمر کے ہاتھوں اپنی درگت بنوانے کو دل نہ چاہتا۔ اس نے اپنی زندگی کا ہر مرحلہ ماموں کے صلاح و مشورے سے طے کیا۔ کیا گزری رات نے سب ختم کر دیا۔ اس کا ماں کے بعد محبت واحترام کا رشتہ بھی اس سے چھن گیا۔ عمر کو اس سے نفرت تھی۔ بیر تھا' اپنی زندگی بھر کی بھڑاس کا بدلہ وہ اس طرح اسے رسوا کر کے لے گا' اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اسے اتنے دنوں میں ایک بار بھی اس کے لہجے' چہرے' آنکھوں اور لفظوں میں جھوٹ یا کھوٹ نظر نہیں آیا۔

وہ گھٹیا اور پنچ ذہنیت کا تھا۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ نہ سکی۔ اس کا حلق گھٹ گیا' اتنا گھٹیا' شرمناک الزام' وہ اپنی صفائی میں کیا بولے۔ اس کا جی چاہا کہ کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اس قدر بے عزتی۔ اس کی برسوں کی اعتماد کی بنیاد پہ کھڑی عمارت اس شخص کی مکاری نے لمحہ بھر میں زمین بوس کر دی۔ وہ رو رہی تھی' زار و زار' سب اپنے بیگانے ہو گئے تھے۔ مریم ممانی نے اسے کتنے زور سے بازو سے پکڑ کر جھنجوڑا' کمرے کا دروازہ کھول کے' دھکے مار کے اندر پھینکا' کسی نے پلٹ کر خبر نہ لی۔ وہ اپنی بزدلی اور کم ہمتی پر ماتم کر رہی تھی۔ اسے کیا بولنا چاہیے تھا؟ کیسے اپنا دفاع کرتی' جب اس نے پہلی بار عمر کی آنکھ میں ہوس دیکھی تھی۔ اس نے دعا کو دوستی کی پیش کش کی یا جب رابعہ احمد نے اسے زبردستی اس کے ساتھ رخصت کیا یا تب اڑ جاتی جب وہ اسے ڈرا دھمکا کر اپنے کمرے میں لے جا رہا تھا۔ وہ کم از کم نوال کو ہی اپنا ہمراز بنا لیتی' وہ ایک دم سے جھوٹی اور تنہا نہ پڑتی۔ کوئی تو اس کی پاکدامنی اور گواہی کے لیے بولتا۔ سب کی آنکھوں میں ٹھہری بے اعتباری اور نفرت نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھیں رونے سے سوج چکی تھیں۔ اس کے ہاتھ کمزوری سے کپکپاتے اور سر اس قدر بھاری تھا جیسے منوں بوجھ تلے دبا ہو۔ کمرے کا دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ سے کھلا۔ بیرونی جلتی تیز روشنیوں نے اندرونی حصے کی تاریکیوں کو نگل لیا۔ قدموں کی ابھرتی چاپ اس کے قریب آرکی۔

اس نے گھٹنوں میں دبا سر اٹھا کے آنے والے کو دیکھا اور پھر معمول کے مطابق اپنے دوپٹے کی تلاش میں گلے میں ہاتھ پھیرا دوپٹا گلے میں نہیں تھا' اس نے شرم کے مارے قالین پر ہاتھ پھیرتے ادھر ادھر دوپٹا ٹٹولا' لیکن وہ کہیں ہوتا تو ملتا جب مریم اسے بازو سے پکڑ کر کھینچ رہی تھی' پیروں میں اٹکتا' زمین پر لٹتا گر گیا تھا۔ اس نے اپنے سینے کے آگے دونوں بازو لگا لیے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

اس کی آنکھوں میں خوف واضح تھا۔

"یہ تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے بیٹا! بس چپ کر جاؤ' اب اور مت روؤ' جو ہونا تھا وہ ہوچکا' تم خود کو سنبھالو۔" الیاس احمد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ لمحہ بھر کو اس ظالم شخص کا دل کانپ گیا۔ کتنی بری حالت میں وہ معصوم اور پاکیزہ لڑکی ان کے سامنے تھی۔ معاملہ کروڑوں کا تھا سو ہمدردی کو پاؤں رکھ کے کچل دیا۔ دعا پھر سے خشک آنکھیں لیے سسکیاں بھرنے لگی۔

"اُٹھو شاباش! ادھر بیڈ پہ آجاؤ۔ کیوں خود کو مزید اذیت دے رہی ہو۔" انہوں نے بازو سے پکڑ کر دعا کو اٹھایا اور بیڈ تک لے گئے اور قالین پر رکھی کھانے کی ٹرے اٹھا کے اس کے سامنے رکھ دی۔

"چلو شاباش کھانا کھاؤ' کب سے بھوکی ہو' کوئی ایسے بھی خود کے ساتھ ظلم کرتا ہے۔" الیاس احمد نے خود نوالہ بنا کے اس کے منہ کی طرف بڑھایا جو دعا نے تھوڑے پس و پیش کے بعد ان کے لحاظ میں منہ میں ڈال لیا۔

"شاباش! اب شروع ہوجاؤ اور سارا کھانا ختم کرو۔" اس واقعے کے بعد یہ واحد رشتہ تھا جو اس سے اتنے محبت بھرے لہجے میں بات کررہا تھا۔ دعا ماموں کے احترام میں چھوٹے چھوٹے لقمے لینے لگی۔ وہ اسے کھاتے دیکھتے رہے۔ وہ بغیر ڈوپٹے کے خفت زدہ سی تھی۔ چند لقمے لے کر اس نے ٹرے پرے کھسکا دی۔ انہوں نے دعا کی کھانے میں عدم دلچسپی نوٹ کی۔

"اچھا یہ لو' اب پانی کے ساتھ ٹیبلٹ بھی کھالو' نیند آجائے تو خود کو بہتر محسوس کروگی۔" الیاس احمد نے جیب سے گولی نکال کے اس کی طرف بڑھائی اس نے ٹیبلٹ ان کی شفاف ہتھیلی سے اٹھا کے پانی کے ساتھ نگل لی۔

"اب تم لیٹ جاؤ گڈ گرل! میں ملازمہ کو چائے کا مگ دے کے بھجواتا ہوں۔ اب کچھ برا مت سوچنا' سب بہتر ہوجائے گا' میں صبح پھر ملنے آؤں گا۔" الیاس احمد نے اسے لٹا کے چادر ڈالی اس کا سر تھپکا اور اٹھ کے باہر نکل آئے۔

☆ ☆ ☆

ریاض احمد کو ڈاکٹر نے پندرہ روز کا بیڈ ریسٹ بتایا تھا۔ وہ پانچ روز بعد ہی آفس جانے کی ضد کرنے لگے۔ رابعہ احمد نے بمشکل انہیں روکا۔ اس بار صدمہ صرف عمر کا نہیں ان کی لاڈلی بیٹی کا بھی تھا۔ وہ آفس سے ملحقہ ریسٹ روم میں لیٹے متضاد سوچوں میں گھرے رہتے۔ عمیر بغیر ناشتا کیے آفس اور نوال کالج چلی جاتی۔ رابعہ احمد کا دھیان گھرداری کی طرف بالکل نہیں تھا۔ وہ اس حادثے پر اندر ہی اندر کڑھتی رہتیں۔ انہیں اس سب میں اپنا بھی قصور لگتا' کیونکہ وہ ہی ان دونوں کو قریب لانے کی پلاننگ کررہی تھیں۔ ان دونوں کو تنہائی اور گھومنے پھرنے کے مواقع فراہم کیے اور اس سب کا اتنا بھیانک نتیجہ نکلا۔

ریاض احمد کی زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔ وہ ان سے بیٹھی ادھر ادھر کی ہانکتی رہتیں۔ وہ بہت زیادہ ہوتا تو ہوں یا ہاں میں سر ہلادیتے ورنہ دیوار یا کھڑکی سے باہر نظر آتے درختوں کو گھورے جاتے۔

عمیر آفس میں سارا دن غیر حاضر دماغی سے کام نپٹاتا۔ اس کا جی چاہتا کہ وہ یہاں سے اتنی دور چلا جائے جہاں کوئی اپنا نہ ہو۔ اس کے دل کا ایک کونہ دعا کو قصور وار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے یک جانب ہو کر سوچا تو دعا کی زندگی کا ریکارڈ اس کے ذہن میں محفوظ تھا۔ وہ اس کی بیسٹ فرینڈ تھی' لیکن بالغ ہونے کے بعد اس اپنے اور عمیر کے درمیان ایک حد مقرر کرلی۔ پھر صفیہ پھوپھی بھی بہت سخت اور وضع دار خاتون تھیں۔ انہوں نے دعا پر بہت سی پابندیاں عائد کررکھی تھیں' کیونکہ گھر میں سوتیلا بھائی اور باپ بھی موجود تھے۔

دعا نے کبھی مذاق میں بھی عمیر کے ہاتھ پر ہاتھ نہیں مارا تھا' وہ بہت فرماں بردار اور نیک لڑکی تھی۔ اب عمر کے کمرے میں سے اس کی برآمدگی اور وہ گفتگو جو ریاض اور رابعہ احمد نے من و عن سنی تھی' کسی بے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

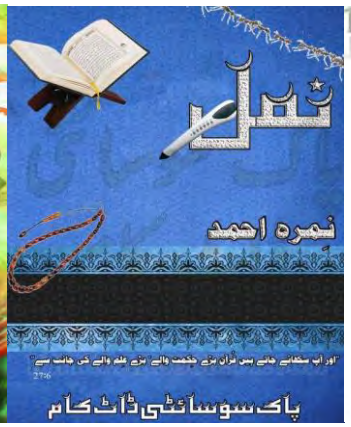

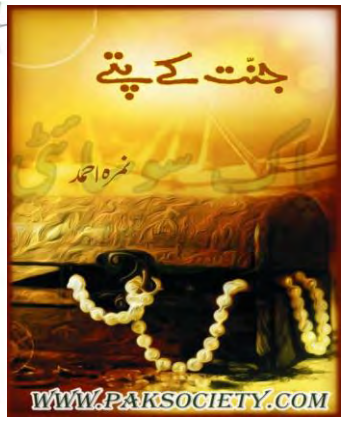

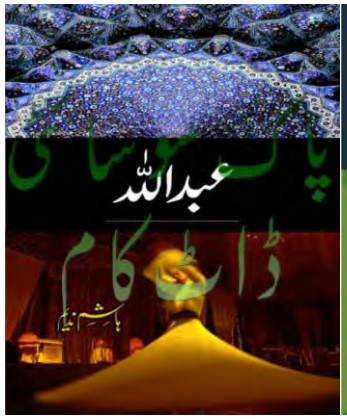

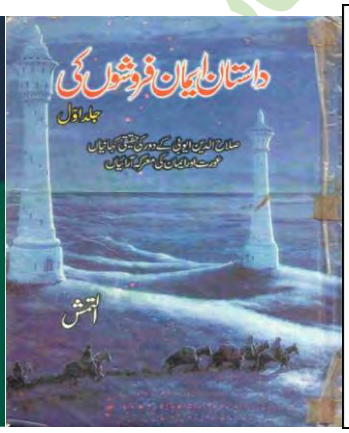

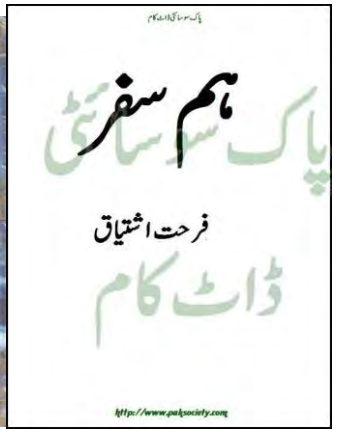

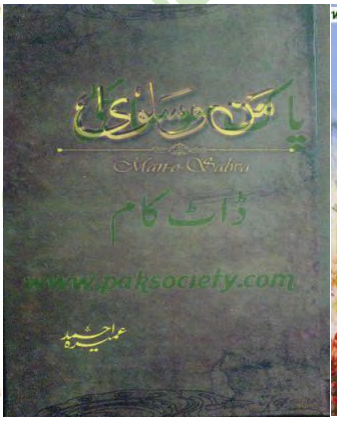

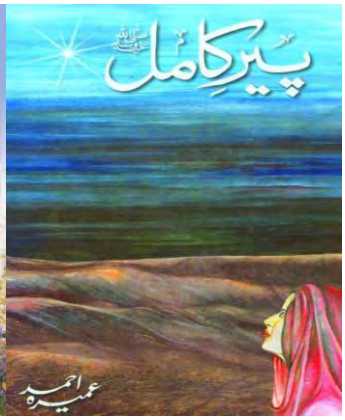

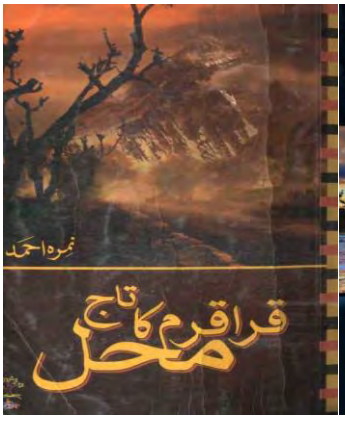

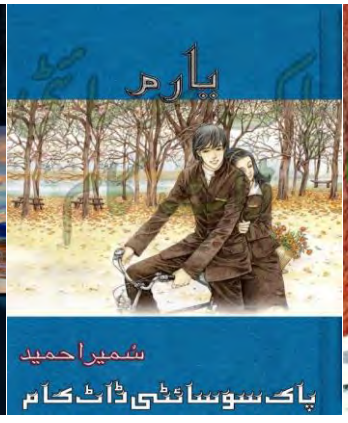

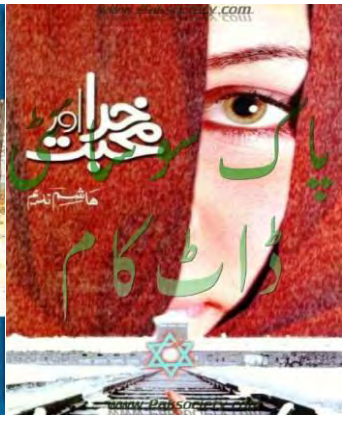

Downloaded from Paksociety.com

یقینی کی گنجائش نہیں تھی۔ عمیر کا دل ڈانواڈول تھا۔ اسے لگتا کہ سچ بہت سی پرتوں کے نیچے چھپا ہوا نکل آئے گا۔ وہ دعا کے پاس جائے' تمہید کیا باندھے' اتنے شرمناک موضوع پر بات کیسے کرے؟ کیا دعا تعاون کرے گی' جو سچ وہ چھپا رہی ہے۔ وہ عمیر پر اعتبار کر کے اگل دے گی۔

"اگر اس کا عمر کے ساتھ تعلق۔۔۔" عمیر نے لمبا سانس خارج کر کے آنکھیں موندیں اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا' اس کا دماغ بند ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

مریم' رابعہ احمد کو جٹھانی کا ہی نہیں' ساس کا بھی درجہ دیتی تھی' اس نے ہمیشہ ان کا بہت احترام کیا تھا۔ وہ اپنا ہر گھریلو مسئلہ ان سے شیئر کرتی جو اہوا اس کا مریم کو بھی بہت دکھ تھا۔ اسے دعا پر اتنا غصہ تھا کہ وہ اسے اپنے گھر رکھنے کو بھی راضی نہیں تھی۔ الیاس احمد کے آگے وہ بے بس ہو جاتی۔

"بیگم صاحبہ! دعا بی بی نے صبح کا ناشتا بھی نہیں کیا اور اب دوپہر کا کھانا بھی واپس بھجوا دیا ہے۔" ملازمہ ٹرے لیے کھڑی تھی۔ مریم بچوں کے یونیفارم' شوز اور بیگ وغیرہ سمیٹ رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"میں نے بچوں کا یونیفارم چینج کروا دیا ہے' تم انہیں سینڈوچ بنا کے دو' میں اسے دیکھتی ہوں۔" وہ ہدایات دے کے مڑی۔

دعا گھٹنوں میں سر نیہوڑائے بیٹھی تھی۔ مریم نے زور سے دروازہ دھکیلا۔

"بھوک ہڑتال کر کے' تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔" مریم اس کے سر پر آ کے چلائی۔ دعا نے چہرہ اوپر کیا تو ایک لمحے کو مریم کا دل لرزا۔ زرد سوجن زدہ چہرہ' آنکھیں لال سرخ اور پپوٹے پھولے ہوئے' بکھرے بال' اس نے کبھی کسی عورت کو اس طرح ماتم کناں نہیں دیکھا تھا۔ دعا سے اسے بھی انسیت رہی تھی۔ صفیہ بیگم کی وفات سے پہلے وہ بہت ہنس مکھ اور زندہ دل لڑکی ہوا کرتی تھی۔ مریم اسے اکثر اپنے کالج اور یونیورسٹیز کے قصے سناتی' اپنے لڑکپن کی شرارتیں' دعا' نوال اور مریم اکثر بیٹھ کے مووی دیکھتیں اور وہ اپنے کپڑوں کی شاپنگ کے لیے اسے بھی ساتھ لے جاتیں۔

"مجھے کچھ بھی ثابت نہیں کرنا ممانی جان' میری ماں زندہ ہوتی تو میرے ساتھ یہ سلوک نہ کیا جاتا۔" دعا کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

"اپنی گندی زبان سے اس شریف اور پاک باز عورت کا نام لے کر اس کے کردار کی توہین مت کرو۔ تم کیا سمجھتی ہو' صفیہ کے ذکر سے ہمیں ایموشنل بلیک میل کر کے تم پھر سے دھوکا دے لوگی تو یہ تمہاری بھول ہے دعا' تمہاری شرافت اور معصومیت کا چولا اتر چکا ہے۔ کردار کی گندگی سب پر عیاں ہو گئی ہے۔ اب کسی نے تم پہ اعتبار نہیں کرنا۔" مریم نے جی بھر کے تذلیل کی۔ اس نے سب کا بھروسا توڑا تھا' وہ اسے رعایت کیوں دیتی۔ وہ مخلص لوگوں کو پسند کرتی تھی اور خود بھی مخلص رہتی۔

"آپ لوگوں نے یک طرفہ میرے کردار کا فیصلہ کر لیا' مجھے صفائی کا موقع دیے بغیر۔" یہی زخم اسے رلا رہا تھا۔

"یعنی تم ابھی بھی اتنی دیدہ دلیری سے' ہماری آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی کو جھٹلا رہی ہو۔ تو کیا آدھی رات کو' عمر کے ساتھ بند کمرے میں محفل میلاد اٹینڈ کر رہی تھیں۔ وہ تمہاری ہوس اور ذہنی پلیدگی' تمہیں وہاں تک کھینچ کے لے گئی تھی۔" مریم نے اس کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کی حد کر دی۔ دعا نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔

"خدا سے ڈریں ممانی جان! مجھ پر بے بنیاد الزام تراشی مت کریں۔" وہ چیخ پڑی۔

"بکواس مت کرو ذلیل لڑکی! خود کو چھپانے کے لیے کوئی اور طریقہ ڈھونڈو۔ یوں چہرہ ڈھانپنے سے' تمہارے وجود سے اٹھتے تعفن کی بو کم نہیں ہو گی' ہم خود بھی تمہاری شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتے' کہتی ہوں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

الیاس سے 'کسی کے ساتھ منہ کالا کر کے' چلتا کردیں۔" مریم بکتی جھکتی اپنے اندر کی بھڑاس نکال کر چلی گئی۔ وہ پھر سے گھٹ گھٹ کے رونے لگی۔

☆ ☆ ☆

الیاس احمد صبح و شام بھائی کی عیادت کے لیے آتے۔ ان کا دل بہلاتے' رات کی میڈیسنز اور زبردستی دودھ کا گلاس پلاتے۔ بھابھی جان کے ساتھ اظہار فکر مندی ہوتی۔ ریاض احمد کے چہرے پر روز بروز بڑھتی پیلاہٹ اور رابعہ احمد کے چہرے پر کھنڈی پریشانی انہیں اپنے مشن کے مزید قریب کررہی تھی۔

"میں ان کی بہت کیئر کررہی ہوں' لیکن پھر بھی ان کی خاموشی اور کمزوری بڑھتی جارہی ہے۔ الیاس! وہ جو تمہارا ہارٹ اسپیشلسٹ فرینڈ ہے۔ تم پلیز اس سے ٹائم لے دو' میں ان کا کمپلیٹلی چیک اپ کروانا چاہتی ہوں۔" وہ ان کے ساتھ کوریڈور پار کررہی تھیں۔

"ڈونٹ وری بھابھی جان! میں نہ صرف ٹائم لے دوں گا بلکہ خود آپ کے ساتھ جاؤں گا۔" انہوں نے مزید پیش کش کی۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ' تم ریاض کو واپس زندگی کی طرف لانے میں میرا بہت ساتھ دے رہے ہو' لیکن....." انہوں نے مایوس کن سا وقفہ دیا۔ الیاس احمد کے دل میں ٹھنڈ سی اتر گئی۔

"لیکن یہی ناں بھابھی جان کہ جب تک ان کے کلیجے میں پکتا ناسور جڑ سے نہ اکھڑا' وہ تب تک نہیں سنبھلیں گے۔ آپ جانتی ہیں ناں' اپنے شوہر کی حساسیت کو۔" وہ انہیں گھما پھرا کے اپنے مطلب کے موضوع تک لے آئے۔ اب آگے کی ساری محنت ان کو کرنا تھی۔ عمر کا کام ختم ہوگیا' لیکن کھیل ابھی جاری تھا۔ اب انہوں نے تیر چھوڑنے تھے۔

☆ ☆ ☆

"مجھے تو دعا کا ذکر چھیڑتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔" رابعہ احمد نے نفی میں سر ہلایا۔

"بھابھی جان' میرا مشورہ مانیں تو دعا کا نکاح پڑھوادیں۔" انہوں نے فٹ سے پہلا وار کیا۔

"عمر سے....." رابعہ نے سہم کے دل پر ہاتھ رکھا۔

"ہرگز نہیں' عمر نہ عمیر' آپ کیوں اپنے بیٹوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنانے پر تلی ہوئی ہیں۔ کیا آپ کو عمر کے ساتھ عمیر کی خوشی عزیز نہیں۔ جتنی ذلت یہ لڑکی دے چکی ہے۔ اس کے بعد یہ ہمارے شریف خاندان کی بہو بننے کے قابل نہیں رہی۔ کیا آپ اسے وہ پہلے والا پیار' عزت' ممتا جیسی شفقت دے پائیں گی۔ اس نے آپ کے خاندان کو توڑا' آپ کے مجازی خدا کو موت کے منہ میں دھکیل دیا' بھائی جان اپنے بچوں کے حصے کی محبت اس پر لٹاتے رہے۔ اس کے منہ میں لقمے ڈال ڈال کے اتنا بڑا کیا اور ان ساری محبتوں کا صلہ کیا ملا۔ بدنامی' رسوائی' ذلت..... تف ہے اس لڑکی پر....."

الیاس احمد پورے جوش سے تقریر جھاڑتے ان کی برین واشنگ کررہے تھے۔ رابعہ احمد کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اس بات کی غمازی کررہے تھے کہ وہ سوچ اور یقین کے مراحل طے کررہی ہیں۔ ورنہ وہ ضرور انہیں ٹوک دیتیں۔

"میری عقل ہی ماؤف ہوگئی ہے۔ خدا جانے کیسے حالات سدھریں گے۔" انہوں نے ماتھے کو انگلیوں سے مسلا۔

"میری نظر میں ایک رشتہ ہے' اگر کہیں تو بات بڑھاؤں۔" ان کا انداز محتاط تھا تاکہ انہیں کوئی شبہ نہ پڑے۔

"یا' اتنی جلدی..... کیا واقعی تم اس کی شادی کروا دوگے۔" رابعہ احمد اس انہونی خبر پر ٹوٹے پھوٹے لفظ بولنے لگیں۔ وہ خود بھی ذہنی طور پر دعا کو بہو بنانے کے لیے تیار نہیں تھیں اور رہی سہی کسر الیاس احمد کی تقریر نے پوری کردی تھی۔

"لیکن الیاس! یہ بہت بڑا قدم ہے۔ ریاض احمد کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

خاموشی کسی مصلحت کے تحت ہے۔ وہ دعا کا ذکر نہیں کرتے اس لیے مجھے ٹھیک سے اندازہ نہیں کہ وہ اس کے لیے کیا سوچ رہے ہیں۔" وہ تھوڑا متزلزل ہوئیں۔

رابعہ احمد ہی تو اصل مہرہ تھا جسے الیاس نے قابو کرنا تھا۔ کچھ ایسا کرنا تھا کہ رابعہ احمد اسی کی طرح سوچیں اور بولنے لگیں۔

"یہ ہمت آپ کو پکڑنی ہے' آپ ماں ہیں' اپنی اولاد کی بہتری کا سوچیں' اس لڑکی کو مکھن سے بال کی طرح نکال باہر کریں' یہ نہ ہو کہ بھائی جان اس کی محبت اور یتیمی میں اندھے ہو کے' عمر کا گناہ عمیر کے سر تھوپ دیں' عمیر باپ کا بے دام غلام' بے زبان' بے چارہ۔ ان کی ہر رضا میں راضی۔۔۔" الیاس احمد نے خوف ناک نقشہ کھینچا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں الیاس' میں اپنے شریف اور فرماں بردار بیٹے کی زندگی برباد نہیں کروں گی۔ یہ لڑکی اسے ڈیزرو نہیں کرتی۔" وہ فوراً" بدک گئیں۔ اس تصور سے ہی ان کی رنگت اڑ گئی۔

"بھائی جان سے کوئی بعید نہیں' آپ خود آگے بڑھیں اور فائٹ کریں۔" الیاس احمد نے ہمت بندھائی۔

"میں نے کبھی ان سے اونچی آواز میں بات نہیں کی' اب اولاد کی خاطر ان کے سامنے ڈٹ جاؤں' وہ بھی اس عمر میں۔"

وہ باقاعدہ رونے لگیں۔ حالانکہ چند دن پہلے تک وہ شوہر پرست اپنے مجازی خدا کو نہ صرف دھوکا دے رہی تھیں بلکہ ایک معصوم لڑکی کو گمراہ بھی کر رہی تھیں۔ جھوٹ بولنے کی حد ختم تھی۔

"بھابھی جان! رونے سے کچھ نہیں ہونے والا۔" انہیں کوفت ہوئی۔

"اگر آپ نے ہمت نہ پکڑی' اپنی اولاد کے حق میں کھڑی نہ ہوئیں تو آپ کی آنے والی نسلوں کے حصے میں بھی بدنامی اور ذلت ہی آئے گی۔ کیا کبھی عمر اور

مشہور مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام	قسم	قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
گھری گھری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اُردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو / ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری / ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

عمیر ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھیں گے؟ ایک دوسرے کی نظروں کا سامنا کرپائیں گے کیونکہ آپ ایک بیٹے کا جھوٹا دوسرے کی پلیٹ میں ڈال رہی ہیں اور نوال اس کی بیسٹ فرینڈ اسے بھابھی کہہ لے گی؟ اور کیا آپ اسے دل سے بیٹی تسلیم کریں گی؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب نہیں میں ہے تو پھر آپ کو ہٹ جانا چاہیے۔" الیاس نے زور کا مکا ہوا میں اچھالا۔ رابعہ احمد صدمے کی زد میں نفی میں سر ہلاتی جارہی تھیں۔

"بھائی جان کا محبت اور مٹھاس سے برین واش کریں۔ دعا کا قصور نکالیں اور نہ ہی عمر کا نام لیں جو ہوچکا اسے اپنے ذہنوں پر مسلط کرنے کے بجائے آگے کا سوچیں۔" الیاس احمد کا موبائل بجنے لگا تو انہیں اپنا پرزور سلسلۂ کلام منقطع کرنا پڑا۔

"میں چلتا ہوں۔ میری ضروری کال ہے' آپ سوچیں پھر ڈسکس کریں گے۔" الیاس احمد موبائل کان سے لگاکے آگے بڑھ گئے اور ان کے لیے بہت سے در وا کرگئے۔

☆ ☆ ☆

مریم پورچ میں غصے سے بھری دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔ اس نے کوفت سے تیسری بار موبائل پہ نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے کمپیوٹر آپریٹر کی اطلاع تھی کہ مطلوبہ نمبر فی الحال بند ہے۔ مریم نے موبائل زور سے دوسرے ہاتھ پر مارا۔ تب ہی الیاس احمد چھوٹا گیٹ کھول کے لان کے رستے داخل ہوئے۔ چکر کاٹتی مریم کی نگاہ ان پر پڑی تو وہ رک گئی۔

"کہاں تھے آپ اور موبائل کیوں آف کردیا تھا؟" وہ غصے کو کسی حد تک ضبط کرکے شروع ہوگئی۔

"تمہیں پتا تو ہے میں اس وقت بھائی جان کے پاس جاتا ہوں۔" الیاس احمد اپنی خوشی میں اس کے غصے پر توجہ نہ دے پائے ورنہ ابھی مزاج درست کردیتے۔

"بھائی صاحب کی دو دفعہ کال آچکی ہے' آخر آپ نے انہیں کس لڑکی کا آسرا دے رکھا ہے اور کب ملوائیں گے اس کے گھر والوں سے۔" مریم ان کے برابر چلتی مسلسل بول رہی تھی۔

"تم چاہو تو اسی ہفتے شادی کروا دیتا ہوں۔" اب مریم کو بھی اس کھیل میں شامل کرنے کا وقت آگیا تھا۔ اس کی ہاں اور کوشش کے بغیر تمام کام ناممکن تھا۔

"کیا مطلب' میں چاہوں تو؟" وہ نا سمجھ تھی۔

"بیٹھ جاؤ' میں مطلب بھی سمجھا دیتا ہوں۔" انہوں نے اپنے سامنے والے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہارے بہت لاڈلے بھائی آصف نے محبت کی شادی کی اور شادی کے محض دو ماہ بعد جب کہ انہیں ہنی مون سے لوٹے دس روز ہی ہوئے تھے ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا جس میں تمہاری بھابھی کی ڈیتھ اور بھائی کی ریڑھ کی ہڈی کو نقصان پہنچا۔" وہ پرانی باتیں کیوں دہرا رہے تھے۔ مریم نے بولنے کے بعد لب وا کیے تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کے اسے بولنے سے روکا۔

"ہم بھی اس کی آنکھوں میں سجے خوابوں نے تعبیر بھی نہیں پائی تھی کہ اس کا گھر اجڑ گیا۔ اس کی محبوب بیوی کی جدائی نے اسے ذہنی معذور کردیا ہے۔ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ جلد از جلد اس کی شادی کردی جائے' ایک ایسی لڑکی سے جو اس کی اٹینڈنٹ ہو' اس کا بے حد خیال بھی رکھے۔ اس کی ذہنی معذوری کو سمجھے اور اس سے بہت زیادہ محبت بھی کرے تاکہ وہ نارمل زندگی کی طرف مڑے۔ تمہارے بھائی صاحب کو کافی عرصہ سے ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو آخر کار میں نے ڈھونڈلی ہے۔" الیاس احمد نے اس تفصیلی گفتگو کو ڈرامائی وقفہ دے کے ادھورا چھوڑا۔

"کون ہے وہ لڑکی؟" مریم کو یہی پوچھنا چاہیے تھا۔

"اس معصوم' ہمدرد' خیال رکھنے والی لڑکی کا نام دعا ہے۔" الیاس احمد نے مریم کی سماعت میں بم بلاسٹ کیا۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

قسمت

قرۃ العین سکندر

"منیرہ' شام کو تیار رہنا لڑکے والے تجھے دیکھنے آ رہے ہیں۔" ثریا بیگم نے منیرہ کو شام کو رشتے کی غرض سے آنے والے مہمانوں کی نوید دی تو منیرہ کا چہرہ اتر گیا۔

اس کے چہرے پر تذبذب کے سائے دیکھ کر ثریا بیگم لحظہ بھر کو ٹھٹک گئیں۔

"اب کیا ہوا ہے تجھے؟" ثریا بیگم کی آواز میں دبا دبا سا طیش تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ اب کی بار فریدہ کو بھیج دیں مہمانوں کے سامنے۔"

منیرہ نے ہمت کر کے کہہ تو دیا مگر ثریا بیگم کا غصے سے برا حال ہو گیا۔

"منحوس ماری! کیا ساری زندگی ماں کے سینے پر مونگ دلتی رہے گی' رشتہ ہو تیرا اور جان چھوٹے میری۔" ثریا بیگم نے اسے کوسنا شروع کیا تو پھر وہ لگاتار بولتی ہی چلی گئیں۔

"یہ تیری شکل پر بارہ بجتے دیکھ کر لوگ رشتہ سے ہی انکار کر جاتے ہیں۔ نحوست ماری' مجھے تو کبھی یقین ہی نہیں آتا کہ تو بھی میری ہی اولاد ہے۔"

منیرہ کے رگ و پے میں ملال سرایت کر گیا تھا۔ ماں کے الفاظ کسی تازیانے سے کم نہ تھے۔ زمانے کی نگاہوں کا تمسخر۔ ہی کیا کم تھا کہ اپنی ماں نے بھی اسے ہی مجرم قرار دے ڈالا تھا۔

"ہائے ری قسمت! کہاں تو میری خوب صورتی کی دھوم پورے محلے میں تھی اور کہاں تیری یہ بسوری صورت۔" ثریا بیگم کو اپنے ماضی کی یاد آتے ہی ملال نے گھیر لیا تھا۔

"کیا ہوا اماں۔" فریدہ جو ابھی کچن سے برتنوں کا ڈھیر دھو کر فارغ ہوئی تھی' شور سن کر کمرے میں آ گئی۔ دوپٹے کے پلو سے وہ اپنے ہاتھ خشک کرتے ہوئے ماں کا لال بھبھوکا چہرہ دیکھ رہی تھی' وہیں منیرہ کا پرملال چہرہ بھی سامنے تھا۔

"ہونا کیا ہے' نواب زادی رشتے والوں کے سامنے جانے سے انکاری ہے۔" ثریا بیگم کا اشتعال کسی طور کم ہونے میں نہ آ رہا تھا۔

"کیا؟" قدرے تحیر سے فریدہ نے منیرہ کو دیکھا تھا۔

"لو بھلا تم جاؤ گی نہیں تو رشتہ کیسے طے ہو گا؟" فریدہ نے استعجاب سے کہا۔

ثریا بیگم نے محض منیرہ کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا اور پھر چپ سی ہو گئیں۔ ایسا بھی نہ تھا کہ انہیں اپنی بیٹی کی ڈھلتی ہوئی عمر کی فکر نہ تھی اور منیرہ کوئی ان کی سوتیلی بیٹی تھی۔ بلکہ وہ ان کے اپنے جگر کا ٹکڑا تھی۔

مگر جب ہر آنے والے رشتے سے تواتر سے انکار ہوتا رہا تو وہ بھی اب خاصی بددل ہو چکی تھیں۔ ان کے اعصاب اب جواب دیتے جا رہے تھے۔ غصہ کہیں نہ کہیں تو اترنا ہی تھا۔ ندی کے اس بہتے دھارے کو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کہیں تو کنارا ملنا ہی تھا۔ منیرہ کی بات پر انہیں شدید غم وغصے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ تو آس لگائے بیٹھی تھیں کہ آج یہ رشتہ طے ہو جائے گا۔

بڑی مشکل سے منت سماجت کر کے انہوں نے رشتے والی کو راضی کیا تھا کہ کوئی معقول سا رشتہ ڈھونڈ کر لاؤ۔

اب تو رشتے والی بھی تمسخرانہ انداز میں آنکھیں مٹکاتے ہوئے کھی کھی کرنے لگی تھی۔

"لاتی تو ہوں رشتے اب وہ لوگ پسند ہی نہ کریں تو میرا کیا دوش۔"

ضبط کا گھونٹ پی کر ثریا بیگم رشتے والی سے اصرار کرتیں کہ منیرہ کے لیے دوبارہ کوئی معقول رشتہ بتائے۔ منیرہ بی اے کر چکی تھی۔ گھر گرہستی کے ہر کام میں طاق تھی۔ گہری سانولی رنگت' دبے دبے سے نقوش اس پر اس کی شخصیت کا ڈانواں ڈول ہوتا ہوا اعتماد اس کو مضحکہ خیز بنا دیا کرتا تھا۔

سر جھکائے بیٹھی وہ عجیب سی لگتی تھی اور رشتے والی خواتین کن انکھیوں سے اسے دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرنے لگتیں۔

اور خود منیرہ کا اس وقت دل چاہتا تھا کہ وہ بھاگ جائے کہیں دور اور پھر کبھی پلٹ کر واپس نہ آئے۔

اسے یہ ایک امتحان سا لگتا تھا۔ سجنا سنورنا اور پھر نئے سرے سے آس کا دیپ جلا کر لوگوں کی تمسخرانہ نگاہوں کا سامنا کرنا۔ وہ زخمی دل اور زخمی روح لیے ہر مرتبہ تماشا بننے کے لیے مہمان خانے میں چل دیتی تھی۔ اور پھر ہر مرتبہ کی طرح وہی سب کچھ دہرایا جاتا تھا۔ پھر کچے زخموں کو تار تار کر کے لہو رنگ کیا جاتا تھا۔ پھر ان زخموں پر ہنسی ٹھٹھا کا تڑکا لگایا جاتا تھا۔

اب منیرہ کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ اس کے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ اب کسی نئے دکھ کی تاب لانے کی سکت خود میں نہ پاتی تھی۔

"آپ فکر مت کریں امی۔ میں اسے سمجھا دوں گی۔ آپ جائیں' کیوں اپنا بی پی ہائی کر رہی ہیں۔"

فریدہ نے معاملہ فہمی اور سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے ماں کو ان کے کمرے میں لے جا کر ٹھنڈا پانی پلایا اور تسلی اور تشفی دی۔

چاندی کا سا روپ تھا فریدہ کا۔ سرخی مائل سفید رنگت اور حسن ماں کا چرایا ہوا تھا۔ دلکش نقوش بڑی سیاہ گھنیری پلکوں کا بھوری آنکھوں پر سایہ لیے متناسب سراپا مکمل خوب صورتی کا پیکر تھی۔

اور منیرہ تو فریدہ کے سامنے آ کر اور بھی عام سی لگا کرتی تھی۔

کبھی کبھی منیرہ سوچتی۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے ایک ہی ماں کی آغوش سے جنم لینے والی دو بہنوں میں اتنا فرق؟ کیا ہوتا اگر دینے والا محض اسے تھوڑی سی سفید رنگت ہی دے ڈالتا۔ سفید رنگت میں تو بھدے نقوش بھی چھپ جایا کرتے ہیں۔

وہ اکثر حسرت بھری نگاہ سے فریدہ کے مرمریں ہاتھوں کو دیکھتی' دودھیا اجلے چاندی جیسے ہاتھ۔ پھر اپنے سیاہ ہاتھوں کو دیکھتی۔

آنکھیں پانیوں سے بھر جاتی تھیں۔ اور گلے میں درد کا ریلا سا اٹکنے لگتا تھا۔

فریدہ' منیرہ کی اس سوچ سے یکسر بے نیاز رہتی تھی۔ اسے تو اپنی خوب صورتی کا کوئی خاص احساس بھی نہ تھا۔ وہ بخوبی جانتی تھی کہ ہر نظر اس کے چہرے پر ٹھہر سی جاتی ہے۔ اس کے دلکش چہرے کا طواف کرنے لگتی ہے۔ مگر وہ فطرتاً" ہی ایسی تھی۔ مست ملنگ سی۔

اسے تکبر سے خوف آتا تھا۔ اگرچہ وہ خدا کی مکمل صناعی کا اعلا نمونہ تھی۔ مگر اسے اس بات کا مطلق غرور نہ تھا۔

اس کے برعکس وہ ہمدرد دل اور غمگسار طبیعت کی مالک لڑکی تھی۔ اسے اپنی ماں کی فکر اور اپنی بہن کی حالت کا بخوبی احساس تھا۔ بالآخر فریدہ نے منیرہ کو منا کر ہی دم لیا تھا۔ کئی طرح کی تسلیاں دلاسے اور پھر اماں کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

فکر کا احساس منیرہ کے دل میں اجاگر کروا کے اسے راضی کرلیا تھا۔

منیرہ نے فیروزی رنگ کا سوٹ پہنا تھا۔ جو اس کی کالی رنگت کو اور بھی اجاگر کر رہا تھا۔ وہ بے دلی سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔

ایک معمر خاتون اور ایک قدرے فربہی مائل نوجوان لڑکی تھی۔ دونوں نے منیرہ کو گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ منیرہ کے ہاتھوں میں ٹرے لرزنے لگی تھی۔ اسے لگا کہ وہ لڑکھڑا کر گر جائے گی۔

اس کے ہاتھوں کی لرزش ان خواتین سے بھی پوشیدہ نہ رہی۔ گہری خاموشی فضا میں تن سی گئی تھی۔ منیرہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے ٹرے کو رکھی اور گھبرائی ہوئی نظروں سے ان کی جانب دیکھا تھا۔

معمر خاتون نے ساتھ آنے والی لڑکی کی نگاہوں میں جھانکا' ناگواری کے گہرے سائے دونوں کی نگاہوں میں ہویدا ہوئے تھے۔ منیرہ کا سر جھک سا گیا تھا۔

مایوسی کی دبیز کہر نے اس کے سر کا زاویہ منہ پہ جھکا ڈالا تھا۔ دونوں خواتین دبی دبی سی مسکراہٹ کے ساتھ ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرنے لگی تھیں۔

"تو یہ ہے آپ کی بیٹی؟" لڑکی نے طنزیہ انداز میں کہا۔ تو ثریا بیگم جیسے ٹرانس سے جاگیں۔

وہ تب سے منیرہ پر ہی نظریں ٹکائے بیٹھی تھیں۔ انہیں تو اپنی اس بیٹی میں کوئی کمی' کوئی عیب' کوئی کھوٹ دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ ان کے جسم کا حصہ تھی۔ وہ اسے کیونکر برا کہہ سکتی تھیں۔

"ویسے لگتا نہیں کہ یہ آپ کی اپنی بیٹی ہے۔" معمر خاتون نے جیسے جز اٹھایا ہو۔

"جی۔" ثریا بیگم کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔

اچھا بہن اب ہم چلتے ہیں' ہمیں جلدی ہے' ابھی ہمیں رشتے کی غرض سے ـــ اور جگہوں پر بھی جانا ہے۔

صاف ظاہر تھا وہ انکار کرکے اپنا دامن جھاڑ کر رشتے کی غرض سے کسی اور گھر جانے کے لیے پر تول رہی تھیں۔ جانے والوں کا راستہ روکا تو نہیں جاسکتا۔ وہ بھی لب بستہ رہ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

رات کی ٹھٹھرتی ہوئی خنکی' اب صبح کی لودیتی ہوئی سورج کی تپش کو گھیر لائی تھی۔ ساری رات منیرہ تکیے پر سر رکھے روتی بلکتی تڑپتی رہی۔ خود کو مورد الزام ٹھہراتی رہی۔ وہ اپنی ماں کی خوشیوں میں رکاوٹ تھی۔ اپنی ماں کے لازوال دکھوں کی وجہ تھی۔

صبح معمول کے مطابق اس نے ابا کو دکان پر جانے سے پہلے ناشتہ تیار کرکے دیا تھا۔ آج فریدہ کا آخری پیپر تھا۔ اس کو ناشتہ کروا کر کالج کے لیے روانہ کیا۔ پھر گھر میں گہری خاموشی چھا سی گئی تھی۔ وہ اور اماں ہی تھے گھر میں اماں اپنے کمرے میں لیٹی تھیں۔ کل شام سے وہ کمرے سے باہر نہیں آئی تھیں۔

فریدہ نے بتایا تھا کہ اماں کی طبیعت سخت خراب ہے۔ وہ بخوبی وجہ جانتی تھی۔ تب ہی سامنے جانے سے بھی کترا رہی تھی۔ مگر اب ناشتہ تو کروانا ہی تھا اماں کو۔ اس نے ٹرے میں ناشتہ لگایا اور اماں کے کمرے میں ٹرے لیے چلی آئی۔

اماں سر پر کپڑا باندھے لیٹی تھیں۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

"اماں ناشتہ کرلیں۔" اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی اور اماں کے سرہانے بیٹھ گئی۔

اماں نے گہری نگاہ منیرہ کے اداس اور پرملال چہرے پر ڈالی۔ ان کا کلیجہ جیسے کٹ کر رہ گیا تھا۔

یہ بیٹوں والی مائیں کیوں نہیں سوچتیں ہیں کہ بیٹیوں کی ماؤں کے دل بھی ہوا کرتے ہیں۔ جب کسی کو اس کے قد کاٹھ' رنگت' چال ڈھال اور نقوش کی بنا پر ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ تو اس کی ماں کے دل پر کتنے کچوکے لگتے ہیں۔ لڑکیاں شیشے کی مانند نازک ہوتی ہیں۔ ان کے دل پر لگنے والی ٹھیس کانچ کے ٹکڑوں کی مانند انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالتی ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کیا کبھی کسی لڑکی کو اس کی قابلیت کم ہونے، گھر داری نہ آنے اور دین سے دوری کی وجہ سے بھی ٹھکرایا جاتا ہے؟

جب کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تو فرمان پاک ہے۔

"اس لڑکی سے شادی کرو جو دین دار ہو۔"

لیکن یہ سب تو محض ثریا بیگم کی ذاتی سوچ تھی۔ دوسروں کو ان کی سوچ سے کیا لینا دینا۔

"اماں کیا سوچ رہی ہیں۔ اٹھیں ناشتہ کرلیں۔ میں جانتی ہوں آپ نے رات میں بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔"

منیرہ نے گلوگیر لہجے میں ندامت سے کہا۔

"تو نے کرلیا ناشتہ؟" اماں نے اس سے پوچھا تو وہ نظریں چرا گئی۔

پھر اماں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ پہلا لقمہ بنا کر منیرہ کے منہ میں ڈالا تو منیرہ بلک بلک کر رو دی۔ گرم سیّال آنسو خود بخود آہوں اور سسکیوں کا سیلاب لے آئے تھے۔

"اماں! لوگ اتنے بے حس کیوں ہوتے ہیں۔" وہ ٹوٹ رہی تھی ماں کے سامنے۔

"بیٹا میں ہرگز مایوس نہیں ہوں۔ میرا رب ہے نا، تو فکر کاہے کی۔" وہ ماں تھیں۔ نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ اٹھ بیٹھیں۔ جبکہ منیرہ نے تو سوچ لیا تھا اب اس کی شادی کبھی نہیں ہوسکے گی۔ اور وہ ہمیشہ ماں کے لیے یونہی روگ بنی رہے گی۔

٭ ٭ ٭

جب ہم سوچتے ہیں ناں کہ ایسا ہو جائے گا تب ہی ویسا نہیں ہوتا اور وہی ہوتا ہے جو قادر مطلق کی رضا ہوا کرتی ہے۔

چند دن بعد پھر گھر بھر میں رشتے کی ہوا چلی تھی۔

منیرہ کو معلوم تھا کہ رشتے کے لیے نہ ہی ہونی ہے۔ اس نے بے حد فکرمندی سے اپنا پسندیدہ سرخ رنگ نکالا تھا۔ سیدھی مانگ نکال کر سلیقے سے دوپٹہ سر پر اوڑھ لیا۔ بے حد اعتماد سے چلتی وہ ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ہمیشہ کی طرح آج پھر کیا ڈراما رچایا جائے گا۔

جب انسان کو کسی شے کے کھونے کا ڈر ختم ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس کے تمام وسوسے اور اندیشے زائل ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی آج منیرہ کے ساتھ تھا۔ وہ سوچ چکی تھی کہ اس کی زیست میں لفظ شادی جیسا باب ہی نہ تھا۔ منیرہ نے اعتماد سے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا اور سلام کیا۔

نوجوان خاتون نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا۔

ثریا بیگم چونک سی گئیں۔ آج تو منیرہ کے رنگ ڈھنگ ہی نرالے تھے۔ اعتماد کی سرخی چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔

آج تو وہ 'وہ منیرہ' لگ ہی نہیں رہی تھی جو ڈری سہمی گھبرائی ہوئی تھی۔ آج وہ سر اٹھا کر آنکھوں میں آنکھیں ڈالے زمانے کا سامنا کررہی تھی۔

درحقیقت جب ہم کسی خوف کو پس پشت ڈال کر اس پر قابو پالیتے ہیں تو پھر کھو جانے کا، شکست کا خوف جاتا رہتا ہے۔ آج بے حسی کی چادر خود منیرہ نے اوڑھ لی تھی۔

"کیا کرتی ہیں آپ؟" نوجوان خاتون نے سوال داغا۔

"جی میں بی اے کرچکی ہوں گریجویشن کے بعد گھر میں ہوتی ہوں۔"

یوں لگتا تھا کہ سارے معاملات طے کرنے کی مجاز یہی نوجوان عورت تھی۔ کیونکہ معمر خاتون بالکل چپ تھیں۔ طائرانہ نظروں سے اطراف کا جائزہ لینے میں محو تھیں۔

اور کیا مشاغل ہیں آپ کے۔" ثریا بیگم نے منیرہ سے قبل ہی جواب دے ڈالا تھا۔

"ماشاءاللہ گھر گرہستی میں ماہر ہے میری بچی۔ بے حد سگھڑ ہے۔ ہر کام سلیقے سے کرتی ہے۔ ذائقہ دار ہاتھ ہیں میری بیٹی کے۔"

"اف یہ مائیں بھی ناں نجانے کس آس کی ڈور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

تھامے زندگی کے کربناک پل بھی کاٹ جاتی ہیں ہنستے مسکراتے۔"

منیرہ نے لمحہ بھر کے لیے ماں کے چہرے پر بکھرے امید کے رنگوں کو دیکھ کر سوچا اور ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی تھی۔

"ماشاء اللہ۔" معمر خاتون پہلی مرتبہ ہمکلام ہوئی تھیں۔

"میرا نام لبنیٰ ہے مجھ سے بڑی زہرہ ہیں اور پھر عادل اور عاقل ہمارا سب سے چھوٹا بھائی ہے۔"

نوجوان خاتون نے تعارف کروایا تو منیرہ سوچ کر رہ گئی۔ اس تعارف کا مقصد؟؟؟

"ہماری آرزو ہے کہ ہمارے دونوں بھائیوں کی شادی اب ایک ساتھ ہی طے کر کے اس فرض سے بھی سبکدوش ہو جایا جائے۔" لبنیٰ نے مسکرا کر کہا۔

لو تو دونوں بھائیوں کی اکٹھے شادی کرنے کا جواز بنا کر انکار کا طریقہ اپنایا ہے! منیرہ نے بے دلی سے سوچا۔

"کیا آپ کی کوئی اور بھی بیٹی ہے۔" لبنیٰ کے اس اچانک سوال پر ثریا بیگم بری طرح چونکی تھیں۔

"جی، میری چھوٹی بیٹی بھی ہے مگر ہم پہلے اپنی بڑی بیٹی کے فرض سے ہی سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔"

ثریا بیگم نے بے حد سبھاؤ سے بات بنائی تھی۔

ثریا بیگم کے چہرے پر گہرے کرب اور افسوس کی ملی جلی کیفیت رقم تھی۔ کچھ دیر پہلے چہرے پر بکھرے امید کے رنگ کہیں کھو چکے تھے۔

"آنٹی پلیز بلائیں تو سہی اس کو۔" لبنیٰ نے بے حد اصرار سے کہا۔ تو ثریا بیگم پہلو بدل کر گئیں۔

"امی! میں فریدہ کو بلا کر لاتی ہوں۔" اچانک ہی منیرہ بے حد حوصلے اور سکون سے اٹھی اور ڈرائنگ روم پار کر گئی تھی۔

فریدہ کچن میں برتن سمیٹ رہی تھی۔

"کیا ہوا آپی؟" اپنے عقب میں منیرہ کو دیکھ کر اس نے سوال کیا تھا۔

"امی اندر بلا رہی ہیں۔" منیرہ نے بے حد سکون سے کہا۔ فریدہ عام سے حلیے میں بھی بے حد دلکش اور حسین لگ رہی تھی۔ چند لٹیں اس کے گالوں کو چھو کر عجب ہی نظارہ دکھا رہی تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟" فریدہ نے استعجاب سے پوچھا تھا۔

"وہی جو تم نے سنا اب نخرے مت کرو جلدی چلو۔ میں ساتھ لے کر ہی جاؤں گی۔"

منیرہ نے قطعیت سے کہا تھا اور فریدہ محو حیرت تھی۔ مگر موقع ایسا تھا کہ انکار بھی نہ کر سکی۔ خاموشی سے بہن کے پیچھے چل دی۔

"یہ آگئی میری چھوٹی بیٹی۔"

اچانک ثریا بیگم کی آواز میں تفاخر سا در آیا تھا۔ کتنے یقین اور مان سے انہوں نے فریدہ کو متعارف کروایا تھا۔ منیرہ محسوس کیے بنا نہ رہ سکی تھی۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری ہے۔" معمر خاتون نے عینک ناک پر جماتے ہوئے بے حد دلچسپی سے فریدہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ادھر آؤ بیٹی ادھر بیٹھو میرے پاس۔" انہوں نے فریدہ کو اپنے پہلو میں جگہ دی تو وہ سمٹی سمٹائی ان کے قریب جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی۔

وہ اس نئی افتاد پر حواس باختہ سی تھی۔ اوہ اس کایا پلٹ پر حیران بھی تھی۔ اسے اچانک کیوں بلایا گیا؟ کیا انہوں نے منیرہ کو رد کر دیا ہے؟

فریدہ نے بے حد دلگرفتگی سے سوچا تھا۔ اسے بہن سے بے حد محبت تھی۔

"ہمیں اپنے چھوٹے بیٹے عاقل کے لیے فریدہ بے حد پسند آئی ہے۔ آپ یہ رشتہ ہماری طرف سے پکا سمجھیے۔" اچانک معمر خاتون نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

منیرہ مسکرا دی تھی۔ کسی بھی قسم کا رنج اور ملال اسے محسوس نہ ہوا تھا۔ فریدہ اس کی بہن تھی۔

"اور میرے بڑے بھائی عادل کے لیے منیرہ بالکل ٹھیک رہے گی۔ کیوں امی؟" لبنیٰ نے معمر خاتون سے پوچھا تھا۔ تو معمر خاتون مسکرا دی تھیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"بالکل! یہ دونوں آج سے میری بیٹیاں ہیں، میرے گھر کی رونق ہوں گی۔" معمر خاتون نے مسکرا کر کہا۔

جہاں ثریا بیگم خوشی سے گنگ رہ گئیں۔ وہیں منیرہ کا منہ بھی حیرت و استعجاب سے کھلا رہ گیا تھا۔ اسے اپنی قوت سماعت پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

کیا وہ بھی قابل قبول ٹھہری تھی؟

پھر باقی کے مراحل بے حد تیزی سے حل ہوتے چلے گئے تھے۔ عادل اور عاقل کو ثریا بیگم اور سجاد صاحب دیکھ کر پسند کر آئے تھے۔ بے حد تعریف کر رہے تھے۔ بے حد سلجھے ہوئے لوگ ہیں۔ خوب کھاتے پیتے، اخلاق والے۔ سجاد صاحب تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔

"مگر؟" ثریا بیگم جیسے کچھ کہنا چاہ رہی تھیں، مگر سجاد صاحب نے انہیں گھور کر دیکھا تھا۔ اور وہ سر جھکا کر خاموش رہ گئی تھیں۔

گھر میں شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ عادل اور عاقل کے گھر والے بے حد خوش حال لوگ تھے۔ اس لیے ہر شے ہی اعلا اور نفیس تھی۔ منیرہ اور فریدہ دونوں کا لہنگا بے حد وزنی اور کامدار تھا۔ اماں نے عادل اور عاقل کی تصویریں منیرہ اور فریدہ کو دکھا دی تھیں۔ عادل بے حد وجیہہ اور خوب صورت تھے۔ گوری رنگت پر پرکشش نقوش لیے عادل، دھیمے سے تصویر میں مسکرا رہے تھے۔ منیرہ کو تو اپنی خوش بختی پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

وہ سمجھتی تھی کہ ماں کی دعاؤں کو تعبیر مل گئی تھی۔ اب ہر سے ہواؤں میں اڑتی پھرتی تھی۔ خوشیوں کے کھٹولے میں ہلکورے لیتی ہوئی، ہواؤں کے دوش پر اڑتی ہوئی خوابوں کو حقیقت بنتے دیکھ کر بے تحاشا سرشار تھی۔

بارات کے روز منیرہ اور فریدہ دونوں بے حد اچھی لگ رہی تھیں۔ اگرچہ منیرہ کو اپنی گہری سانولی رنگت کا قلق رہا تھا۔ مگر خوشی نے آج کوئی ایسا انوکھا رنگ اس کے چہرے کو بخشا تھا کہ وہ بے حد مطمئن اور اچھی لگ رہی تھی۔ اگرچہ فریدہ کی آب و تاب ہی نرالی تھی۔ دلہن بنی فریدہ کی چھب ہی نرالی تھی مگر اب وہ خوش تھی۔ ان سب باتوں سے قطع نظر اس کی سوچ کی پرواز عادل تک جاتی تھی فقط۔

رخصتی کا کٹھن مگر صبر آزما وقت آن پہنچا تھا۔ جب دولہا اور دلہن روبرو چلتے ہیں اور پھر تمام عمر قدم سے قدم ملا کر ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ منیرہ کو اس پل اچانک بے حد دھچکا لگا تھا۔

یہ کیا؟؟؟ اس نے دلہنا پے کی لاج مٹا کر قدرے تحیر سے ساتھ چلتے عادل کو دیکھا تھا۔

میرون شیروانی میں بے حد وجیہہ صورت عادل کا وجود بیساکھی کے سہارے چلتے ہوئے بے حد بھدا لگ رہا تھا۔ ایک ٹانگ سے معذور عادل نے اس کی نظروں میں اٹھتے ہوئے سوالوں کو دیکھ لیا تھا۔ تب ہی اپنی نظریں پھیر لی تھیں۔ اور پھر منیرہ نے پلٹ کر فریدہ کو دیکھا تھا۔ جس کے ہمراہ مکمل اور خوبرو مردانہ وجاہت کا مالک عاقل اپنے قدموں پر چل رہا تھا۔ اور فریدہ بے حد پرسکون سی تھی۔

منیرہ کے دل میں چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔ تو کیا تاعمر اسے اپنی سانولی رنگت اور دبتے ہوئے نقوش کی سزا بھگتنی تھی۔ ان کی پاداش میں ایک ایسے شخص کی ہمراہی میں جو مکمل ہی نہ تھا۔ گرم سیال آنسو اس کے گال کو نم کر گیا تھا۔ تب ہی وہ قابل قبول ٹھہری تھی۔ ورنہ آج بھی شاید وہ ہمیشہ کی طرح ماں کی دہلیز کی چوکھٹ پر کسی رشتے کی آس لگائے بیٹھی ہوتی منیرہ نے بے حد دکھ سے سوچا۔

وہ اپنی قسمت پر شاکر ہو گئی تھی۔ راضی بہ رضا ہی اس کی قسمت کا لکھا تھا۔ جسے اس نے دل سے قبول کر لیا تھا۔ آخر عادل اس کا مجازی خدا تھا۔

کچھ اپنے عیبوں کی پردہ پوشی اور کچھ عادل کے عیب کی پردہ پوشی اس رشتے کی بنیاد بن گئی تھی۔ صبر ہی واحد حل تھا۔ منیرہ نے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

سب میں شامل ہو مگر سب سے جُدا لگتی ہو
صرف ہم سے نہیں، خود سے بھی جُدا لگتی ہو

آنکھ اُٹھتی ہے نہ جُھکتی ہے کسی کی خاطر
سانس چڑھتی ہے نہ رُکتی ہے کسی کی خاطر
جو کسی در پہ نہ ٹھہرے وہ ہوا لگتی ہو

زلف لہرائے تو آنچل میں چھپا لیتی ہو
ہونٹ تھرّائے تو دانتوں میں دبا لیتی ہو
جو کبھی کُھل کے نہ برسے وہ گھٹا لگتی ہو

جاگی جاگی نظر آتی ہو نہ سوئی سوئی
تم جو ہو اپنے خیالات میں کھوئی کھوئی
کسی مایوس مصوّر کی دُعا لگتی ہو

ساحر لدھیانوی

بے زباں ہم کلام ہوتے ہیں
خامشی میں پیام ہوتے ہیں

راز داں مل کے لُوٹ لیتے ہیں
اجنبیوں کے نام ہوتے ہیں

زیست میں زہر گھولنے والے
کس قدر خوش کلام ہوتے ہیں

مُسکرا کر نگاہ ڈوب گئی
اس طرح بھی سلام ہوتے ہیں

کس قدر خود نظر ہیں دیوانے
اجنبی بن کے عام ہوتے ہیں

شکیب جلالی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

روشنی چاہیے صبا کے لیے
پھول روشن کرو خدا کے لیے

عشق کی انتہا کیے معلوم
جان کافی ہے ابتدا کے لیے

بے گناہی جو شرط ٹھہری ہے
ہم کو چن لیجیے سزا کے لیے

پارسائی ہے بزدلی کا نام
حوصلہ چاہیے خطا کے لیے

ہر کسی پر قتیلؔ کیوں آتا
دل تھا صرف ایک دلربا کے لیے

قتیلؔ شفائی

جو بگڑ کر سنورنے آیا ہے
وہ چہرہ بدلنے آیا ہے

اپنے اندر کرے یقیں پیدا
وہ جو ہم کو پرکھنے آیا ہے

کس میں ہمت ہے روک لے اس کو
نیا سورج چمکنے آیا ہے

اس کو دل سے سلام کرتے ہیں
وہ جو گر کر سنبھلنے آیا ہے

وقت کے ساتھ دوریوں کا ہجوم
ملنے آیا ہے، چلنے آیا ہے

چاند، سورج، ستارے، پھول، کنول
خوش ہیں کوئی تو ملنے آیا ہے

یاسمین کنول

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

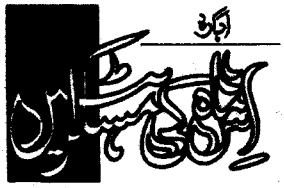

حسین سپنے

ایک مریض نے ماہر نفسیات سے کہا۔ "سب سے بڑی مصیبت میرے رنگین خواب ہیں' میں خواب میں ہمیشہ ایک ہی منظر دیکھتا ہوں کہ لڑکیاں اسکول میں ادھر سے اُدھر دوڑتی پھرتی ہیں' کچھ کھیل میں مصروف ہوجاتی ہیں اور کچھ ورزش کرنے میں' پھر... اچانک اسکول کی گھنٹی بج جاتی ہے اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔"

ماہر نفسیات نے غور سے مریض کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو تم چاہتے ہو کہ میں اپنے علاج سے تمہیں یہ خواب دیکھنے سے روک دوں؟"

"ہرگز نہیں۔" مریض نے سٹپٹا کر کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ اسکول کی گھنٹی بجوانا بند کردیں۔"

آزادی ملتے ہی.....!

رات کے تین بجے ایک صاحب ایک مکان کے سامنے فٹ پاتھ پر ٹہل رہے تھے۔ پولیس والے انہیں مشکوک سمجھ کر گشت کے دوران رک گئے۔ ایک پولیس آفیسر نے پوچھا' آپ اس وقت کیوں ٹہل رہے ہیں؟

وہ صاحب مکان کی طرف اشارہ کرکے بولے۔ "میں اسی مکان میں رہتا ہوں' میری بیوی میکے گئی ہوئی ہے' آج رات میں دو بجے گھر پہنچا تو پتا چلا کہ گھر کی چابی مجھ سے کہیں کھو گئی ہے۔ اب میں انتظار کر رہا ہوں کہ بیٹوں میں سے کوئی گھر آئے تو اس کے ساتھ میں بھی اندر جاؤں۔"

جواب

استاد نے پوچھا۔ "اگر تمہارا دوست اور تمہاری گرل فرینڈ سمندر میں ڈوب رہے ہوں تو تم کس کو بچاؤ گے؟"

"ڈوب جانے دو دونوں کمینوں کو' آخر وہ ایک ساتھ وہاں کر کیا رہے تھے؟" شاگرد نے جواب دیا۔

سوا سیر

ریسٹورنٹ میں بیٹھی ہوئی ایک خاتون نے ویٹر کو بلا کر اے سی بند کرنے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ویٹر کو اے سی چلانے کو کہا۔ جب کافی دیر تک اس قسم کی فرمائشیں جاری رہیں تو قریب کی میز پر بیٹھے ہوئے شخص نے ویٹر کو بلا کر کہا۔ "یہ عورت تمہیں بار بار بلا کر اور احکامات دے کر پاگل بنا رہی ہے' اس کی باتوں پر دھیان مت دو۔"

ویٹر نے تشکرانہ انداز میں کہا۔ "ارے صاحب! آپ فکر نہ کریں' پاگل تو میں اسے بنا رہا ہوں' ہمارے پاس اے سی ہی نہیں ہے۔"

گربہ کشتن

ایک نوجوان کی چند دنوں بعد شادی ہونے والی تھی۔ اس کے قریبی دوست اسے مشورے دے رہے تھے کہ پہلے ہی دن بیوی پر رعب ڈالنا' اگر پہلے ہی دن بیوی سے ڈر گئے تو تمام عمر زن مریدی میں گزرے گی۔ ایک دوست نے ایک ترکیب بتائی کہ کمرے میں ایک عدد بلی چھوڑ دینا۔ نئی نویلی دلہن بلی سے خوف زدہ ہو جائے گی۔ ایسے میں تم بلی کو مار کر دلہن پر رعب جمانا'

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بس سمجھو کہ پھر جیت تمہاری ہو گی۔
شادی والی رات نوجوان نے ایسا ہی کیا کہ کسی طرح ایک بلی بیڈ روم تک پہنچادی۔ جب وہ خود اندر جانے لگا تو پتا چلا کہ دروازہ بند ہے اور اندر سے دھما دھم کی آوازیں آ رہی ہیں۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو دلہن صاحبہ ایک ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالے اور دوسرے ہاتھ میں بلی کو دم سے اٹھائے فرمانے لگیں۔
"ارے آپ دیکھیں' اس کم بخت نے مجھے بہت تنگ کیا ہے۔ میں نے سوچا' آپ کے آنے سے پہلے اس کا کام تمام کردوں۔"

فرق

عاشق نے اپنی محبوبہ کی بد عہدی اور بے وفائی کی دہائی دیتے ہوئے چیخ کر کہا۔
"کیا فرق ہے اس میں اور مجھ میں' جو تم مجھے نظر انداز کر کے اس سے پیار کی پینگیں بڑھا رہی ہو۔"
محبوبہ نے اس سے بھی تیز آواز میں جواب دیا۔
"اس کے پاس بنگلہ ہے جبکہ تم جھونپڑے میں رہتے ہو۔ اس کے پاس نئے ماڈل کی کار ہے اور تم پیدل خاک چھانتے پھرتے ہو۔ اس کا کروڑوں کا کاروبار اور نوکر چاکر ہیں جبکہ تم بے روزگار ہو اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تم صرف پچیس برس کے ناتجربہ کار شخص ہو جبکہ وہ ساٹھ برس کا تجربہ کار آدمی ہے۔"

"ناقابل یقین"

ایک صاحب تھانے میں داخل ہوئے اور بولے۔
"سر! میری بیوی غائب ہو گئی ہے۔"
"کب....؟" تھانیدار نے پوچھا۔
"تین مہینے ہو گئے ہیں۔" ان صاحب نے کہا۔
تھانے دار حیران رہ گیا۔ "آپ کی بیوی تین مہینے پہلے غائب ہوئی تھی اور آپ اب رپورٹ درج کروا رہے ہیں' اس عرصے میں آپ کیا کرتے رہے ہیں؟"
"میں اس عرصے میں اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا ہوں کہ میری بیوی غائب بھی ہو سکتی ہے...."
ان صاحب نے جواب دیا۔
مسرت الطاف احمد۔ کراچی

عقل مند

نایاب نے راحیل سے پوچھا۔
"سورج زیادہ مفید ہے یا چاند....؟"
راحیل نے کہا۔
"سورج ہمیشہ دن کے وقت روشن ہوتا ہے' ظاہر ہے کہ دن کے وقت روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی اور چاند اندھیری راتوں کو روشن کرتا ہے لہٰذا چاند ظاہر ہے' سورج کی نسبت زیادہ فائدہ مند ہے۔"
مسرت الطاف۔ کراچی

ہزل

کرپشن کرنے والے کم نہ ہوں گے
کل اس کرسی پہ لیکن ہم نہ ہوں گے
تیری شوگر ملیں بڑھتی رہیں گی
میرے بھی کارخانے کم نہ ہوں گے
خدارا اس کو بھی اک باری دے دو
وگرنہ اس کے دھرنے کم نہ ہوں گے
تیری دیگیں خدا رکھے سلامت
حکومت ہے تو چمچے کم نہ ہوں گے
کسی دن میں بھکاری ہو رہوں گا
مگر بیگم کے خرچے کم نہ ہوں گے

تسنیم شریف

خواب غفلت

سویا ہوا انسان پانی کی چند بوندوں سے بھی جاگ جاتا ہے۔ لیکن سوئی ہوئی قوم کو جگانے کے لیے لوڈ شیڈنگ کرنی پڑتی ہے۔
(سنہرا قول' فرام واپڈا)

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

خالدہ جیلانی

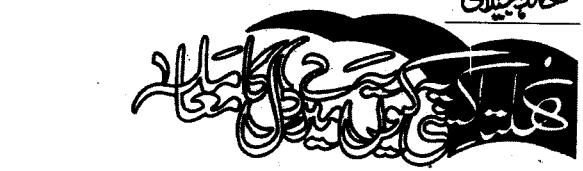

ہم سا لگتی کیوں میرے دل کا معاملہ

نسبت زہرا ــــــ کہروڑپکا

وہ تیرا ساتھ گھڑی بھر کا
کیوں ستاتا ہے عادتوں کی طرح

گڑیا شاہ ــــــ کہروڑپکا

وحشتیں ہیں نہ رت جگے خاور
عشق لگتا ہے اختیاری ہے

حورین زینب ــــــ کہروڑپکا

یہ کیوں رک گئے کارواں چلتے چلتے
چلو دیکھتے ہیں نشاں چلتے چلتے
زمین کی کوئی بات من کو لگی کیا
جو یوں رک گیا آسماں چلتے چلتے

ندا، قصہ ــــــ کراچی

سفر تو شاید کٹ گیا
میں کرچیوں میں بٹ گیا

ثمرہ، اقرا ــــــ کراچی

میری اور اس کی آرزو میں بس یہی فرق تھا
مجھے بس وہ، اسے سارا زمانہ چاہیے تھا

افضالہ کرامت ــــــ شاہ کھور

بہت کم لوگ واقف ہیں سخن آثار لمحوں سے
کہ جو محسوس ہوتا ہے وہی لکھا نہیں جاتا

مدیحہ، ایمان ــــــ پشاور

ہم اپنے مزاج میں کسی بھی در کے نہ ہو سکے
کسی سے ہم ملے نہیں، کسی سے دل ملا نہیں

سیدہ لوبا سجاد ــــــ کہروڑپکا

زمانے والوں سے چھپ کے رونے کے دن نہیں ہیں
اسے یہ کہنا اداس ہونے کے دن نہیں ہیں
میں جان سکتی ہوں وصل میں اصل بھید کیا ہے
مگر حقیقت شناس ہونے کے دن نہیں ہیں

اقصیٰ ناصر ــــــ کراچی

ہم ان سے بچھڑ کر جینے تو لگے لیکن
پھر دل کے دھڑکنے کی صدا نہیں آئی

ہما فاروق ــــــ گوجرانوالہ

میرے شہر میں کوئی شہریار آتا ہے
حکم ملا ہے لہجے کو محترم کر لوں

نادیہ یاسر ــــــ گوجرہ

یعنی ترتیب کرم کا بھی سلیقہ تھا اسے
اس نے پتھر بھی اٹھایا مجھے پاگل کر کے

عظمیٰ شفیق ــــــ جڑانوالہ

کتنے دور نکل گئے رشتے نبھاتے نبھاتے
خود کو کھو دیا ہم نے اپنوں کو پاتے پاتے
لوگ کہتے ہیں ہم مسکراتے بہت ہیں
اور ہم تھک گئے درد چھپاتے چھپاتے

تزئین اشفاق ــــــ کراچی

اک نظر تو نے جو دیکھا تو صدی بیت گئی
مجھ کو بس اتنا حساب ماہ و سال آتا ہے

ہمالہ ــــــ گجرات

یہ اور بات بہاریں گریز پا نکلیں
گلوں کے ہم نے صدقے بہت اتارے تھے
خدا کرے کہ تری عمر میں گنے جائیں
وہ دن جو ہم نے تیرے ہجر میں گزارے تھے

نوال افضل تمن ــــــ کراچی

شرح فراق، مدح لب مشک بو کریں
غربت کدے میں کس سے تیری گفتگو کریں
یار آشنا نہیں کوئی، ٹکرائیں کس جام سے
کس دل ربا کے نام پہ خالی سبو کریں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

شگفتہ شاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس شخص کی دو بیٹیاں جوان ہوجائیں اور وہ ان سے اس وقت تک اچھا سلوک کرتا رہے جب تک وہ اس کے ساتھ رہیں یا جب تک وہ ان کے ساتھ رہے، وہ اسے جنت میں ضرور داخل کریں گی۔"

(ابن ماجہ)

فوائد و مسائل :۔

1۔ "جب تک وہ اس کے ساتھ رہیں" کا مطلب یہ ہے کہ ان کا نکاح ہوجانے تک ان سے اچھا سلوک کرے۔ ان کی اچھی تربیت کرے، ان کی جائز ضروریات پوری کرے۔

2۔ "جب تک وہ ان کے ساتھ رہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کا نکاح کرنے سے پہلے فوت ہو جائے اور اپنی وفات تک ان سے اچھا سلوک کرتا رہے تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔

حکایت رومی،

حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی اکثر یہ کہتا رہتا تھا۔

"مجھ سے بے شمار گناہ اور جرم سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ کے کرم سے مجھے کچھ نہیں ہوتا۔"

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اس کی یہ باتیں سنیں تو فرمانے لگے۔

"ارے بے وقوف! تو صراط مستقیم سے بھٹک گیا ہے۔ تیری مثال اس سیاہ دیگ کی سی ہے جس پر اسی کا رنگ چڑھتا رہتا ہے۔ تیرے قلب پر زنگ کی اتنی تہیں چڑھ گئی ہیں کہ تجھے خدا کے بھید دکھائی نہیں دیتے۔ جو بدنصیب گناہ میں آلودہ ہو اور پھر اس پر اصرار کرے تو اس کی عقل پر خاک پڑجاتی ہے۔ اسے کبھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اسے گناہ کے کاموں میں لذت ملنے لگتی ہے۔ وہ شخص گمراہ اور بے دین ہوجاتا ہے۔ اس میں حیا اور ندامت کا احساس ہی باقی نہیں رہتا۔"

حضرت شعیب علیہ السلام کی یہ باتیں سن کر اس شخص نے کہا۔

"آپ علیہ السلام نے بجا فرمایا۔ لیکن یہ تو بتایئے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کا مواخذہ کرتا ہے تو اس کی علامت کیا ہے؟"

بارگاہ خداوندی سے ارشاد ہوا۔ "میں ستار العیوب ہوں، البتہ اس کی گرفت کی ایک واضح علامت یہ ہے یہ نماز روزے کی پابندی کرتا ہے، زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے، لمبی لمبی دعائیں بھی مانگتا ہے اور نیک عمل بھی دکھاوے کے لیے کرتا ہے۔ لیکن اس کی روح کو ان عبادتوں سے ذرہ برابر بھی لذت نہیں ملتی۔ اس کو کسی عبادت میں بھی روحانی سکون حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے درخت میں اخروٹ تو ان گنت لگے ہوں، مگر ان میں مغز نہ ہو۔

جب اس شخص کو اپنے باطن کا پتا چلا اور اپنی روحانی بیماری معلوم ہوئی تو وہ بہت حیران و پریشان ہوا۔

درس حیات :۔ انسان اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ اس کی بدعملی اور غلط کاری پر اس کی گرفت نہیں ہوتی۔ گرفت کا انداز مختلف قسم کا ہوتا ہے۔

(مولانا جلال الدین رومی)

دنیادار،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے سوال کیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"امیر المومنین! دنیادار کی آپ کیا تعریف فرمائیں گے؟"

آپ نے جواب دیا۔

"دنیادار بھونکنے والے کتوں کی طرح ہوتا ہے جو ایک دوسرے پر غراتے رہتے ہیں۔ یہ سب درندوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان میں طاقت ور کمزوروں کو کھا جاتے ہیں اور بڑے چھوٹوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔"

دعا کا اثر

حضرت عثمان بن عطاؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابومسلم خولانیؒ جب بھی گھر میں داخل ہوتے تو سلام کہتے اور گھر کے اندر پہنچ کر اللہ اکبر کہتے اور ان کی بیوی بھی اللہ اکبر کہتی تھی اس کے بعد وہ بیٹھ کر اپنے جوتے اور چادر اتارتے اور پھر ان کی بیوی کھانا لاتی اور وہ کھالیتے۔

ایک بار جب حضرت ابومسلم خولانیؒ اپنے گھر پہنچے، سلام کیا تو کوئی جواب نہ ملا۔

گھر میں داخل ہو کر اللہ اکبر کہا، بیوی نے اس کا جواب نہ دیا۔

بیوی نے آج گھر میں چراغ تک نہیں جلایا تھا۔ بس وہ ایک جگہ بیٹھی زمین کرید رہی تھی۔

حضرت ابومسلم خولانیؒ نے پوچھا آج تجھے کیا ہوا؟

تو وہ بول پڑی۔

"سارے لوگ کیا کیا کرتے ہیں اور کہاں کہاں پہنچ گئے ہیں۔ وہ حکومت سے اتنا مال و دولت اور اتنی جائیداد اور جاگیر لے چکے ہیں جن کے پاس کچھ بھی نہیں تھا وہ بھی شاہانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ اور آپ تو بڑے مشہور بزرگ ہیں۔ آپ تو زیادہ لے سکتے ہیں۔ آپ بھی امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس جاتے تو ہمیں بھی وہ بہت کچھ دیتے۔"

حضرت ابومسلم خولانیؒ سمجھ گئے کہ یہ نیک بیوی ہے، سادہ مزاج ہے، خود نہیں بول رہی بلکہ کسی نے آج اس کو ورغلا دیا ہے اور اس کے کان بھر دیے ہیں اور پھر دعا مانگی۔

"یا الٰہی! جس نے بھی میری بیوی کو ورغلایا ہے اسے تو اندھا کر دے۔"

حضرت ابومسلم خولانیؒ کے گھر ایک عورت آتی تھی جس نے ان کی بیوی کو حضرت امیر معاویہؓ کی سخاوت کے قصے اور حضرت ابومسلمؒ کی شان بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تم بھی بہت کچھ حاصل کر سکتی ہو، بس تم اپنے خاوند سے مطالبہ کرو کہ وہ بھی حضرت معاویہؓ سے اپنے لیے کچھ لے لیں۔"

یہ عورت رات کو اپنے گھر میں کام کر رہی تھی کہ اچانک آنکھ میں کچھ معمولی سی تکلیف ہوئی۔ اس نے آنکھیں ملیں اور پھر گھر والوں سے کہنے لگی۔

"چراغ کیوں بجھا دیا؟ اسے روشن کرو۔" سارے گھر والے حیران ہو گئے اور کہنے لگے۔

"چراغ تو بدستور جل رہا ہے۔"

پھر اسے یقین آ گیا کہ اس کی آنکھوں کی روشنی چلی گئی ہے اور وہ مکمل اندھی ہو چکی ہے۔ اگلے دن اسے پتہ چل گیا کہ حضرت ابومسلم خولانیؒ نے ہی اندھا ہونے کی بددعا دی تھی۔

پھر تو وہ عورت آ کر حضرت ابومسلم خولانیؒ کے پاؤں پڑ گئی۔ بڑی روئی، پیٹی، منت سماجت کرنے لگی اور معافیاں مانگنے لگی۔

اس پر حضرت ابومسلم خولانی نے اسے معاف کر دیا اور اس کے لیے دعا بھی فرما دی۔ وہ پھر اپنی آنکھوں سے دیکھتی واپس اپنے گھر لوٹ آئی۔

سنہری باتیں

☆ منافق وہ ہے جو اسلام سے محبت کرے اور مسلمانوں سے نفرت۔

☆ قائم ذات سے محبت کریں، آپ بھی قائم ہو جائیں گے۔

☆ اللہ سے پیار کرنے والو، اللہ کے بندوں سے بھی پیار کرو۔

☆ مسلمان، مسلمان کے خلاف جہاد نہیں، فساد کرتا ہے۔

☆ جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے اور اللہ جو بھی کرتا ہے، صحیح کرتا ہے۔

(واصف علی واصف)

نسرین۔ سنگھ پورہ لاہور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بندہ پروری

ہرات کا نواب بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔ بادشاہ اس پر مکمل اعتماد کرتا تھا۔ اس نواب کے خاصی تعداد میں غلام تھے جن کو وہ بیٹوں کی طرح آرام اور زیب و زینت سے رکھتا تھا۔ ان شاندار زیب و زینت سے آراستہ غلاموں کی ٹولیاں بازار میں گشت کر رہی تھیں۔

ایک غریب، مفلس، قلاش شخص جو بھوکا اور ننگا تھا، ان کو دیکھ کر لوگوں سے پوچھنے لگا۔

"یہ رئیس زادے کون ہیں؟"

جواب دینے والے نے کہا "یہ ہمارے اس علاقے کے نواب کے چاکر ہیں۔"

وہ یہ سن کر حیران رہ گیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگا۔

"اے اللہ! اپنے اس بندے کو دیکھ کہ سردی کے مارے اس کے دانت بج رہے ہیں اور بھوک سے اس کا برا حال ہو گیا ہے۔ اور اس علاقے کے نواب بندۂ پرور کو دیکھ کہ اس کے غلام کتنے موٹے تازے، بے فکری اور فارغ البالی سے اِدھر اُدھر اتراتے پھر رہے ہیں۔"

تقدیرِ الٰہی سے نواب رئیس کے عروج کا ستارہ زوال پذیر ہو گیا۔ بادشاہ نے بعض وجوہات کی بنا پر اس کو قید کروا دیا۔ اس کے اموال و املاک کو ضبط کر لیا۔ اور اس کے وفادار ساتھیوں کو شکنجوں میں پھنسا کر نواب رئیس کے دفینوں کے متعلق پوچھنے لگا۔ اتنی تکلیف کے باوجود رئیس کے کسی غلام نے بھی کوئی بات نہ بتائی۔ یہ سب کچھ اس منہ پھٹ بے نوا کے سامنے ہو رہا تھا۔

بادشاہ نے کہا "میں تمہاری زبان اور ہاتھ کٹوا دوں گا۔"

تمام غلام خاموش رہے۔ اس پر بادشاہ کے غضب کی آگ اور بھڑک اٹھی اور مسلسل کئی دن تک ان پر بے جا سختیاں کرواتا رہا لیکن کیا مجال کسی کی زبان نے اپنے مالک کے متعلق کوئی شکوہ شکایت یا بھید ظاہر کیا ہو۔

یہ دردناک منظر دیکھ کر وہ بے نوا شخص بے ہوش ہو گیا۔ عالم بے ہوشی میں اس نے یہ آواز سنی۔

"اللہ تعالیٰ کو بندہ پروری کا سبق دینے والے ان غلاموں کی وفاداری دیکھ اور بندہ بننے کا سبق بھی ان غلاموں سے سیکھ۔"

درسِ حیات: انسان اللہ تعالیٰ کی حقیقت سے کبھی بھی واقف نہیں ہو سکتا، لہٰذا انسان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کبھی گستاخی کے الفاظ ادا نہیں کرنے چاہئیں۔

نعمت انعام

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے زمانے میں ایک شخص تھا جس کا نام تھا۔ بشر حافی۔ یہ شراب نوشی کا عادی تھا۔ شراب کی حالت میں ایک دن راستے میں ایک کاغذ ملا۔ جس پہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی تھی۔ اگرچہ بشر حافی نشے کی حالت میں تھا مگر اس نے بڑی عقیدت سے اس کاغذ کو اٹھا کر جلدی سے صاف کیا۔ عطر لگایا، بوسہ دیا۔ اور جا کر گھر میں اونچے طاق پر ادب سے رکھ دیا۔

اسے رات کو خواب میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ندا دی گئی۔

"اے بشر! تم حالتِ مدہوشی میں تھے۔ شراب پیے ہوئے تھے لیکن تم نے میرا نام ادب سے زمین سے اٹھایا۔ عطر لگایا، اور اس کا بوسہ لیا۔ اس وقت وقت بھی تم مجھ سے غافل نہ تھے۔ تم نے مجھے یاد رکھا۔ اس کے صدقے ہم تم کو آج سے اپنا ولی بناتے ہیں۔ اور تمہاری روح کو جذب کرتے ہیں۔"

اس کے بعد بشر حافیؒ نے شراب نوشی اور گناہوں کی زندگی سے توبہ کر لی اور حق تعالیٰ سے لَو لگا کر درجہ ولایت پر فائز ہو گئے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

خط آپ کے

رضیہ جمیل

آپ کے خط اور ان کے جواب کے ساتھ حاضر ہیں
آپ کی عافیت صحت اور سلامتی کے لیے دعائیں
رب کریم آپ کو ہمیں اور ہمارے پیارے وطن کو
دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع۔ 37۔ اردو بازار، کراچی۔
Email: shuaa@khawateendigest.com

پہلا خط اسلام آباد سے افشین نعیم کا ہے، لکھتی ہیں

ٹائٹل بہت پسند آیا' میک اپ اور فوٹو گرافی دونوں بہترین۔ "جب تجھ سے ناتا" میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ اس دفعہ دونوں ہی میں کچھ زیادہ متاثر کن بات نہ تھی۔ افسانوں میں مصباح علی کا "میرا راج دلارا" بہترین تحریر تھی۔ "میرا راج دلارا" کے نام سے ایک تحریر پہلے بھی آپ کے پرچے کی زینت بن چکی ہے۔ مصنفہ کا نام مجھے یاد نہیں ہے۔ کردار یعنی کہ راج دلارے کا نام اس کہانی میں ایاز تھا۔ مزاج بھی دونوں کہانیوں کا ایک جیسا ہے۔ وہ پہلی کہانی دنوں ہمیں یاد رہی بہت محظوظ ہوئے تھے پڑھ کر۔ یہ راج دلارا بھی بہت پسند آیا۔ بہت اچھی تحریر۔ ایسی کم سے کم ایک کہانی ہر ماہ اس پرچے میں ہونی چاہیے جو دنوں ہنساتی رہے۔ "تیرگی میں روشنی" صدف آصف کا افسانہ پسند آیا۔ مہناز نعیم کا افسانہ "عیدی میں لے کر" اچھی کوشش تھی گو کہ مزاح کے معیار پر پورا نہ اتر سکی۔ مکمل ناول میں سارہ عرفان کا "شہر محبت کی خیر" موضوع تو پرانا تھا ہی۔ ڈائیلاگ بھی حد درجہ گھسے پٹے۔ اختتام حسب توقع تھا جو شروع کے تین صفحات پڑھ کر ہی اندازہ ہو گیا تھا۔

سلویٰ سیف اللہ کا "سنہری دھوپ" بہت اچھی قسط رہی۔ کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ ناول میں تاثرات بیان کرنے کا جو انداز ہے وہ اس کی جان ہے۔ بہت بہترین انداز میں ہر کردار کے تاثرات بیان ہو رہے ہیں۔ بہت اچھے۔ ام طیفور کا "پیا ملن کی رت" کیا کہنے....؟ اس تحریر نے تو ایسا اپنے سحر میں جکڑا کہ اردگرد سے بیگانہ ہو کر پڑھتے رہے۔ ہوش تو تب آیا جب "باقی آئندہ" لکھا دیکھا۔ نہ پوچھیے صدمے کے مارے کیا حالت ہوئی۔ خدارا اگلی قسط کے آخر میں باقی آئندہ نہ لکھیے گا۔ ناولٹ میں مقدس مشعل کا "اتنا یقین تھا" پسند آیا' مگر اس تحریر میں ایک ہی کردار کا متضاد رویہ کچھ ہضم نہیں ہوا۔ سحرش بانو کا "یہ عید کتنی سعید" گو موضوع یہاں بھی پرانا تھا۔ پر انداز مختلف بھی تھا اور اچھا بھی اس لیے اچھا لگا۔ بند ھن میں زاہد احمد اور مسز زاہد بہت پسند آئے۔ "خط آپ کے" تو میں ضرور پڑھتی ہوں۔ بہت ترس آتا ہے آپ پر جب ہر دوسرے خط میں پڑھتی ہوں۔ آپی! میرا خط ضرور چھاپیے گا اور خط میں قابل ذکر بات کیا ہوتی ہے بھلا....؟

ج۔ پیاری افشین! آپ کا نامہ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ہم پر ترس!! بہت ہنسی آئی پڑھ کر۔ آپ کے مذکورہ دونوں افسانے ان شاء اللہ لگ جائیں گے۔ یہ عید کے حوالے سے تھا۔ اس لیے جلد لگ گیا۔ جناب! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ آئندہ "باقی آئندہ" کی جگہ لکھیں گے "باقی واقعات اگلے شمارے میں ملاحظہ کیجیے" بس خوش۔ خیر یہ تو ازراہ تفنن لکھ دیا' اس ماہ ام طیفور کی دوسری اور آخری قسط شامل ہے۔ پہلے جو آپ نے میرا راج دلارا پڑھی تھی۔ وہ بھی مصباح علی کی ہی تحریر تھی۔ انہوں نے ان ہی کرداروں پر دوسری کہانی لکھی تھی۔ اسے آپ سیریز کہہ سکتی ہیں جیسے ثمرہ بخاری "ہم سے زمانہ" میں جوادی اور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

شبلی کے کرداروں پہ لکھتی ہیں۔

اقصیٰ طیب الرحمان گاؤں مونن ضلع ہری پور ہزارہ سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

ٹائٹل ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ دونوں ماڈلز بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔ پر موبائل کچھ پسند نہیں آیا۔ پیارے نبی کی پیاری باتوں سے فیض یاب ہو کر سیدھے پہنچے۔ "خواب شیشے کا" تک بہت خوب صورت موضوع' بہت خوب صورت فقرے' جملے' بہت خوب صورت منظر نگاری ہر چیز لاجواب۔ "شہرزاد" شروع میں درشہوار پہ بہت غصہ آتا تھا' پر اب بہت ترس آتا ہے۔ "سنہری دھوپ" اچھا ناول ہے' لیکن "جام آرزو" جیسا ہی لگتا ہے' لیکن پھر بھی اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ سارہ عرفان کا ناول بھی بہت زبردست تھا' پڑھ کر اچھا لگا اور جو سب سے اچھا تھا جس ناول نے شروع میں بہت ہنسایا اور درمیان میں رلایا اور آخر میں جا کر پھر "ہور سنا کبوترا" تیرا گوانڈی بن کر آیا ہوں" نے پھر ہنسا دیا۔ باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ "عید خوشیوں کی نوید" سب سے زیادہ شازیہ الطاف کا پڑھ کر اچھا لگا باقی بھی بس ٹھیک ہی تھا اور جو سب سے زیادہ شوق سے پڑھتی ہوں وہ ہے "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" ن۔ ص۔ نے جو بتایا ہے کہ جہاں ان کی شادی ہوئی' یہ زیادتی تو والدین نے کی ہے۔ لطیفے پسند نہیں آئے اس کے لیے معذرت۔ آپی جب میں نے شعاع پڑھنا شروع کیا تھا تو میں 9th میں تھی اور آج میں پندرہویں کا امتحان دوں گی۔ یہ صرف اور صرف آپ کی دعاؤں کی وجہ سے ہے۔ پلیز آپی آپ اگلے ڈائجسٹ میں میرے چھوٹے بھائی کو ضرور کوئی نصیحت کرنا کہ وہ مجھ سے خط پوسٹ کروانے کے کم پیسے لیا کرے۔

ج۔ پیاری اقصیٰ لطائف پسند نہیں آئے تو معذرت کی کیا بات۔ آئندہ اچھے لطائف منتخب کریں گے تاکہ آپ کو پسند آئیں۔ پرچہ پسند آیا۔ بہت شکریہ۔ ہمیں بھی آپ کے یہ گل بوٹے پسند آئے۔

اور چھوٹے بھائی! تم بھائی' ہوڈا کیے نہیں ہو جو خدمات کا معاوضہ لیتے ہو۔ ہمارے والد کہتے تھے کہ بھائی پانچ سال کا ہو اور بہن پینتیس سال کی ہو۔ تب بھی بھائی بڑا ہوتا ہے۔ کچھ آیا سمجھ میں۔

ایک بات نوٹ کرلیں۔ آپ نے دوسرے سلسلوں کے لیے انتخاب ایک ہی کاغذ پر خط کے ساتھ ہی لکھ دیا ہے۔ آئندہ علیحدہ علیحدہ کاغذ پر لکھیں۔ البتہ لفافہ ایک ہی استعمال کرسکتی ہیں۔

مسکان پروین منگریو نے لاڑکانہ سے لکھا ہے

آپی میں نے پہلا خط لکھا وہ بھی آپ نے نہیں دیا۔ چلو خیر پر ایک بات ہے میں آپ سے ناراض نہیں ہوسکتی کیوں کہ آپ میری پیاری آپی ہیں۔ میں اپنی ڈرائنگ کے بارے میں پوچھوں گی کہ جو میں نے خط میں بھیجی تھی اور اب جو بھیج رہی ہوں اس کے بارے میں اور جو کہانی ہے اس کے بارے میں اس خط میں ضرور بتائیے گا۔

ج۔ پیاری مسکان! چند ایک کو چھوڑ کر آپ کے تمام اسکیچز بہت اچھے ہیں' مگر آپ سمیت ان تمام بہنوں سے جو ہمیں اسکیچز بھیجتی ہیں' گزارش ہے کہ زحمت نہ کیا کریں' کیوں کہ ہم نے مستقل بنیادوں پر ایک آرٹسٹ کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں۔ کہانی کے لیے معذرت چاہتے ہیں۔ فی الحال مطالعہ پر توجہ دیں۔

منعم ملک نے سندر نگر سے لکھا ہے

اس بار بھی ابھی شعاع ملا ہی نہیں' میں پہلے ہی خط لکھ رہی ہوں کہ لکھنے سے رہ نہ جائے۔ شعاع ہمیشہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ پرانی رائٹرز کے ساتھ نئی لکھاریوں کو بھی جگہ ملی ہوتی ہے یہ اچھا ہے مگر... کچھ رائٹرز کو پڑھے تو عرصہ ہو چلا۔ میری درخواست ہے کہ پلیز باقی سب کے ساتھ عمارہ خان' میمونہ صدف کے ناول بھی شامل کریں۔ اگر قسط وار ہوں پھر تو کیا ہی بات ہے۔ یہ تو ٹی وی پر مصروف نہیں ہوں گی ناں... ہمیں شدت سے انتظار ہے ان کے ناولز کا... پلیز ان سے ضرور لکھوائیں۔

فرزانہ کھرل بہت زبردست لکھ رہی ہیں۔ اتنا خوب صورت کہ بس ایک ہی نشست میں ختم کرنے کو جی چاہتا ہے' مگر رشتے سمجھانے کے معاملے میں مجھے تھوڑی شکایت ہے ان سے۔ کردار بہت ہوتے ہیں اور یہ سمجھا نہیں پاتیں' یہ چیز الجھن کا شکار کرتی ہے۔ "کہاں کا ذکر سفر" نے ایسا دماغ گھمایا کہ ابھی تک چکر آرہے ہیں۔ ان کا پہلا ناول ہے جو میں نے چھوڑ دیا ہے ورنہ ان کی تحریروں کا انتظار رہنے لگا ہے۔ باقی سب پر پھر بھی تبصرہ کروں گی اور

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

نام ذہن میں نہیں آرہے۔ ایک میں اور ایک میرا بھائی ان تین رسالوں سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ ہمیشہ لوگ ہماری زبان سے "ہمارے رسالے" کہتا ہوا سنتے ہیں۔ میں نے تیرہ ماہ پہلے افسانے بھیجے تھے۔ بھائی نے اتنی چاہ سے لکھوا کے بھیجے تھے اور اب ہر ماہ اسی آس پر جاتے ہیں کہ شاید...؟ حیران مت ہوں ہمارے لیے یہ چھوٹی سی بات بہت معنی رکھتی ہے۔ ہر دفعہ وہ اتنے مایوس نظر آتے ہیں کہ میں کئی بار پکا ارادہ کرتی ہوں۔ کچھ بھی ہو جائے شعاع میں اب کچھ نہیں لکھوں گی۔ انہیں اس میٹرک میں پڑھتی لڑکی کی کیا ضرورت؟ آخر ایسے نظر انداز کرکے آپ لوگ کیوں اذیت دے رہے ہیں؟ سچ بتاؤں اگر یقین کرلیں تو کتنے ہی ناول ایسے ہیں جو لکھے جانے کے لیے مچلتے ہیں اور میں ان کو شعاع و خواتین کے دامن میں سلانے کے لیے تھپک تھپک دیتی ہوں۔ آخر کامیابیوں کا سفر ناکامیوں کے جوتے پہن کر کرنا پڑتا ہے شاید... مگر کوئی منزل بھی تو ہو؟

ج۔ پیاری منعم! آپ کی ناراضی بجا اور شکوہ سر آنکھوں پر مگر کبھی ہمارے دفتر آئیں تو ہم بھی آپ کو کہانیوں کے انبار تلے دبے ملیں گے۔ پیاری لڑکی! تمہیں اذیت نہیں دے رہے، مگر تم ہماری مصروفیت کا اندازہ نہیں کرسکتیں "بے مول" باری آنے پر لگ جائے گا۔ اب اٹھو اور جن لفظوں کو سلا رکھا ہے۔ جھنجوڑ کر جگاؤ اور ہمیں لکھ بھیجو۔ پرچے کی پسندیدگی کے لیے ہماری طرف سے اپنے بھائی کو شکریہ کہہ دینا۔ کامیابی اور ناکامی تو بعد کی بات ہے، مگر انسان کو ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

نوال رفیق نے جہلم سے لکھا ہے

"اپنا ڈائجسٹ سب رسالوں کا بادشاہ" کچھ غلط تو نہیں کہا ناں... میں شروع سے ہی سب سے پہلے افسانے پڑھتی ہوں۔ پھر وقت نکال نکال کر باقی ڈائجسٹ تو جناب قسط میں سب سے اوپر چڑھی تھیں مصباح علی۔ ان کی تحریر نے میرا وقت اچھا گزروا دیا۔ آپی مجھے ذاتی طور پر گھریلو زندگی میں لکھے گئے ناولز بہت پسند ہیں پھر اس میں سارے رشتے بھی ہوں اور پر سے ہماری جیسی مڈل کلاس کہانی اپنی اپنی لگتی ہے۔

ج۔ پیاری نوال! ہم کوشش کریں گے کہ آپ کی پسند کو سامنے رکھتے ہوئے کہانیوں کا انتخاب کریں۔ مصنفین تک بھی آپ کا پیغام ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔ شعاع آپ کو سب رسالوں کا بادشاہ لگتا ہے یہ جان کر خوشی ہوئی۔ یہ اللہ کا کرم اور اس کی مہربانی ہے۔

نگہت غفار نے کراچی سے لکھا ہے

"پہلی شعاع" آپ کی پرخلوص دعا پر دل کی گہرائیوں سے آمین کہا۔ حمد و نعت کی تعریف ہم ناچیز کیا بیان کرسکتے ہیں۔ نور کی کرنیں روح کو منور کرنے والی مہکتی تحریریں بہت ہی بھلی لگیں۔

"پیارے نبی کی پیاری باتیں" مجھ ناچیز کی اوقات ہی کیا میرے قلم کی جرات ہی کہاں جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ کہہ سکیں۔

"بندھن" زاہد احمد اور آمنہ زاہد سے ملاقات اچھی لگی۔

"تجھ سے ناتا جوڑا" پڑھا دونوں دفعہ آنکھیں دھندلا گئیں۔ ماضی کی چند باتیں یاد آگئیں۔ "باتوں سے خوشبو آئے" سیدہ نسبت زہرہ (کی تحریر رسول اللہ اور حضرت امام باقر) کی تحریریں۔ آخرت کی پہچان۔ باپ کی خوشنودی۔ باغ جبران کے چند پھول صبر و شکر۔ ساری تحریریں اچھی ہیں۔ "کھلتا کسی کا" فائزہ بھٹی۔ گڑیا شاہ، فوزیہ ثمر۔ عذرا ناصر، قصی ناصر، تبسم شام۔ ان کے اشعار اور قطعات اچھے لگے۔

عفت سحر طاہر کو صدمہ

ہماری ہر دل عزیز مصنفہ عفت سحر طاہر کی ساس مختصر علالت کے بعد اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئی ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

عفت سحر طاہر اس بنا پر ناول "خواب شیشے کا" کی قسط بھی نہیں لکھ پائیں، آئندہ ماہ ان شاء اللہ آپ قسط پڑھ سکیں گی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ج۔ پیاری نگہت! ایک طویل مدت بعد آپ نے یاد کیا' بہت خوشی ہوئی' ہمیں یاد ہے کافی عرصہ پہلے آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اتنا عرصہ آپ نے رابطہ نہیں کیا۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے ممنون ہوں۔

چوک اعظم سے ناظمہ زیدی نے محفل کو رونق بخشی ہے

شمارہ لیٹ ملا۔ ٹائٹل خوب صورت تھا۔ پیاری باتوں سے مستفید ہوئے اور پھر خوشیوں کی نوید پر پہنچے۔ سروے میں سوالات مختلف تھے اچھا لگا یہ آئیڈیا۔ عندلیب زہرا کا جواب بیسٹ تھا۔ بندھن میں دونوں تصویروں میں تضاد تھا۔ کیا یہ ایک ہی جوڑے کی تھیں؟ "نا نا" بس ٹھیک تھا۔ دکھی سا سلسلہ بنتا جارہا ہے۔ کچھ خوش گوار یادیں بھی ہونی چاہئیں۔

"شہرزاد" آگے بڑھا۔ "میرا راج دلارا" مزاحیہ تھا' مگر بے مقصد۔ صدف آصف کا افسانہ اچھا لگا سبق آموز تحریر۔ "اتنا یقین" بہت اچھا ناول تھا بیسٹ۔ مہناز نعیم کا "عیدی" اچھا تھا۔ "شہر محبت" میں ایشل کی شرارتیں اچھی لگیں۔ "عید سعید" بس ٹھیک ہی تھا روایتی سا اینڈ۔ ہیرو شادی کرکے بھی ہیرو۔۔۔ "سنہری دھوپ" نے نئی کروٹ لی ہے۔ دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ "افشین نعیم" نیا نام' مگر اچھا اضافہ۔ گڈ۔ "پیا ملن کی رت" آغاز اچھا نہیں لگا تھا' مگر قیام پاکستان کے حالات اچھے لگے۔ "خواب شیشے کا" آگے بڑھا اور ساتھ ہی ہمارا تجسس بھی۔ شاعری اچھی تھی۔ ثمینہ اکرم کا شعر بیسٹ تھا اشعار میں۔

"مسکراہٹیں" سب پرانی' مزہ نہیں آیا۔ "خوشبو" بہت اعلا جزاک اللہ۔ "تاریخ" بہت اچھا زبردست اور شکریہ بھی کہ میری فرمائش پہ آپ نے مسلمان بادشاہوں کے حالات زندگی دیے۔ آخر میں حسب سابق کچھ سوالات۔ ناول یا افسانہ اپروو یا ریجیکٹ کرنے کا معیار کیا ہے؟ کیا یہ کسی فرد واحد کی سازش میرا مطلب ہے کاوش ہوتی ہے یا گروپ کی؟ جو کہانیاں آپ ریجیکٹ کردیتے ہیں وہ کہاں جاتی ہیں؟ پلیز ان سوالات کے جواب ضرور دیجیے گا مجھے بہت بے چینی ہے۔

مجھے دسمبر اور جنوری کا خواتین چاہیے' کیا کسی بہن کے پاس ہے؟ پلیز مجھے بھجوادیں۔ اور ہاں ایک بات اور..... اب میں اپنی کہانیوں اور افسانوں کے بارے میں نہیں پوچھوں گی۔ صبر شکر کرلیا ہے' ہوسکتا ہے کبھی میرے پوتے' پوتیاں یا نواسے نواسیاں شعاع یا خواتین پڑھیں تو کہیں "ارے ہاں! یہ تو ہماری دادی ہیں۔ ماما نے بتایا تو تھا کچھ لکھتی لکھاتی تھیں۔ بے چاری اپنی زندگی میں اپنا نام دیکھ لیتیں تو کتنا خوش ہوتیں' چچ چچ افسوس۔"

ج۔ پیاری ناظمہ! آپ کے سوالوں کا جواب تفصیل کا متقاضی ہے کبھی کراچی آئیں تو بالمشافہ دیں گے۔ کہانی کا انتخاب فرد واحد کی کاوش نہیں ہوتی آپ نے مستقبل کا جو نقشہ کھینچا ہے اسے پڑھ کر چچا غالب یاد آگئے۔

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔

آپ خوش گوار یادیں لکھ بھیجیں' ہم منتظر ہیں۔ کراچی والوں کے بارے میں صحیح سنا ہے۔ آئندہ خیال رکھیے گا' اگر ہم ناراض ہوگئے نا تو.....

راہی حمید کوہاٹ سے لکھتی ہیں

جولائی کا شعاع ہاتھ میں لیتے ہی پہلی نظر خوب صورت اور پیاری ماڈل پر پڑی تو موڈ فریش ہوگیا' میں نے پڑھا کہ ہمارے پیارے شعاع کو اس دنیا میں آئے 32 سال ہوگئے ہیں۔ اس لحاظ سے تو شعاع مجھ سے صرف 4 سال بڑا ہے' میری طرف سے آپ سب شعاع کے ادارے سے وابستہ تمام چھوٹے بڑے عزت کے قابل لوگوں کو نہیں میرے اپنوں کو بہت بہت بہت سالگرہ مبارک ہو۔ میں اس خط کے ساتھ ایک خوب صورت سا کارڈ خود اپنے ہاتھوں سے بنا کر بھیج رہی ہوں' حمد و نعت سے آغاز کیا اور مختلف احادیث جس میں محبت کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ مجھے بہت اچھی لگی اور محبت کے بارے میں بہت کچھ جاننے کو ملا۔ مجھے تو اپنے اللہ' رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر اپنے والدین بہن' بھائی سے اور پھر اپنے ملک پاکستان سے ہمارے مظلوم کشمیری بہن' بھائیوں سے دل کی گہرائیوں سے محبت ہے۔ "بندھن" میں زاہد احمد کا پڑھ کر۔ خوشی ہوئی اور "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" کہ جو ہماری دونوں قارئین خالائیں ہی کہوں گی کہ بارے میں پڑھ کر مجھے تو پہلے ہی مرد ذات سے نفرت تھی اور بھی ہوگئی ہے۔ "شہرزاد" کو پڑھ کر تو میرا شک یقین میں بدل گیا کہ یہ جو شہرزاد سے ہم زاد صاحب فون پر باتیں کرتے ہیں' یہ ہو نہ ہو ہمارے ہادی صاحب ہی ہیں۔ یہ کیسی محبت ہے جو کہ انسان کو بے عزت ہی کرکے رکھ دے' جس محبت میں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

عزت نہ ہو وہ محبت جائے بھاڑ میں' مصباح جی کا افسانہ اچھا تھا۔ مہناز جی کا افسانہ "عیدی میں لے کر" اچھے موضوع پر تھا۔ مقدس مشعل جی کے ناولٹ کو پڑھ کر بہت اچھا لگا' آج کل کے دور میں یہ محبتیں آپ کو کم ہی ملیں گی جو کہ اتنی سادہ اور حوصلے اور صبر پر مشتمل ہیں۔ سحرش بانو جی کا ناولٹ یہ عید کتنی سعید ہے اچھے اور دلچسپ موضوع پر تھا مگر گھر کے رشتے اب کہیں کہیں ہی نظر آتے ہیں۔ کہانی تو اچھی لگ رہی ہے۔ سارہ عرفان صاحبہ کا مکمل ناول شہر محبت کی خیر بڑا اچھا اور دلچسپ لگا اور مزہ آیا۔ افشین صاحبہ کا افسانہ میری عید پیا کے سنگ میں بڑے اچھے طریقے سے بتایا کہ ہمیں ہر حال میں اپنے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ ام طیفور صاحبہ کا مکمل ناول پڑھ کر تو موڈ ہی فریش ہو گیا بہت زبردست اور دلچسپ ہے ویل ڈن! عفت صاحبہ کا خواب شیشے کا عفت جی نے ناول بڑا زبردست شروع کیا ہوا ہے آج کل کہ دور میں تو انسان صرف دنیا ہی کا سوچتا ہے آخرت کا کچھ خیال نہیں یہی حال مہرماہ صاحبہ کہ گھر کے بڑوں کا ہے۔ اس ماہ کی مسکراہٹیں پڑھ کر مزا ہی آگیا۔ باتوں سے خوشبو آئے پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔

ج۔ پیاری راہی! کارڈ واقعی بہت خوب صورت ہے۔ ڈیزائننگ کا کورس کرلیں کامیاب رہیں گی۔ مردات سے نفرت والی بات ٹھیک نہیں ہے۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں' جس طرح سب عورتیں اچھی نہیں ہوتیں اسی طرح سب مرد بھی برے نہیں ہوتے' ویسے بھی اس سلسلہ میں اب تک جو باتیں قارئین نے لکھی ہیں اس میں مردوں سے زیادہ خواتین قصور وار نظر آتی ہیں۔ ساس' نندیں' جٹھانیاں' دیورانیاں عورتیں ہی ہوتی ہیں۔

پُرخلوص دعاؤں اور کارڈ کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

صدف مہر نے محمدیہ کالونی سے لکھا ہے

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ پندرہ سال سے شعاع پڑھ رہی ہوں۔ پہلی بار جون میں ایک خط اور ناول بے سائبان لکھ کر بھیجا تھا۔ ہماری محبت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتی ہیں کہ پچاس روپے میں پورا سوٹ سلائی کرکے مہینے کا تین چار سو کماتے ہیں اور ان سے ڈائجسٹ خرید لیتے ہیں۔ شعاع اور خواتین پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہمارے نصیب میں بھی کچھ خوشیاں لکھ دی گئی ہوں۔ ہاں مگر کچھ دیر کے لیے کیونکہ پھر اس کے بعد زندگی کی تلخیاں ہم پر حاوی ہو جاتی ہیں اور ہم پھر سے اس بے رحم اور ظالم دنیا میں واپس آجاتے ہیں۔ "خواب شیشے کا" بہت ہی خوب صورت ناول ہے۔ "سنہری دھوپ" بھی بہت اچھا ناول ہے۔ رقصم ایک بہت ہی خوب صورت تحریر تھی' لیکن ڈورس کو جلدی ہدایت مل گئی۔

ج۔ پیاری صدف! آپ لوگوں کی یہ محبت اور قدردانی ہی ہمارا اثاثہ ہے۔ اللہ پاک آپ کی مشکلات کو دور کرے اور آسانیاں عطا فرمائے اور یہ تو بتا دیں کہ پچاس روپے میں پورا سوٹ؟ یہ تو سراسر زیادتی ہے آپ کے ساتھ اجرت میں اضافہ کریں۔

فوزیہ شمرٹ' ہانیہ عمران' آمنہ رئیس گجرات سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے

جولائی کا شمارہ بہت منتوں کے بعد مجھے ملا۔ ٹائٹل دیکھ کر خوب دل کھٹا ہوا۔ ماڈل شاید نئی تھی' مگر فیروزی ڈریس شاید پچھلی عید کا ہی تھا۔ دوسری ماڈل کے ہاتھ میں موبائل تھا۔ بلیک اسکرین پر اگر عید مبارک لکھ دیا جاتا تو موبائل ہاتھ میں پکڑنے کا کچھ مقصد بھی سمجھ بھی آجاتا۔ بہ خدا ہماری نگاہ میں آپ سمیت ساری کائنات معصوم اور خوب صورت ہے۔ آپ کے دل میں میرے بارے میں اپنے بیڈ کمنٹس! اللہ والیوں رحم کرو۔ میں تے بڑی درویش

سانحہ ارتحال

موت زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ امت الصبور کے بہنوئی عبدالواجد خان مختصر علالت کے بعد اس دنیائے فانی سے رصت ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں عبدالواجد خان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بندی ہوں۔ پہلی شعاع کی باتیں بہار کی پہلی رت کی طرح لگیں۔ خوش کن خوش امید۔ شعاع کے اسلامی سلسلے مطلب حمد باری تعالیٰ اور پیارے نبی کی پیاری باتیں سے ذہن و دل شاد کیے۔ عید کی خوشیوں میں سب کی خوشیاں پُر مسرت لگیں۔ بندھن میں زاہد احمد اور آمنہ زاہد کا بندھن اچھا لگا' مگر دونوں تصویروں میں اتنا تضاد کیوں؟ جب سے تجھ سے ناتا جوڑا یہ تصویر والا آئیڈیا بہت اچھا لگا۔ ویسے ساس اور نند کو کب موقع دے رہی ہیں۔ "خواب شیشے کا" سہیلی بوجھ پہیلی۔ اس معاملے میں ہمیشہ صفر ہٹا صفر ہی ملا۔ عفت صاحبہ بھی ہمارے ساتھ ہی کھیل کھیل رہی ہیں۔ میرے خیال میں ہر ناول کو بس ایک سال میں پورا ہونا چاہیے۔ مکمل ناول تینوں کے تینوں اچھے لگے۔ سنہری دھوپ میں رابعہ احمد کچھ اچھا نہیں کر رہیں۔ دعا اور عمیر کے ساتھ۔ شہر محبت کی خیر۔ سرہٹ تحریر تھی۔ "پیا ملن کی رت" ام طیفور ایک بار پھر ہمارے دلوں میں چھا گئیں۔ شروع کی تحریر اتنی مزاحیہ ہر جملے پہ ہنس ہنس کے برا حال تھا۔ سحرش بانو کی یہ عید کتنی سعید ہے عید کے حوالے سے اچھی لگی ہیرو ہیروئن دونوں کی نوک جھوک بہت مزے کی تھی۔ اتنا یقین تھا اف اتنی مستقل مزاجی۔ افسانے عید کے حوالے سے سب ہی اچھے لگے۔ مصباح علی کا میرا راج دلارا ہنس ہنس کے برا حال۔ "باتوں سے خوشبو آئے" ہر ماہ ایک نیا قصہ پڑھنے کو ملتا ہے جو کہ اچھا لگتا ہے۔ عید کی شاعری اس بار کچھ خاص نہ تھی۔ موسم کے پکوان۔ ہائے شیر خرما' رس ملائی کچھ نہ پوچھیں یہ عید کیسی گزری' دل کرتا ہے یا تو زہر کھلا دیں یا کراچی کا سمندر پاس ہو تو ڈوب مرو۔ میں نے تو کسی کو عید مبارک بھی نہیں کہا اور نہ کسی کی مبارک کا جواب دیا ہے۔ آپ کے خط اس بار تو آپ نے خوب شگوفے چھوڑے ہیں۔ قسم سے اتنا پورا شعاع پڑھ کر مزہ نہیں آیا جتنا آپ کی اس چار صفحوں کی محفل میں آیا۔

ج۔ پیاری فوزیہ! میٹھی عید پر کھٹا دل.... واہ کیا بات ہے۔ ماڈل نے بہت برا مانا ہے۔ آپ نے اس کے نئے سوٹ کی توہین کردی۔ موبائل ہاتھ میں پکڑنے کا فی زمانہ ایک ہی مقصد ہے کہ سب دیکھ لیں' ہمارے پاس کتنا مہنگا موبائل ہے۔ تو بے چاری ماڈل کا کیا قصور کہ وہ شو بھی نہ مارے' ہمارے دل میں آپ کی کتنی محبت ہے کاش دل چیر کے دکھا سکتے۔ ہمارے کمنٹس بیڈ نہیں

شہناز اختر نے لکھا ہے

تین دن ہو گئے۔ امی کہہ رہی ہیں اب لکھ بھی دو۔ کیا لکھوں؟ کوئی تعریف' کوئی تنقید۔ امی کے اصرار کا سبب مصباح علی صاحبہ ہیں کیونکہ امی کی بڑی فیورٹ ہیں۔ راج دلارا دیکھتے ہی انہیں پچھلا یاد آگیا۔ قصائی قصائی لگا رہی تھیں پھر حکم صادر کیا۔ ذرا وہ والا ڈھونڈ تو سہی ڈیوٹی بھابھی کی لگی وہ پڑھ کے یہ پڑھا اور ایک پیغام دیا ہے۔ "عمر ایاز بچے کیا ہوا' تیرے ماں باپ گزر گئے۔ تیری ماسی زندہ ہے اس کے ہاں آجا۔ میں تیری رخصتی کروا دوں" دراصل میرا بھی ایک چھوٹا بھائی ہے اور امی کو ابھی سے یقین ہو گیا ہم اس کے ساتھ کہیں یہ سلوک نہ کریں۔ دن میں کئی بار نصیحتیں کرتی ہیں مجھے تو ڈر ہے کہ دسویں میں ہی اسے بیاہ نہ دیں۔ عیدی میں لے کر جاؤں گی مہ ناز نعیم نے لکھا

ہاہاہا۔ کتنا میری شخصیت کو سامنے رکھ کر لکھا۔ یہ بیان تھا میری بھابھی صاحبہ کا۔ انہوں نے صاف کہا تمہارے بھائی کی دلہن ڈھونڈنے کی ذمہ داری اگر امی تمہیں سونپتیں تو تم یقیناً" یہی کرتیں اور وہ محترم اپنے اپنے گھر میں بڈھے ہو جاتے۔ سنہری دھوپ ناول کا اسٹارٹ بہت اچھا لگا ہے۔ دعا تو بہت ہی بھولی معصومیت بھری لگی۔ آپی کیا سلویٰ علی وہی ہیں جنہوں نے بہت پہلے بھی ایک ناول لکھا تھا۔ تجھ سے ناتا جوڑا گھر والوں سے ناتا توڑ لگ رہا ہے۔ کیا شادی کے بعد ایسی فضول زندگی ہوتی ہے۔ یہ میرا بیان ہے جب کہ بھابھی فوراً" بولیں توبہ توبہ بالکل بھی نہیں۔ مزے آتے ہی پیا سنگ ہیں۔ وہ بھی اس سلسلے میں حصہ لینا چاہتی ہیں جواب کیسے لکھنے ہیں' کچھ طریقہ بتائیں۔

ج۔ پیاری شہناز! جرمن کہاوت ہے کہ کسی کو شادی اور جنگ کا مشورہ نہیں دینا چاہیے' مگر آپ کی والدہ نے اتنے خلوص سے آفر کی ہے تو ان کا پیغام عمر ایاز تک پہنچا دیا ہے۔ ویسے مصباح کی یہ کہانی پڑھ کر ہمارے ذہن میں زرداری صاحب کا ایک انٹرویو آ رہا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ "خدا سب کچھ بنائے' مگر چھوٹا بھائی نہ بنائے۔" بھابھی سے کہیں کہ

ناتا جوڑ کے سوالات پڑھ کر ان کے جواب لکھ کر جس طرح یہ خط بھیجا ہے' اسی طرح بھیج دیں۔ سلویٰ بٹ وہی ہیں جنہوں نے دو بہنوں کی کہانی لکھی تھی۔ ناول کا عنوان تھا۔ دل کے رشتے دشوار بہت تھے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

زارا مہوش ڈوگر نے گوجرانوالہ سے لکھا ہے

عید سے متعلق سروے پڑھ کر مزہ آگیا۔ گزری ہوئی عید کا مزہ دوبالا ہوگیا۔ اسکے بعد زاہد احمد کا انٹرویو اچھا تھا۔ دونوں تصاویر کو دیکھ کر تبدیلی کے معنی سمجھ میں آئے۔ ”جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے“ یہ سلسلہ مجھے بہت پسند ہے۔ صائمہ اکرم جب بھی آتی ہیں کچھ اچھا ہی پڑھنے کو ملتا ہے۔ شہزاد بہترین کاوش۔ ”خواب شیشے کا“ جب شروع ہوا تھا تو ایوریج سا گھریلو ناول لگا تھا مگر اب یہ دلچسپ سے دلچسپ تر ہوتا جارہا ہے۔ مکمل ناول ”سنہری دھوپ“ عمر اور اس کے چچا کا کردار ایک آنکھ نہ بھایا۔ ”پیا ملن کی رت“ ام طیفور کا ناول دلچسپ انداز میں شروعات‘ بہترین منظر نگاری‘ بے حد پسند آیا اور کرداروں میں کے ماضی کا حال جان کر ناول میں دلچسپی مزید بڑھ گئی۔ برکت انقد گھر کے مکین اور پنجابی مزہ دے گئی۔ سارہ عرفان کا ”شہر محبت کی خیر“ ہلکی پھلکی تحریر اچھی لگی۔ ناولٹ دونوں ہی معمول کے مطابق کہانیاں تھیں۔ نیا پن محسوس نہ ہوا۔ افسانوں میں میرا راج دلارا اور پیا کے رنگ پسند آئے۔ ”عیدی میں لے کر جاؤں گی“ ممتاز نعیم کا ٹاپک کافی عام تھا کہ اب یہ فیس بک چارم پرانا ہوگیا۔ ”تیرگی میں روشنی“ صدف آصف کا بہت عام سی کہانی۔ اس ماہ شمارے کی جان سلسلے وار کہانیاں تھیں باقی تمام مستقل سلسلے بھی اچھے تھے۔ آپی میری درخواست ہے ہر ماہ کم از کم ایک ہلکی پھلکی مزاح کہانی ضرور شائع کی جائے۔ زندگی کی حقیقتیں اپنی جگہ یہ تحاریر پڑھ کر کچھ دیر کو ہی سہی ساری تلخیاں بھول جاتے ہیں۔

ج۔ پیاری زارا! کوشش تو ہماری بھی یہی ہوتی ہے کہ ہر ماہ ایک مزاحیہ تحریر ضرور شامل ہو‘ مگر ہماری مصنفات خاص طور پر نئی لکھنے والیاں دقیق‘ فلسفیانہ اور گنجلک موضوع کا انتخاب کرتی ہیں اس لیے ہم بھی آپ کی طرح سوچ کر رہ جاتے ہیں۔ ویسے مخلصانہ مشورہ ہے کہ آج کل وزرا کے بیانات اور اپوزیشن کے مطالبات پڑھیں‘ ان شاء اللہ مزاحیہ تحریروں کی کمی کا احساس نہیں رہے گا۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف پہنچائی جارہی ہے۔

ہاجرہ عمر لاہور سے شریک محفل ہیں‘ لکھا ہے

بہت سارے کاموں کے دوران شعاع سے رشتہ نہیں ٹوٹا‘ بہت بھلا لگتا ہے۔ جب میاں ہاتھ میں تھما کر یہ کہیں کہ لو تمہارا پیٹرول آگیا۔ سرورق پر چاند دیکھتی دو سہیلیاں عید کا احساس جگا گئیں خواتین کا ٹائٹل بے حد اچھا لگتا ہے ایک شرم لحاظ والی چیز شکر ہے آپ کے ادارے نے آج تک بخوبی قائم کر رکھی ہے۔ لسٹ دیکھی۔ کئی نئی لکھاری موجود تھیں۔ اداریہ میں ضرور پڑھتی ہوں اس میں ایسا لگتا ہے جیسے آپ مجھ سے حالات حاضرہ پر مخاطب ہوں۔ پھر حمد و نعت سے سرشار ہو کر خود کو قصوں میں گم کیا۔ ”خواب شیشے کا‘ شہزاد“ کچھ متاثر نہیں کررہا۔ ”پیا ملن کی رت آئی“ ام طیفور کا واہ جی واہ اباجی‘ تایا تائی چاچی۔۔۔۔ اور باقی رشتوں کا ہنگامہ پورا فن گامہ لگا۔ جملوں کی تکرار اور طوالت کے باوجود پسند آیا۔ سنہری دھوپ سلویٰ بٹ کا اچھا لگا۔ یہ عید کتنی سعید ہے۔ سحرش بانو کا واقعی بہت اچھا لگا۔ افسانے اوہ! مصباح علی صاحبہ کیا لکھتی ہیں۔ راج دلارے کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہیں۔ کچھ سال پہلے اچھا بھلا عمر ایاز نے نکاح کرلیا تھا اور ممتاز نعیم کا عیدی میں لے کر جاؤں گی ہاہاہا۔ واقعی جو قصہ فیس بک کا لکھا۔ یقین کریں امثل بہنا میں بھی عروبہ کی والدہ جیسی ہوں۔ باقی افسانے بھی دل کو بھلے لگے۔

ج۔ پیاری ہاجرہ! ایڈیٹری کے اصولوں کو رہنے دیں‘ سیکھ کر کیا کریں گی۔

ہمیں خوشی اس بات کی ہے کہ پرچا آپ باقاعدگی سے

سانحہ ارتحال

ثمینہ اکرم کی پیاری والدہ جمیلہ بیگم ایک دن کی مختصر علالت کے بعد رضائے الٰہی سے اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی غلطیوں سے درگزر فرمائے۔ (آمین)

آپ سب قارئین سے دعا مغفرت کی التجا ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

پڑھتی ہیں اور آپ کے میاں صاحب آپ سے اس سلسلے میں پورا تعاون کرتے ہیں۔

حرا ملک نے وہاڑی سے لکھا ہے

گزشتہ چند ماہ سے میں نے ان ڈائجسٹوں کا مطالعہ کرنا معطل کیا ہوا تھا۔ وجہ میرے ایگزامز تھے۔ اب فارغ ہوئی ہوں تو گزشتہ تینوں ماہ کے رسالے پڑھے اور پڑھ کر میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ سلسلے وار ناولز اور مکمل ناول کے علاوہ کوئی بھی کہانی متاثر نہ کر سکی۔ خاص طور پر "سمیرا حمید" کا ناول "برہا بہاگ کی مینا" اور "میں بنت جمیلہ" بالکل بھی دلچسپ نہیں لگیں۔ برا لگے تو معذرت۔ آپ ہلکی پھلکی اور اچھی اسٹوریز اور مکمل ناول جو دو، تین ہوں شائع کیا کریں۔

ج۔ پیاری حرا! آپ کا مسئلہ شعبہ بیوٹی کو دے دیا ہے۔ معذرت کی ضرورت نہیں۔ آپ کی تعریف و تنقید ہی کو پیش نظر رکھ کر پرچا ترتیب دیتے ہیں۔ آپ کی فرمائش پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ پرچے میں ہلکی پھلکی کہانیاں بھی شامل ہوتی ہیں، لیکن تھوڑا سا "غم دوراں" بھی شامل ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ ہماری بہت سی قارئین نے "میں بنت جمیلہ" کو بہت پسند کیا ہے۔

کراچی سے تسنیم کوثر نے شرکت کی ہے، لکھا ہے

صائمہ اکرم کی تعریف و توصیف کے لیے تو الفاظ ہی نہیں ہیں۔ صائمہ جب بھی لکھتی ہیں چھا جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور حسین ناول "شہر محبت کی خیر" سارہ عرفان نے نہایت عمدہ اور بے حد دلچسپ لکھا ہے اور ایک دلنشین و دلکش ناول یہ عید کتنی سعید ہے، سحرش بانو نے تو میلہ لوٹ لیا۔ مقدس مشعل کا ناولٹ بس گوارہ تھا۔ مہناز نعیم نے عیدی میں لے کر جاؤں گی مزاحیہ انداز میں لکھا۔

ہنستی مسکراتی تحریر تھی، مگر اس کا نام فیس بک ہونا چاہیے تھا "خواب شیشے کا" زبردست جا رہا ہے۔ سنہری دھوپ بہت اچھا لگ رہا ہے، مگر اسے سازشی ڈراموں جیسا نہیں بننے دیں ورنہ اس کی جاذبیت متاثر ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ باقی تمام سلسلے بھی ٹھیک ٹھاک ہی لگے۔ خالدہ جیلانی سے سخت شکایت ہے۔ نجانے کیوں وہ ہمارے اشعار شامل بزم نہیں کرتیں۔

ج۔ پیاری تسنیم! خالدہ جیلانی تک آپ کی شکایت پہنچا دی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہماری قارئین اشعار یادداشت کے بھروسے پر لکھتی ہیں جس کی بنا پر ان کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے۔ زیادہ تر اشعار دو تین ماہ پرانے پرچوں سے ہی نقل کر کے بھجوا دیے جاتے ہیں۔ اس بنا پر شامل نہیں ہو پاتے۔ شعاع آپ کو پسند آیا۔ بہت شکریہ۔

سائرہ راؤ نے لودھرا سے لکھا ہے

انٹرویو پسند آیا۔ صائمہ اکرم آپی کی "شہزاد" قسط پڑھ کر بہت مزا آیا۔ عفت آپی کی "خواب شیشے کا" بھی ٹھیک تھی۔ اس کے بعد مکمل ناول کو دیکھا۔ ام طیفور آپی اپنے مخصوص انداز تحریر کے باعث سب پر بازی لے گئیں۔ پیا ملن کی رت زبردست لگ رہا ہے۔ سائرہ عرفان ہماری بھی دعا ہے کہ "شہر محبت کی خیر ہو" ہاہاہا۔ سلویٰ جی کا سنہری دھوپ ٹھیک لگا۔ سحرش بانو کا "یہ عید کتنی سعید" انداز تحریر پسند آیا۔ "تیرگی میں روشنی" صدف آصف کا افسانہ بازی لے گیا۔ انسانی جذبات کی ترجمانی کرتی خوب صورت انداز میں لکھی گئی تحریر۔ ایک بات پوچھنی تھی کہ کیا مہناز نعیم اور افشین نعیم بہنیں ہیں۔ باقی کے سلسلے بھی اچھے رہے۔

ج۔ پیاری سائرہ! ہم کبھی بھی کسی بھی قاری بہن کا خط ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈالتے۔ پہلی کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ خط پرچے میں شامل ہو جائے اگر محدود صفحات کی بنا پر شامل نہ ہو سکے تو ہم خط پڑھتے ضرور ہیں۔ اس سلسلے کا بنیادی مقصد آپ کی رائے جاننا ہی ہے۔

شعاع آپ کو پسند آیا یہ جان کر مسرت ہوئی۔ افشین نعیم اور مہناز نعیم بہنیں نہیں ہیں۔

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

شعاع کے ساتھ ساتھ

ارادہ

صدف مختار۔ بوسال مصور

1۔ سوال بہت مشکل نہیں لیکن جواب دیتے ہوئے شرم آرہی ہے۔ عموماً "لڑکیاں کہتی ہیں 15 سال سے پڑھ رہی ہوں۔ 20 سال سے پڑھ رہی ہوں جبکہ "ہم" تو ابھی بچے ہیں۔ اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دو پونیاں بنائے' ہاتھ میں فیڈر پکڑے' شوں شوں کرتی ناک کے ساتھ شعاع پڑھتے ہیں۔ ہم نے ابھی ابھی 9th کے پیپر دیے ہیں۔ رسالوں کی عادت اپنی بڑی بہن مریم مختار سے لی۔ وہ منگواتی تھی تو ہم بھی ورق گردانی کیا کرتے تھے۔ پہلے پہل تو میں فخریہ سب کو بتاتی تھی کہ آج میں نے 300 لائنیں پڑھی ہیں لیکن سیونتھ سے ماہانہ پڑھنے شروع کر دیے۔ نہ صرف شعاع بلکہ خواتین ـــــ اور کرن بھی تقریباً 99۔2002 سے لے کر اب تک کے کافی شمارے بھی پڑھے ہوئے ہیں۔ میری خالہ سعدیہ اقبال اور زاہدہ خانم بھی بہت باذوق ہیں' وہ بھی ہر ماہ منگواتی ہیں۔ اور کافی گھرانوں میں ڈائجسٹ پڑھنے سے روکا جاتا ہے لیکن میری امی بے حد اچھی ہیں' بالکل بھی نہیں ڈانٹتیں۔

2۔ میری صبح کا آغاز جلد ہی ہو جاتا ہے۔ اتنا جلدی بھی نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی تو یوں ہوتا ہے ہم سو رہے ہوتے ہیں اور ہماری سواری آجاتی ہے۔ بہرکیف جھوٹ کی مجھے عادت نہیں ہے' بہت کم نماز ادا کرپاتی ہوں فجر کی۔

سردیوں میں مشکل ترین کام منہ دھونا لگتا ہے' جو ہم کبھی کبھی دھوتے ہیں۔ صرف اور صرف وقت منہ ہاتھ دھونے پہ لگتا ہے۔ تیار ہونے میں مجھے زیادہ سے چار پانچ منٹ لگتے ہیں۔ سنیے ذرا' یونیفارم استری ہو یا نہ ہو مجھے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا' جلدی جلدی پہنا۔ پھر فوراً" اپنے جوتے پہنے' بالوں میں پونی باندھی بس جی تیاری مکمل۔ کریموں' پرفیومز' وغیرہ کا ہمیں شوق نہیں۔ اتنے میں ناشتا تیار ہوتا ہے۔ کیا اور پھر خالی بیگ میں ساری کتابیں ڈال کر ہم اپنی سواری پہ سوار ہو کر اسکول روانہ۔

اسکول میں ہر پیریڈ اٹینڈ کرتی ہوں اور مجھے فخر محسوس ہوتا ہے کہ اللہ نے مجھے مس نصرت صاحبہ جیسی بہترین کلاس ٹیچر عطا کی ہیں۔ ذہین اور بچوں کو سمجھنے والی۔ اس کے علاوہ مس منزہ صاحبہ جیسا کوئی نہیں۔ 6 پیریڈز کے بعد بریک ہوتی ہے جو زیادہ شیبا کے ساتھ گزرتی ہے یا پھر آج کل ورحمنہ احمد کے Tense کے ساتھ' پھر 2 پیریڈز ہوتے ہیں اس کے بعد چھٹی۔

تقریباً" آدھے گھنٹے میں گھر پہنچ جاتی ہوں۔ کھانا وغیرہ کھانے کے بعد اگر ہفتہ ہو تو رسالہ پڑھتی ہوں ورنہ نہیں۔ پھر آرام اس کے بعد چار سے پانچ تین کتابوں کا کام کرتی ہوں۔ پانچ سے چھ' دو مشکل کتابوں کا۔ پھر چھ بجے میرے کزنز ہانیہ خالد' ایمان فیصل' حنظلہ (ریئرلی) اور کافی بچے لائبہ' رباب وغیرہ آتے ہیں تو ہم کھیلتے ہیں۔ سات بجے سے نو بجے تک تو مکمل پڑھائی۔ ویسے حقیقی بات ہے میں ایک اچھی اسٹوڈنٹ ہوں' میرا ریکارڈ ہے آج تک سبق کے لیے نہ تو کھڑی ہوئی ہوں اور نہ ہی ہوں گی اس نئے اسکول میں۔ رات کو یاد آیا کھانا بھی کھاتی ہوں۔ ٹی وی اچھا نہیں لگتا لیکن ریسلنگ دیکھتی ہوں۔ عشاء کی نماز کے بعد پھر لکھنے والا کام اور پھر سو جاتی ہوں۔ نیند ویسے تو بہت جلدی آجاتی ہے لیکن جس دن کوئی غلطی یا برا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

کام کرلوں ہرگز بھی نیند نہیں آتی چنانچہ گریز ہی کرتی ہوں۔ چیدہ چیدہ حصے بیان کیے ہیں تاکہ آپ لوگ زیادہ بور نہ ہوں۔

3۔ واقعی کبھی کبھی بہت بہترین تحریریں ہوتی ہیں جو دل و دماغ پہ نقش ہو جاتی ہیں جیسا کہ "دیمک زدہ محبت" تھی۔ ویسے مجھے تو ایسی کہانیاں پسند ہیں جن کے اینڈ پہ کوئی نہ کوئی مرجاتا ہے۔

استغفار! کیا کہا کہ کسی کردار میں مجھے اپنی جھلک دکھائی دی۔ ارے سارے کردار تو بڑے اچھے ہوتے ہیں جبکہ میں نہ تو پرنسیپلڈ ہوں اور نہ ہی اچھی بچی۔ میں تو میٹھی چیز دیکھتی ہوں تو میرا دل چاہتا ہے اڑ کر جھپٹ لوں۔ ویسے مجھے "مقید خاک" کے اختر کا کردار بہت اچھا لگا تھا اور اپنی طرح بھی۔ یعنی ڈھیٹ' زیادہ بولنے والا اور زندہ دل۔

4۔

ہم تو وہ انا پرست ہیں جو ہار کے بھی کہتے ہیں وہ منزل ہی بدنصیب تھی جو ہمیں پا نہ سکی

خامیوں کی تو لائن لگتی ہے جبکہ خوبیاں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے ملیں گی۔ ویسے مل جائیں گی تھوڑی بہت۔ خامیاں:۔ ناخن کھاتی ہوں۔ فجر قضا کر دیتی ہوں جبکہ میری خالہ اقرا خانم اسپیشلی کہہ چکی ہیں۔ بھانجیوں! فجر کے لیے بھی اٹھا کرو۔ مقابلے بہت کرتی ہوں۔ اسکول میں لڑکیاں کہتی ہیں سڑیل' کھڑوس کیونکہ میں اتنی جلدی کسی سے فری نہیں ہوتی' ڈیڑھ سال ہو گیا ہے نئے اسکول میں لیکن مجھے ابھی تک صرف ور حمنہ احمد اور میمونہ اقبال اچھی لگی ہیں۔ کوئی اچھے سے بات کرے تو بہت اچھے سے کرتی ہوں کوئی بدتمیزی کرے تو' بس خیر نہیں ہوتی۔ تاثرات چھپانے ہرگز نہیں آتے۔ میرے منہ سے سب کچھ پتا چل جاتا ہے۔ باقی پھر کبھی سہی۔

خوبیاں: بالکل بھی جھوٹ نہیں بولتی ہوں۔ اپنے حق کے لیے آواز اٹھاتی ہوں۔ مجھے جو لوگ اچھے لگتے ہیں ان کے ساتھ بہت مخلص ہوں جیسا کہ میری امی' خالہ اقرا' گڑیا' بھائی اسامہ (وہ اصل میں بات یہ ہے کہ دونوں بہن بھائی ہم پیشہ ہیں) رمشا' شیبا' انیلا' حمنہ اور میمونہ ریاض۔ کپڑوں' جوتوں کا قطعاً شوق نہیں۔ ویسے جن بچوں کے نمبر زیادہ ہوتے ہیں وہ تو بہت اچھے لگتے ہیں۔ یاد آیا! میں چغل (بیوقوف) بھی ہوں۔ دل چاہتا ہے ہر انسان سے کچھ نہ کچھ سیکھوں۔ اب محنتی بھی بن گئی ہوں اگست میں رزلٹ آئے گا تو آپ سب کو نمبر بتاؤں گی ان شاء اللہ۔

5- بارش مجھے اچھی نہیں لگتی۔

6۔ پسندیدہ لطیفہ:

ٹیچر لڑکوں سے "وعدہ کرو زندگی میں کبھی شراب اور سگریٹ نہیں پیو گے"

لڑکے "وعدہ کیا سر! نہیں پئیں گے"

ٹیچر "لڑکیوں کا پیچھا نہیں کرو گے"

لڑکے "نہیں کریں گے سر! بالکل نہیں کریں گے"

ٹیچر "وعدہ کرو لڑکیوں کو نہ تو چھیڑو گے اور نہ آوازیں کسو گے"

لڑکے "وعدہ کیا سر!"

ٹیچر "آخر میں یہ کہ اپنی زندگی اس وطن پہ قربان کر دو گے"

لڑکے "کر دیں گے سر! بالکل کر دیں گے' ایسی زندگی کا اور کرنا بھی کیا ہے"

پسندیدہ شعر:

غریب شہر تو فاقے سے مر گیا عارف
امیر شہر نے ہیرے سے خودکشی کر لی

نایاب جیلانی کے "تورے پیا" سے ایک پسندیدہ ترین لائن۔

"خالی کر دینے والے ہمیشہ خالی رہتے ہیں۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

خواتین ڈائجسٹ

اگست 2017ء کے شمارے کی ایک جھلک

❁ "حالم" نمرہ احمد کا ناول،

❁ "حسن المآب" سائرہ رضا کا مکمل ناول،

❁ "وحشتِ جنوں" آمنہ ریاض کا مکمل ناول،

❁ "تیرا انتظار امرت" سارہ عرفان کا مکمل ناول،

❁ "فسانۂ زندگی" نعیمہ ناز کا مکمل ناول،

❁ اُم ایمان قاضی، بیشاء محسن علی اور انیلہ کرن علی کا ناولٹ،

❁ آسیہ رزاقی، سعیہ عمیر، شازیہ جمال طارق، شازیہ الطاف ہاشمی اور سدرۃ المنتہیٰ کے افسانے،

❁ ڈراما سیریل سنگ مرمر کی "درخانی بینش راجا" سے ملاقات،

❁ ڈائریکٹر، پروڈیوسر اور رائٹر "نوید جعفری" سے باتیں،

❁ "کرن کرن روشنی" احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،

❁ ہمارے نام، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، عدنان کے مشورے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا اگست 2017 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

http://paksociety.com

عہدِ وفا

ایمان پریشے کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا مُنفرد ناول، مُحبت کی داستان جو معاشرے کے رواجوں تلے دب گئی، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

بُجھ نہ جائے دِل دیا

سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، مُحبت، نفرت، عداوت کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

قفس کے پنچھی

سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، علم و عرفان پبلشرز لاہور کے تعاون سے جلد، کتابی شکل میں جلوہ افروز ہو رہا ہے۔

آن لائن پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

جہنم کے سوداگر

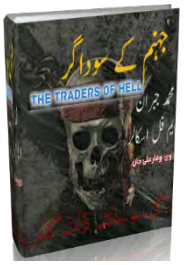

مُحمد جبران (ایم فِل) کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ایکشن ناول، پاکستان کی پہچان، دُنیا کی نمبر 1 ایجنسی آئی ایس آئی کے اسپیشل کمانڈو کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

شہیدِ وفا

مُسکان احزم کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ناول، پاک فوج سے مُحبت کی داستان، دہشت گردوں کی بُزدلانہ کاروائیاں، آرمی کے شب و روز کی داستان پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

آپ بھی لکھئے:

کیا آپ رائٹر ہیں؟؟؟۔ آپ اپنی تحاریر پاک سوسائٹی ویب سائٹ پر پبلش کروانا چاہتے ہیں؟؟؟

اگر آپکی تحریر ہمارے معیار پر پُورا اُتری تو ہم اُسکو عوام تک پہنچائیں گے۔ مزید تفصیل کے لئے یہاں کلک کریں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام، پاکستان کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی کتابوں کی ویب سائٹ، پاکستان کی ٹاپ 800 ویب سائٹس میں شُمار ہوتی ہے۔

Downloaded from Paksociety.com

آسمان کے ستارے

واصفہ سہیل

دُھن

مردان کے علاقے کٹلانگ سے تعلق رکھنے والا دیہاتی بچہ یکایک دنیائے کرکٹ کے آسمان پر ایک روشن ستارہ بن کر چمکنے نہیں بلکہ دمکنے لگا۔ یہ دیہاتی بچہ جس نے کلب کرکٹ سے آگے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ پہنچ پائے گا۔ ''فخر زمان'' ہے۔ جواب فخر پاکستان ہے۔ چیمپئنز ٹرافی میں اپنے پہلے ایک روزہ بین الاقوامی کیریئر کا آغاز کرنے والے فخر زمان نے فائنل میں 106 گیندوں پر 114 رنز بنا کر پاکستان کو فتح دلا دی اور بھارتی کھلاڑی ڈھول چاٹتے رہ گئے۔ (ویسے ڈھول تو اور بھی بہت سے لوگوں نے چاٹی تھی۔)

فخر زمان بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان پر کرکٹ کھیلنے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ (ہائیں... کیا پی سی بی نے...!) وجہ یہ تھی کہ میں سخت گیند سے بہت اچھے رنز بنانے والا کھلاڑی تھا اور بالرز کی خوب جم کر پٹائی کرتا تھا۔ اس لیے کوئی مجھے کھیلنے ہی نہیں دیتا تھا۔

فخر زمان کے بڑے بھائی آصف کہتے ہیں کہ ''ہم اکثر کرکٹ کھیلنے پر اس کی پٹائی کر دیا کرتے تھے۔ مگر اس نے کسی صورت کرکٹ نہیں چھوڑی اور آج اس کی یہی دھن رنگ لے آئی ہے۔'' (واہ دُھن ہو تو ایسی....)

ضرورت

اریبنا خان نے اپنا ہیر اسٹائل تبدیل کر لیا ہے۔ اریبنا نے اپنے لمبے اور خوب صورت بال کٹوا کر چھوٹے کروا لیے ہیں۔ (لوگ اس پر کافی باتیں بنا رہے ہیں۔ پر کیوں.... بھئی؟) اریبنا اس بارے میں کہتی ہیں کہ.... ''مجھے اپنے چھوٹے بال پسند ہیں۔ انہیں سنبھالنا آسان ہوتا ہے۔'' (اریبنا! آپ اتنی تو مصروف نہیں ہیں کہ بال بھی سنبھالنا مشکل ہو؟) لوگ کتنی باتیں بنائیں، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ (کرنا بھی نہیں چاہیے، لیکن عقل کی بات سننے میں کوئی حرج

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بھی نہیں۔) میری زندگی ہے۔ (زندگی تو سب کی اپنی اپنی ہوتی ہے لیکن....) میرا لباس میری پسند ہے۔

(پھنو جگ بھاتا) ایک تعلیم یافتہ (آہم) خود مختار بزنس وومن اور جہاں دیدہ خاتون (آہم.... آہم....؟) کی حیثیت سے مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں اپنی پسند کے بارے میں وضاحت کروں۔ (ضرورت ہے' ارمینا! دیکھنا تو عوام کو ہی ہوتا ہے۔) میں کیا بلکہ کسی کو بھی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔"

خواہش

بلال عباس خان کو آپ آج کل ڈراما سیریل رسم دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔ بلال اس سے پہلے مہتاب اکبر راشدی کی فیملی ـــــ فلم میں کام کر چکے ہیں۔ (دراصل یہ فلم مہتاب اکبر راشدی کی فیملی نے بنائی تھی' یعنی ہدایت کار' موسیقار' پروڈیوسر لور اداکار سب ان کی فیملی کے تھے تو....؟) بلال عباس خان کا اس بارے میں کہنا ہے کہ "فلم کی ناکامی پر افسوس ہے۔" (کیوں....؟) لیکن چار' پانچ سالوں میں ہمارے فلم سازوں کو فلم بنانی آجائے گی۔ (مطلب.... یعنی.... اچھا؟) انہوں نے مزید کہا کہ فی الحال وہ صرف ڈراموں میں کام کر رہے ہیں۔ (کیوں' کیا فلم نہیں ملی؟) مگر وقت آنے پر فلموں میں ضرور کام کریں گے۔ (مطلب فلمیں ملنے پر۔) کیونکہ ہر کوئی چاہتا ہے کہ وہ بھی بڑے پردے پر جگمگائے۔ (اور اگر فیوز ہو جائے تو....؟)

پریشانی

لیجئے جناب! میرا پھر خبروں میں۔ خبر ہے کہ میرا کے سسر (بھئی کیپٹن نوید پرویز کے ابا اور کون؟) راجا خالد پرویز نے میرا کے والد سے ملاقات کی ہے۔ راجا خالد پرویز اس بات پر سخت ناراض ہیں کہ میرا نے شادی کے حوالے سے میڈیا پر بیان دینا شروع کر دیا ہے۔ (ارے میرا کی دھمکیاں.... کام آگئیں کیا؟) اسی لیے وہ امریکہ سے پاکستان آئے ہیں۔ (ہیں.... اچھا....) راجا

خالد پرویز' میرا کو اپنی بہو مان چکے ہیں۔ (اچھا.... پر کب؟ اب....؟) یاد رہے کہ میرا اور کیپٹن نوید کی تین سال قبل امریکہ میں شادی ہو چکی ہے۔ اب راجا خالد پرویز اس بات کو لے کر پریشان ہیں کہ میرا کس سے شادی کر رہی ہے۔ (کہیں ان کے کسی حریف سے تو نہیں۔ جو وہ دوڑے بھاگے پاکستان آگئے۔)

کچھ ادھر کچھ ادھر سے

☆ میری سیاسی بصیرت کے مطابق میاں نواز شریف کسی بند کمرے یا بند گلی میں داخل نہیں ہوئے۔ اب بھی ان کے پاس کئی آپشنز موجود ہیں اور وہ سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت آگے بڑھ رہے ہیں۔ ساڑھے تین دہائیوں پر مشتمل میرا مشاہدہ گواہ ہے کہ میاں نواز شریف نہایت خوش قسمت انسان ہیں۔ وہ مقدر کے سکندر ہیں۔ مشرف کی پھانسی سے انہیں محض مقدر نے بچایا تھا۔

(صبح بخیر.... ڈاکٹر صفدر محمود)

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

دستک دستک دستک

شاہین رشید

شہ روز سبزواری

"کیا حال ہے برخوردار؟"

"جی اللہ کا شکر ہے۔"

"زندگی کیسی گزر رہی ہے؟"

"آپ سب کی دعاؤں سے بہت اچھی.... بہت اعلا۔"

"بیٹی اور بیگم سائرہ کیسی ہیں.... آپ زیادہ مصروف رہتے ہیں یا بیگم؟"

"جی.... وہ دونوں بھی ٹھیک ٹھاک ہیں اور ہم دونوں ہی اپنے اپنے کام کے لحاظ سے مصروف رہتے ہیں۔ اس پر ذمہ داریاں کچھ زیادہ ہیں۔ کیونکہ ماشاء اللہ ہماری بیٹی اپنی ماں کے زیادہ قریب ہے.... تو بس ڈبل مصروفیات ہیں اس کی۔"

"کبھی ایک ساتھ کام کرنے کا اتفاق ہوا آپ دونوں کو؟ اور ایک ساتھ کام کرنے کا تجربہ کیسا رہا؟"

"جی اتفاق بھی ہوا اور تجربہ اچھا بھی رہا.... سیریل کا نام "پشیمان" تھا جو کہ ماموں سلیم شیخ کی پروڈکشن میں تھا اور پسند کیا گیا تھا۔ ہم دونوں نے لیڈ رول کیا تھا۔"

"اور والد بہروز سبزواری کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق ہوا۔ ان کے ساتھ کام کرنا کیسا لگا؟"

"جی.... نیا "تنہائیاں" کیا تھا اور قبلہ (والد) کے بیٹے کا رول کیا تھا۔ بہت مزہ آیا تھا۔"

"ماشاء اللہ پوری فیملی شوبز سے وابستہ ہے تو کوئی نیا کام لیتے وقت خود فیصلہ کرتے ہیں یا سب سے مشورہ کرتے ہیں؟"

"سب سے تو خیر مشورہ نہیں لیتا.... البتہ اپنی بیگم سے ضرور مشورہ لیتا ہوں.... اس کے ساتھ پروجیکٹ کو ڈسکس بھی کرتا ہوں اور اپنے والد صاحب سے بھی ضرور مشورہ کرتا ہوں کیونکہ ان کے بغیر تو میرا کوئی کام مکمل ہی نہیں ہے اور میرے مشورے کے بعد پھر وہ یہ بھی ضرور کہتے ہیں کہ ہر کام بہت خود اعتماد کے ساتھ اور اپنے پر بھروسے کے ساتھ کیا کرو۔"

"اچھا یہ بتائیں کہ جب ساری فیملی ننھیال' ددھیال سب اکٹھے ہوتے ہیں تو موضوع گفتگو کیا ہوتا ہے؟"

"ہر طرح کے موضوعات پر گفتگو ہوتی ہے۔ کون کیا کر رہا ہے' کس کو مزید کیا کرنا چاہیے' کس کا ڈرامہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

مقبول ہوا ہے.... فیلڈ سے متعلق تو بات ہوتی ہے' مگر آج کل "سیاست" پہ ضرور بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔"

"اچھا... کون کس کی طرف ہوتا ہے؟"

"کوئی کسی کی طرف نہیں ہے بلکہ جنرلی گفتگو ہوتی ہے۔ کوئی کسی جماعت کو سپورٹ نہیں کرتا۔"

"کام میں بڑوں کی تنقید سے موڈ خراب تو نہیں ہوتا؟"

"ارے نہیں.... ہم آج جو کچھ ہیں' وہ اپنے بڑوں کی رہنمائی کی وجہ سے ہی ہیں اور ہماری تربیت اس انداز میں نہیں کی گئی کہ ہم بلاوجہ بڑوں کی بات سے اختلاف کریں۔ بلکہ ہم تو اپنے بڑوں کی بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں.... ہماری کامیابیاں ہمارے بڑوں کے دم سے ہی تو ہیں۔"

"شہ روز! آپ نے "لندن اکیڈمی فلم اینڈ میڈیا" سے اداکاری کی ڈگری حاصل کی۔ کتنی کام آرہی ہے... ؟جب کہ آپ کو اداکاری ورثے میں ملی ہے؟"

"بالکل آپ نے ٹھیک کہا کہ مجھے اداکاری ورثے میں ملی ہے۔ اس دنیا میں جب آنکھ کھولی تو والد اور ماموؤں کو اس فیلڈ میں کام کرتے دیکھا... تو ڈگری آپ کے اندر اداکاری کی صلاحیت تو نہیں ڈال سکتی' البتہ آپ کو اداکاری کے گُر ضرور سکھا سکتی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بتایا جاتا ہے' فلموں اور ڈراموں میں کون سی تیکنیک استعمال ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں سب کچھ بتایا جاتا ہے۔ دوران تعلیم فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ معروف ڈائریکٹرز کے انٹرویو دکھائے جاتے ہیں... ڈگری حاصل کرکے تو انسان بہت کچھ سیکھتا ہے یوں سمجھیں کہ ایک اداکار کو مزید پالش کردیا جاتا ہے۔"

"کچھ دیر پہلے سیاست پر بات ہو رہی تھی... آپ کا دل چاہتا ہے کہ سیاست میں آئیں؟"

ہنستے ہوئے۔ "ارے نہیں.... میں اداکار ہی ٹھیک ہوں۔ اللہ نے جس فیلڈ میں روزی روزگار باندھ دیا ہے' میں اس پہ خوش ہوں۔"

پیارے بچوں کے لئے

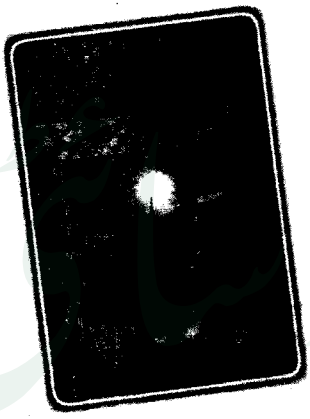

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ خود بھی پڑھنا چاہیں گے اور اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

قیمت -/250 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبۂ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"اچھا یہ بتائیں کہ "اداکار" بڑے اداکار ہوتے ہیں یا سیاست دان بڑے اداکار ہوتے ہیں؟"

ہنستے ہوئے۔ "ہم تو بہت چھوٹے اداکار ہیں۔ ہماری تو اداکاری کا دائرہ بھی بہت محدود ہوتا ہے۔ سیاست داں تو ماشاء اللہ بہت بڑے اداکار ہوتے ہیں۔ ان کا مقابلہ تو ان ہی کے فیلڈ کے لوگ کرسکتے ہیں۔ ان کا "پلیٹ فارم" بہت بڑا ہے۔"

"آپ کی ماشاء اللہ اپنی ایک پہچان ہے' مگر پھر بھی جب لوگ کہتے ہیں کہ یہ بہروز سبزواری کا بیٹا ہے تو کیسا لگتا ہے؟"

"میں کتنا ہی بڑا آرٹسٹ کیوں نہ بن جاؤں۔ میری پہچان میرے والد ہی رہیں گے اور مجھے فخر ہے اپنے والد پہ۔ اس لیے مجھے ہمیشہ یہی سننا اچھا لگے گا کہ یہ "بہروز سبزواری" کے بیٹے ہیں۔"

"آپ سید نور صاحب کی فلم میں کام کررہے ہیں جو کہ ابھی انڈر پروڈکشن ہے۔ سنا ہے آپ نے ان سے خود کام کرنے کی فرمائش کی تھی؟"

"جی سید نور صاحب مجھے بے حد پسند ہیں۔ میرے لیے بہت قابل احترام ہیں۔ میری یہ خواہش تھی کہ ان کے ساتھ کام کروں۔ چنانچہ جب ان کی کال آئی اور انہوں نے مجھے میرے رول کے بارے میں بتایا تو میں نے فوراً "ہامی بھرلی۔ فلم کا نام "چین آئے نہ" ہے میرا لیڈ رول ہے اور میرے ساتھ "مس پاکستان "یو ایس اے" 2015ء سارش خان کو لیڈ رول میں لیا ہے۔ باقی سینئرز میں ندیم بیگ' عتیقہ اوڈھو' مصطفیٰ قریشی اور بہروز سبزواری شامل ہیں اور ہاں "عادل مراد" صاحب بھی ہیں۔"

"آپ کا ارادہ ہے پروڈکشن یا ڈائریکشن میں آنے کا؟"

"فی الحال تو میرا سارا فوکس اداکاری کی طرف ہے۔ فیوچر کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ فیوچر میں پروڈکشن کی طرف آؤں۔"

"اب تک کیے گئے ڈراموں میں بہترین ڈراما کسے کہیں گے آپ؟ اور انڈر پروڈکشن کیا کیا ہے۔"

"اس فیلڈ میں ماشاء اللہ بہت کام ہورہا ہے۔ روز کوئی نہ کوئی آفر ضرور آتی ہے' مگر سب آفرز قابل قبول نہیں ہوتیں اور پھر میں ہر وقت اسکرین پہ رہنے کے بجائے سلیکٹو کاموں کو ترجیح دوں گا۔ میرے اسکرین پہ کم نظر آنے کی وجہ بھی یہی ہے۔ جو زیر تکمیل ہیں ان میں "زرد زمانوں کا سویرا" "تیری رضا" اور "بے گانگی" شامل ہے۔ سب میں میرے کردار بہت اچھے ہیں۔ اپنے ڈراموں میں مجھے "دیوانہ" بہت پسند ہے' ویسے مجھے اپنے سارے ہی سیریلز بہت پسند ہیں۔"

"چلیں جی۔ بہت شکریہ بات کرنے کا' بہت خوش رہو' ان شاء اللہ پھر بات کریں گے۔"

"ان شاء اللہ!"

غزالہ جاوید

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے آپ کتنے ہی عرصے کے بعد ملیں' ایسا لگے گا کہ جیسے کل ہی ملاقات ہوئی ہو۔ باتوں میں محبت خلوص' پیار' اپنائیت' دوری کا احساس ہونے ہی نہیں دیتے۔

"جی غزالہ! کیا حال ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"کہاں غائب ہیں؟"

"غائب کہاں ہوتا ہے۔ اسی فیلڈ میں ہیں' کام ہورہا ہے' اللہ کا شکر ہے۔"

"معین اختر" صاحب کی برسی تھی۔ آپ نے ان کے ساتھ بہت کام کیا۔ کیا ان کی فیملی سے ابھی بھی آپ کے تعلقات ہیں؟"

"بالکل ہیں۔ آج بھی جب میں معین اختر کے گھر جاتی ہوں تو اس کے بچے اسی پیار و محبت کے ساتھ بات کرتے ہیں جس طرح وہ اپنے والد کی زندگی میں کرتے تھے۔ معین اختر کے ساتھ میں نے بے شمار ڈراموں میں کام کیا۔ وہ ایک عظیم انسان اور عظیم فنکار تھے' لوگوں میں پیار بانٹنا ان کا مشن تھا۔ بہت کمی محسوس ہوتی ہے ان کی۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

"بہت سے چینلز کے آجانے سے بہت کام بھی ہو رہا ہے۔ آپ کچھ کہیں گی اس بارے میں؟"

"ہاں کام تو بہت ہو رہا ہے اور اچھا برا دونوں طرح کا ہو رہا ہے۔ ہمارے دور میں کام کم ہوتا تھا مگر بہت اچھا اور بہت محنت کے ساتھ ہوتا تھا۔۔۔ آج محنت کم اور کام زیادہ ہو رہا ہے۔"

"کتنے سال ہوگئے ہیں آپ کو اس فیلڈ میں؟"

"ماشاء اللہ سے تقریباً 20 ' 21 سال ہوگئے ہیں۔ 1996ء میں پہلی بار اقبال لطیف صاحب کی ڈائریکشن میں ڈرامہ سیریز "ایک رات ایک کہانی" کے ایک ڈرامے میں کام کیا تھا۔۔۔ بس اس کے بعد پھر آفرز آنا شروع ہوگئیں اور سلسلہ چل نکلا۔"

"اقبال لطیف صاحب نے ہی متعارف کرایا آپ کو؟"

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ انہوں نے ہی متعارف کرایا اور پہلا' دوسرا اور دیگر کئی ڈرامے میں نے ان کی پروڈکشن اور ڈائریکشن میں کیے۔ پھر میں نے اس فیلڈ میں گیپ دیا بلکہ تقریباً" چھوڑ ہی دیا۔"

"کیوں؟"

"مجھے کچھ خاص مزہ نہیں آرہا تھا۔ اس لیے چھوڑ دیا۔"

"مزہ کیوں نہیں آرہا تھا۔۔۔؟ شہرت کا تو نشہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ بے شک شہرت کا نشہ کچھ اور ہوتا ہے۔ مگر سچ پوچھو تو مجھے شوق ہی نہیں تھا کام کرنے کا۔"

"پھر واپسی کیسے ہوئی؟"

"اس کا سہرا بھی معین اختر کے سر ہی جاتا ہے۔ ان کا فون آیا کہ آپ تو اچھی پرفارمر ہیں' کام کیوں چھوڑ دیا۔ بس انہوں نے بہت زیادہ فورس کیا تو میں نے ہامی بھرلی۔ اور ان کے ساتھ میرا "سچ مچ" بہت مقبول ہوا۔"

"بچے اس فیلڈ میں کیوں نہیں آئے؟"

"میرے بچوں کو اس فیلڈ سے دلچسپی نہیں ہے۔ میری دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔۔۔ میری طرف سے تو

کوئی رکاوٹ نہیں تھی' مگر انہیں یہ فیلڈ پسند ہی نہیں ہے۔"

"شوہر کے بعد بچوں کی ساری ذمہ داری آپ پر آگئی۔ مشکل تو ہوتی ہوگی۔ آپ ایک خوش مزاج خاتون ہیں۔۔۔ مزاج میں بھی فرق آیا ہوگا۔"

"ظاہر ہے بچوں کی پرورش والدین کی ہی ذمہ داری ہوتی ہے۔ پھر اللہ نے یہ ذمہ داری مجھ پر ڈال دی اور میں نے تن تنہا اسے نبھایا۔۔۔ شکر' اللہ نے ہمت دی۔۔۔ اور ایسے حالات ہوں تو مزاج چڑچڑا تو ہو جاتا ہے۔۔۔ مگر یہ قدرتی بات ہے کہ مجھے غصہ بہت کم آتا ہے۔۔۔ کوئی بات ایکسٹریم پر پہنچ جائے تب غصہ آتا ہے ورنہ نہیں۔"

"آج کل جو نئے لوگ اس فیلڈ میں آرہے ہیں ان کے کام سے آپ مطمئن ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ جو بچے یہ سوچ کر آتے ہیں کہ ہم نے آہستہ آہستہ محنت کے ساتھ اپنا مقام بنانا ہے' وہ واقعی اچھا کام کر رہے ہیں اور جو بچے شارٹ کٹ ڈھونڈ رہے ہیں وہ پھر کام بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔"

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

چکن سینڈوچز

ضروری اشیاء :

مرغی کا گوشت (بون لیس)	آدھا کلو
(ابال کر باریک ریشے کرلیں)	
ادرک لہسن پیسٹ	1 کھانے کا چمچہ
آلو	2 عدد (ابلے ہوئے)
پیاز	1 عدد
(درمیانی باریک کٹی ہوئی)	
گاجر	1 عدد
(باریک کٹی ہوئی)	
لیموں کا رس	2 کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
انڈے	2 عدد (ابلے ہوئے)
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
ہرا دھنیا	آدھا گٹھی
(باریک کٹا ہوا)	
ہری مرچیں	2 عدد (باریک کٹی ہوئی)
مکھن	2 کھانے کے چمچے
بریڈ سلائسز	10-8 عدد
گھی	تلنے کے لیے

ترکیب :

ایک پیالے میں گوشت کے ریشے، ابلے ہوئے آلو اور انڈے ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کرلیں۔

اس کے بعد لہسن ادرک پیسٹ، لیموں کا رس، نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، پیاز، گاجر اور مکھن شامل کرلیں۔

بریڈ سلائس کو بیلن کی مدد سے بیل کر چپٹے اور ہموار کریں اور ہر ایک پر تیار شدہ آمیزہ اتنی مقدار میں رکھیں کہ دوسرا بریڈ سلائس رکھ کر دبا سکیں۔ کنارے سے سلائسز کو دبا دیں تاکہ آمیزہ باہر نہ گرے۔

ایک کڑاہی میں درمیانی آنچ پر گھی گرم کرکے سینڈوچز کو ہلکی آنچ پر ڈیپ فرائی کریں اور سنہرے ہونے پر نکال لیں۔

مزیدار چکن سینڈوچز تیار ہیں۔ چلی گارلک سوس کے ساتھ گرما گرم پیش کریں۔

چکن اچاری جل فریزی

ضروری اشیاء :

چکن (چھوٹی بوٹی)	آدھا کلو
پیاز	3 عدد
(باریک کاٹ لیں)	
نمک	حسب ذائقہ
ٹماٹر	3 عدد
(باریک کاٹ لیں)	
سرخ مرچ پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
شملہ مرچ	3 عدد
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	4 عدد
(باریک کاٹ لیں)	
گرم مسالا پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن ادرک پیسٹ	1 کھانے کا چمچہ
مسٹرڈ پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
سفید مرچ پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
سرکہ	2 کھانے کے چمچے
ووسٹر ساس	3 کھانے کے چمچے
ٹماٹو کیچپ	2 کھانے کے چمچے
تیل	آدھا کپ

ترکیب :

چکن ابال لیں۔ تیل گرم کرکے چکن، لہسن،

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

ادرک پیسٹ نمک' سرخ مرچ پاؤڈر' ہلدی پاؤڈر' گرم مسالا پاؤڈر' مسٹرڈ پاؤڈر' سفید مرچ پاؤڈر' سرکہ' ووسٹر ساس' ٹماٹو کیچپ ڈال کر فرائی کرلیں۔ آدھا کپ پانی ڈال کر پکائیں۔ آخر میں پیاز' ٹماٹر' شملہ مرچ' ہری مرچیں ڈال کر 2 منٹ دم پر رکھیں اور ڈش میں نکال کر چاول یا روٹی کے ساتھ پیش کریں۔

آلو انڈے کی بریانی

ضروری اشیاء :

انڈے	6عدد
آلو (چھوٹے)	آدھ پاؤ
چاول	1کلو
پیاز	3-2عدد
لہسن ادرک پیسٹ	1کھانے کا چمچہ
ہری مرچیں	6-4عدد
ٹماٹر (قتلے کاٹ لیں)	2عدد
دہی	3کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا (باریک کاٹ لیں)	آدھا گٹھی
لیموں (ٹکڑے کاٹ لیں)	1عدد
زرد رنگ	1کھانے کا چمچہ
دودھ	آدھا کپ
نمک	1کھانے کا چمچہ
بادیان کا پھول	1عدد
ثابت گرم مسالا	1کھانے کا چمچہ
بریانی مسالا	1پیکٹ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

انڈے ابال کر چھیل لیں۔ چاول میں نمک' بادیان کے پھول اور ثابت گرم مسالا ڈال کر 2 کنی چاول ابال کر رکھ لیں۔ دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز سنہری کرلیں۔ اس میں لہسن ادرک پیسٹ' ہری مرچیں اور بریانی مسالا ڈال کر بھون لیں اور آلو ڈال دیں۔ آلو ڈالنے کے کچھ دیر بعد ٹماٹر اور دہی شامل کردیں۔ جب دہی اور ٹماٹر کا پانی خشک ہوجائے تو بھون کر اتار لیں۔

ایک دیگچی میں پہلے چاول کی تہہ لگائیں اس پہ آلو کا سالن اور انڈے ڈالیں اس کے اوپر لیموں' ٹماٹر کے قتلے اور ہرا دھنیا چھڑک دیں۔ دوبارہ چاول کی تہہ لگا دیں۔ آخر میں دودھ میں زرد رنگ گھول کر اس پہ چھڑک دیں اور دم پر رکھ دیں۔ اچھی طرح مکس کرکے سرونگ ڈش میں نکال کر رائتے کے ساتھ گرم گرم انڈے آلو کی بریانی پیش کریں۔

میوہ بھری پوریاں

ضروری اشیاء :

میدہ	1کپ
دودھ	1کپ
سوجی	1کپ
تیل	حسب ضرورت

پوری میں بھرنے کے لیے :

بادام	20عدد
پستے	50گرام
ناریل (کدوکش کیا ہوا)	آدھا کپ
کشمش	آدھا کپ
چینی	1کپ

ترکیب :

1- ایک بڑے پیالے میں دودھ اور سوجی بھگو کر رکھ دیں۔ جب سوجی دودھ میں اچھی طرح بھیگ جائے تو میدہ چھان کر سوجی میں ملا دیں اور گھی ملاتے ہوئے سخت آٹا گوندھ لیں کچھ دیر فریج میں رکھ دیں۔

2- ایک برتن میں گھی ڈال کر پستے' بادام تل کر نکال لیں 10 منٹ بعد تلے ہوئے پستے' بادام میں ناریل اور کشمش میں ملا دیں۔ ساتھ چینی بھی شامل کردیں۔ میدہ جو گوندھ کر رکھا تھا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنالیں اور D شیپ کا سانچہ بازار میں آسانی سے مل جاتا ہے۔ پیڑے کو پھیلا کر ہلکا سا بیل لیں۔ سانچے میں روٹی رکھ دیں درمیان میں میوہ رکھ کر سانچے میں دبا کر شیپ دیں ایکسٹرا کنارے کاٹ لیں۔ بغیر سانچے کے بھی اندازے سے بنالیں۔

یہ غذائیت سے بھرپور ہے۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

امتہ الصبور

رستم ہند

اِدھر بہادر شاہ کا انتقال ہوا' اُدھر تخت کے دعوے داروں میں رسا کشی شروع ہوگئی۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کے خون کا پیاسا ہوگیا۔ شہزادوں کے درمیان جوتیوں میں دال بٹنے لگی۔ ایک شہزادہ جہاں دار شاہ تھا۔ تخت کے وارثوں میں اس کی حیثیت قوی تھی۔ جہاں دار شاہ کے مخالف نے ایک رات قلماق غلاموں کو بھیجا کہ وہ شہزادے کے خیمے میں جاکر اسے قتل کردیں۔ قلماق گشتی پہرے داروں کی نظر بچاکر جہاں دار کے خیمے تک پہنچ گئے۔ خیمے کا محافظ ان کے ہاتھوں ہلاک ہوگیا۔ شور ہونے پر حرم کی ایک خادمہ ریمان جاگ اٹھی۔ ریمان بہت دلیر عورت تھی۔ اس نے فوراً "حرم سے نکل کے حملہ آوروں پر حملہ کیا اور ایک حملہ آور کو قتل کردیا۔ باقی لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس نے بڑی بے جگری سے سب کا مقابلہ کیا۔ نتیجہ اس مہم کا یہ نکلا کہ ریمان زخمی ہوگئی۔ مگر حملہ آور بھاگ نکلے جہاں دار کی جان بچ گئی۔

وقت آنے پر جہاں دار تخت پر بیٹھا تو ریمان کو اس نے رستم ہند کا خطاب دیا۔

ملوک

غزنی کے سلطان سبکتگین کے دو بیٹے تھے' محمود اور اسماعیل۔ باپ کی موت کے بعد محمود اور اسماعیل کے درمیان سخت جنگ ہوئی۔ میدان محمود کے ہاتھ رہا۔ اس نے شکست خوردہ اسماعیل کو معاف کردیا۔ وہ دونوں ساتھ رہنے لگے۔ ایک دن محمود غزنوی نے باتوں باتوں میں اسماعیل سے پوچھا۔

"برادر! فرض کرو اگر جنگ میں ہمیں شکست

نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"محمود! اگر تم ہار جاتے تو میں تمہیں ایک قلعے میں نظر بند کردیتا۔ لیکن نظر بندی میں تمہیں زندگی کی ہر آسائش فراہم کرتا۔"

دوسرے دن محمود نے اسماعیل کو جرجان کے قلعے میں نظر بند کرکے اسے زندگی کی ہر آسائش فراہم کردی۔ آخر اسماعیل کا جنازہ اسی قلعے سے نکلا۔

جواب

محمود غزنوی خاصا بدصورت آدمی تھا۔ دنیا کے اس عظیم فاتح نے ایک دن آئینے میں اپنی شکل غور سے دیکھی۔ اسے بہت رنج ہوا' دوسرے روز اس نے اپنے وزیر سے کہا۔

"سنا تھا' بادشاہوں کا چہرہ دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں۔ لیکن ہمیں دیکھ کر لوگوں کو کوفت ہوتی ہوگی۔" وزیر نے کہا۔

"ظل الٰہی! آپ کی صورت دیکھنے والے چند ہیں۔ مگر آپ کی سیرت دیکھنے والے بے شمار۔ انسان کی سیرت اچھی ہو تو اس کی صورت پر کسی کی نظر نہیں جاتی۔"

دعا

محمود کا لشکر بلخ کے دروازے پر پڑا تھا اور صبح ترکستان سے مقابلہ تھا۔ محمود آدھی رات کو اٹھا اور غسل کے لیے گرم پانی منگوایا' مگر نہ ملا۔ اس رات برف باری ہو رہی تھی اور برفانی ہوا کے طوفان آرہے تھے' اس کے باوجود اس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور عبادت کرنے لگا۔ مصاحبوں نے کہا بھی کہ صبح معرکہ درپیش ہے آج کی رات آپ کو آرام کرنا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

چاہیے۔

محمود نے جواب دیا۔ ”میرا کام آج ہی کی رات کا ہے‘ کل کا کام تو خدا کا ہے‘ میرا نہیں۔“

چنانچہ صبح تک عبادت میں مصروف رہا‘ فجر ہوئی تو اٹھا‘ نماز پڑھی اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

”یا الٰہی! ہم دو فریقوں میں سے جو فریق تیرے بندوں کے حق میں بہتر ثابت ہوا سے فتح عنایت کر۔“

یہ دعا مانگ کر گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا لڑائی کے میدان میں آیا‘ اس روز اسے جو فتح حاصل ہوئی‘ وہ بہت عظیم الشان اور حیرت انگیز تھی۔

(فوزیہ اسلام شیخ۔۔۔ سیالکوٹ)

عروج و زوال

خلیفہ مہدی عباس کی بیوی خیزران ایک دن اپنے محل میں بیٹھی تھی کہ کنیز نے اطلاع دی کہ ڈیوڑھی پر ایک قبول صورت خاتون بازیابی کی اجازت چاہتی ہے۔

اجازت ملنے پر ایک معمولی لباس میں ملبوس خاتون اندر آئی اور نہایت شائستگی سے آداب بجا لائی۔ خیزران نے اسے دیکھا تو ناراض ہو کر بولی۔

”خدا تجھے غارت کرے‘ کیا تو مروان بن محمد کی بیٹی مزنہ نہیں‘ تیرے دور اقتدار میں ابراہیم محمد بن عباس کی لاش بے گور و کفن دو دن تک پڑی رہی‘ جب عباسی خاندان کی بڑی بوڑھیوں نے تجھ سے کہا تھا کہ اپنے ماں‘ باپ سے سفارش کر کے لاش دفنانے کی اجازت لے دے تو تو انہیں مارنے دوڑی تھی‘ اللہ تجھ سے ناراض ہو گیا اور اس نے اپنی رحمتیں تجھ سے چھین لیں تو فوراً میری نظر سے دور ہو جا۔“

یہ سن کر مزنہ زور سے ہنسی اور کہا۔

”ملکۂ عالم! جو میں نے گناہ کیا تھا اس کی سزا مجھے مل گئی۔ میرا قصر تباہ ہو گیا‘ میں ایک سوالی کی حیثیت سے آپ کے روبرو کھڑی ہوں‘ کیا آپ اس بات پر غور نہیں کرتیں کہ ویسا ہی غرور آپ کے دل و دماغ پہ ہے۔“

خیزران جیسے خواب غفلت سے بیدار ہو گئی‘ آگے بڑھ کر مزنہ کو محبت اور شفقت سے گلے لگا لیا۔

فوزیہ علی۔۔۔ خیرپور سندھ

ایک دن کی بادشاہت

مغل بادشاہ ہمایوں اور شیر خان کے درمیان جنگ ہوئی۔ شیر خان کو فتح ہوئی۔ اس نے ہمایوں کا پیچھا کیا۔ ہمایوں کو جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ راستے میں ایک دریا حائل تھا۔ دریا کا پل توڑ دیا گیا تھا۔ دشمن پیچھا کر رہا تھا۔ ہمایوں نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ گھوڑا اور سوار دونوں موجوں کے تھپیڑوں کی تاب نہ لا کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ ہمایوں زرہ بکتر پہنے ہوئے تھا۔ اس کے لیے تیرنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ڈوب جاتا‘ ایک سقہ ہمایوں کی مدد کو پہنچا۔ اس نے اپنی مشک میں ہوا بھری اور ڈوبتے ہوئے بادشاہ کو مشک پر بٹھا کر کنارے پر لے آیا۔

ہمایوں نے کنارے پر پہنچ کر سقے سے اس کا نام دریافت کیا۔

نے کہا۔ ”میرا نام نظام ہے۔“

ہمایوں نے کہا۔ ”میں بر سر اقتدار آیا تو تمہاری ایک خواہش پوری کروں گا۔“

کچھ عرصے بعد ہمایوں پھر بر سر اقتدار آیا تو نظام سقہ اس کے پاس پہنچا۔

ہمایوں نے اس کی خواہش پوچھی تو اس نے کہا۔ مجھے ایک دن کے لیے بادشاہ بنا دیں۔“

ہمایوں نے فوراً ”تخت سے نیچے اتر کر نظام کو تخت پر بٹھا دیا۔ نظام نے ایک دن کی بادشاہت کی۔ اس نے جو بھی حکم دیا اس کی تعمیل کی گئی۔ نظام سقہ نے ایک حکم یہ بھی دیا کہ سلطنت میں اس کے نام کا سکہ جاری کیا جائے۔ چنانچہ اس کے نام کا سکہ جاری کیا گیا۔ نظام سقہ کے اس حکم کی وجہ سے اس کا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔

اور جب وہ ایک دن کی بادشاہت کے مزے لوٹ کر واپس جانے لگا تو ہمایوں نے اسے نہایت قیمتی تحائف دیے۔

ندا یوسف۔۔۔ کراچی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Downloaded from Paksociety.com

بالوں کے مسائل اور ان کا حل

بے رونق۔ بے جان اور الجھے ہوئے بالوں کا مسئلہ آج کل ہر شخص کے لیے درد سر بنا ہوا ہے۔ کبھی کسی کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ اس کے بال بہت جلد چکنے یعنی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تیل لگا ہوا ہے اور چپکے ہوئے لگتے ہیں اور نہانے کے دوسرے دن ہی بالوں کو دھونے کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور یہیں یہاں غلطی کر جاتی ہیں کہ بالوں کو بہت زیادہ دھونے اور کیمیکل سے بھرپور شیمپو کا استعمال کرتی ہیں جو بالوں کو متاثر کرتا ہے۔

آپ کو خشک و روکھے بالوں کی خوب صورتی بحال کرنے کے لیے انڈے کی زردی سے مدد لینی پڑے گی۔ کیونکہ خشک بالوں کی مرمت اور اس کی بدرونقی پن کو دور کرنے کے لیے انڈے کی زردی نہایت بہترین معالج کا کام کرتی ہے۔

بالوں کو شیمپو کرنے سے پہلے ایک انڈے کو اچھی طرح پھینٹ لیں اور اس کو اپنے تمام بالوں میں اچھی طرح لگا لیں۔ انڈا لگانے کے بعد بالوں کو شاور کیپ یا کسی کپڑے سے ڈھانپ لیں۔ پھر 30 منٹ بعد نیم گرم پانی سے سر کو دھو کر اپنے بالوں کی ساخت کے مطابق شیمپو سے سر دھولیں۔

زیتون کا تیل بالوں کی صحت کے لیے بے حد مفید و اکسیر ہے اور اس کا باقاعدگی سے استعمال بالوں کو مضبوطی فراہم کرنے میں معاون مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اگر آپ اڑے اڑے اور کھردری ساخت کے حامل بالوں کی مالک ہیں تو زیتون کا تیل آپ کے بالوں کو ریشم کی مانند ملائم اور چمکدار بنا سکتا ہے۔

4 کھانے کے چمچے زیتون کا تیل لیں اور اسے ہلکا سا نیم گرم کرلیں۔ اس کے بعد اس تیل کو انگلیوں کے پوروں کی مدد سے بالوں کی جڑوں پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر مساج کریں اور تمام بالوں پر اچھی طرح لگالیں۔ ایک تولیہ گرم پانی میں بھگولیں اور نچوڑ کر سر پر لپیٹ لیں۔ 15 منٹ بعد بالوں کو معمول کے مطابق دھولیں۔ بالوں کی یہ گھریلو آئل ٹریٹمنٹ آپ کے بالوں کو ہموار و نرم کرنے میں بے حد کار آمد ثابت ہوگی۔ آپ مہینے میں تین سے چار دفعہ اپنے بالوں کو اس خصوصی ٹریٹمنٹ سے خوب صورتی بخشیں۔

بے جان اور روکھے بالوں میں نئی زندگی اور چمک ڈالنے کے لیے ثابت مونگ کی دال (جسے ہری دال بھی کہا جاتا ہے) ایک مٹھی یا آپ کے بالوں کے لیے جتنی درکار ہو بھگو کر گرائنڈر میں پیس لیں۔ پھر 2/1 کپ دہی میں گرائنڈ کی ہوئی دال شامل کرکے اچھی طرح مکس کرلیں اور اس آمیزے کو بالوں کی جڑوں سے سرے تک لگا کر سر کو ڈھانپ لیں۔ 35-30 منٹ تک لگا رہنے دیں اس کے بعد سادے پانی سے بالوں کو دھولیں۔ چند دن کے استعمال سے آپ بہترین نتائج حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گی۔

بالوں کے لیے چند کار آمد مشورے

☆ بالوں میں چمک و خوب صورتی اور لچک پیدا کرنے کے حوالے سے معیاری و اعلیٰ کوالٹی کا شیمپو استعمال کریں اور کوشش کریں کہ ایسا شیمپو خریدیں جس کے اجزاء میں انڈے کی خاصیت موجود ہو۔

☆ شیمپو کرنے کے بعد سیاہ سرکہ اور لیموں کے چند قطرے پانی میں ڈال کر مکس کرلیں اور اس پانی سے اپنے بالوں کو اچھی طرح دھولیں۔ آپ کے بال دمک اٹھیں گے۔

☆ ہفتے میں ایک دفعہ آدھا کپ ناریل تیل میں ثابت مونگ کی دال کا پاؤڈر مکس کرکے بالوں کی جڑوں اور بالوں پر 10 منٹ تک لگا کر چھوڑ دیں اور پھر معمول کے مطابق سر دھولیں۔

☆ ابلتے ہوئے پانی میں چائے کی پتی کے پتے ڈال کر چند سیکنڈ پکائیں اور چھان لیں۔ اس کے بعد اس میں 1 چمچہ لیموں کا رس ملائیں۔ بالوں کو شیمپو کرنے کے بعد اس مکسچر کو ٹھنڈا ہونے پر بالوں پر لگائیں اور 20-15 منٹ بعد دھولیں۔ اس سے آپ کے بال مضبوط ہوجائیں گے اور بالوں کا گھنا پن بھی کم ہوجائے گا۔

☆

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY